سفینۃ العباسؑ
فی
باب الحوائج

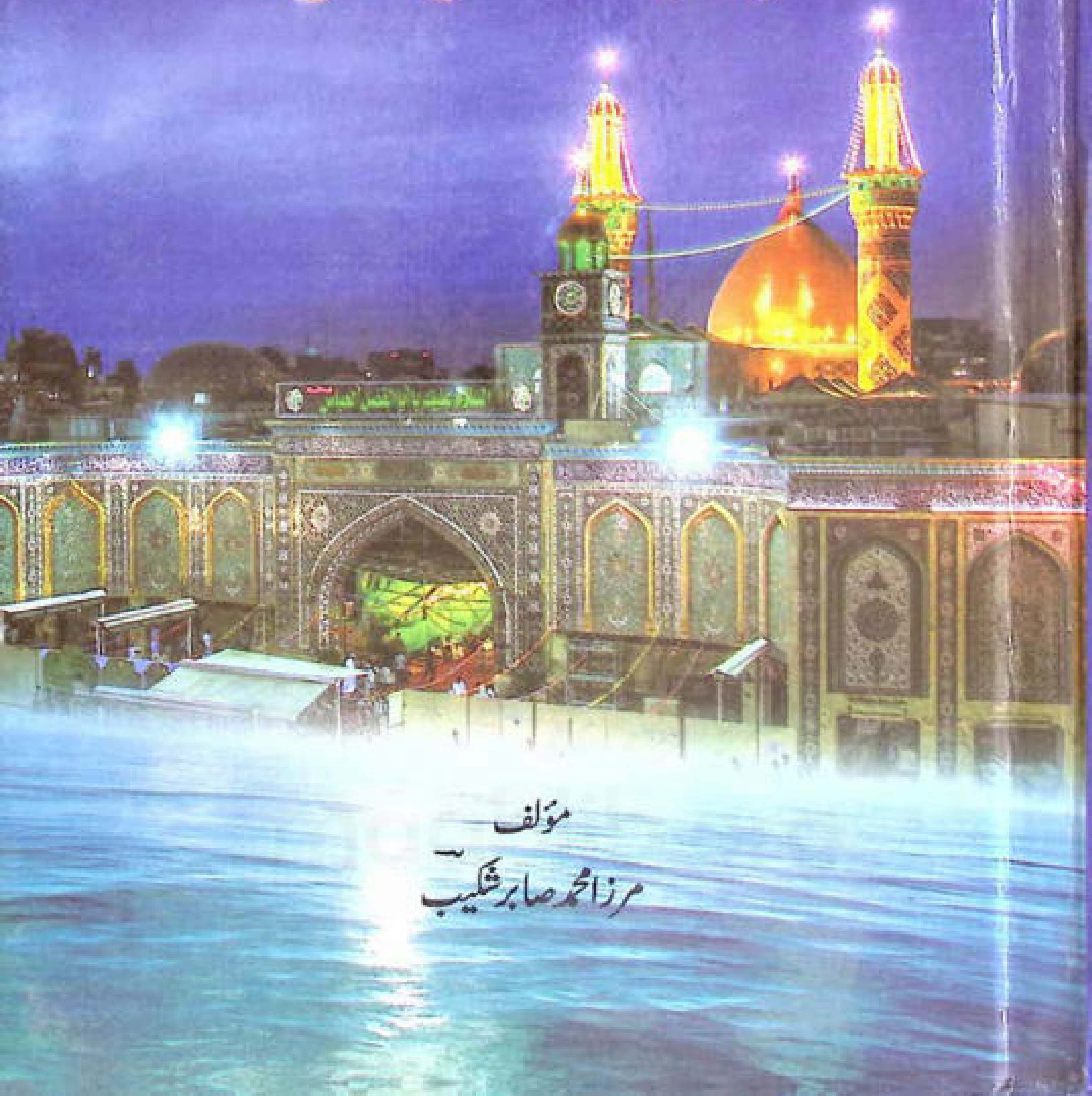

مؤلف
مرزا محمد صابر شکیب

سفینۃ العباسؑ
فی
باب الحوائج

مؤلف
مرزا محمد صابر شکیب

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	:	**سفینۃ العباس فی باب الحوائج**
مولف	:	مرزا محمد صابر شکیب
ناشر	:	جعفر پبلشنگ ہاؤس و احیاء تراث اسلامی، کراچی
سرورق	:	سید امتیاز عباس
سن طباعت	:	مئی ۲۰۱۸ء (شعبان المعظم ۱۴۳۹ ہجری)
تعداد اشاعت	:	۵۰۰
ہدیہ	:	500 روپے

ملنے کا پتہ

احمد بک سیلرز

718/20، فیڈرل بی ایریا، کراچی

فون: 021-36364924

باب الحوائج بک سینٹر

ہول سیلرز اینڈ اسٹاکسٹ

دکان نمبر ا، گلشن گارڈن، نزد امام خمینی لائبریری

سولجر بازار کراچی ۔ فون: 0333-2154378

انتساب

یہ کتاب میں نہایت عقیدت و انکساری سے دختر رسولؐ زوجہ باب مدینۃ العلم اور حسنین علیہم السلام کی والدہ گرامی قدر جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے حضور منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

احقر

مرزا محمد صابر شکیبؔ

فہرست

O	عرض ناشر	13
O	عرض مولف	14
	باب......۱	
O	تمنائے امیر المومنینؑ	16
O	جناب ام البنین کا خواب	19
O	ولادت باسعادت	20
O	جناب عباسؑ کی ولادت پر امیر المومنینؑ کی آمد	21
O	ولادت پر گریہ	23
O	جناب عباسؑ کا بچپن	26
O	پرورش	28
O	نام عباسؑ کی وجہ تسمیہ وخصائص	29
	باب......۲	
O	نسب نامہ جناب عباسؑ	31
O	جناب عدنان	32
O	جناب معد	32
O	جناب نزار	33
O	جناب مضر	33
O	جناب الیاس	34
O	جناب مدرکہ	34
O	جناب کنانہ	34
O	جناب نضر	35
O	جناب فہر	35
O	جناب کعب بن لوی	36

O	جناب قصی بن کعب	36
O	جناب عبد مناف	38
O	جناب ہاشم بن عبد مناف	39
O	جناب عبد المطلب	40
O	حضرت ابو طالبؑ	43
O	حضرت امیر المومنینؑ	46
O	حضرت حمزہؓ	50
O	جناب طالبؑ	51
O	جناب عقیلؓ	51
O	جناب فاطمہ بنت اسدؑ	52
O	حضرت جعفر طیارؑ	54
O	برادران وخواہران جناب عباسؑ	56
O	جناب عباسؑ کا نسب نامہ ماں کی طرف سے	58
O	جناب عباسؑ کی شادی	58
	باب......۳	
O	جناب عباسؑ کی کنیت	60
O	ابو الفضل	60
O	ابو القاسم	60
O	ابو لقربہ	60
O	حضرت عباسؑ کے القاب	60
O	قمر بنی ہاشم	61
O	باب الحوائج	62
O	العبد الصالح	63
O	صاحب ایثار و غمخوار	64
O	حامی وحامی	66

	باب......۴	
○	تاریخ علم	70
○	علمدار کے اوصاف	74
○	سالار لشکر	76
○	تاریخ سقایت	76
○	لشکر حر اور حضرت امام حسینؑ کی سقایت	84
○	حضرت بریر کی سقایت	85
○	حضرت عباسؑ کی سقایت	87
	باب......۵	
○	فضائل ومناقب جناب عباسؑ	90
○	مظہر صفات حسنہ	93
○	اخلاق	95
○	حضرت عباسؑ کی عبادت	96
○	حضرت عباسؑ کی سخاوت	97
○	جناب عباسؑ کا ایثار	98
○	شجاعت حضرت عباسؑ	100
○	وفائے عباسؑ	102
○	معرفت حضرت عباسؑ	104
○	علم وحکمت	106
○	فصاحت وبلاغت	109
○	صاحب عصمت وطہارت	112
○	جنگ صفین میں حضرت عباسؑ	113
○	جنگ صفین میں جناب عباسؑ کی مبارزت	114
○	جنگ صفین میں جناب عباسؑ کی پیاس	116
○	جنگ نہروان میں حضرت عباسؑ کی جرأت	117

O	شہادت امیر المومنینؑ اور حضرت عباسؑ	118
O	واقعہ کربلا کا پس منظر	119
	باب......٦	
O	دربار حاکم مدینہ اور جناب عباسؑ	125
O	حضرت امام حسینؑ روضہ رسولؐ پر	126
O	مدینہ سے روانگی کی آخری شب روضہ رسولؐ پر	127
O	مدینہ سے روانگی	130
O	انصار واقرباء کی سوگواری	133
O	آغاز سفر	134
	باب......۷	
O	حضرتؑ کی مکہ معظمہ تشریف آوری	136
O	قصد سفر عراق	137
O	مکہ مکرمہ سے عراق روانگی	139
O	حضرت حر راہ کوفہ میں	142
O	لشکر حر کو سیراب کرنا	142
	باب......۸	
O	حضرت امام حسینؑ کی کربلا آمد	144
O	خیموں کا نصب ہونا	146
O	مخدرات عصمت وطہارت کا گریہ	147
O	ایک شب کی مہلت	148
O	حضرت عباسؑ کا کنواں کھودنا	150
O	شب عاشور جناب عباسؑ کی وفاداری	153
O	حضرت زہیر بن قین کی حضرت عباسؑ سے گفتگو	156
O	شب عاشور جناب عباسؑ کا عزم	157
O	شب عاشور جناب عباسؑ، جناب علی اکبرؑ اور جناب قاسمؑ کی گفتگو	158

○	ابن سعد سے مذاکرات میں حضرت عباسؑ کی شرکت	158
○	جانثاران حسینؑ کی صف آرائی	159
○	امان نامہ	160
	باب......۹	
○	برادران حضرت عباسؑ کی شہادت	162
○	جناب عبداللہ بن علیؑ	164
○	جناب عثمان بن علیؑ	165
○	جناب جعفر بن علیؑ	166
○	برادران جناب عباسؑ کی تدفین	168
○	حضرت فضل بن عباسؑ	169
○	جناب قاسم ابن عباسؑ	170
○	جناب عبداللہ بن مسلم بن عقیل	171
○	جناب عون و محمد بن عبداللہ	173
○	جناب قاسم بن الحسینؑ	176
○	بیٹوں اور بھائیوں پر امام کو ترجیح	182
	باب......۱۰	
○	لشکر عمر سعد کی آمد پر جناب عباسؑ کو روانہ فرمانا	183
○	طلب اذن جہاد	184
○	خیمہ سے رخصت آخر	185
○	حضرت امام حسینؑ کا حضرت عباسؑ کو رخصت فرمانا	186
○	حضرت عباسؑ کی رجز خوانی	186
○	دریا کی طرف روانگی	187
○	دریا سے خیمہ گاہ کی طرف روانگی	188
○	حضرت امام حسینؑ کا جناب عباسؑ تک پہنچنا	191
○	حضرت عباسؑ کی وصیت	193

O	لاش جناب عباس علمدار خیمہ میں نہ لانے کی وجوہات	194
O	شہادت حضرت عباسؑ پر مخدرات عصمت وطہارت کا گریہ	195
	باب......۱۱	
O	شہدائے کربلا کے سروں کی کوفہ روانگی	197
O	دفن شہدائے کربلا	197
O	حضرت عباسؑ کی قبر مطہر	202
O	جناب عباسؑ کی قبر مطہر کی جسامت	202
O	مدفن سرہائے شہدا	204
O	حضرت عباسؑ کے غم میں حضرت امام حسینؑ کے اشعار	204
O	حضرت سکینہؑ کے مصائب	206
O	بعد شہادت سید الشہدؑا ایک شخص کا میدان کربلا سے گزر	207
O	زائرین اسیران کربلا	208
O	شعرائے عرب کی مرثیہ خوانی	213
O	دعبل خزاعی کا مرثیہ	214
O	مرثیہ ابن حماد	215
O	امام شافعی کا نوحہ	217
O	بوبصیری کا مرثیہ	217
O	عبداللہ ابن غالب اور ابو ہارون کے اشعار	218
O	حضرت امام حسینؑ پر پہلا مرثیہ	219
	باب......۱۲	
O	روضوں کی تعمیر وتزئین	220
O	روضہ جناب عباسؑ کے خدام	226
O	حضرت عباسؑ کا اسپ وفادار	228
O	حضرت عباسؑ اور حضرت جعفر طیارؑ	229
O	مصائب جناب ام البنینؑ	231

○	جناب اُم البنینؑ کا مرثیہ	232
○	حضرت عباسؑ کے پوتے فضل بن محمد کا مرثیہ	233
○	خواب میں مصائب کی تاکید	234
○	جناب عبیداللہ بن عباسؑ کو دیکھ کر جناب زین العابدینؑ کا گریہ	235
○	مجاہد اسلام اور حضرت عباسؑ	236
○	حضرت عباسؑ کے امتیازات	239
○	شہدائے کربلا کے مراتب	253
○	شہادت حسینؑ کے اثرات	266
○	زمین کربلا کی فضیلت	269
○	پانی پلانے کا اجر وثواب	272
○	نذر جناب عباسؑ	275
○	روز محشر جناب فاطمہؑ کا تشریف لانا	276
○	معجزات جناب عباسؑ	278
○	اپاہج کا شفاء یاب ہونا	278
○	توہین حرم پر پاؤں کی انگلی کا کٹ جانا	279
○	بدعقیدگی سے نجات	279
○	بیماری سے نجات	287
○	روضہ عباسؑ پر شفاء یابی	281
○	دوران ماتم شفاء یابی	283
○	دلی مراد کا برآنا	284
○	جناب عباسؑ زیارت کا شرف	284
○	کٹے ہوئے ہاتھ اور زبان کا جڑنا	285
○	طلائی طوق کا قندیل سے پیوست ہونا	286
○	لاعلاج مریض کا شفاء یاب ہونا	297
○	جناب قیصر بارہوی کا بستہ دستیاب ہونا	288

O	بچے کا ماں کی بے گناہی کی شہادت دینا	289
O	تاجر کے بیٹے کا شفا یاب ہونا	289
O	زبان کا صحت یاب ہونا	290
O	نظیر اکبر آبادی کا معجزہ قلمبند کرنا	291
O	علم کی برکت سے شفاء پانا	292
O	علم سے پانی کی بوندوں کا ظاہر ہونا	293
O	علم مبارک کے پنجے کا سرخ ہونا	294
O	لشکر عثمانیہ کا درہم برہم ہونا	294
O	جھوٹی قسم اور عہد شکنی کا انجام	295
O	جہاز کا طوفان سے باہر آنا	296
O	ٹرین سے بچے کا گرنا	296
O	ایک لڑکی کا کبھی دوا استعمال نہ کرنا	297
O	درود کی برکت	297
O	معذور مومنہ کا شفاء پانا	298
O	حضرت امام زین العابدینؑ کا دست شفاء	298
O	رسولی کا ختم ہونا	299
O	تین دعاؤں کا مستجاب ہونا	300
O	حسب ضرورت رقم کا مہیا ہونا	302
	باب......۱۳	
O	جناب عباسؑ صاحبان عصمت وطہارت کی نظر میں	304
O	جناب عباسؑ جناب رسالت مآبؐ کی نظر میں	304
O	جناب عباسؑ حضرت امیر المومنینؑ کی نظر میں	304
O	جناب عباسؑ جناب فاطمہؑ کی نظر میں	306
O	حضرت عباسؑ حضرت امام حسنؑ کی نظر میں	306
O	حضرت عباسؑ حضرت امام حسین کی نظر میں	307

○	حضرت عباسؑ حضرت امام زین العابدینؑ کی نظر میں	308
○	حضرت عباسؑ حضرت امام محمد باقرؑ کی نظر میں	310
○	حضرت عباسؑ حضرت امام جعفر صادقؑ کی نظر میں	311
○	حضرت عباسؑ حضرت امام علی نقیؑ کی نظر میں	312
○	حضرت عباسؑ حضرت امام زمانہؑ کی نظر میں	313
○	حضرت عباس حضرت زینبؑ کی نظر میں	315
○	حضرت عباسؑ حضرت اُم البنینؑ کی نظر میں	317
	باب......۱۴	
○	قاتلان حضرت امام حسینؑ کا انجام	.319
○	تبرکات لوٹنے والوں کا انجام	331
○	مرگ یزید	332
○	حضرت عباس علمدارؑ کے بھائی	332
○	خواہران جناب ابوالفضل العباسؑ	334
○	حضرت عباسؑ کی اولاد و نسل	335
○	اصول زیارت جناب عباسؑ	341
○	زیارت قبر مطہر جناب عباس علمدارؑ	344
○	زیارت حضرت عباس علمدارؑ	347

عرض ناشر

جناب عباس علمدار علیہ السلام کے فضائل و مناقب کی کوئی حد نہیں۔ آپ کا نسب نامہ نہایت طیب و طاہر ہے۔ آپ مظہر صفات حسنہ کے پیکر ہیں۔ آپ کے اسم گرامی کے ساتھ لفظ وفا وابستہ ہے، اسی لیے آپ کو عباسؑ باوفا کہتے ہیں۔ آپ نے ساری زندگی اطاعت حضرت امام حسینؑ میں بسر کی اور راہ وفا میں سب کچھ قربان کر دیا۔ آپؑ کا شمار شجاعان عالم میں بے مثل ہے۔ تین دن کی بھوک و پیاس کے عالم میں جب آپؑ نے دریا کی طرف رخ کیا تو اعدا نے ہجوم کیا تو آپؑ نے نیزے سے جو قریب آیا اسے واصل جہنم کیا۔ یہاں تک کہ فوجوں کی آہنی دیوار توڑتے ہوئے علیؑ کے شیر نے گھاٹ تک رسائی حاصل کی۔

جناب عباس علیہ السلام کی ذات مقتدر جملہ صفات حسنہ سے مزین و معمور ہے۔ موجودہ دور میں اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ اس موضوع پر ایک مستند کتاب تحریر کی جائے، اس بات کو محسوس کرتے ہوئے جعفر پبلشنگ ہاؤس و ادارہ احیاءِ تراثِ اسلامی نے ''سفینۃ العباسؑ فی باب الحوائج'' کی اشاعت کا عزم کیا جو بفیض محمدؐ و آل محمدؐ پایہ تکمیل تک پہنچا۔ اس کتاب کے چودہ ابواب ہیں جس میں مستند روایات کے حوالے تحریر ہیں۔

اس کتاب کے مولف مرزا محمد صابر شکیبؔ ہیں جن کا تعلق ایک علمی گھرانے سے ہے۔ مولف نے اس کتاب میں نہایت عرق ریزی سے نہایت مستند کتب کے حوالہ جات تحریر کیے ہیں، جس کی بناء پر ''سفینۃ العباسؑ فی باب الحوائج'' کو ایک جامع کتاب قرار دیا جاسکتا ہے۔

شہنشاہ علی جعفری (ایڈووکیٹ)
ناظم اعلیٰ جعفر پبلشنگ ہاؤس
و
ادارہ احیاءِ تراثِ اسلامی، کراچی، پاکستان

عرض مولف

بفیضِ محمدؐ وآل محمدؐ "سفینۃ العباسؑ فی باب الحوائج" کی تالیف عمل میں آئی۔ اس کتاب کے چودہ ابواب ہیں جو صاحبان علم وفضل چہاردہ معصومین علیہم السلام سے موسوم ہیں۔ جناب عباس علیہ السلام نے کربلا میں جو حق وفا ادا فرمایا اس کی نظیر تاریخ بشریت میں نہیں ملتی۔ آپ کی قربانی کے اثرات اس قدر دور رس ہیں کہ قیامت تک صاحبانِ مودت کے دلوں پر نقش رہیں گے۔ زمین کربلا پر ایام عزا میں کروڑوں کی تعداد میں زائرین کی آمد اور دریائے فرات سے اٹھنے والی لہریں جو آج بھی نوحہ کناں ہیں، ہمیشہ جناب عباس علیہم السلام کی وفا اور واقعہ حق وباطل پر گواہ رہیں گی۔

اس کتاب میں جناب عباسؑ کے فضائل ومناقب اور مصائب مستند حوالہ جات کے ساتھ تفصیل سے مرقوم ہیں۔ مزید براں یہ کتاب تبصراتی طرز تحریر کے بجائے تاریخی حقائق کی روشنی میں مرتب کی ہے۔ تاکہ قارئین کرام زیادہ سے زیادہ مستفیض ہوں۔ اس کتاب کی اشاعت کا مقصد عوام الناس تک زیادہ سے زیادہ مستند روایات پہنچانا ہے تاکہ حقیقت شناس مردان حق روحانی فیض حاصل کرسکیں۔

یہ کاوش ثمر ہے مرحومہ والدہ ماجدہ اور بزرگوں کی دعاؤں کا خصوصاً میرے دادا قبلہ و کعبہ فخر الواعظین ملا مرزا محمد طاہر مرحوم، والد قبلہ مولانا مرزا محمد جعفر مرحوم، بڑے چچا خطیب اکبر قبلہ پروفیسر مولانا مرزا محمد اطہر مرحوم اور میرے استاد شفیق چچا قبلہ پروفیسر مولانا مرزا محمد اشفاق شوق لکھنوی کی دعائیں شامل حال ہیں۔

مزید براں قبلہ محسن صاحب مرحوم اعلی اللہ مقامہٗ مفسر قرآن قبلہ ڈاکٹر محمد حسن رضوی اور مولانا قبلہ شفا علی صاحب سے اکتساب علم کا شرف حاصل رہا۔ برادر شفیق مرزا محمد ہادی کی حوصلہ افزائی کا تہہ دل سے مشکور ہوں۔ پروردگار عالم میرے بھتیجے مرزا محمد علی سلمہٗ کو سلامت رکھے

جن کی خواہش روحانی کے پیش نظر میں نے یہ کتاب تالیف کی۔ میرے بھتیجے شاگردِ خاص ذاکر حسین ڈاکٹر مرزا محمد ہاشم نے کتب کی فراہمی کے فرائض انجام دیے۔ پروردگار عالم ان کی صلاحیتوں میں اضافہ فرمائے، طباعت کے مراحل میں میرے ہم مکتب محترم و مکرم شہنشاہ علی جعفری اور محترم اعجاز مختار و راحت سلمہٗ کا دل کی گہرائیوں سے مشکور ہوں، پروردگار عالم بفیض محمدؐ و آل محمدؑ ان جملہ حضرات کو شرف اعلیٰ عطا فرمائے۔

احقر

مرزا محمد صابر شکیب

باب:ا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے پاک نام سے جو نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے

تمنائے امیر المومنینؑ

عمدۃ المطالب فی نسب آل ابی طالبؑ میں سید داؤدی نے لکھا ہے کہ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت عقیل سے جو قبائل عرب کے بڑے تاریخ داں اور نسّاب تھے، فرمایا کہ میں ایک ایسی خاتون سے نکاح کرنا چاہتا ہوں جو عرب کے بہت بڑے شجاع خاندان سے ہو اور اس سے شہسوار بیٹا پیدا ہو۔ دمعہ ساکبہ، عمدۃ المطالب اور ناسخ کی روایت کے مطابق حضرت امیر المومنین نے اپنے بھائی جناب عقیل سے فرمایا۔ اے برادر عزیز میں واقعہ کربلا سے آگاہ ہوں، میرا دل بے چین ہے، میں چاہتا ہوں کہ آپ عرب کی کسی ایسی خاتون کو تلاش کریں جس کا تعلق شجاع نسل سے ہو تاکہ میں اس سے عقد کروں اور اس کے بطن سے ایسا بہادر فرزند پیدا ہو جو کارزار کربلا میں میرے حسینؑ کی حد کمال تک مدد کرے۔ جناب عقیل نے کہا۔ ام البنین دختر احزام بن خالد کلابیہ سے نکاح فرمایئے۔ عرب میں کوئی اس بی بی کے آباؤ اجداد سے بڑھ کر شجاع اور مرد میداں نہیں ہے۔ اسرار الشہادۃ کے مطابق حضرت امیر المومنینؑ نے جناب عقیل سے فرمایا تھا۔ اے برادر مجھے واقعات کربلا سے مکمل آگاہی ہے اور میں اس امر سے باخبر ہوں کہ میرا فرزند حسینؑ تین دن کی بھوک و پیاس میں میدانِ کربلا میں شہید کیا جائے گا۔ لہٰذا میری خواہش ہے کہ کسی ایسی خاتون سے عقد کروں جس کی رگوں میں بہادروں کا خون گردش کرتا ہوں تاکہ اس سے جو اولاد پیدا ہو وہ میدان کربلا میں حسینؑ کے کام آئے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب ماہرین نسب کو بہت قدر کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور بوقت ضرورت ان سے رجوع کیا جاتا تھا۔ جناب عقیل بن ابی طالبؑ اپنی خاندانی عظمت و بزرگی کے ساتھ نسب شناسی میں اعلیٰ شرف رکھتے تھے اور عرب کے قبائل کے حسب و نسب اور ان کے اخلاق اطوار اور معاشرتی طرز زندگی سے باخبر تھے، اسی لیے معاشی و معاشرتی تعلقات خصوصاً رشتہ ازدواج کے سلسلے میں خصوصی طور پر آپ سے رجوع کیا جاتا

تھا۔ مورخ صفدی کا بیان ہے۔ ''حضرت عقیل کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جن کی نظر انتخاب نسب کے بارے میں معتبر اور حرف آخر سمجھی جاتی تھی۔ آپ کا یہ طریقہ تھا کہ مسجد نبویؐ میں جس چٹائی پر نماز ادا کرتے تھے اسی پر تشریف رکھتے اور لوگ آپ سے انساب، تاریخ اور اہل عرب کے حالات سے متعلق سوالات کرتے تھے، جن کا آپ جواب دیتے۔ (یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ صاحب منبر سلونی تھے۔ آپؑ کے لیے حجابات قدرت اٹھے ہوئے تھے۔ اس کے باوجود جناب عقیل سے مشورہ کا مقصد یہ تھا کہ جناب عقیل پیغام رسانی کے فرائض انجام دیں اور امت پر مشورہ کی اہمیت واضح فرمائیں۔ آپؑ نے تو بستر رسولؐ پر شب ہجرت اپنی جان بیچ کر رضائے الٰہی خرید لی۔ آپؑ فرماتے ہیں۔ "مَوْضِعُ سِرِّہٖ وَلَجَأُ اَمْرِہٖ" ''(آل رسولؐ) رسولؐ کے رازدار اور رسولؐ کے امر کی جائے پناہ ہیں۔'' وہ جناب رسول اکرمؐ جو اپنی مرضی سے بولتے نہیں جیسا کہ پروردگار عالم کا ارشاد ہے۔ "وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی o اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی o (سورہ نجم ۴،۳، آیت) ''رسول خداؐ اپنی نفسانی خواہش سے کچھ نہیں بولتے یہ تو بس وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے۔ (یعنی کلام خدا ہے۔)'' لہٰذا جو جناب رسول اکرمؐ کے رازدار اور آپؐ کے امر کی جائے پناہ ہوں، ان کی نظروں سے کوئی بات پوشیدہ نہیں اور آل عمران کے آیت ٦١ کے الفاظ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ کے تحت آپؑ کا نفس رسولؐ ہونا ثابت ہے، ان کی بصیرت علم کو سمجھنا انسان کے بس کی بات نہیں۔

عمدۃ المطالب اور تنقیح المقال میں مرقوم ہے کہ جناب عقیل نے حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت میں عرض کیا۔ ''بہتر ہے کہ آپؑ بنی کلاب میں حزام کی صاحبزادی ام البنینؑ سے عقد فرمائیں کیونکہ ان کے آباء و اجداد سے زیادہ دلیر و شجاع میری نظر میں کوئی نہیں ہے اور بالحاظ نسب بھی یہ خاندان عرب میں صاحب شرف و ممتاز ہے۔ مزید براں حضرت عقیل نے جناب ام البنینؑ کے خاندان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔'' اے بھائی علیؑ حضرت ام البنینؑ ہی کے خاندان سے ابو لبراہی تھے جن کو ان کی شجاعت کے باعث نیزوں سے کھیلنے والا کہا جاتا تھا۔ حضرت عقیل نے کہا کہ اگر آپؑ اجازت مرحمت فرمائیں تو میں خواستگاری کی درخواست کروں۔

حضرت امیر المومنینؑ نے اس امر کی بجا آوری کے لیے جناب عقیل کو قبیلہ کلاب کی طرف روانہ فرمایا۔ جب آپ خانہ حزام میں تشریف لائے تو آپ کو صدر مجلس میں جگہ دی گئی۔ رسمی گفتگو کے بعد جناب عقیل نے رشتہ کی بات کی تو حزام نے دریافت کیا، آپ میری لخت جگر کا رشتہ کس کے حق میں چاہتے ہیں تو آپ نے بتایا، برادر محترم حضرت محمد مصطفٰیؐ، خطیب منبر سلونی حضرت علیؑ کے لیے خواستگاری کے لیے آیا ہوں۔ یہ پیغام خواستگاری سے حزام بہت مسرور ہوئے اور داخل خانہ ہوئے اور جناب ام البنین سے کہا۔ اے دختر نیک اختر

عقیل بن ابی طالب تشریف لائے ہیں اور علی بن ابی طالبؑ تمہارے خواستگار و طالب ہیں۔ یہ سن کر جناب ام البنین نے کہا بابا جان اس امر میں آپ کو اختیار ہے لیکن آپ کی خدمت عالی ذی جاہ میں یہ عرض کرتی ہوں کہ میرے دل میں یہ آرزو تھی کہ میرا شوہر بے مثل و بے نظیر اور یکتائے زمانہ ہو، خوشا نصیب کہ دلی مراد بر آنے کے اسباب و آثار پیدا ہو گئے ہیں۔ میں راضی ہوں اب اختیار آپ کو ہے۔ اس گفتگو کے بعد جناب حزام حضرت عقیل کے پاس تشریف لائے تو جناب عقیل نے دریافت کیا۔ آپ کی کیا رضا ہے۔ جناب حزام نے عرض کی! آپ کے قربان کہنا کیا ہے۔ حضرت علیؑ سے رشتہ قائم کرنا عین سعادت ہے۔ یہ میری خوش قسمتی کا باعث ہے۔ آپ جب دن تاریخ مناسب سمجھیں میری نور نظر کو علیؑ کی خدمت گزاری کے لیے لے جائیں۔ جناب عقیل دن اور تاریخ طے کر کے حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورت حال سے آگاہ کیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے اس امر پر خوشی کا اظہار فرمایا اور حضرت ام البنین کو آپ کی زوجیت میں آنے کا شرف حاصل ہوا۔ علامہ قزوینی ریاض القدس میں تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت ام البنین جب حضرت امیر المومنینؑ کے گھر میں داخل ہوئیں تو دہلیز کو بوسہ دیا اور حجرہ میں داخل ہو کر سب سے پہلے حضرت امام حسنؑ و حسینؑ کو جو اس وقت بیمار تھے، اٹھا کر بٹھایا اور حسنین علیہم السلام کے گرد تین بار فدا ہوئیں۔ دونوں شہزادوں کے لب ہائے مبارک اور پیشانی کو بوسہ دیا، زلفوں کو سنوارا پھر آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور عرض کی! اے میرے آقازادوں مجھے اپنی کنیزی میں قبول فرمائیں۔ میں تم پر نثار، میں تمہاری خدمت گزاری کی غرض سے حاضر ہوئی ہوں، لباس دھوؤں گی اور دل و جان سے خدمت انجام دوں گی، مجھے اپنی خدمت گزاری کے لیے قبول کریں۔ جناب ام البنین نے فرمایا۔ مجھے ساری دنیا کی عورتوں پر فخر ہے کہ میں کنیز حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا اور تاجدار عالم کی زوجہ ہوں۔

مناقب ابن شہر آشوب کے مطابق حضرت ابوطالبؑ کی زوجہ مقدسہ جناب فاطمہ بنت اسد کی دعا مستجاب ہوئی تو حضرت علیؑ کی ولادت باسعادت خانہ کعبہ میں ہوئی، بالکل اسی طرح مولائے کائنات حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی دعاؤں اور مرادوں کا مجموعہ حضرت ابوالفضل العباس علمدارؑ ہیں۔ ناسخ التواریخ کے مطابق جناب ام البنین کو اللہ نے چار بیٹوں سے نوازا، یہ چاروں بھائی اکبر کے نام سے معروف تھے۔ کیونکہ اولاد حضرت علیؑ میں جناب حسنین علیہم السلام اور جناب محمد حنفیہ کے علاوہ دیگر تمام بھائیوں سے یہی چاروں بڑے تھے۔ یہ چاروں بھائی عالم عرب کے مشہور و معروف شجاع تھے جو میدان کربلا میں زہراؑ کے لعل پر حق رفاقت ادا کرتے ہوئے قربان ہو گئے۔

جناب ام البنین کا خواب

جب جناب عقیل حضرت علی علیہ السلام کی رضا سے جناب حزام والد گرامی جناب ام البنین کے گھر تشریف لائے اور رشتہ کی خواستگاری کی بابت گفتگو فرمائی تو جناب حزام نے نہایت خوشی کا اظہار کیا اور کہا ہم اس عزت افزائی پر فخر محسوس کرتے ہیں اور جناب عقیل سے رسمی گفتگو کے بعد جب داخل خانہ ہوئے تو اپنی صاحبزادی ام البنین کو دیکھا کہ وہ اپنی والدہ گرامی کے سامنے بیٹھی ہیں اور ماں نہایت شفقت سے بالوں میں کنگھی کر رہی ہیں۔ اسی دوران جناب ام البنین نے کہا مادر گرامی میں نے ایک خواب دیکھا ہے، مجھے اجازت ہو تو میں اپنا یہ خواب آپ سے بیان کروں۔ ماں نے نہایت تجسس کے عالم میں کہا۔ بیٹی خدا بہتر کریگا جو خواب دیکھا ہے بیان کرو۔ جناب ام البنین نے کہا۔ والدہ گرامی میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بہت خوبصورت باغ ہے جہاں میں بیٹھی ہوں اس باغ میں پھل دار درخت تھے اور نہریں جاری تھیں۔ مادر گرامی! یہ چاندنی رات تھی۔ چاند کی روشنی سے باغ کا نہایت حسین و دل کش نظارہ تھا۔ خوشبو مہک رہی تھی، میں یہ حسین منظر دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت کے بارے میں سوچ رہی تھی جو ارض و سما کا خالق اور شمس و قمر کا مالک ہے۔ میں نے دیکھا کہ چاند آسمان سے ملا ہوا تھا اور زمین کی مثل محسوس ہوتا تھا۔ اس میں پہاڑ تھے اور شیریں چشمے رواں تھے اور چاند ایسی روشنی نچھاور کر رہا تھا کہ جسے دیکھ کر آنکھیں چکا چوند ہو رہی تھیں۔ میں یہ منظر دیکھ کر حیران تھی لیکن اس وقت میرے تعجب کی انتہا نہ رہی جب میں نے تین ستاروں کو دیکھا کہ وہ آسمان سے ٹوٹ کر میری گود میں آ گئے۔ یہ ستارے نہایت نورانی تھے، جن سے روشنی ساطع ہو رہی تھی۔

میں اس منظر کے دیکھنے میں محو تھی کہ غیب سے آواز آئی! اے ام البنین! تمہارے لیے یہ خبر اور بشارت ہے کہ دائمی سعادت و سرفرازی تمہارا مقدر بننے والی ہے۔ یہ تین ستارے تمہارے مقدر اور چمکتا چاند تمہارا نصیب ہے اور ان کے والد گرامی سید و سردار ہیں جو جناب رسول اللہؐ کے بعد تمام مخلوق میں معتبر ہیں۔ مادر گرامی! جب میں نے یہ ندا سنی تو نیند سے بیدار ہو کر گھبرا گئی۔ اے مادر گرامی! اس خواب کی تاویل و تعبیر کیا ہے؟ ماں نے اس خواب کو نیک و مبارک قرار دیا اور کہا۔ بیٹی جو کچھ تم نے دیکھا ہے یہی اس خواب کی تعبیر ہے۔

ولادت باسعادت

اسرار الشہادۃ، دمعہ ساکبہ، ناسخ التواریخ اور عمدۃ المطالب فی نسب آل ابی طالب میں سید داؤدی کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عباس علمدار علیہ السلام تمنائے امیر المومنین علیہ السلام تھے۔ مناقب ابن شہر آشوب میں مرقوم ہے کہ۔ جناب عباسؑ تمنائے امیر المومنینؑ تھے، جس طرح حضرت ذکریا کی تمنا حضرت یحیٰؑ علیہ السلام تھے اور حضرت فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا کی دعا اور تمنا حضرت علی علیہ السلام تھے۔

حضرت عباسؑ ۴ر شعبان ۲۶ ہجری مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آپؑ کی مادر گرامی کا اسم مبارک اُم البنین تھا۔ آپ نہایت متقی و پرہیزگار عالمہ باعمل تھیں، آپ بیٹی تھیں حزام بن خالد بن ربیعہ بن عامر معروف بہ وحید کلاب بن عامر بن ربیعہ بن صعصعہ کی اور جناب اُم البنین کی والدہ کا نام ثمامہ تھا۔ وہ بیٹی تھیں سہیل بن عامر بن مالک بن کلاب کی۔ ناسخ التواریخ کے مطابق جب حضرت عباسؑ کی ولادت ہوئی تو پورا گھر آپ کے جمال سے روشن ہوگیا۔ اس موقع پر جناب امیر المومنینؑ نے اپنی پیشانی مبارک سجدہ میں رکھ دی اور فرمایا۔ اے رب کریم میری دلی تمنا بر آئی، میرے حسینؑ کا قوت بازو آگیا۔'' اور حضرت امام حسینؑ سے فرمایا! اے حسینؑ اس بچہ کا نام تم رکھنا۔ جب حضرت امام حسینؑ گھر میں تشریف لائے تو جناب ام البنین نے آپ سے کہا۔ اے حسینؑ کیا بات ہے کہ یہ بچہ آنکھیں نہیں کھولتا۔ آپؑ نے نومولود کو اپنی آغوش مبارک میں لیا کانوں میں اذان واقامت کہی تو آپ نے آنکھیں کھولیں۔ جب بھائی نے بھائی کے چہرہ کو دیکھا تو حضرت امام حسینؑ نے آپ کو عباس کہہ کر مخاطب کیا۔ (جس طرح مولود کعبہ حضرت علیؑ نے اس وقت تک آنکھیں نہیں کھولیں تھیں جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف نہ لائے، اسی طرح ولادت کے بعد حضرت عباسؑ نے اس وقت تک آنکھیں نہیں کھولیں جب تک حضرت امام حسینؑ تشریف نہ لائے اس طرح دونوں فداکار ہستیوں نے سب سے پہلے اپنے اپنے برادر شفیق ورفیق کو دیکھا)

اسی اثنا حضرت امیر المومنینؑ تشریف لائے تو آپ نے بھائی کی آغوش میں بھائی کو دیکھا تو فرمایا! حسینؑ تم نے بھائی کو دیکھا تو حضرت امام حسینؑ نے فرمایا! بابا میرے بھائی کے بازو نہایت قوی اور بھرے ہوئے ہیں اور چہرہ کس قدر حسین ہے، اس کے بعد حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا! حسینؑ تم نے نام رکھ دیا۔ حضرت امام حسینؑ نے عرض کی بابا میں نے اپنے بھائی کا نام عباس رکھ دیا۔

جس طرح جناب رسالت مآبؐ حضرت امام حسینؑ کے گلوئے مبارک کا بوسہ دیتے تھے اسی طرح

حضرت علیؑ نے جناب عباسؑ کے بازوؤں کو بوسہ دیا اور واقعہ کربلا میں پیش آنے والے مصائب پر گریہ فرمایا۔ جس طرح حضرت علیؑ نے بوقت ولادت شیر مادر نہ پیا بلکہ جب جناب رسالت مآبؐ تشریف لائے اور آپ کو آغوش مبارک میں لیا اور اپنی زبان مبارک دہن امیر المومنینؑ میں دیکر سیراب فرمایا۔ اسی طرح جناب عباسؑ نے پیدائش کے موقع پر ماں کا دودھ نہیں پیا بلکہ جب حضرت امام حسینؑ تشریف لائے اور آغوش مبارک میں لیا اور دہن اقدس میں زبان اطہر دی تو جناب عباسؑ نے اس روحانی غذا سے سیراب ہوکر جانثاری کا عہد وفا کیا۔ مفاتیح الشرائع کے مطابق آپؑ کی ولادت کے ساتویں دن عقیقہ کی رسم عمل میں آئی جو اسلامی نقطہ نظر سے سنت موکدہ ہے۔

جناب عباسؑ کی ولادت پر امیر المومنینؑ کی آمد

ریاض القدس کے مطابق حضرت امیر المومنینؑ نے اپنے فرزند جناب عباسؑ کی ولادت پر اپنی پیشانی مبارک سجدے میں رکھ دی اس سجدہ شکر کا مطلب یہ تھا کہ اے مالک میری دلی تمنا بر آئی، اب میرے حسینؑ کا معاون و مددگار آ گیا۔ کیونکہ جناب عباسؑ کی ولادت جناب رسالت مآبؐ کی پیش گوئی کے عین مطابق تھی اور جناب امیر المومنینؑ کربلا میں پیش آنے والے واقعات سے باخبر تھے۔ لہٰذا اپنے فرزند ذی وقار کے ہاتھوں کا بوسہ لیا۔ جناب امیر المومنینؑ کی اس شفقت سے جناب عباسؑ کے اس شرف اور مقام فضیلت سے آگاہی ہوتی ہے جو آپؑ کو قدرت کی طرف سے حاصل تھی۔

جناب عباسؑ کی شجاعت و دلیری، اطاعت و فرمانبرداری اور حق وفا کی ادائیگی کے بارے میں حضرت جبرائیلؑ نے پروردگار عالم کی جانب سے جملہ رموز قلب رسول اطہرؐ پر القاء فرما دیئے تھے اور جناب رسالت مآبؐ نے کربلا میں پیش آنے والے واقعات سے اہل بیتؑ اطہار کو آگاہ فرما دیا تھا۔ لہٰذا جناب امیر المومنینؑ کو خبر تھی کہ آپؑ کے فرزند جناب عباسؑ کن صفات حسنہ کے مالک و مختار ہوکر اپنے برادر عزیز حسینؑ پر حق رفاقت ادا کرنے میں حد کمال تک پہنچنے کا شرف حاصل کریں گے۔ یہی وجہ تھی کہ ولادت کے موقع پر آپ بارگاہ الٰہی میں سربسجود تھے۔

جناب امیر المومنین علیہ السلام کے با اعتماد غلام جناب قنبر سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت امیر المومنینؑ مدینہ منورہ کی مسجد میں وعظ و نصیحت فرما رہے تھے، اسی دوران ایک اعرابی آیا اور حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت میں بعد سلام ہاتھوں کو اس طرح پھیلایا گویا کہ حاجت طلب کر رہا ہو۔ جناب

امیر المومنینؑ نے فرمایا۔ تم اپنی حاجت بیان کرو، انشاء اللہ میں تمہاری حاجت روائی کروں گا۔ اعرابی نے عرض کی۔ اے امیر المومنینؑ آپؑ ہمارے بارے میں بہتر جانتے ہیں۔ جناب قنبر روایت کرتے ہیں کہ اس وقت جناب امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ اے قنبر میرے گھر جاؤ اور سیدہ جناب زینبؑ بنت رسولؐ اللہ سے کہو کہ جس جگہ ایک ٹوکری رکھی ہے وہ دے دیں۔ قنبر کہتے ہیں، میں حکم کی تعمیل میں جناب امیر المومنینؑ کے گھر کی جانب روانہ ہو گیا۔ میں نے گھر پہنچ کر دو دفعہ دروازہ پر دستک دی تو جناب فضہ نے دروازے کے عقب سے دریافت کیا تم کون ہو؟ میں نے عرض کی میں جناب امیر المومنینؑ کا غلام اور اہل بیتؑ کا خدمت گار قنبر ہوں میں نے اپنے آقا و مولا کا پیغام پہنچایا۔ جناب فضہ نے کہا، یہاں ٹھہریں میں ابھی واپس آتی ہوں۔ میں دیر سے منتظر تھا کہ جناب فضہ ٹوکری لے کر آئیں تو میں نے اس قدر انتظار کرانے کا سبب پوچھا۔ تو آپ نے بتایا۔ جناب امیر المومنینؑ کے گھر فرزند کی ولادت ہوئی ہے جو اس قدر حسین ہے جیسے چاند کا ٹکڑا۔ یہ سن کر میری خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ ساتھ ہی میں نے دریافت کیا۔ یہ فرزند کس کے یہاں ہوا ہے۔ جناب فضہ نے بتایا۔ جناب ام البنین بنت حزام الوحیدیہ الکلابیہ سے اور مزید کہا کہ مجھے وصیت کی ہے میری اور تمہاری سردار سیدہ زینبؑ بنت فاطمہؑ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جب تم ہم دونوں کے سید و سردار جناب امیر المومنینؑ کی خدمت میں جاؤ تو انہیں اس بچے کی ولادت کی خوشخبری سنا دینا، مزید یہ کہ اس کی کنیت، نام اور لقب کے بارے میں پوچھنا۔ میں وہاں سے نہایت مسرت کے عالم میں تیزی سے روانہ ہوا اور اپنے آقا و مولا کی خدمت میں وہ ٹوکری پیش کی اور فرزند کی ولادت باسعادت کی خوشخبری سنانا چاہتا ہی تھا کہ جناب امیر المومنینؑ نے اعرابی کو ٹوکری دینے کے بعد میری طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرمایا! اے قنبر میں تمہارے چہرے پر خوشی کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ میں نے عرض کی اے میرے سید و سردار میں آپؑ کے لیے خوشخبری لایا ہوں۔ جناب امیر المومنینؑ نے فرمایا۔ اللہ تمہیں جنت کی بشارت دے۔ میں نے عرض کیا۔ اے میرے سید و سردار آپؑ کے یہاں فرزند کی ولادت ہوئی ہے۔ میں نے جناب فضہ کی زبانی جو کچھ سنا تھا بیان کیا۔ جب امیر المومنینؑ نے یہ بات سنی تو آپ کے چہرہ مبارک پر نہایت خوشی کے آثار ظاہر ہوئے۔

اس کے بعد جناب امیر المومنینؑ مسجد سے بیت الشرف کی طرف روانہ ہوئے۔ آپؑ کے اہل و عیال اور عزیز و اقرباء آپؑ کی آمد کے منتظر تھے۔ آپؑ نے حسب روایت پہلے سلام عرض کیا۔ سب نے جواب سلام دیا۔ آپؑ نے فرمایا میرے بیٹے کو میرے پاس لاؤ۔ جب فرزند کو لایا گیا تو وہ ایک باریک کپڑے میں ملبوس تھے۔ آپؑ نے اپنی آغوش مبارک میں لے کر اپنے سینہ انور سے لگایا، پیشانی اور چہرے پر بوسہ دیا۔

بغور دیکھتے ہوئے نہایت خوشی واطمینان کا اظہار کیا اور فرزند کو جناب ام المومنین کی آغوش میں دیکر دوبارہ اپنی آغوش مبارک میں لیا اور کربلا میں پیش آنے والے واقعات سے آگاہی کی بناء پر چشم ہائے انور سے اشک اتنے رواں ہوئے کہ آپ کے رخسار انور سے نیچے ظاہر ہوئے اور بتایا ایک وقت ایسا آئے گا کہ اس کے ہاتھ جسم سے جدا کر دیئے جائیں گے۔ یہ سن کر وہاں موجود سب نے گریہ کیا۔

ولادت پر گریہ

جناب امیر المومنین علیہ السلام نے جناب عباس علمدار کی ولادت کے موقع پر جب آپ کے حسین چہرے اور قوی جسم کا مشاہدہ فرمایا تو اس قدر گریہ فرمایا کہ آپ کے اشک رواں رخسار انور سے ریش مبارک پر ظاہر ہوئے۔ جب آپ سے اس پر مسرت موقع پر گریہ کا سبب دریافت کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا۔ میرے اس فرزند کے کربلا میں حق وفا ادا کرتے ہوئے بازو قلم ہو جائیں گے۔

جناب عباسؑ کی ولادت کے چند روز بعد ایک دن جناب زینب سلام اللہ علیہا آپ کو آغوش مبارک میں لیے ہوئے اپنے والد گرامی حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی۔ بابا جان! میں دل میں اس بچے کے متعلق بہت گہرا تعلق و محبت محسوس کرتی ہوں اور اپنی روح کو اس سے وابستہ محسوس کرتی ہوں۔ جناب امیر المومنینؑ نے جناب زینبؑ سے نہایت شفقت سے فرمایا! اے زینبؑ ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ تم سے جدا ہو جائے گا۔ جناب زینبؑ اس خبر سے بہت رنجیدہ خاطر ہوئیں اور عرض کی بابا جان کیا میرا یہ بھائی مجھ سے جدا ہو جائے گا اور میں اس سے محروم ہو جاؤں گی۔ جناب امیر المومنینؑ نے گریہ فرماتے ہوئے، یہ خبر دی کہ اے زینبؑ یہ حق وفا ادا کرتے ہوئے بحالت سر شگافتہ اور بازو قلم ہونے کی صورت میں فرات کے کنارے کربلا کی ریت پر ہوگا۔ یہ سننا تھا کہ جناب زینب سلام اللہ علیہا نے آہ و بکا کے عالم میں کہا! ہائے میرا بھائی! ہائے میرا عباسؑ۔

ایک دن حضرت امام حسین علیہ السلام جب حضرت عباسؑ کو امیر المومنین کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے اور واپسی پر عرض کی۔ بابا جان کیا وجہ ہے کہ جب میرا یہ بھائی نہایت محبت سے میری طرف متوجہ ہوتا ہے تو میرا دل گھبرا جاتا ہے۔ جناب امیر المومنینؑ نے فرمایا! میرے لال حسینؑ آج یہ بچہ تمہاری خوشی کا سبب ہے لیکن ایک دن ایسا بھی آئے گا جب یہ تم پر نثار ہو جائے گا اور تم اس کی جدائی پر بہت رنجیدہ ہو گے۔ حضرت امام حسینؑ نے عرض کی۔ بابا جان میرا بھائی مجھ سے جدا ہو جائے گا۔ حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا بیٹا

حسینؑ جبرائیل امینؑ تمہاری شہادت کا محضر نامہ لے کر حاضر ہوئے تھے۔ اس میں یہ واقعہ تحریر تھا کہ حضرت امام حسینؑ شہداء کے سردار اور عباسؑ کربلا میں شہید ہوں گے۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا۔ ''میں نے اپنے نانا رسول اللہؐ سے بارہا یہ کہتے سنا ہے کہ حسینؑ کو تین دن کی بھوک و پیاس کے عالم میں کربلا میں شہید کیا جائے گا اور عباسؑ کے نہر فرات پر شانے قلم ہوں گے۔'' اس کے بعد حضرت امام حسینؑ سے فرمایا! بیٹا حسینؑ عباسؑ کے شانوں سے آستین اٹھاؤ۔ جب آستین اٹھا کر دیکھا تو شانوں پر دو نشان نظر آئے۔ ایک شانے پر علم کا نشان تھا، دوسرے پر مشک سکینہ۔

ایک دن حضرت ام البنینؑ نے حضرت امیر المومنینؑ کو دیکھا کہ جناب عباسؑ کو زانو اقدس پر بٹھائے کلائیوں کا بوسہ لے رہے ہیں اور اس دوران گریہ فرماتے جاتے ہیں۔ یہ دیکھ کر جناب ام البنین کا دل بہت مضطرب ہوا اور عرض کی۔ اے میرے والی آپ اس موقع پر اس قدر گریہ کیوں فرما رہے ہیں۔ تو حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا۔ اے ام البنین نصرت حسینؑ میں عباسؑ کے بازو قلم کیے جائیں گے۔ یہ خبر سن کر جناب ام البنین نے شدت سے گریہ کیا۔ اس وقت یہاں موجود تمام اہل خانہ نے گریہ کیا۔ جناب عباسؑ باوفا کی شہادت کی خبر سے اہل بیت علیہم السلام آگاہ تھے، اس لیے کہ مختلف مواقع پر اس بات کا ذکر کیا جاتا تھا۔

ایک دن جب حضرت امیر المومنینؑ گھر میں تشریف لائے اور حضرت ام البنین سے حضرت عباسؑ کو طلب فرمایا۔ تو حضرت ام البنین نے سفید پارچہ میں لپیٹ کر حضرت عباسؑ کو حضرت امیر المومنینؑ کی آغوش اطہر میں پیش کیا۔ آپؑ نے چہرے انور سے کپڑا ہٹایا، جب چہرہ قمر بنی ہاشم پر نظر کی تو پیشانی کو بوسہ دیا، اس کے بعد ہاتھوں اور کلائی کو ملاحظہ فرمایا تو آبدیدہ ہو گئے۔ جناب ام البنین نے عرض کی میرے آقا و مولا آپ نے میرے لال کے ہاتھوں اور بازوؤں میں کیا مشاہدہ فرمایا جو اس قدر گریہ کناں ہیں۔ جناب امیر المومنینؑ نے فرمایا۔ ام البنین یہ نہ پوچھو تم ضبط نہ کر سکو گی۔ لیکن حضرت ام البنین کے اصرار پر آپؑ نے بتایا۔ اے ام البنین جس دن میرے اس فرزند کے دونوں ہاتھ مسلمانوں کی تلواروں سے قلم ہوں گے، گرز آہنی سے سر شگافتہ ہوگا اور سینے پر نیزہ کا کاری وار کیا جائے گا۔ اس وقت یہ فرزند تین دن کی بھوک و پیاس کے عالم میں کربلا میں شہید کیا جائے گا۔ یہ سننا تھا کہ ماں کا دل بھر آیا اور حضرت عباسؑ کو امیر المومنینؑ کی آغوش سے لے کر باحسرت و یاس دیکھتے ہوئے اپنے سینے سے لگاتے ہوئے دونوں ہاتھوں اور پیشانی کو بوسہ دیتے ہوئے شدت سے گریہ کیا۔

یہ واضح ہو کہ حضرت امام حسین محضر نامہ کا مطالعہ فرما چکے تھے اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے

اس کی تفصیل سن چکے تھے کہ میرا یہ قوت بازو راہ وفا میں شہادت عظمٰی سے سرفراز ہوگا۔ اس بناء پر آپؑ اپنے برادر عزیز سے بے انتہا محبت فرماتے تھے اور ساتھ ہی تاجدار وفا کی محبت وعقیدت کا یہ عالم تھا کہ حضرت امام حسینؑ کے قدموں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ قرار فرماتے تھے۔

ایک دن جب حضرت ام البنین نے حضرت امیر المومنینؑ سے واقعات کربلا سنے اور جناب عباسؑ کی شہادت کی تفصیل سنی تو نہایت اضطراب کے عالم میں گریہ کیا۔ جب حضرت ام البنین کے شدت غم میں کسی طرح کمی نہ آئی تو مولائے کائناتؑ نے فرمایا۔ اے ام البنین اللہ تعالیٰ عباسؑ کے بازوؤں کے بدلے دو پر عنایت فرمائے گا۔ جس طرح جناب جعفر طیار کو عنایت فرمائے تھے، اسی طرح عباسؑ بھی ملائکہ کے درمیان محوئے پرواز ہوں گے۔

جناب عباسؑ کی ولادت کے پرمسرت موقع پر جناب زینب سلام اللہ علیہا نے حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت میں عرض کیا بابا جان کیا آپؑ نے اس نومولود بھائی کا اسم گرامی، کنیت اور لقب منتخب فرمایا۔ جناب امیر المومنینؑ نے فرمایا۔ اے بابا کی جان بیٹی اس کا نام عباسؑ، کنیت ابوالفضل اور لقب قمر بنی ہاشمی، قمر عشیرہ اور سقاء ہے۔ یہ سن کر جناب زینبؑ نے عرض کی۔ بابا جان! اسم عباس شجاعت کی علامت ہے، کنیت ابوالفضل جرأت ونجابت کی علامت ہے اور لقب قمر بنی ہاشمی وقمر عشیرہ حسن و جمال اور رعب وجلال پر معمور ہے لیکن سقاء کا کیا مطلب ہے۔ امیر المومنینؑ نے جب سقایت کے اوصاف اور میدان کربلا میں حضرت عباسؑ کی سقایت اور کثرت اعدا کے درمیان آپ کی جرأت و جانفشانی کا ذکر فرماتے ہوئے شہادت کا ذکر فرمایا تو دختر علیؑ ثانی زہراؑ جناب زینبؑ کا دل لرز گیا اور دلخراش صدا بلند کی۔ "ہائے میرا مظلوم برادر" اس وقت آپ اپنے آپ پر قابو نہ پاسکیں۔ جناب امیر المومنینؑ نے نہایت شفقت کا اظہار کرتے ہوئے آپ پر شفقت فرماتے ہوئے تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔ اے میری جگر پارہ زینبؑ دل کو سہارا دو، اپنے آنسو پونچھ لو، بیٹی صبر کرو اور بھائی کو ماں کے سپرد کردو۔ تمہارا یہ بھائی نہایت عظیم مرتبت ہے۔ جناب زینبؑ نے بابا کی نصیحت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے اپنے بھائی کو امیر المومنینؑ کے ہاتھوں سے لیا، چہرہ پر بوسہ دیا اور جاکر حضرت ام البنین کی خدمت میں پیش کیا جو بے چینی سے اپنے فرزند کا انتظار فرمارہی تھیں۔ (یا جناب ام البنین آج آپ کو اپنے فرزند کی چند لمحوں کی جدائی نے بے چین کردیا، جب کربلا کے میدان میں بازو بریدہ، تشنہ لب کی شہادت ہوئی تو آپ پر جو غم کی کیفیت گزری اس کا اندازہ صرف صاحبان مودت ہی لگا سکتے ہیں۔)

جناب عباسؑ کا بچپن

جناب عباسؑ کا بچپن حسن و جمال سے مزین تھا۔ آپ کا چہرہ مبارک اس قدر شگفتہ و نورانی تھا کہ دیکھنے والوں کی آپ کے چہرہ اقدس سے نظر نہیں ہٹتی تھی۔ خدوخال اس قدر دلنشین تھے کہ ہر شخص آپ کی طرف متوجہ ہو جاتا پیشانی منور اور سراپا جمال نور سے مزین و معمور تھا۔ یہی سبب تھا کہ آپ کو قمر بنی ہاشم کے لقب سے یاد کیا جانے لگا اور ہر طرف آپ کے حسن و جمال نورانی کا تذکرہ بر زبان عام تھا۔ آپ اس قدر دیدہ زیب و جاذب قلب ونظر تھے کہ خاندان بنی ہاشم کا ہر فرد آپ پر دل و جان سے فدا تھا۔

جناب عباسؑ ابتدائی عمر سے شیدائے حضرت امام حسینؑ تھے۔ آپ حضرت امام حسینؑ کے قدموں کی خاک اپنی آنکھوں میں لگایا کرتے تھے۔ نہایت محبت کے ماحول میں جناب عباسؑ کا بچپن گزر رہا تھا، ابھی کم سنی کا عالم تھا کہ شیر خدا علی مرتضیٰؑ سے فن حرب کی تعلیم کے ساتھ صبر و استقلال کی تعلیم سے بھی پوری طرح آشنا ہوئے تا کہ جب کربلا میں طاقت و جرأت کی حدود کی انتہا پر پہنچنے کے باوجود اذن جہاد نہ ملے تو صبر و اطاعت کی حدود سے تجاوز نہ کریں۔

ابھی نو سال کے سن میں قدم رکھا تھا کہ صفین کی جنگ سے واسطہ ہوا اور وہ وقت آیا کہ لیلۃ الحریر کا قیامت خیز معرکہ پیش آیا جس میں صبح سے شام اور اس کے ساتھ ہی رات بھر تلواریں چلتی رہیں۔ اس گھمسان کی جنگ میں جہاں سرتن سے جدا ہو رہے تھے، اسی دوران لوگوں نے دیکھا کہ ایک کم سن بچہ ایک نیزہ طویل سے صفوں کو چیرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔ جس کی شجاعت اور انداز جنگ مثل علیؑ تھا، بڑے بڑے شہسوار اور پہلوان سامنا کرنے سے کترا رہے تھے، بعد میں معلوم ہوا یہ فرزند شیر خدا حضرت عباسؑ تھے۔

جناب امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد جب حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ جناب عباسؑ مدینہ میں تشریف لائے تو لوگ آپ کی زیارت کے اشتیاق میں حضرت امام حسینؑ کے دولت سرا پہنچے۔ اس وقت جناب عباسؑ کم سن تھے اور حرم سرا میں تشریف فرما تھے۔ لوگوں کی خواہش کے بموجب جب حضرت امام حسینؑ کی اجازت سے باہر تشریف لائے تو لوگ آپ کے پیکر جمال پر نور کو دیکھ کر محوئے حیرت ہو گئے اور کہنے لگے ہم نے علیؑ کی جوانی دیکھی تھی، حضرت عباسؑ ابھی سے اس قدر پر جمال اور بارعب نظر آرہے ہیں جب یہ جوانی کے حدود میں داخل ہوں گے تو ان کے وقار کا کیا عالم ہوگا۔

جناب عباسؑ کا بچپن صاحبان عصمت و طہارت کی شفقت و تربیت کے زیر سایہ بلندیوں سے گزرتا

ہو افضیلتوں کی منتہا تک پہنچا۔ آپ ابتدائی عمر میں معرفت کی اس منزل پر فائز تھے جہاں انسان طویل عمری میں اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب آپؑ بچپن کے ابتدائی مراحل میں تھے۔ ایک روز آپؑ اپنے بابا حضرت امیر المومنینؑ کے پاس تشریف لائے تو حضرت امیر المومنینؑ نے نہایت شفقت سے آپ کو اپنی آغوش مبارک میں لے کر اپنے سینہ انور سے لگایا اور آپ سے مخاطب ہوئے! بیٹا عباسؑ کہو ایک آپؑ نے فرمایا۔ ایک اس کے ساتھ ہی حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا۔ بیٹا کہو دو۔ اس موقع پر آپؑ نے خاموشی اختیار کی اور کچھ لمحہ بعد اپنے بابا کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا! بابا جان جس زبان سے ایک کہا۔ اب مجھے حیا آتی ہے کہ میں اسی زبان سے دو کہوں۔ یہ جواب سن کر حضرت امیر المومنینؑ نے ارشاد فرمایا۔ اَحْسَنْتَ یا وَلَدِیْ، بَارَکَ اللّٰہُ فِیْکَ ۔''اے میرے فرزند تم نے بہت خوب کہا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری معرفت توحید میں برکت عطا فرمائے۔'' یہ فرما کر جناب عباسؑ کو اپنے سینے انور سے لگا کر دونوں آنکھوں کے درمیان پر مسرت انداز میں بوسہ دیا۔ ایک روز جب حضرت امیر المومنینؑ مسجد کوفہ میں تشریف فرما تھے، آپؑ کے پہلو میں حضرت امام حسینؑ تھے۔ حضرت امام حسینؑ نے جناب قنبر سے پانی طلب فرمایا۔ جناب عباس علمدار اس سے قبل کہ حضرت قنبر پانی لاتے آپؑ تیزی سے گئے اور اپنے سر مبارک پر پانی کا ظرف لانے لگے تو پانی چھلک کر آپؑ کے سر مبارک پر گرنے لگا۔ حضرت امیر المومنینؑ یہ منظر دیکھ کر واقعہ کربلا کو یاد کر کے رونے لگے۔ اسی واقعہ کو ثمرات الاعواد میں روایت کیا گیا ہے کہ ایک دن حضرت علی علیہ السلام تشریف فرما تھے۔ آپؑ کے گرد ریحانِ جنت سرداران بہشت جناب حسنین علیہم السلام اور ان کے پہلو میں جناب ابوالفضل العباسؑ دوزانو بیٹھے تھے۔ حضرت امام حسینؑ کو پیاس محسوس ہوئی۔ جناب عباسؑ اس وقت کم سن تھے لیکن بھائی کی پیاس کو محسوس کرتے ہوئے فوراً گھر کی طرف روانہ ہوئے اور جناب ام البنین سلام اللہ علیہا سے عرض کیا۔ مادر گرامی! میرے مولا و سردار حضرت امام حسینؑ پیاسے ہیں، ٹھنڈا پانی فراہم کریں۔ آپؑ فوراً اٹھیں اور ایک کوزے میں پانی بھر کے حضرت عباسؑ کے سر مبارک پر رکھ کر نہایت شفقت سے فرمایا! اے عباسؑ یہ پانی اپنے آقا و مولا کی خدمت میں جا کر پیش کر دو۔ جناب عباسؑ پانی لے کر اپنے آقا و مولا کی طرف روانہ ہوئے صغیر سنی کا عالم تھا، پانی چھلک کر آپؑ کے شانو پر آرہا تھا۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے جب یہ منظر دیکھا تو واقعہ کربلا کا نقشہ آنکھوں میں پھرنے لگا اور ایسا گریہ کیا کہ آپؑ کے رخسار انور اشکوں سے بھیگ گئے۔ اس موقع پر جناب امیر المومنین علیہ السلام نے جناب عباسؑ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا۔ بیٹا عباسؑ تم ساقی عطاشاہ کربلا ہو (اسی دن سے آپ کا لقب ساقی عطاشاہ قرار پایا)

پرورش

جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بوقت ولادت مولود کعبہ حضرت علی علیہ السلام سے لعاب دہن پلا کر عہد وفاداری لیا تھا، اسی طرح حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباسؑ کو اپنے لعاب دہن سے سیراب فرما کر عہد وفا لیا۔ حضرت امام حسینؑ (نومولود) جنابِ عباسؑ کو عبا کے دامن کے سائے میں لیے ہوئے مسجد میں تشریف لائے اور جناب امیر المومنینؑ سے عرض کی۔ بابا جان مجھے یہ بچہ بہت عزیز ہے۔ لہٰذا میری یہ خواہش ہے کہ اس کی پرورش میں کروں۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا۔ بیٹا حسینؑ مجھے تمہارے اس عمل سے بہت خوشی ہوگی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت علی علیہ السلام کی اس رضا سے بہت مطمئن ہوئے۔ اس کے بعد آپؑ نے ہمیشہ جناب عباسؑ کو اپنے سینے سے لگائے رکھا۔ حضرت عباسؑ کا تعلق آپ سے اتنا گہرا تھا کہ جب آنکھ کھولی تو سب سے پہلے اپنے بھائی حسینؑ کی زیارت سے سرفراز ہوئے اور ہمیشہ آپ کی آغوش محبت میں وقت گزارا۔ یہ اخلاقی پہلو مدنظر رہے کہ حضرت عباسؑ نے حضرت امام حسینؑ کے ہر عمل کا بہت قریب سے مشاہدہ کیا اور صفات امامت کو اپنی زندگی میں سمو کر مجسم نور ہوگئے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کا ہر عمل عین شریعت تھا اور اس تربیت کے سبب مجسم ایمان محکم تھے۔

مزید براں حضرت عباسؑ کی تربیت میں حضرت ام البنین نے بحیثیت ماں نہایت اہم فریضہ انجام دیا۔ آپ نہایت پاکیزہ نفس خاتون تھیں۔ آپ کا خاندان طہارت ونجابت عدل وانصاف، جود وسخا، شرافت و بزرگی اور سرداری کے شرف سے معروف تھا۔ آپ حضرت فاطمہ بنت حزام وحیدہ کلابیہ ام البنین کی آغوش مطہر میں مراحل شیر خواری کی منازل طے کرتے ہوئے جوانی کی حدود پارسائی میں داخل ہوئے۔ جناب ام البنین جو علم وفراست سے سرفراز تھیں۔ آپؑ سے علم معرفت وعلم ولایت کا نور ایمان حاصل کیا۔ جناب عباسؑ چودہ برس باب مدینۃ العلم حضرت علی علیہ السلام کی آغوش امامت وتربیت کی زینت میں رہے اور دس سال حضرت امام حسن کی زیر سایہ حق وفا ادا کرتے رہے۔ اس طرح آپ کی پوری عمر سایہ شفقت امامت میں گزری اور پیکرِ شجاعت، منبع علم وفراست، صبر واستقلال اور تقویٰ میں آپ نے حد کمال تک رسائی حاصل کی۔ آپ نے جن بزرگ وبرگزیدہ ہستیوں کے درمیان منازل حیات کو طے کیا ان کے فضائل فرش تا عرش نمایاں ہیں۔ جب حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے عراق کی طرف سفر کیا تو جناب عباسؑ کوفہ میں قیام کے دوران آپ کے ہمراہ تھے۔ یہاں مولائے کائنات کی شفقت ومہربانی اور حکیمانہ تعلیم وتربیت سے پوری

طرح فیضیاب وسرفراز ہوئے۔ عراق میں قیام کے دوران آپ نے منبر سلونی سے خطبات امیر المومنینؑ سے اکتساب علم کیا اور معرفت الٰہی کو وراثت میں پا کر اس کا اظہار اپنی عملی زندگی سے فرمایا۔

جناب عباسؑ وہ عظیم المرتبت فرزند عالی تربیت ہیں جو اسرار الٰہی کے مرکز اور وارث علم لدنی کی آغوش میں پروان چڑھے۔ آپ نے دولت سرائے علم و معرفت میں تربیت حاصل کی۔ جس بیت الشرف میں آپ کا قیام رہا وہ گھر ملائکہ کی آماجگاہ، وحی کی منزل، اسرار الٰہی کا مرکز، ہدایت کا روشن مینارہ، مظلوموں اور حاجت مندوں کی پناہ گاہ تھا۔ ایسے پاکیزہ ماحول کے تربیت یافتہ ہونے کے سبب آپ میں معرفت الٰہیہ اور معصومین علیہم السلام کے ادراک کی پوری استعداد موجود تھی۔ آپ کا پیکر انور جملہ صفات مظہر الایمان و مظہر العجائب مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کی صفات کا مظہر تھا۔ حضرت علی علیہ السلام کل کے مشکل ہیں اور آپ کے فرزند ذی وقار جناب عباس علمدار علیہ السلام باب الحوائج ہیں۔ آپ معرفت الٰہی کی اس منزل پر فائز تھے کہ آپ کے سامنے سے اسرار و رموز کے پردے ہٹے ہوئے تھے۔ آپ کی پرورش نور علیٰ نور کے زیر سایہ ہوئی۔ لہٰذا آپ ایمان و یقین کی اس منزل پر فائز تھے جہاں تک رسائی حاصل کرنا بشر کے اختیار میں نہیں۔ آپ پیکر جملہ صفات حسنہ تھے اخلاص، کرم، جود و سخا، صبر و استقلال، ہمت و جرأت، شکر و قناعت، عنایت و کرم، علم و فراست اطاعت الٰہی و تقویٰ الغرض آپ میں جملہ صفات حسنہ بہ فیض صاحبان عصمت و طہارت اپنی حد کمال پر ظاہر و فرواں تھیں۔

نام عباسؑ کی وجہ تسمیہ و خصائص

عربی لغت میں عباسؑ اس شیر کو کہتے ہیں جس کو دیکھ کر دوسرے شیر ڈر کر راہ فرار اختیار کرتے ہیں۔ عباسؑ کے ایک اور معنی بے انتہا شجاعت اور پیش قدمی کرنے والے کے ہیں۔ ایسا دلیر جو مرد میداں ہو اور جم کر مقابلہ کرنے والا اور ناقابل شکست ہو تنقیح المقاتل میں مرقوم ہے۔ عباس شیروں کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ عربی لغت میں عباس کے ایک اور معنی جری اور صاحب جلال کے ہیں۔ کبریت احمر میں مرقوم ہے کہ کمال شجاعت کو نظر میں رکھتے ہوئے امیر المومنینؑ نے اپنے فرزند کا نام عباسؑ رکھا تھا۔

عباسؑ نام کی وجہ تسمیہ آپؑ کی شجاعت ہے جو کربلا میں اپنے عروج پر تھی۔ آپ نے شجاعت علوی کے ساتھ شجاعت حزام بھی ورثہ میں پائی تھی۔ آپ کے والد گرامی اسد اللہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام میدان شجاعت کے ناقابل شکست مرد میداں تھے۔ لافتیٰ کا لقب آپ پر زیب دیتا ہے۔ اسی طرح جناب عباسؑ کے نانا حضرت حزام بہت عظیم بہادر تھے۔ جناب عباس علمدار تمام راہ حق کے بہادروں اور علمداروں کے

معجزنما بن گئے کہ آپ کا علم قیامت تک لہراتا رہے گا۔ آپ شیر خدا حضرت امیر المومنینؑ کے حقیقی میدان شجاعت کے جانشین تھے کہ راہ حق میں دونوں بازو قلم ہو گئے۔

منتخب طریحی میں ہے کہ جناب عباس بن علی علیہ السلام ایک عظیم پہاڑ کے مانند تھے، جن کا حوصلہ نہایت بلند تھا۔ آپ شیر دل مجاہد اور میدان جنگ میں زخموں کے سہنے والے باہمت و حوصلہ مند تھے۔ آپ کا اسم گرامی عباس رکھنے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ حضرت امیر المومنینؑ کو یہ علم تھا کہ میرا یہ فرزند میدان شجاعت کا ایسا مرد میداں ہوگا جس کے رعب سے دشمنان اسلام پر خوف طاری ہو جائے گا اور دشمنوں سے بھوکے پیاسے شیر کی مانند مقابلہ کرے گا جس سے مدمقابل کی روحیں لرز جائیں گی۔

جناب عباسؑ حاجت مندوں کے حاجت روا، دردمندوں کے درد کا مداوا اور شکستہ حال دلوں کا سہارا ہیں۔ آپ باب الحوائج کے لقب سے معمور و موسوم ہیں۔ آپ کا در ہمیشہ حاجت مندوں کے لیے کھلا ہے۔ منتخب الخصائص میں ہے کہ ابجد کے حساب کے مطابق اسم عباس کے حروف کے اعداد کا مجموعہ ۱۳۳ ہے جو دعاؤں کی قبولیت کے لیے بہت اکسیر و شافی ہے۔ لہٰذا حضرت عباسؑ کو آپ کے اسم مبارک کے اعداد کے مطابق ۱۳۳ مرتبہ بطور وسیلہ پکارا جائے تو حاجات مستجاب ہوں گی۔ آپ کو حاجات طلبی کے لیے اس طرح ندا دی جائے۔ یَا کَاشِفَ الْکَرْبِ عَنْ وَجْہِ اَخِیْہِ الْحُسَیْنِ اِکْشِفْ کَرْبِیْ بِحَقِّ اَخِیْکَ الْحُسَیْنِ "اے بھائی حسینؑ کے چہرے سے کرب و رنج کو دور کرنے والے میرے رنج و غم کو اپنے بھائی حسینؑ کے صدقے میں دور فرمائیں۔"

آقائے محمد مہدی مازندرانی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ جس شخص کو بھی کوئی حاجت و مشکل درپیش ہو وہ جناب ابوالفضل العباس کو وسیلہ بنائے اور اپنی حاجت کے پورا ہونے اور مشکل کے حل ہونے تک اس طریقہ سے دعا کرے کہ محمدؐ و آل محمدؐ پر ۱۳۳ مرتبہ صلوات پڑھے اس کے بعد ۱۳۳ مرتبہ یا عباسؑ کہے، پھر ۱۳۳ مرتبہ صلوات پڑھے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی حاجت روائی فرمائے گا۔ آقائے محمد مہدی مازندرانی نے معالی السبطین میں تحریر فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص کسی صحرا یا ویرانے میں پھنس جائے اور اس پر پیاس کا غلبہ ہو اور موت کے آثار ہوں تو وہ پروردگار عالم کو حضرت ابوالفضل العباس کا واسطہ دے کر دعا مانگے اور یہ الفاظ ادا کرے یَا اَبَا الْقِرْبَۃِ "اے صاحب مشک" تو اللہ تعالیٰ یقیناً ساقی کربلا کے تصدق میں اس کی پیاس رفع فرمائے گا۔ جناب عباسؑ کے خصائص میں یہ امر شامل ہے کہ آپ باب الحوائج ہیں اور منبع معجزات ہیں۔ آپ کے روضہ اقدس پر دعائیں مستجاب ہوتی ہیں اور معجزات کا سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔

باب:۲

نسب نامہ جناب عباسؑ

جناب عباس علیہ السلام کا شجرہ نسب نہایت اعلیٰ ہے۔ آپ کے والد ماجد حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں، دادا محترم جناب ابو طالبؑ، پردادا سید القریش حضرت عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب ابن مرہ بن کعب ابن غالب ابن لوی ابن غالب ابن فہر بن مالک ابن نضر بن کنانہ ابن خزیمہ ابن مدرکہ ابن الیاس ابن مضر بن نزار بن معد ابن عدنان ہیں۔ اس طرح آپ کا سلسلہ حسب ونسبت حضرت عدنان سے ملتا ہے۔ مناقب شہر آشوب میں مرقوم ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! جب میرا سلسلہ نسب حضرت عدنان تک پہنچ جائے تو اس سے آگے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

جناب عباسؑ کا شجرہ نسب اتنا طیب وطاہر ہے کہ آپ کے بزرگوں میں کسی نے بت پرستی نہیں کی، نہ کبھی جھوٹ بولا نہ ان کی نسل سے کوئی مشرک تھا اور نہ ان سے گناہ سرزد ہوئے۔ یہ ہمیشہ ایمان کی منزل پر فائز رہے، یہ وحدانیت کے قائل تھے، انوار محمدیہ اور مدارج النبوت میں مرقوم ہے کہ جملہ آباء واجداد کرام اور مائیں پاک تھیں۔ سیرت حلبیہ میں مرقوم ہے کہ آپ کے آباء واجداد میں سے کوئی بھی مشرک نہ تھا بلکہ تمام مومن وموحد تھے کیونکہ مشرک نجس ہوتا ہے۔ لہٰذا ارشاد رب تعالیٰ ہے۔ انما المشرک کون نجس۔ ''بیشک مشرک نجس ہیں۔'' جناب رسالت مآبؑ سراپا نور تھے۔ آپؐ کے آباء واجداد کرام طیب وطاہر تھے۔ امام فخر الدین رازی کی انوار محمدیہ، موہب الدنیہ میں تحریر ہے کہ جناب رسالت مآبؐ کے تمام آباء مسلمان تھے۔ آپؐ نے متعدد مواقع پر فرمایا۔ ''میں ہمیشہ طاہر پشتوں سے طاہر رحموں کی جانب منتقل ہوا۔'' جناب رسالت مآبؐ نے حضرت جبرائیلؑ سے روایت فرمائی ہے کہ ''میں نے زمین کے مغارب ومشارق کو دیکھا مگر کسی کو محمد مصطفےٰؐ سے افضل نہیں دیکھا اور کسی کی اولاد کو میں نے نہیں دیکھا جو بنی ہاشم سے افضل ہو۔'' جناب رسالت مآبؐ کا ارشاد ہے۔ ''ہمارے اجداد جاہلیت وکفر کی آلودگی سے منزہ ومبرا تھے۔'' آپؐ نے فرمایا۔ ''جب پروردگار عالم نے ہماری خلقت کا ارادہ فرمایا تو ہمارے نور کو جناب آدمؑ کے صلب میں قرار دیا جو آپؑ کی پیشانی میں ضوفشاں تھا۔ یہی نور آپ کے وصی حضرت شیثؑ میں منتقل ہوا۔'' جناب شیثؑ سے حضرت آدمؑ نے وصیت فرمائی تھی کہ اس نور کو پاکیزہ اصلاب میں منتقل کریں۔ یہی سبب تھا کہ جناب

رسالت مآبؐ کے اجداد نے اپنے وصی کے لیے طیب وطاہر صلبوں کا انتخاب فرمایا۔

جناب رسالت مآبؐ کے نور کا سفر کائنات کی تخلیق سے طویل ہے۔ حضرت آدمؑ تا حضرت عیسیٰؑ جتنے بھی پیغمبر گزرے آپ کا سایہ رحمت ہر ایک پر سایہ فگن رہا۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰؑ نے صلیب کی بلندی پر بھی آپ کو یاد کیا۔ قوم کو اپنے واپس آنے کا مژدہ بھی دیا اور جناب رسالت مآب کی آمد کی خبر بھی سنائی۔ یہاں تک کہ جناب رسالت مآب کا نور اقدس بطون پاکیزہ اور اصلاب مطہرہ سے گزرتا ہوا حضرت عبداللہ تک پہنچا۔

بحار الانوار اور الروض الانف کی روایت کے مطابق جناب رسالت مآب کا ارشاد ہے۔ ''ہم نیک مردوں اور طیب وطاہر عورتوں کے اصلاب وارحام سے گزرتے ہوئے صلب جناب حضرت عبدالمطلب تک پہنچے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے دو حصوں میں تقسیم فرمایا ایک حصہ جناب عبداللہ سے جناب آمنہ کی طرف منتقل ہوا جس سے میں ہوں اور دوسرا جناب ابو طالبؑ سے، جناب فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا تک پہنچا جس سے حضرت علیؑ ہیں، شجرہ نسب کو پروردگار عالم نے اس وجہ سے ہر آلودگی سے پاک رکھا کیونکہ یہ ہدایت کا سرچشمہ تھے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں۔ نَحْنُ شَجَرَۃُ النُّبُوَّۃِ، وَمَحَطُّ الرِّسَالَۃِ۔ ''ہم نبوت کا شجرہ اور رسالت کی منزل ہیں۔'' جناب عباس علمدار کا شجرہ نسب منجانب والد گرامی حضرت علی علیہ السلام فضیلت کی انتہا پر ہے۔

جناب عدنان

جناب عدنان نہایت متقی و پرہیزگار تھے، صاحب علم وفراست اور عدل وانصاف میں یکتائے زمانہ تھے۔ آپ روحانیت میں حد کمال پر فائز تھے۔ آپ نے اپنے خطبات میں جناب رسول اکرمؐ کی بعثت ونبوت کا ذکر فرمایا تھا اور لوگوں کو آپؐ کی پیروی کی تاکید فرمائی تھی اور یہ بات واضح کر دی تھی کہ جناب رسول اکرمؐ آپ کی ذریت سے ہوں گے۔ جناب عدنان نے اپنے زمانے میں لوگوں کو ظالمانہ رویہ بدلنے کی تاکید فرمائی اور آپس میں جنگ وجدال سے منع فرمایا اور راہ مستقیم پر چلنے کی تاکید فرمائی۔

جناب معد

جناب معد بن عدنان نہایت صاحب عزوشرف اور فضیلتوں پر فائز تھے۔ آپ دین ابراہیمی پر فائز نہایت دین دار، حوصلہ مند اور جری وقوی تھے۔ آپ کے زمانے میں بنی اسرائیل کا بہت زور تھا یہ قوم توحید کی

مخالفت پر اتری ہوئی تھی۔ یہ قوم باطل پرست اور خود غرض تھی، اسی بنا پر جناب معد نے بنی اسرائیل سے کئی جنگیں لڑیں اور ہر معرکہ میں فتح مند و کامران ہوئے۔ آپ کے زمانے میں حضرت ارمیاؑ نبوت پر فائز تھے جن کو پروردگار عالم کا حکم ہوا کہ بخت نصر جو اس وقت بادشاہ تھا اس کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے جناب معد کو اپنے ہمراہ رکھیں تاکہ یہ معاون و مددگار ثابت ہوں۔ جناب معد نے ہمیشہ حق کا ساتھ دیا اور باطل کے سامنے سینہ سپر رہے اور اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی۔

سیرۃ حلبیہ میں مرقوم ہے کہ جناب ارمیاؑ کو حکم الٰہی ہوا کہ اے ارمیاؑ! میں معد کے صلب سے سلسلہ رسالت کی آخری عظیم المرتبت اور کریم النسل فرد کو مبعوث کروں گا۔ اسی وجہ سے جناب ارمیاؑ جناب معد کے ہمراہ شام تشریف لائے اور بخت نصر کی موت سے اس کی شر انگیزیوں کا سلسلہ اختتام پذیر ہوا اور ظلم و ستم کا نہ رکنے والا سلسلہ ان صاحبان حق کی کارروائی سے اپنے انجام کو پہنچا۔

جناب نزار

جناب نزار جناب معد کے فرزند عالی ذی وقار تھے جو صاحب علم و فراست اور مہمان نواز و سخی تھے۔ آپ بلند شخصیت اور اعلیٰ سیرت کے حامل تھے۔ الروض الانف کی روایت کے مطابق نزار کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جس وقت آپ نے نور نبوت کی تابانی اپنی پیشانی میں مشاہدہ فرمائی تو لوگوں کو اس خوشی میں مدعو کیا اور فرمایا یہ مہمانی ان کی (جناب رسالت مآبؐ) عظمت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ لہٰذا اسی وقت سے آپ کو نزار کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔

جناب مضر

جناب مضر جناب نزار کے فرزند ارجمند تھے۔ آپ صاحب تقویٰ اور طیب و طاہر زندگی کے حامل تھے۔ آپ کے صلب میں نور رسالت ظہور پذیر تھا۔ آپ لوگوں کو اعمال صالح کی تاکید فرماتے۔ آپ کا قول تھا کہ "برائی کرنے والے کے حصے میں شرمندگی آتی ہے۔" اس وقت مضر و ربیعہ قبائل نہایت ہمدرد و مونس و مددگار تھے۔ لہٰذا دونوں کی برائی سے منع کیا جناب مضر بہت دور اندیش و صاحب بصیرت تھے۔ جناب مضر نے عادلانہ نظام کے لیے بہت کوشش فرمائی اور اپنے عمل صالح سے لوگوں کو بہت متاثر کیا۔ آپ نہایت متحمل مزاج اور صاحب علم و حکمت تھے۔

جنابِ الیاس

جنابِ الیاس بن مضر نہایت ذی فہم، عارف و عابد اور معاملہ فہم بزرگ تھے۔ آپ کی شرافت و سربلندی کا بڑا شہرہ تھا۔ آپ نے اپنے اجداد کی شرافت اور دینداری کے وارث کی حیثیت سے دنیا کو بہت متاثر کیا، آپ بحیثیت عادل معروف تھے۔ آپ نہایت اعلیٰ مرتبت قاضی تھے۔ اکثر لوگ اپنے مسائل کے حل کے لیے آپ کے پاس آتے اور مطمئن لوٹتے۔ آپ نے سب سے پہلے مکہ میں قربانی کا فرض ادا کیا۔ آپ کی بصیرت روحانی کا یہ عالم تھا کہ حضرت نوحؑ کے زمانے میں طوفان سے جو مقام غرق ہوا تھا آپ نے اس کی نشاندہی فرمائی اور اس وقت کے واقعات سے آگاہ فرمایا۔ آپ کا شمار اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ صاحبانِ شرف میں کیا جاتا تھا۔

جنابِ مدرکہ

جنابِ مدرکہ جناب الیاس کے فرزند ذی وقار تھے۔ آپ منبع علم و فراست اور اپنے آباء و اجداد کے جملہ اعمال حسنہ کے وارث تھے۔ آپ رسالت کی نسبی شرافت کے علمدار تھے۔ نہایت ذی فہم، عادل، حق گو، منصف مزاج اور دیندار تھے۔ آپ لوگوں کو نیکی کی تعلیم دیتے اور گناہ آلود زندگی سے منع فرماتے تھے۔ آپ نے اپنے نیک اعمال اور پاکیزہ سیرت سے لوگوں کو بہت متاثر کیا۔ اسی وجہ سے آپ قبائل کی نظر میں محترم تھے۔

جناب کنانہ

جناب کنانہ نہایت بلند مرتبت، ذی وقار، وجیہ اور صاحب فکر و نظر تھے۔ آپ کی دانائی کے تمام قبائل قائل تھے۔ آپ لوگوں کے مسائل حل فرماتے تھے۔ آپ کے فیصلوں سے لوگ متفق ہوتے اور آپ کی نصیحت پر توجہ دیتے۔ آپ نے جناب رسالت مآبؐ کی آمد کی خبر ان الفاظ میں فرمائی۔ ''عنقریب سرزمین مکہ میں ایک نبی مبعوث ہوں گے، جن کا اسم گرامی احمد ہوگا۔ لوگوں کو وحدانیت کی تعلیم دیں گے۔ نیکی، احسان اور مکارم اخلاق کی ہدایت فرمائیں گے۔ تم سب ان کی اطاعت کرنا تاکہ تمہارے وقار و شرف میں اضافہ ہو۔ تم نبی برحق کی تکذیب نہ کرنا۔

جناب کنانہ بہت مہمان نواز تھے۔ اکثر مہمانوں کا انتظار فرماتے اور جب تک کوئی مہمان نہ آجائے کھانا نہیں تناول فرماتے۔ یہ صفت ابراہیمی آپ میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔ لوگوں سے حسن سلوک اور حاجت روائی کرنا آپ کے معمولات زندگی کا حصہ تھا۔ آپ کے دانشمندانہ اقوال اکثر لوگوں کے وردزباں تھے۔ آپ نے فرمایا۔ ''اکثر انسان کے ظاہر و باطن میں فرق ہوتا ہے۔ ظاہر انسان کو دھوکا دیتا ہے لیکن تحقیق کے بعد فریب کی حقیقت سے آگاہی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ظاہر سے بے پرواہ ہو کر حقیقت شناس ہونا چاہیے۔''

جنابِ نضر

جناب نضر جناب کنانہ کے فرزند ارجمند ذی وقار تھے۔ آپ میں ہدایت و رہبری کی جملہ صفات نمایاں تھیں۔ خدا پرستی اور تقویٰ آپ نے میراث میں پایا تھا۔ آپ کی گفتگو میں اتنا اثر تھا کہ آپ کی نصیحت دل میں اتر جاتی۔ سیرت حلبیہ کے مطابق علما و فقہا کا اتفاق ہے کہ قبیلہ قریش و مالک جو قریشی کہلائے اس سے قبل یہ لفظ کسی پر صادق نہ آیا۔ آپ عاقل دوراں اور صاحب حکمت تھے۔

جنابِ فہر

جناب فہر بن نضر صاحب علم و فراست، عادل و شجاع تھے۔ آپ کی پیشانی مبارک میں نور رسالت کی جھلک پائی جاتی تھی۔ جس کے سبب آپ کے حسن و جمال کی یکتائی کا شہرہ عام تھا، جب حسان بن عبد کلال یمنی نے مکہ پر حملہ کر کے خانہ کعبہ کے سنگ خشت کو یمن لے جانا چاہا تا کہ وہاں ان پتھروں سے زیارت گاہ تعمیر کرائے تو جناب فہر نے اس کا مقابلہ کیا اور اسے شکست دی۔ لشکر نے راہ فرار اختیار کی اور حسان بن عبد کلال تین سال مکہ میں قید رہا۔ اس کے بعد وافر مقدار میں مال و زر بطور فدیہ دیکر اس نے رہائی حاصل کی۔ لیکن اس کو اپنی بداعمالی کی سزا قدرت سے یہ ملی کہ رہائی سے واپسی پر مکہ و یمن کے درمیان اس کی موت واقع ہوگئی۔ اس کے بعد جناب فہر کی عزت و شہرت میں اور زیادہ اضافہ ہوا الروض الانف میں مرقوم ہے کہ جناب فہر کی خدا پرستی سب پر عیاں تھی۔ آپ کا یہ قول کس قدر نصیحت آمیز ہے۔ ''اس مال کی زیادتی جس کے حصول میں آبرو چلی جائے اس سے مختصر مال بہتر ہے جو عزت و آبرو سے حاصل ہو۔'' آپ تقویٰ کی نہایت بلندی پر فائز تھے اور لوگوں کو عمل صالح و پارسائی کی تعلیم دیتے تھے۔

جنابِ کعب بن لوی

جنابِ کعب بن لوی صاحب علم وفراست اور اپنے قبیلے کی نہایت محبوب وہر دلعزیز شخصیت تھے۔ یہی وجہ تھی کہ قبیلۂ عشیرہ کے لوگوں نے آپ کے وصال کے سال کو سن مخصوص سے تعبیر کیا۔ سیرۃ حلبیہ کے مطابق زمانہ جاہلیت میں جمعہ کا نام عروبہ تھا۔ اس دن لوگوں کا بہت بڑا اجتماع ہوتا تھا۔ کعب بن لوی نے اس دن کا نام جمعہ قرار دیا۔ آپ نہایت قادر الکلام شاعر تھے۔ فصاحت وبلاغت آپ کے کلام کی اہم خوبی تھی۔ آپ کے یہ اشعار مقبولیت کی حد کو پہنچتے ہیں۔ شب وروز پیش آنے والے واقعات خواہ تلخ ہوں یا شیریں میری نظر میں یکساں ہیں، گزرے لحات اور شب وروز حوادث زمانہ کا سبب بنتے ہیں جن کے سبب پوشیدہ نصیحتیں ہم پر ظاہر ہوتی ہیں۔ آپ نے خبر دی کہ عنقریب جناب محمد مصطفےٰؐ مبعوث ہوں گے اور آنے والے واقعات کی بچی خبر دیں گے۔ کاش میں اس زمانے میں ہوتا تو آپ کی رسالت اور قول کی گواہی دیتا۔ آپ کی قوم وقبیلہ والے جو مخالفت کریں گے۔ وہ رسوا ہوں گے۔ آپ نے جناب رسالت مآبؐ کی آمد کی خوشخبری دی اور آپ کی اطاعت کی وصیت کی اور بتایا کہ آپ میری نسل سے ہوں گے۔

کعب بن لوی نے لوگوں کو نصیحت فرمائی کہ علم سے وابستہ وآراستہ ہو جاؤ تاکہ تمہارا شمار دوراندیشوں میں کیا جائے اور تم تاریکی وروشنی میں تمیز کر سکو۔ زمین گہوارہ ہے۔ (زمین پر مختلف اشیاء کا قیام ہے) اور اس زمین کے استحکام میں معاون کوہ گراں بھی گزشتہ کی طرح مٹ جائیں گے۔ اس دنیا میں سب کو امتحان کی منزل سے گزرنا ہے۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اعزاء واقرباء کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آؤ۔ یادرکھو جو بچھڑ جائے گا نہیں ملے گا اور جو مر جائے گا وہ نہیں آئے گا۔ ناچاہنے کے باوجود تمہاری منزل قبر ہے۔ حرم الہٰی سے وابستہ رہو اور اس کا احترام کرو۔ دیکھو ابھی اس (کعب) سے جدا نہ ہونا عنقریب نباء عظیم (حضرت علیؑ کا لقب) اور نبی کریمؐ مبعوث ہونے والے ہیں۔

جنابِ قصی بن کعب

جنابِ قصی بن کعب جنابِ رسالت مآبؐ کے اجداد میں پانچ پشت قبل گزرے ہیں۔ آپ نہایت ہی نیک طینت، بامروت، شائستہ طبیعت، نہایت مہذب شجاع وسخی تھے۔ آپ کے خیالات پاکیزہ اور خصائل حمیدہ تھے۔ آپ میں قومی حمیت اور کردار کی بلندی اپنی انتہا پر تھی۔ خلیل خزاعی جو بنو خزاعہ کے ایک نہایت دانشمند اور

ممتاز سردار تھے اور خدا کے گھر کی تولید جو عرصہ سے اولاد اسماعیلؑ کے ہاتھوں سے نکل گئی تھی اور بنوخزعہ میں وراثتاً چلی آرہی تھی ان کے ہاتھوں میں تھی۔ انہوں نے اپنی بیٹی حبیی کو جناب قصی کے نکاح میں دیا۔ یہاں تک کہ جب ان کی موت کا وقت قریب آیا تو اپنی بیٹی جواب جناب قصی کی زوجہ تھیں کو خانہ کعبہ کی تولیت کی وصیت فرمائی لیکن بیٹی نے یہ کہتے ہوئے اس منصب عالی سے انکار کیا کہ میں اس مقدس گھر کی خدمت کے قابل نہیں ہوں، یہ خدمت کسی بااثر اور عاقل شخص کے سپرد کرنا چاہیے۔ لہذا جناب خلیل نے خانہ کعبہ کی تولیت اور عمارت خریدلی قبیلہ خزاعہ کو جب اس امر کی خبر ہوئی تو یہ نہایت گرم جوشی کے ساتھ مقابلہ کے لیے تیار ہوئے اور جناب قصی سے قریش اور بنی کنانہ کو اپنی مدد کے لیے جمع کیا۔

دونوں فریق عین حرم میں خاص ایام تشریق میں ایک دوسرے کے سامنے معرکہ آراء ہوئے۔ آخرکار یعمر بن عوف کو منصف قرار دیا گیا اور آپس میں صلح کی تدبیر ہوئی۔ یعمر نے باآواز بلند ندادی۔ ''میں رب کعبہ کی قسم کھاتا ہوں کہ تمہارے تنازع میں، میں نے ایسا صحیح اور شفاف فیصلہ تجویز کیا ہے کہ جس میں کسی فریق کی حق تلفی نہیں ہوگی۔ اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ قصی مکہ کی تولیت کا استحقاق رکھتے ہیں اور خانہ کعبہ کی نگرانی وحفاظت ان ہی کے شایان شان ہے۔ یہی اس کو بنا سکتے ہیں۔ اس وقت سے قصی مکہ کے خودمختار ہوئے اور مستقل حاکم تسلیم کیے گئے اور وہ تمام عہدے جو خانہ کعبہ سے متعلق تھے۔ آپ کے ذمہ تفویض ہوئے جن کی تعداد چھ تھی۔ (۱) سقایت: یہ حجاج کو پانی پلانے کی خدمت تھی۔ (۲) رفادت: حاجیوں کو کھانا کھلانے کی خدمت۔ (۳) حجابت: اللہ کے مقدس گھر کی حفاظت کی خدمات۔ (۴) ندوت: دارالندوہ میں صدر انجمن بننے کا استحقاق۔ (۵) لواء: بوقت جنگ علمداری کی خدمت۔ (۶) قیادت: جنگ کے وقت لشکر کے سپہ سالاری کی خدمات۔ جناب قصی نے ان تمام عہدوں کو نہایت احسن طریقہ سے انجام فرمایا۔ جس کے سبب آپ کی عزت واحترام میں مزید اضافہ ہوا اور قوم میں ایک ہردلعزیز فرد کی حیثیت سے سامنے آئے۔

آپ نے اپنے خاندان کو خانہ کعبہ کے قرب میں بسنے کا حکم دیا تا کہ عربوں کے حملوں سے محفوظ رہیں۔ اہل خاندان نے کعبہ کے گرد چہاردیواری بنائی اور ہر ایک نے اپنے لیے مخصوص در بنائے۔ ان میں پہلا در بنی شیبہ، دوسرا بنی جح، تیسرا بنی مخزوم اور چوتھا در بنی سہم کے لیے مخصوص تھا اور طواف کے لیے ایک حصہ خالی رکھا گیا تا کہ یہاں آنے والوں کو دقت نہ ہو۔

جناب قصی نے اہم مسائل میں باہمی مشوروں کی خاطر ایک مرکز تشکیل فرمایا جس کا نام دارالندوہ تھا۔ یہی وہ مرکز تھا جسے بعد میں مجمع کے نام سے شہرت ملی۔ آپ نے ایک اہم فریضہ یہ انجام دیا کہ آپ نے

فرمایا۔ عربوں میں مہمان نوازی بہت اہمیت رکھتی ہے۔ لہٰذا ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق حاجیوں کی مہمان نوازی میں حصہ لے۔ سیرت حلبیہ اور طبری نے لکھا ہے کہ جناب قصی کی اس رائے کے پیش نظر رقم جمع کی گئی اور حاجیوں کی آمد کے وقت ان کی تواضع کی خاطر راستوں میں جانور ذبح کیے گئے اور مکہ معظمہ میں بھی قربانیاں دی گئیں۔ مزدلفہ میں آگ روشن کی گئی تاکہ دور سے حاجیوں کی رہنمائی ہو سکے اور منیٰ میں کھانوں کے انتظامات کیے گئے۔ ظہور اسلام تک یہ سنت جاری رہی۔ آج جو حاجیوں کی پذیرائی کا سلسلہ قائم ہے یہ جناب قصی بن کعب کی سنت ہے۔ اسی طرح آپ نے کئی فلاحی امور انجام فرمائے۔ آخر اس صاحب افتخار عظیم المرتبت شخصیت نے ۴۸۰ عیسوی میں وفات پائی اور آپ کو مقام حجون میں دفن کیا گیا۔ جناب عباسؑ کے نسب کے بزرگوار جناب قصی خانہ کعبہ کے جن عہدوں سے سرفراز ہوئے ان میں سقایت، حجابت، لواء اور قیادت جیسے عظیم عہدے تھے جن پر جناب عباسؑ کربلا میں فائز ہوئے اور ان فرائض منصبی کو جس طور سے نبھایا اس کی مثال قیامت تک نہیں مل سکتی۔

جناب عبد مناف

جناب عبد مناف، جناب قصی کے جلیل القدر و عظیم المرتبت فرزند ارجمند تھے۔ جناب قصی کے کئی فرزند تھے۔ ان میں عبد الدار سب سے بڑے تھے۔ سیرت ابن ہشام کے مطابق عبد مناف کا اصل نام مغیرہ تھا، چونکہ آپ کو بے پناہ مقبولیت اور شہرت حاصل تھی۔ لہٰذا آپ کو ''مناف'' (بلند و مکرم) کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔ آپ نہایت سادہ اور سرد مزاج تھے۔ جناب قصی کی زندگی میں ان کی عظمت و بزرگی کا شہرہ تھا اور قبائل میں بڑی مقبولیت تھی۔ اگرچہ جناب قصی نے بحیثیت فرزند اکبر ہونے کے تمام خدمات عبد الدار کے سپرد کیں لیکن انہوں نے اپنے بھائی کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے تمام عہدوں میں اپنا شریک بنالیا۔ جناب عبد مناف نے اپنے والد گرامی کی طرح عہدوں کا پاس کیا اور نہایت ایمانداری سے تمام امور انجام دیئے۔ آپ اپنی بے پناہ خوبصورتی کی وجہ سے ماہ بطحا کے لقب سے معمور تھے۔ آپ نہایت سخی اور فراغ دل تھے۔ آپ کے در سے کبھی کوئی سوالی خالی ہاتھ نہیں لوٹتا تھا۔ اسی وجہ سے آپ کا لقب ''فیاض'' قرار پایا۔ آپ کے خاندان کا تعلق قریش کے معتبر گھرانے سے تھا اسی لیے میراث میں حضرت اسماعیلؑ کی کمان جناب نزار کا پرچم جناب عبد مناف کی وراثت میں آیا۔ آپ کا انتقال ملک شام کے قریہ غزہ میں ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔

جناب ہاشم بن عبد مناف

جناب عبد مناف کے چار بیٹے تھے۔ ان تمام میں جناب ہاشم اپنی لیاقت کی بنا پر نہایت مشہور و معروف شخصیت کے حامل تھے۔ آپ تمام قریش میں قابل عظمت و ذی وقار بزرگ تھے۔ آپ کے نیک خصائل اور وجاہت کے سبب نہ صرف عرب بلکہ ہمسایہ ممالک اور تمام اقوام و قبائل میں قریش کے وقار میں اضافہ ہوا۔ آپ نے ایک اہم کارنامہ یہ انجام دیا کہ کعبہ کے انتظام اور اداروں کی اصلاح میں بہت کوشش فرمائی۔ ایک وقت وہ آیا کہ بنی عبد الدار کی بے احتیاطیاں جناب ہاشم کے لیے ناقابل برداشت ہوگئیں۔ تو ایک دن آپ نے اپنے سب بھائیوں کو جمع کیا اور سب کے سامنے ان امور کو پیش کیا۔ جو سب نے ایک رائے ہو کر بنی عبد الدار سے خدمات و انتظام واپس لینے کی تجویز میں جناب ہاشم کی رائے سے اتفاق کیا۔ لیکن عبد الدار نے انکار کیا، اس بناء پر نوبت جدائی تک پہنچنے کے قریب ہوئی۔ آخر کار اس شرط پر مصالحت ہوئی کہ سقایہ اور رفاوت کی خدمات بنی الدار سے بنی عبد مناف کی طرف منتقل کی جائے اور حجابت، لوا اور دار الندوہ کی خدمات بنی عبد الدار کی تحویل میں رہیں۔ لیکن ابن سعد نے طبقات میں تحریر کیا ہے کہ دار الندوہ کے اختیارات بنی عبد الدار کے ہاتھوں میں کبھی نہیں آئے۔ جب تک کہ عکرمہ بن ہاشم نے معاویہ بن سفیان کے ہاتھ اس کو بیچ ڈالا۔ اس بناء پر سقایہ اور رفاوت کے ساتھ دار الندوہ کا منصب بھی ہاشم بن عبد مناف کے قبضہ میں آگیا۔ جناب ہاشم نے سقایہ، رفاوت اور دار الندوہ کو بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

جناب ہاشم نے ایک قابل ذکر خدمات یہ بھی انجام دی کہ قوم کو بدحالی سے نکال کر تجارت کی طرف مائل کیا۔ اس طرح عوام الناس کی معیشت میں بہتری آنا شروع ہوئی۔ آپ نے مختلف اصلاحی کام سرانجام دیے۔ آپ کی حسن تدبیر سے ہزاروں برسوں پر محیط بدحالی کی جگہ ترقی کی راہیں کھل گئیں۔ آپ نے تجارت میں بددیانتی اور مفاد پرستی کی جگہ حق و انصاف کو عام کیا۔ ذخیرہ اندوزی اور ذاتی منفعت کی بجائے ایمانداری اور عوامی مفاد کی بات کی۔ آپ نے تجارت کو فروغ دیا اور تجارتی قافلے مختلف علاقوں میں کثرت سے آنے جانے لگے۔ جس کے سبب غربت و ناداری میں کمی واقع ہوئی۔

آپ نے قومی مفاد کو ترجیح دی۔ آپ نے یمن و شام کے سفر میں امن و امان قائم رکھنے کے لیے شہنشاہ روم غسان سے معاملات طے کیے۔ اس زمانے میں تجارت مکہ مکرمہ تک محدود تھی اور بہت کم تجارتی قافلے مکہ کا رخ کرتے تھے۔ آپ نے تجارت کے فروغ کی غرض سے شام کے بادشاہ قیصر سے ملاقات کی۔ قیصر

آپ کی اعلیٰ شخصیت، جمال اور حسن اخلاق سے بہت متاثر ہوا اور تجارتی قافلوں کی شام میں آمد کی اجازت دیتے ہوئے امن و امان اور سلامتی کی ضمانت کے طور پر دستاویز تحریر کی۔ آپ سردی کے موقع پر یمن اور گرمیوں میں شام کا سفر کرتے، ان ممالک کے بادشاہ اور عرب قبائل آپ کے ساتھ نہایت اعتماد سے شریک ہوتے اور آپ کے ساتھ تجارت کرنے میں اطمینان کا اظہار کرتے۔ اس طرح اطراف و جوانب کے قبائل اور مختلف اقوام میں آپ کی وجاہت اور نیک افعال کی شہرت ہونے لگی، بیرونی قبائل اور اقوام جو سالانہ ایام حج میں آتے جناب ہاشم تین روز تک ان کی مہمان نوازی فرماتے۔ جب یہ لوگ اپنے علاقوں میں واپس جاتے تو جناب ہاشم کی مہمان نوازی، فیاضی اور عادلانہ رویہ کا ذکر کرتے۔ اس طرح آپ کی نیک نامی کا چرچہ دور دور کے علاقوں تک ہونے لگا۔ ایک مرتبہ قوم قریش متواتر قحط کا شکار ہوئی، یہاں تک کہ فاقوں کی نوبت آ گئی۔ آپ سے قوم کی یہ حالت دیکھی نہ گئی، آپ شام کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں سے بڑی مقدار میں روٹیاں پکوا کر اونٹوں پر لدوا کر مکہ تشریف لائے اور جن اونٹوں پر روٹیاں لائے تھے ان کو ذبح کیا اور کھانا تیار کر کے اہل مکہ میں تقسیم کیا۔ اس طرح آپؑ کی سخاوت اور فیاضی کی شہرت میں مزید اضافہ ہوا۔ تاریخ خمیس کے مطابق بادشاہ روم نے جناب ہاشم کے پاس پیغام بھیجا کہ میری بیٹی نہایت حسین اور بذلہ سنج ہے، اگر آپ یہاں تشریف لائیں تو میں آپ کے ساتھ اس کی شادی کر دوں گا۔ کیونکہ میں نے آپ کے مکارم اخلاق اور جود و سخا کا شہرہ سنا ہے۔ لیکن جناب ہاشم نے صاف لفظوں میں انکار کر دیا اور بادشاہ کے پیام کی مطلق پرواہ نہ کی۔ آپ کی نظر میں دنیا کی بادشاہت کی کوئی وقعت نہ تھی، آپ پاکیزہ حسب و نسب کے وارث و امین تھے۔ جناب ہاشم میں نور رسالت کے اثرات نمایاں تھے، آپ کی پیشانی مبارک رات کی تاریکی میں مثل ماہ کامل درخشاں رہتی۔ آپ جس مقام سے گزرتے شجر و حجر سے ندا بلند ہوتی، اے ہاشم آپ کو مبارک ہو عنقریب آپ کی ذریت سے عظیم المرتبت پیغمبر آخر الزماں کا ظہور ہونے والا ہے جن کا اسم گرامی محمد مصطفیٰؐ ہوگا۔

جناب عبدالمطلب

جناب عباسؑ کے پردادا جناب عبدالمطلبؑ کا شمار ان عظیم ہستیوں میں ہوتا ہے جو صفات حسنہ سے معمور تھیں۔ جناب ہاشم کے انتقال کے بعد آپ کے صاحبزادے شیبۃ الحمد المعروف عبدالمطلب آپ کے جانشین ہوئے۔ جناب عبدالمطلبؑ کی ننھیال یثرب میں قیام پذیر تھی اور وہیں آپ کی پرورش ہوئی بعد میں آپ کے چچا جناب مطلب آپ کو مکہ معظمہ لے آئے۔ سن بلوغیت تک پہنچنے پر آپ میں تمام فضائل اور

کمالات اپنی انتہا کو پہنچ چکے تھے۔ اس طرح آپ اپنے والد گرامی جناب ہاشم کی طرح ہر دلعزیز شخصیت ہو گئے۔ آپ تمام برائیوں سے دور تھے اور حرام چیزوں سے کبھی رغبت نہ کی۔

جناب عبدالمطلب کا شماران کی اعلیٰ صلاحیتوں کی بناء پر رئیس قوم میں کیا جاتا تھا۔ قبیلہ قریش کے افراد آپ کو نہایت احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ آپ نہایت دور اندیش اور صاحب حکمت تھے۔ آپ نے اپنے وقت میں اسلامی احکامات پر چلنے کی تاکید فرمائی۔ سیرۃ حلبیہ اور خصائل شیخ صدوق میں ان کا ذکر کیا گیا ہے کہ جناب عبدالمطلب نے برہنہ خانہ کعبہ کے طواف پر پابندی عائد کی اور بتوں کے سامنے قربانی اور جوئے کو حرام قرار دیا۔ آپ کے عہد میں طواف کی حد مقرر نہ تھی۔ آپ نے سات بار طواف معین فرمایا۔ سوتیلی ماں سے عقد کو حرام اور بدترین عمل قرار دیا۔ آپ نے فرمایا۔ اگر کسی کو خزانہ ملے تو اس پر خمس واجب ہے جو مساکین وفقراء کا حق ہے۔ آپ نے اس پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی۔ ظلم وجبر سے معاشرے کو پاک رکھنے کے لیے خوں بہا سو اونٹ مقرر فرمائے۔ چوری اور رہزنی روکنے کے عملی اقدام بجالائے چور کے ہاتھ کاٹنے اور زنا وشراب کی حرمت کا حکم صادر فرمایا۔ سیرۃ حلبیہ کی روایت کے بموجب آپ نے فرمایا۔ (۱) ظالم کی موت سے قبل اسے سزا ملنا چاہیے۔ (۲) دنیا کے بعد بھی ایک عالم (آخرت) ہے، جہاں نیک اعمال بجا لانے والوں کو نیکی کا اجر اور بدکاروں کو بدی کی سزا ملے گی۔ (۳) اگر ظالم کو اس دنیا میں ظلم کی سزا نہ ملے تو آخرت میں ضرور ملے گی۔ آپ غار حرا میں بیٹھ کر عبادت کرتے تھے، جب ماہ رمضان آتا تو آپ کوہ حرا میں جا کر لوگوں سے علیحدہ ہو کر خاموشی کے عالم میں اللہ کے جلال وعظمت اور صفات میں فکر فرماتے۔

آپ بہت سخی اور غریب نواز تھے، مساکین میں کھانا تقسیم فرماتے۔ آپ کے دستر خوان سے جو کھانا بچتا، وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر پرندوں کے لیے پہنچا دیتے۔ آپ کے جود وکرم اور سخاوت کی بناء پر آپ کا لقب فیاض قرار پایا۔ سیرۃ حلبیہ کے مطابق "جناب عبدالمطلب کے القاب میں ایک لقب "فیاض" بھی ہے جو آپ کی سخاوت کے سبب تھا۔ آپ کی سخاوت کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ وحشی وطیور تک آپ کے خوان نعمت سے بہرہ مند ہوتے تھے۔" ان امور کے علاوہ کئی معاشرتی اصلاحات فرمائیں۔ آپ کا ایک بڑا کارنامہ چاہ زمزم کا دوبارہ کھدوا کر جاری فرمانا ہے۔ اس طرح لوگ ایک عظیم نعمت سے سرفراز ہوئے۔

معارج النبوت میں آپ کے فضائل کے باب میں مرقوم ہے کہ جناب عبدالمطلب کی شہرت کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ آپ کے والد ماجد جناب ہاشم کی وفات کے بعد ان کی جانشینی کا شرف حضرت مطلب کو ملا وہی قریش کے سردار مقرر ہوئے۔ حضرت اسماعیلؑ کے تبرکات مثلاً کمان، نذار کا علم اور خانہ کعبہ کی کنجیاں سب

حضرت مطلب کے پاس آئے۔ اس وقت حضرت عبدالمطلب کی عمر سات سال تھی اور اپنی والدہ کی سرپرستی میں پروان چڑھ رہے تھے۔ ایک دن یثرب (مدینہ) کے میدان میں بچوں کے ساتھ تیر اندازی میں مشغول تھے۔ قریش کے ایک آدمی کا اس طرف گزر ہوا تو اس نے دیکھا کہ ان کا تیر ہر مرتبہ نشانے پر لگتا ہے۔ یہ تیر پھینکتے وقت کہتے تھے: انا ابن هاشم ارمی سهاما۔ ''میں ہاشم کا بیٹا تیر پھینک رہا ہوں۔'' اس شخص نے مکہ آ کر جناب مطلب کو برادرزادے کے احوال سے مطلع کیا اور بتایا کہ ان کے چہرے سے تقدس کے آثار نمودار ہیں اور آپ کے رشد و ہدایت اور وقار کی تصویر کشی کی تو جناب مطلب نے جناب عبدالمطلب کو مکہ بلا لیا اور جناب مطلب کے بعد تمام مناصب و اعزاز انہیں حاصل ہو گئے۔ قوم کی سیادت و امامت کی ذمہ داریاں بھی انہیں کے سپرد ہو گئیں۔ یہاں تک کہ آپ کی بزرگی اور سیادت کی شہرت اطراف و اکناف میں پھیل گئی۔ جب باہر کے لوگ حج کے موقع پر مکہ مکرمہ آتے تو آپ کے لیے ہدیہ و تحائف لے کر آتے۔ اس طرح اپنی ذاتی صلاحیتوں، شجاعت، بصارت، فہم و ذکا، فصاحت و بلاغت اور مکارم اخلاق کی وجہ سے فرید عصر بن گئے۔ جو شخص آپ کی امان میں آ جاتا وہ تمام خطرات سے محفوظ ہو جاتا۔ قرب و جوار کے بادشاہان مملکت اور سرداران قبائل آپ کی عزت و تکریم کرتے تھے۔ البتہ کسریٰ بن ہرمز کی نظروں میں آپ کی ذات کھٹکتی تھی کیونکہ مکہ کا علاقہ اس کے زیر نگیں تھا۔ جب کبھی اہل عرب پر کوئی افتاد پڑتی یا کوئی مصیبت نازل ہوتی تو جناب عبدالمطلب کو ساتھ لیکر ساری قوم کوہ ثبیرہ پر آتی اور جناب عبدالمطلب کے وسیلہ سے دعائیں طلب کرتی۔ نور محمد علیہ التحیۃ و الثناء کے واسطہ سے اللہ تبارک تعالیٰ ان کے مصائب و آلام کو دور فرماتا۔

حاکم یمن ابراہہ الاشرم نے جب خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کا ارادہ کیا تو جناب عبدالمطلب کی فہم و فراست اور دعاؤں کے سبب اسے تباہی کا سامنا کرنا پڑا۔ تفسیر یعقوب کشانی کے مطابق ابراہہ کے لشکر میں تین لاکھ سوار و پیادے اور چار ہزار ہاتھی نشین تھے۔ اس لشکر کی فنی مہارت کا یہ عالم تھا کہ ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے زمین ہلتی تھی اور اونٹوں کی تعداد شمار سے باہر تھی۔ ابراہہ نے اپنے لشکر کو حکم دیا تھا کہ فتح کے بعد خانہ کعبہ کی مٹی تک کھود کر ہاتھیوں اور گھوڑوں پر اٹھا کر یمن لے جائی جائے اور اہل مکہ کے ساتھ قتل و غارت گری میں کوئی رعایت نہیں برتی جائے اور انہیں جنگی قیدی بنا کر ہر طرح کی اذیت پہنچائی جائے۔ ابراہہ کا سارا غرور اس وقت خاک میں مل گیا جب اللہ کی مدد اپنے گھر کی حفاظت کے لیے آ پہنچی۔ اس کا ذکر معارج النبوت میں اس طرح کیا گیا ہے کہ آسمان پر ایک سیاہ چادر تان دی گئی، علاوہ ازیں ایسے پرندے نہ تو مصر و شام کے علاقے سے متعلق تھے اور نہ خشکی و تری میں ایسے پرندے مصروف پرواز دیکھے گئے تھے۔ ہر پرندے

کی چونچ اور پنجوں میں ایک پتھر جو مسور کے دانہ سے بڑا اور چنے سے چھوٹا تھا دبا ہوا تھا جس پر اس شخص کا نام تحریر تھا جس سے اس شخص کی ہلاکت مخصوص تھی۔ پرندے فوج در فوج آئے، پہلے خانہ کعبہ کے گرد طواف کرتے پھر ابراہہ کے لشکر کی جانب متوجہ ہوتے۔ یہ قدرتی لشکر دنیاوی ساز و سامان سے آراستہ لشکر پر حملہ کرتا اور ان پر سنگباری شروع کر دیتا اور چھوٹے سے پتھر میں قدرت نے اس قدر طاقت رکھی تھی کہ جس جگہ گرتا وہاں سے گزرتا ہوا آر پار ہو جاتا، یہ پتھر سواروں کو چھیدتا ہوا ہاتھیوں اور گھوڑوں کے نیچے سے نکلتا تھا۔ نتیجے میں سوار اور سواری دونوں ہلاک ہو جاتے۔ اس طرح اللہ رب العزت نے اپنے گھر کے دفاع کے لیے عالم غیب سے لشکر جرار روانہ کیا اور ابراہہ کو کیفر کردار تک پہنچا دیا۔ اس واقعہ کی مناسبت سے اس سال کو عام الفیل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ واقعہ ۵۷۰ء میں پیش آیا۔ مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضورؐ کی ولادت اسی سال ہوئی۔ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا میں عام الفیل میں پیدا ہوا۔ جناب عبدالمطلب نے ایک روایات کے مطابق ۸۰ رسال دوسری روایت کے مطابق ۱۱۰ رسال اور بعض قول کے مطابق جب آپ کی عمر ۱۲۰ رسال سے تجاوز کر گئی تو انتقال فرمایا۔ آپ کے انتقال کے وقت جناب سرور کائنات ۸ ربرس کے تھے۔ جناب عبدالمطلب نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں جناب رسالت مآب کی پرورش جناب ابوطالبؑ کے سپرد کرتے ہوئے اطمینان کا اظہار فرمایا۔

حضرت ابوطالبؑ

ابن سعد کے مطابق جناب ابوطالبؑ ۵۳۵ء کو مکہ میں پیدا ہوئے۔ آپ جناب عباسؑ علمدار کے نہایت محترم و مکرم صاحب عز و شرف دادا تھے۔ محسن اسلام جناب ابوطالبؑ کا اصل نام عمران تھا۔ ابوطالبؑ آپ کی کنیت ہے۔ آپ اپنی کنیت سے مشہور ہوئے۔ اس کے علاوہ رئیس مکہ، سید البطحی القریش کے ناموں سے آپ کو یاد کیا جاتا ہے۔ جناب ابوطالبؑ اپنے بھائیوں میں زیادہ ذی وقار اور عاقل تھے۔ جناب عبدالمطلبؑ کے بعد ان کے جانشین زبیر قرار پائے لیکن ان سے یہ امور نہ چل سکے۔ آخر یہ عہدہ جناب ابوطالبؑ کے سپرد ہوا۔ آپ اپنے والد کی طرح مرجع خلائق رہے۔ آپ انبیاء کے وصی ہونے کی وجہ سے آپ کو زمانے کے حالات اور حوادثات کا علم تھا اور ایک امین کی حیثیت سے تمام تبرکات انبیاء جناب رسالت مآبؐ کے سپرد فرما دیئے۔

جناب ابوطالبؑ کو جناب رسول اکرمؐ کی پرورش و کفالت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ جب تک حیات رہے پیغمبر اسلام جناب رسالت مآب کی حمایت و نصرت میں مصروف رہے۔ شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد لکھتے ہیں کہ

حضرت ابو طالبؑ دین فطرت کو مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے اور وہ دل سے پیغمبر اسلام کو سچا پیغمبر اور اسلام کو خدائی دین سمجھتے تھے۔ شبلی نعمانی لکھتے ہیں۔ جناب ابو طالبؑ مرتے وقت کلمہ پڑھ رہے تھے۔ آپ پکے خدا پرست اور صاحب ایمان تھے۔ آپ نجاست کفر و شرک سے پاک تھے۔ علامہ طبرسی تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت آئمہ طاہرین کا اجماع ہے کہ حضرت ابو طالبؑ نے کبھی بت پرستی نہیں کی۔ آپ جناب رسول اکرمؐ پر آپکی وفات تک جتنا کلام الٰہی اور احکام نازل ہوئے ان سب پر آپ کا یقین تھا۔ مستدرک میں بھی اس بات کا اعتراف کیا گیا ہے۔ شیخ صدوق علیہ الرحمہ کمال الدین میں تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت عبدالمطلبؑ اور جناب ابو طالبؑ جناب رسالت مآب کی شخصیت اور فضائل سے واقف تھے لیکن کافروں اور نادانوں سے اس امر کو مخفی رکھتے تھے۔

حضرت ابو طالبؑ کی دینی خدمات اور جناب رسالت مآبؐ کی پرورش کے سلسلے میں آپ نے جو قربانیاں پیش کیں اور دشمنان اسلام سے آنحضرتؐ کو محفوظ رکھنے میں قابل ذکر کردار ادا فرمایا اس کا صاحبان سیر و تاریخ نے اعتراف کیا ہے۔ تاریخ خمیس، ثمرات الاوراق، طراز المجالس اور بلوغ الارب میں مرقوم ہے کہ جناب ابو طالبؑ نے قریش کو یہ وصیت فرمائی۔ ''اے اہل قریش میں تمہیں یہ وصیت کرتا ہوں کہ محمد مصطفیٰؐ سے حسن سلوک سے پیش آنا، اس لیے کہ آپ امین قریش اور صادق عرب ہیں۔ آپؐ میں وہ تمام صفات حسنہ موجود ہیں جس کی تمہیں دعوت دے رہے ہیں اور جو چیز (دین اسلام) وہ لے کر آئے ہیں اسے عقل قبول کرتی ہے۔ جناب ابو طالبؑ روحانیت کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔ آپ کی شاعری خالص روحانیت پر مبنی تھی۔ آپ کے کلام کا ہر شعر طہارت کے سانچے میں ڈھلا ہوا نظر آتا ہے۔ خزینۃ الادب بغداد میں مرقوم ہے کہ جناب ابو طالبؑ نے قریش کو مخاطب کرتے ہوئے یہ شعر پڑھا: ''کیا تم کو خبر نہیں! کہ میں محمد مصطفیٰؐ کو مثل موسیٰ کلیم اللہ نبی مرسل مانتا ہوں، جس کا تذکرہ آسمانی کتابوں میں ہے۔'' آپ نے اس شعر میں آپؐ کی رسالت کا ذکر فرمایا ہے۔ جیسے الحجۃ علی الذاہب میں روایت کیا گیا ہے۔ ''فرزند عبداللہ ہمارے درمیان رسول برحق ہیں لیکن ہماری قوم اس بات سے برہم ہے۔'' ابن الحدید نے آپؑ کے یہ اشعار نقل کیے ہیں۔ جناب محمدؐ امین و محبوب خلائق عالم ہیں اور رب تعالیٰ نے آپؐ کے شانوں پر ختم نبوت کی مہر لگائی۔ لوگ ان میں نبوی ہیبت و جلالت کا مشاہدہ کر رہے ہیں اور کوئی آپؐ کے عمل و کردار سے بے خبر نہیں ہے۔

آپ وہ نبی ہیں جن کے پاس اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے اور جو آپ کی دعوت کا منکر ہے وہ شرمندہ و پشیمان ہوگا۔ دراصل آپ کے کلام کا ہر شعر آپ کے جذبہ ایمانی کی عکاسی کرتا ہے۔ جیسا کہ ان اشعار سے ظاہر ہے۔ ''اے نور نظر (جناب محمد مصطفیٰؐ) آپ جس دین کو لائے ہیں وہ تمام آسمانی ادیان سے

بہتر ہے۔ اس بات میں ذرا بھی شک وشبہ نہیں کہ محمدؐ جو اپنی قوم میں امین ہیں میرے لیے اپنی اولاد سے بڑھ کر عزیز ہیں۔'' جب کفار قریش تبلیغ کی راہ میں رکاوٹ بنے اور جناب رسالت مآبؐ کو قتل کی دھمکی دی تو جناب ابو طالبؑ نے یہ اشعار پڑھے۔ ''اے میرے فرزند اپنا کام جاری رکھو کیونکہ یہ کام (تبلیغ دین) بے عیب ہے جس کی وجہ سے میری آنکھوں میں ٹھنڈک ہے۔ قسم بخدا! ان (مخالفین) میں سے کسی میں اتنی جرأت نہیں کہ میرے ہوتے ہوئے تمہیں ضرر پہنچاسکے مگر یہ کہ میں تہہ خاک مدفون ہو جاؤں۔'' ''تم لوگوں کی یہ تمنا ہے کہ محمدؐ کو قتل کر دو لیکن تمہاری یہ آرزو دیوانے کے خواب کی مثل ہے (جس کی کوئی حقیقت نہیں)'' ''تمہارا یہ گمان ہے کہ ہم محمدؐ کو تمہارے سپرد کر دیں گے تاکہ تم انہیں گرفتار کر لو یہ تمہارا خیال غلط ہے، ایسا ہرگز ممکن نہیں'' (ماخوذ از شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید) شعب ابی طالب میں جناب ابو طالبؑ بھتیجے کی حفاظت کی غرض سے جناب رسالت مآبؐ کی جگہ حضرت علیؑ کو لٹا دیتے تھے۔ آپ نے جناب امیر المومنین علیہ السلام کو ان فصیح اشعار سے مخاطب کیا۔ ''میرے بیٹے یہ مقام صبر ہے اور یہی تقاضا عقل ہے۔ اے میرے فرزند یہ حقیقت ہے کہ ہر زندہ کو ایک دن مرنا ہے، اللہ رب کریم نے یہ قانون واضح کیا ہے، یہ سخت مصیبت کا وقت ہے۔ لہٰذا تمہیں دوست اور دوست کے بیٹے کے لیے قربان کر رہا ہوں۔''

ابن ابی الحدید کے استاد ابو جعفر سے روایت ہے کہ ایک دن جناب رسول اکرمؐ جناب ابو طالبؑ کو کہیں نظر نہ آئے تو آپ بہت پریشان ہوئے کہ کہیں قریش نے انہیں اذیت تو نہیں پہنچائی۔ آپ تلاش کرتے ہوئے ایک گھاٹی تک پہنچے، جہاں آپ نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کے دائیں جانب حضرت علیؑ آپ کی اقتدا میں نماز ادا فرما رہے تھے۔ یہ دیکھ کر اپنے فرزند جناب جعفر سے کہا جاؤ اور اپنے چچا کے بیٹے کے پیچھے نماز پڑھو۔ جناب جعفر نے جناب رسالت مآبؐ کے بائیں جانب جا کر نماز ادا کی۔ یہ منظر دیکھ کر جناب ابو طالبؑ نے نہایت خوشی کا اظہار کیا اور اس موقع پر یہ اشعار پڑھے۔

''(میرے بیٹے) علیؑ و جعفر مشکلات ومصائب میں ہمیشہ میرے حامی و مددگار رہے ہیں۔ ان دونوں نے اپنے چچازاد بھائی کی مدد کرنے میں کوئی لمحہ بھی فروگزاشت نہ کیا۔ اس کا باپ، ماں باپ دونوں کی طرف سے میرا بھائی تھا۔ اللہ بزرگ و برتر کی قسم! میں اجازت نہیں دوں گا کہ رسول اللہؐ کی کوئی ہتک عزت کرے۔ اسی طرح میرے بیٹے جو اعلیٰ حسب ہیں یہ برداشت نہیں کر سکتے۔ ابن الحدید نے جناب ابو طالبؑ کا یہ شعر رقم کیا ہے جو امیر المومنینؑ کے لیے بطور وصیت فرمایا۔ ''میرے فرزند یہ حقیقت ہے کہ اعتماد اور اطمینان صرف رسول اللہ کا ساتھ دینے میں ہے۔ لہٰذا ثابت قدمی سے ان کے ساتھ رہو۔'' ''اے محمدؐ آپ عظیم نبی اور معزز ہستیوں کے سردار

ہیں اور آپ کے ساتھ کیے گئے عہد میں اس قدر قول صادق ہوں جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔""" کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہم نے محمدؐ کو بالکل ایسا ہی پایا ہے جیسے جناب موسیٰ ہیں کہ جن کا نام آسمانی کتابوں میں مرقوم ہے۔"

ابن سعد کی روایت کے مطابق جناب ابو طالب کا انتقال ۸۵ رسال کی عمر میں ۱۵ رشوال المکرم ۱۰ بعثت میں ہوا۔ جناب رسول اکرمؐ کو آپ کی وفات کا بے حد صدمہ ہوا اور آپ کے انتقال کے سال کو عام الحزن قرار دیا۔

حضرت امیر المومنینؑ

جناب عباس علمدارؑ کے والد گرامی مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ جناب رسول اکرمؐ کی حدیث ہے۔ "میں اور علیؑ ایک ہی نور سے ہیں۔" آپؑ ۱۳ رجب المرجب ۳۰ رہجری عام الفیل ۶۰۰ عیسوی یوم جمعۃ المبارک خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ قدرت نے آپ کے لیے مولود کعبہ کا شرف مخصوص فرمایا۔ سیرت حلبیہ میں مرقوم ہے کہ رسول اللہؐ نے آپؑ کو آغوش مبارک میں لیا اور منہ میں زبان مطہر دی۔ اس طرح دودھ کے بجائے دہن رسولؐ سے سیراب ہو کر لحمک لحمی کے شرف سے سرفراز ہوئے۔ علامہ اربلی کشف الغمہ میں لکھتے ہیں۔ جب جناب رسول اکرمؐ نے دہن امیر المومنینؑ میں اپنی زبان مبارک دی تو زبان رسالتؐ سے دہن امامت میں بارہ چشمے جاری ہوئے جس سے امیر المومنینؑ سیراب ہوئے صحیح بخاری، صحیح مسلم، ترمذی اور مشکوۃ شریف میں مرقوم ہے کہ جب حضرت علیؑ جوان ہوئے تو ایک دن جناب رسول اکرمؐ نے آپ سے پوچھا کہ میرے آنے سے قبل آنکھیں کیوں نہیں کھولیں تو آپؑ نے عرض کی۔ آقا میری یہ تمنا تھی کہ میری آنکھ کھلے تو میری پہلی نگاہ رخ مصطفےؐ پر پڑے۔ آپؑ ماں اور باپ دونوں کی طرف سے ہاشمی تھے۔ آپؑ کی ولادت سے قبل قبیلہ بنی ہاشم میں کوئی ایسا نجیب الطرفین پیدا نہیں ہوا تھا۔ جس کو آپ کے مقابل لایا جا سکے۔

ولادت امیر المومنینؑ کے مبارک موقع پر جناب ابو طالب علیہ السلام نے جو خطبہ دیا وہ نہایت فصیح و بلیغ تھا۔ یہ خطبہ اختصار کے باوجود فضیلتوں کا بحر بیکراں تھا۔ یہ خطبہ آپ نے اس وقت دیا جب ولادت کی شب قریش نے حیرت انگیز معجزات اور نورانی کیفیت کا مشاہدہ کیا جو اس شب سے قبل کبھی نہیں رونما ہوئے تھے۔ حالانکہ اس وقت آپ خانہ کعبہ میں تھے اور آپ کی ولادت کی خبر عام نہیں ہوئی تھی لیکن جناب ابو طالبؑ معرفت کی اس منزل میں تھے کہ ابھی نومولود کو دیکھا نہیں تھا لیکن اپنے خطبہ میں آپؑ کی فضیلت مکمل طور پر بیان فرمائی۔ آپ نے فرمایا: "اے لوگو! آج کی شب اللہ بزرگ و برتر کے دوستوں میں سے ایک اور اس کے ولیوں میں سے ایک ولی کی ولادت باسعادت ہوئی ہے۔ جو نیکیوں کا پروردہ اور سلسلہ اوصیاء سے آخری

فرد ہے۔ یہ متقین کا پیشوا، دین کا ناصر و مددگار، مشرکین کا قلع قمع کرنے والا اور منافقین کی آنکھ میں کھٹکنے والا، عبادت گزاروں کی زینت ہدایت کا امیر و امام، اندھیروں میں چراغ، منبع نور، کفر و شرک (کی آلودگی) کو زائل کرنے والا اور عین الیقین ہے۔"

روضۃ الواعظین میں اس خطبہ کے متعلق مرقوم ہے کہ جناب ابو طالبؑ ان کلمات کو حضرت علیؑ کی ولادت کے وقت مکہ مکرمہ کی گلیوں، محلوں اور بازاروں سے گزرتے وقت بار بار کہتے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔

اللہ نے آپؑ کو معصوم خلق فرمایا۔ لہٰذا یہ کہنا کہ آپ دنیا میں آ کر ایمان لائے درست نہیں۔ حقیقت تو یہ کہ دعوت ذوالعشیرہ میں آپؑ نے اسلام ظاہر کیا۔ بعد ولادت مولود کعبہ جب آغوش رسالتؐ میں آئے تو کتب سماوی کی تلاوت فرمائی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؑ دنیا میں آ کر ایمان نہیں لائے بلکہ دنیا میں ایمان لے کر تشریف لائے۔ آپ سراپا نور تھے۔ جناب رسول خداؐ فرماتے ہیں۔ "میں اور علیؑ ایک ہی نور سے ہوں۔" سیرت حلبیہ کے مطابق حضرت علیؑ کبھی کافر نہیں رہے۔ آپ جناب رسالت مآب کی کفالت میں رہے اور جملہ امور میں آپ کی پیروی کرتے رہے۔ لہٰذا آپؑ کو دعوت اسلام دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ مروج الذہب میں مسعودی کا بیان ہے کہ آپؑ بچپن ہی سے رسول اللہؐ کے تابع تھے۔ اللہ نے آپؑ کو معصوم خلق فرمایا اور صراط مستقیم پر قائم رکھا لہٰذا آپؑ کے لیے دنیا میں اسلام لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ آپؑ صاحب ایمان و معرفت کعبہ میں تشریف لائے۔

موفق بن احمد بن جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے کہ رشتہ مواخات قائم ہونے پر میں نے حضرت علیؑ کو یہ شعر پڑھتے سنا۔ (۱) میں مصطفیؐ کا بھائی ہوں، میرے نسب میں کوئی شک نہیں، میں نے رسول اللہؐ کے ساتھ پرورش پائی ہے۔ آپؐ کے دونوں نواسے میرے فرزند ہیں۔ (۲) میرے اور رسول اللہؐ کے دادا ایک ہیں۔ میری زوجہ فاطمہؑ ہیں۔ (۳) میں نے رسول اللہؐ کی اس وقت تصدیق کی تھی جب تمام لوگوں پر گمراہی اور شرک کی ذلت طاری تھی۔ (۴) اللہ کی حمد اور اس کا شکر ہے جس کا کوئی شریک نہیں، وہ اپنے بندے پر مہربان ہے وہ باقی ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ حضرت امیر المومنینؑ نے دین اسلام کی ترویج میں مشکل کشائی فرمائی۔ جب جناب رسالت مآبؐ نے تبلیغ اسلام کا آغاز کیا تو سب سے پہلے آپ کی رسالت کی گواہی حضرت علیؑ نے دی کہ اسلام کے لیے راہ ہموار کی۔ شب ہجرت بستر رسولؐ پر لیٹ کر مشکل کشائی فرمائی، فتح مکہ کے موقع پر دوش رسولؐ پر قدم رکھ کر کعبہ کو بتوں سے پاک کیا۔ اس موقع پر جناب رسالت مآبؐ نے

فرمایا تھا۔اے علیؑ میں بار امامت اٹھائے ہوں اور تم کار رسالت ادا کر رہے ہو۔بوقت بت شکنی سراپا نور کے قدم سراپا نور کے دوش پر تھے۔جب مباہلہ کا وقت آیا تو قرآن مجید نے آپؑ کو نفس رسول قرار دیا۔جنگ بدر ہو یا خیبر و خندق یا احد کا معرکہ آپؑ کی مشکل کشائی روز روشن کی طرح عیاں ہے۔بحیثیت باب مدینۃ العلم آج بھی آپ کے اقوال اور فیصلے صاحبان مودت کی رہنمائی کرتے ہیں۔آپؑ نے ایک موقع پر فرمایا تھا۔میں چشمے نکالنے والا اور نہروں وندیوں کا جاری کرنے والا ہوں۔میں وہ نور ہوں جس سے جناب موسیٰؑ نے روشنی طلب کی تو ہدایت پائی۔آپؑ نے اندھوں کو بینائی، لاعلاج مریضوں کو شفا اور مردوں کو زندگی عطا فرمائی۔

شرح تعریف میں ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالبؑ سر عارفاں ہیں۔آپ کے حقائق آمیز کلمات نہ کسی دوسرے سے بیان ہوئے اور نہ آپ کے بعد کوئی بیان کر سکے گا۔شواہد النبوت میں مرقوم ہے کہ جنید بغدادی کا بیان ہے کہ اگر حضرت علیؑ کو اپنے مخالفین کے جھگڑوں سے فرصت ملتی تو ہمارے لیے علمی اور روحانی معلومات کا وہ ذخیرہ چھوڑتے جسے دل برداشت کرنے کا متحمل نہیں ہوتا۔ینابیع المودۃ میں ابن طلحہ شافعی کی کتاب الدرر المنظم میں حضرت امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے کہ اگر میں چاہوں تو سورہ فاتحہ کی تفسیر اس قدر بیان کروں جس سے ستر اونٹوں کا بار ہو۔ینابیع المودۃ میں ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک چاندنی رات کو حضرت علی نماز عشاء کے بعد میرا ہاتھ پکڑ کر بقیع کی طرف لے گئے اور فرمایا: اے عبداللہ پڑھو! میں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تلاوت کی، آپ مجھے صبح کے طلوع ہونے تک بسم اللہ کے رموز سے آگاہ کرتے رہے۔ ابن عباس کہتے ہیں میں نے اپنے آپ کو حضرت علیؑ کے پہلو میں ایک فوارہ کی مانند پایا جو متلاطم سمندر کے پہلو میں موجود ہو۔حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں اگر میرے لیے مسند بچھادی جائے اور میں اس پر بیٹھ جاؤں تو میں اہل توریت کا توریت سے اہل انجیل کا انجیل سے اور اہل قرآن کا قرآن سے حکم دے سکتا ہوں۔آپ کے علمی کارناموں، اصلاحات، عدالتی فیصلوں، جنگی کارناموں، فضائل و مناقب احکامات و نصائح اور معجزات کی ایک طویل فہرست ہے۔احمد بن حنبل لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے برابر کسی کے فضائل نہیں۔صواعق محرقہ میں مرقوم ہے کہ حضرت علیؑ رسول اللہؐ کے مواخات میں بھائی اور سیدۃ النساء حضرت فاطمہؑ کے شوہر ہونے کی وجہ سے جناب رسول اکرمؐ کے داماد بھی ہیں۔آپ سابقین اسلام علمائے ربانی، مشہور بہادروں، زاہدوں اور معروف خطیبوں میں سے ایک ہیں۔فضائل امیر المومنینؑ کے باب میں احمد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے حبشی بن جنادہ سے بیان کیا ہے کہ رسول کریمؐ نے فرمایا: "علیؑ مجھ سے اور میں علی سے ہوں، اپنی ادائیگی میں کرسکتا ہوں یا علیؑ"۔ بزاز اور طبرانی نے الاوسط میں حضرت جابر بن عبداللہ

انصاری سے طبرانی نے حاکم اور عقیل نے الضعفاء میں ابن عدی نے حضرت ابن عمر سے ترمذی اور حاکم نے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ''میں شہر علم ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں، جو علم حاصل کرنا چاہے دروازے کے پاس آئے۔'' حضرت ابن مسعود نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ''حضرت علیؑ کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔'' طبرانی نے حضرت جابر سے اور خطیب نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جناب رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ''اللہ نے ہر نبی کی ذریت کو اس کی صلب میں رکھا ہے اور میری ذریت کو علی ابن ابی طالبؑ کی صلب میں رکھا ہے۔'' خطیب نے حضرت انس سے بیان کیا ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا: ''مومن کے صحیفہ کا عنوان علی بن ابی طالبؑ کی محبت ہے۔'' حضرت جابر سے روایت ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا: ''نیکوکاروں کے امام اور فاجروں کے قاتل علیؑ ہیں جو ان کی نصرت کرے گا وہ منصور ہوگا اور جو انہیں بے یارومددگار چھوڑے گا مخذول ہوگا۔''

دار قطنی نے الافراد میں حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول کریمؐ نے فرمایا: ''علیؑ گناہوں کے بخشنے کا دروازہ ہیں، جو اس دروازہ سے داخل ہوگا وہ مومن ہوگا اور جو اس سے نکل جائے گا وہ کافر ہوگا۔'' البراء نے خطیب سے اور دیلمی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جناب رسول کریمؐ نے فرمایا: ''علیؑ کا مقام مجھ سے ایسا ہے جیسا میرے بدن کا سر ہے۔'' عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ جناب رسول کریمؐ نے فرمایا: ''یہ علی ہیں ان کا گوشت میرا گوشت، ان کا خون میرا خون اور علیؑ کو مجھ سے وہ نسبت ہے جو جناب ہارونؑ کو جناب موسیٰؑ سے تھی لیکن میرے بعد نبی نہیں ہوگا۔'' جناب جابر بن عبداللہ انصاری روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہؐ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اے علی! قیامت کے دن تم میرے حوض سے دشمنان اہل بیت کو اس طرح ہٹاؤ گے جیسے بیمار زدہ اونٹ پانی سے ہٹایا جاتا ہے، تم ان کو اپنے عصا سے ہٹاؤ گے، گویا میں اپنے حوض پر تمہارے مقام کو دیکھ رہا ہوں۔''

حضرت امیر المومنینؑ باب مدینۃ العلم کے فضائل ومناقب بیان وتحریر سے ماوراء ہیں۔ زبان میں اتنی طاقت نہیں اور قلم میں اتنی سکت نہیں جو حق فضائل بیان ہوسکیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ کے فضائل ومناقب اس قدر ہیں کہ صدیوں سے صاحبان سیر وتاریخ لکھ رہے ہیں اور قیامت تک لکھتے رہیں گے۔ خطیب منبر سے فضائل بیان کرتے رہیں گے۔ آپؑ کے فضائل میں یہ صفت ہے کہ نہ تو بیان کرنے والے کی تشنگی کم ہوتی ہے اور نہ سننے والوں کی۔ ہر بار نئی تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ مولانا جامی شواہد النبوت میں لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے فضائل وشمائل اتنے زیادہ ہیں جتنے کہ زبان تقریر ادا نہ کرسکے۔ احمد بن حنبل

لکھتے ہیں۔ صحابہ کرام میں سے حضرت علیؑ سے زیادہ کسی کے فضائل وشمائل دستیاب نہیں۔ (مزید مطالعہ کے لیے مجھ احقر کی کتاب ''مناقب علیؑ فی ہدایت الکبریٰ'' اور سفینۃ الائمہ'' کا مطالعہ فرمائیں۔)

حضرت حمزہؓ

سید الشہداء حضرت حمزہ، جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام کے چچا تھے۔ اس لحاظ سے جناب عباس کے حسب ونسب میں حضرت حمزہ کی شمولیت سے جناب حمزہ کی وفاداری جو آپ نے جناب رسالت مآبؐ کے ساتھ نبھائی نسب کی سربلندی پر دلالت کرتی ہے۔ جناب حمزہ نے جو جناب رسالت مآبؐ کے ساتھ احد میں حق وفا ادا کیا اسے کربلا میں حضرت عباس علمدارؑ نے حضرت امام حسینؑ پر جانثاری کی انتہا تک پہنچاتے ہوئے لفظ وفا کو اپنے نام کا حصہ منوالیا۔ لہٰذا بعد واقعہ کربلا ''عباس باوفا'' کہلائے۔

جناب حمزہ نہایت دلیر اور شیدائے جناب رسول اکرمؐ تھے۔ جناب حمزہ کی شجاعت کے پیش نظر جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا: حمزہ اَسَدُ اللہِ وَ اَسَدُ رَسُوْلِہٖ ''حمزہ اللہ اور رسولؐ کے شیر ہیں۔'' آپ کا کفار پر بڑا رعب ودبدبہ تھا۔ آپ نے قسم کھائی تھی کہ میں اپنے بھتیجے کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑوں گا۔

جناب رسالت مآبؐ اور حضرت حمزہ کی عمر میں بھی زیادہ فرق نہ تھا۔ حضرت حمزہ اور جناب رسالت مآبؐ میں بہت محبت وقربت تھی۔ جناب حمزہ ہمیشہ جناب رسالت مآبؐ پر جانثاری کے لیے آمادہ نظر آتے تھے۔ ابن اثیر نے لکھا ہے۔ ''اس نئے شہ زور (جناب حمزہ) نے اسلام کو بہت قوت دی۔ جنگ احد کا افسوسناک واقعہ حضرت حمزہ کی شہادت ہے۔ آپ نہایت دلیرانہ جنگ کر رہے تھے کہ آپ کے گھوڑے کا پاؤں ایک گڑھے میں جا پڑا۔ وحشی نے موقع پا کر آپ کو مکاری سے شہید کر دیا اور ہندہ کو مبارک باد دی۔

تاریخ کامل ابن اثیر، جزری، ابن خلدون، طبری اور صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ''ہندہ نے حضرت حمزہ کا پیٹ چاک کیا کلیجہ نکالا اور منہ میں ڈال کر چبانے لگی لیکن نگل نہ سکی اور اگل دیا اس نے شہدائے احد کے ناک کان کاٹے اور ان کے ہار اور خلخال بنا کر پہنے۔ اپنے سونے کے ہار اور خلخال وحشی کو بخش دیے، پھر ایک اونچی پہاڑی پر جا کر بلند آواز سے فتح کا گیت الاپنے لگی، مورخ ابن الوری سے مروی ہے کہ جناب امیر المومنینؑ قتل گاہ میں حضرت حمزہ کی تلاش میں روانہ ہوئے۔ ناگاہ آپ کا جسد مبارک ایک مقام پر دیکھا تو گریہ فرمایا اور تمام صورت حال جناب رسول اکرمؐ کی خدمت میں عرض کی تو آپؐ وہاں تشریف لائے۔ جب اپنے عم نامدار حضرت حمزہ کو شکم بریدہ اور مثلہ کیا ہوا دیکھا تو نہایت مغموم ومحزون ہوئے۔ بعد ازاں آپؐ

نے اپنی ردائے مبارک کا کفن دیکر انکی نماز جنازہ سات تکبیروں کے ساتھ پڑھی۔ پھر دیگر شہداء کو حضرت حمزہ کے جنازے کے پاس لاکر انکی نماز جنازہ ادا فرمائی اوران میں سے ہر ایک کے ساتھ حضرت حمزہ پر بھی مکرر نماز پڑھی۔ حتیٰ کے حضرت حمزہ پر سب ملا کر بہتر (۷۲) نمازیں پڑھی گئیں، اس کے بعد آپ مدفون ہوئے۔

جناب طالبؑ

حضرت عباس علمدارؑ کے چچا جناب طالبؑ کے والد گرامی قدر شیدائے رسولؐ اور دین اسلام پر دل و جان سے فدا تھے۔ آپ نے آنحضرتؐ کی حمایت میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ آپ نہایت اعلیٰ مرتبت اور روحانیت کی معراج پر فائز تھے۔ جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا: ''جب میں معراج کی شب عرش الٰہی پر پہنچا تو میں نے وہاں چار انوار دیکھے تو پروردگار عالم سے سوال کیا۔ یہ انوار کس کے ہیں۔ ندائے الٰہی بلند ہوئی اے میرے حبیب یہ انوار عبدالمطلب، ابوطالبؑ، آپؐ کے والد عبداللہ اور چچازاد بھائی طالب کے ہیں۔

جناب طالبؑ کے جذبہ ایمانی پر آپ کے یہ اشعار دلالت کرتے ہیں جن کا ذکر بحارالانوار میں کیا گیا ہے۔ جناب طالب فرماتے ہیں۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ بہترین قبیلہ اور افضل ومکرم خاندان کون سا ہے تو اس کا جواب ہوگا کہ جناب عبد مناف یعنی ابوطالبؑ کا۔ جن کے والد محترم عبدالمطلبؑ اوران کے صاحب فضل وکمال والد جناب ہاشم ہیں۔ یہ وہ برگزیدہ ہستیاں ہیں جنہوں نے اس قبیلہ کو بلندی عطا فرمائی۔ ہاشم کی اولاد نے وہ عروج پایا کہ لغائم ونثرہ (یعنی چاند کی سربلندی کی مثل) میں اپنا مقام پایا اور جناب ہاشم کی اولادوں میں سب سے زیادہ صاحب فضیلت جناب احمد مرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

جناب عقیل

جناب عباس علیہ السلام کے محترم چچا جناب عقیل تھے۔ تذکرۃ الخواص خصال شیخ صدوق علیہ الرحمہ اور سیرۃ حلبیہ میں جناب رسالت مآبؐ کا ارشاد ہے کہ ''میں عقیل کو دو وجوہات کی بناء پر دوست رکھتا ہوں۔ اول ان کی ذاتی خوبیاں دوسرے یہ کہ حضرت ابوطالبؑ کو عزیز تھے۔''

جناب عقیل بن ابی طالب کے فرزند ذی وقار سفیر حسینؑ حضرت مسلمؑ نے جو حق وفا ادا کیا اس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ بحیثیت سفارت کار آپ نے جذبہ ایثار وقربانی کا ایک باب رقم کیا۔ جناب مسلم

کے دو کم سن فرزند جناب محمد وابراہیم جو کوفہ میں آپ کے ساتھ تھے راہ وفا میں شہید ہوئے۔ جناب رسالت مآبؐ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا تھا۔ اے علیؑ عقیل کے فرزند مسلم تمہارے نورِ نظر حسینؑ کی محبت میں شہید کیے جائیں گے جن کی مظلومیت پر مومنین کی آنکھیں اشک فشاں ہوں گی اور اللہ کے فرشتے ان پر درود وسلوٰۃ پڑھیں گے۔ جناب عقیل نے صدق دل سے جناب رسالت مآب کی تعلیم پر عمل کیا اور ساری زندگی راہ مستقیم پر قائم رہے۔ آپ خاندان رسالت کے مرد شجاع اور قابل احترام شخصیت تھے۔ مورخ داؤدی نے لکھا ہے کہ حضرت عقیل قبائل عرب کے بہت بڑے تاریخ داں اور نساب تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ماہرین نسب کو بڑی قدر کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور بوقت ضرورت ان سے رجوع کیا جاتا تھا۔ جناب عقیل اپنی خاندانی بزرگی اور شرف کے ساتھ نسب شناسی میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے اور عرب قبائل کے حسب ونسب اور ان کے اخلاق واطوار اور معاشرتی طرز زندگی سے باخبر تھے۔ اسی وجہ سے معاشی ومعاشرتی تعلقات خصوصاً رشتہ ازدواج کے سلسلے میں خصوصی طور پر آپ سے رجوع کیا جاتا تھا۔ مورخ صفوی کے مطابق حضرت عقیل کا شمار ان لوگوں میں تھا جن کی نظر انتخاب نسب کے بارے میں معتبر اور حرف آخر سمجھی جاتی تھی۔ آپ کا یہ طریقہ تھا کہ مسجد نبویؐ میں جس چٹائی پر نماز ادا فرماتے تھے اسی پر تشریف رکھتے اور لوگ آپ سے انساب، تاریخ اور عرب کے حالات وواقعات سے متعلق سوالات کرتے جن کا آپ تسلی بخش جواب دیتے۔

آپ نہایت فہم وادراک اور مردم شناس شخصیت کے حامل تھے۔ علم وفراست آپ کا ورثہ تھا۔ آپ باعمل عالم اور حب رسولؐ سے سرشار تھے۔ آپ نے اپنے والد گرامی جناب ابو طالبؑ کی زیر نگرانی تعلیم و تربیت حاصل کی کیونکہ جناب رسالت مآب کی پرورش بھی نہایت شفقت سے جناب ابو طالبؑ فرما رہے تھے۔ لہٰذا جناب رسالت مآبؐ سے قربت ومحبت کا احساس جناب عقیل کے لیے لازم تھا۔ جب جناب رسالت مآبؐ نے دعوت اسلام کا آغاز فرمایا تو جناب عقیل نے بھی حضرت علی علیہ السلام کی طرح جناب رسالت مآب کی تصدیق کی، گو کہ محبت واطاعت کا سلسلہ قبل از دعوت اسلام جاری تھا۔

جناب فاطمہ بنت اسدؑ

جناب فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا جناب عباس علمدار کی دادی تھیں۔ آپ کا اسم گرامی فاطمہ تھا۔ آپ اسد بن ہاشم کی صاحبزادی تھیں۔ طبقات ابن سعد کے مطابق آپ کی والدہ محترمہ کا اسم گرامی بھی فاطمہ تھا۔ جو جدہ حضرت خدیجہؑ (زائدہ) کی خواہر عم زاد تھیں۔ حضرت ابو طالب وفاطمہ بنت اسدؑ دونوں کا نسب

وہی ہے جو آنحضرت کا ہے۔ حضرت فاطمہ بنت اسد کا عقد جناب ابو طالبؑ سے ہوا۔ اعلام الوریٰ طبرسی کے مطابق حضرت ابو طالبؑ سے آپ کے یہاں چار فرزندوں کی ولادت ہوئی۔ حضرت طالب و عقیل اور حضرت جعفر و حضرت علیؑ اور تین صاحبزادیاں ام ہانی، جمانہ اور ریطہ پیدا ہوئیں۔ اسد الغابہ کے مطابق چونکہ فاطمہ بنت اسد اپنے والد کی اکلوتی صاحبزادی تھیں۔ اس لیے یہی اولاد اپنے نانا کی بھی وارث تھی اور نانا کا نام (اسد) چھوٹے نواسے علیؑ کے لقب اسد میں میراثاً پہنچا۔ مزید براں علامہ ابن شہر آشوب نے جناب اسد کی دو اولادیں اور بھی لکھی ہیں۔ حنین و خالدہ (مناقب)

استیعاب میں علامہ عبدالبر سے روایت ہے کہ **ھی اول ھاشمیہ ولدت لھا ھاشمی**۔ "یہ پہلی زن ہاشمیہ ہیں جن سے اولاد ہاشمی پیدا ہوئی۔" لیکن علامہ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں اس قول میں مزید اضافہ کیا ہے۔ **وھی ایضاً اول ھاشمیہ ولدت خلیفہ**۔ "فاطمہ بنت اسد یوں بھی پہلی ہاشمی عورت ہیں جن سے خلیفہ رسولؐ (علیؑ) پیدا ہوئے۔ مقاتل الطالبین لابی الفرج الاصبہانی نے زبیر بن العوام سے روایت کی ہے کہ جب **یاایھا النبی اذاجائک المومنات یبایعنک آلخ** نازل ہوئی تو سب سے اول بیعت کرنے والی عورتوں میں جناب فاطمہ بنت اسد تھیں۔ دراصل آپ کی اولیت کی ایک بڑی فہرست بنائی جاسکتی ہے کہ سب سے بڑھ کر یہ کہ مومنات عالم میں آپ سب سے پہلی عورت ہیں جن کے فرزند عالی وقار کی ولادت باسعادت بیت اللہ میں ہوئی۔ آپ پہلی بی بی ہیں جن کو خانہ کعبہ نے تین دن تک مہمان رکھا۔ حضرت مریم کو بیت المقدس سے اس نازک وقت میں جبکہ ولادت حضرت عیسیٰؑ قریب تھی چلے جانے کا حکم ہوا جبکہ جناب فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا کو کعبہ مکرم میں بلایا گیا اور دیوار کعبہ کا پردہ بھی بیچ سے اٹھایا گیا۔

جب جناب امیر المومنینؑ حضرت علی علیہ السلام اور جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے درمیان شادی کا رشتہ استوار ہوا تو بطور ساس و بہو جناب فاطمہ اور جناب فاطمہ بنت اسد دونوں برگزیدہ ہستیوں کے درمیان مراسم محبت پہلے سے زیادہ مستحکم ہوگئے۔ بے مثل حسن تعلقات کو دیکھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ساس اور بہو کا رشتہ ماں بیٹی کے رشتہ میں ضم ہو چکا ہے۔ جناب فاطمۃ الزہراؑ اور جناب فاطمہ بنت اسدؑ میں قدر مشترک صبر و استقلال، جذبہ ایثار، خدا ترسی، باہمی تعاون اور احترام رشتہ جیسی اعلیٰ صفات نمایاں تھیں۔

علل الشرائع میں مرقوم ہے کہ حضرت فاطمہ بنت اسد بنی ہاشم مہاجرہ تھیں۔ مقاتل الطالبین کے مطابق جناب رسالت مآبؐ نے روحا مقابل حمام ابی قطعیہ میں آپ کو خود دفن کیا اور اپنی قمیص کا کفن دیا، آپ

کی قبر میں اترے، آپ کی لحد میں لیٹے اور فرمایا میری قمیص سے ان معظمہ کو قیامت کے دن امان ملے گی اور ان کی لحد میں میرے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کشادگی عطا فرمائے گا۔لوگوں نے جناب رسالت مآبؐ سے جناب فاطمہ بنت اسد سے اس قدر اظہار محبت کا سبب دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا: ''میرے پدر بزرگوار میری صغیر سنی میں انتقال کر چکے تھے۔ جناب فاطمہ بنت اسدؑ اور آپ کے شوہر جناب ابو طالبؑ نے مجھے اپنی پرورش میں لے لیا۔ یہ دونوں ہر طرح مجھے وسعت و کشادگی دیتے اور اپنی اولاد پر مجھے ترجیح دیتے تھے۔ اس لیے میں نے چاہا کہ اللہ تعالیٰ ان کی قبر میں وسعت و کشادگی عطا فرمائے۔ آپؐ نے فرمایا: یہ میری ماں تھیں۔ ازواج پیغمبرؐ امہات المومنین یعنی مومنین کی ماں کہلائیں، جناب فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا کا مقام کتنا بلند ہے کہ خود جناب رسالت مآبؐ آپ کو ماں کہتے تھے۔ صاحب ارجح المطالب، اسد الغابہ، معارج النبوت، کنز العمال، مسند امام احمد بن حنبل اور علل الشرائع میں مرقوم ہے کہ جناب فاطمہ بنت اسد کے انتقال پر جناب رسالت مآبؐ بہت رنجیدہ ہوئے اور تجہیز و تکفین کا انتظام کیا اور خود دفن کیا۔

حضرت جعفر طیار

حضرت جعفر طیار جناب عباسؑ علمدار کے چچا، حضرت ابو طالبؑ کے فرزند اور حضرت علی علیہ السلام کے بھائی تھے۔ آپ نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربت میں وقت گزارا اور آپؐ کے ارشادات، مواعظ اور خطبات سے استفادہ حاصل کیا۔ یہاں تک کہ سیرت و کردار کی اس بلندی پر نظر آئے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا: ''اے جعفر تم صورت اور سیرت میں ہماری طرح ہو۔''

جناب جعفر کے ایمان کے بارے میں اتنا جاننا کافی ہے کہ جب لوگ نماز کی ادائیگی سے بے خبر تھے اس وقت جب جناب خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام صحن کعبہ میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھتے تھے، تو جناب جعفر طیار بھی ان کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے۔ آپ نے جناب رسالت مآبؐ کے احکامات کی پابندی کی اور مخالفین اسلام کا جوانمردی سے مقابلہ کیا اور جناب رسالت مآب کی تعلیمات کی ترویج و تبلیغ میں ہمہ وقت مصروف نظر آتے تھے۔ آپ احکام الٰہی اور شریعت سے پوری طرح واقف تھے اور علم کی اعلیٰ منزلت پر فائز تھے، یہی وجہ تھی کہ ہجرت حبشہ کے موقع پر آپ کو مسلمانوں کا قائد بنا کر روانہ فرمایا۔ جہاں آپ نے دین اسلام کی وضاحت فرمائی، جس سے حبش کا بادشاہ نجاشی بہت متاثر ہوا اور اسلام قبول کیا۔ نجاشی کے دربار میں آنے والے کفار کے وفود جو

اسلام کے خلاف مکہ سے آکر نجاشی کو اسلام سے بدزن کرنے پر معمور تھے، ان سب کی اسلام دشمنی کو جناب جعفر طیار نے اپنے علم وفراست سے بہ حسن وخوبی رد کیا۔

جب اسلام عروج کی منازل طے کر رہا تھا تو جناب جعفر ملک حبشہ میں تبلیغ دین میں مصروف تھے۔ یہاں تک کہ فتح خیبر کے موقع پر جب حبشہ سے تشریف لائے تو اس پرمسرت موقع پر جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا: ''اب میں خیبر کی فتح پر زیادہ خوشی مناؤں یا حبشہ سے جعفر کی آمد پر۔'' علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے بحارالانوار میں روایت بیان فرمائی ہے کہ فتح خیبر کے روز جناب رسالت مآبؐ نے حضرت جعفر سے فرمایا! کیا آج کوئی تحفہ لینا چاہتے ہو؟ یہ جملہ سن کر حاضرین کو گمان ہوا کہ شاید حضرت جعفر سونا، چاندی اور جواہر کے متمنی ہوں لیکن آپ نے مال دنیا کی خواہش نہیں کی تو جناب رسالت مآبؐ نے جناب جعفر طیار کو تحفہ میں نماز تعلیم فرمائی جو ''نماز جعفر طیار'' کے نام سے مشہور ہے۔

جناب جعفر طیار نے جنگ موتہ میں نہایت جرأت کا اظہار کیا۔ صحیح بخاری اور البدایہ والنہایہ کے مطابق جنگ موتہ میں تین ہزار کے لشکر اسلام کا دو لاکھ کی آلات حرب سے آراستہ فوج سے مقابلہ تھا۔ لیکن مجاہدین نے سر ہتھیلیوں پر رکھ کر صف بندی کی۔ جب حضرت زید شہید ہوگئے، تو ان کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالبؑ نے علمبرداری کا شرف حاصل کیا۔ دشمنوں نے پے درپے وار کیے، آپ کا دائیاں ہاتھ کٹ گیا تو علم کو بائیں ہاتھ میں اٹھایا، جب یہ ہاتھ بھی قطع ہوا تو علم کو اپنے بازو کے سہارے سینے سے لگالیا۔ آخر زخموں سے چور چور ہو کر واصل حق ہوئے۔ ابن ہشام کے مطابق حضرت جعفر کی عمر اس وقت تینتیس (۳۳) برس تھی۔ البدایہ النہایہ کے مطابق جناب جعفر نے جیتے جی تیروں، تلواروں اور نیزوں کے پچاس زخم اٹھائے یہ تمام زخم آگے کی طرف تھے۔ آپ نے نہ دشمن سے منہ موڑا نہ پشت پر زخم کھائے۔ دشمن آپ کی لاش اطہر پر بھی دشمنی نکالتے رہے۔ بعد میں آپ کے زخم گنے گئے تو ان کی تعداد نوے سے زائد تھی۔ جناب جعفر نے جناب رسالت مآب کی نصرت کرتے ہوئے چار سو سواروں کو قتل کیا۔

البدایہ والنہایہ میں روایت ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے انہیں دیکھا کہ خون میں رنگے ہوئے دو پر لگائے فرشتوں کے زمرہ میں محوئے پرواز ہیں۔ ابن اثیر کے مطابق حضرت جعفر کو اسی وجہ سے ذوالجناحین (دو پروں والے) اور طیار (پرواز کرنے والے) کہتے ہیں۔ ابن ہشام اور صحیح بخاری میں مرقوم ہے کہ پیغمبر اسلام کو جناب جعفر طیار کی وفات کا بہت صدمہ ہوا۔ حضرت جعفر طیار کئی برس پردیس (ملک حبشہ میں بغرض تبلیغ اسلام قیام پذیر تھے) میں رہنے کے بعد لوٹے تھے کہ پھر داغ جدائی دے گئے۔ آپ کی

شہادت کی خبر سے جناب محبوب خداؐ کی آنکھوں سے اشک رواں تھے اور بے انتہا رنجیدہ خاطر ہوئے۔ جب حضرت علی علیہ السلام نے آپ کی شہادت کی خبر سنی تو آپؑ نے دریافت کیا یارسول اللہؐ میرے بھائی جعفر کی کیا خبر ہے۔ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا! اے علیؑ صبر کرو خدا تمہیں تمہارے بھائی کی مصیبت میں صبر عطا فرمائے۔ یہ سن کر حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا: ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' بعد اس کے شدت سے گریہ فرمایا۔

جنگ موتہ میں جناب رسالت مآبؐ کی نصرت میں حضرت جعفر ابن ابی طالبؑ کے علم کی حفاظت میں دونوں شانے قلم ہوئے، جناب عباسؑ نے بھی حضرت امام حسینؑ کی نصرت میں جو مصائب اٹھائے اس کی مثال نہیں ملتی۔ جب امیر المومنینؑ نے حضرت جعفرؑ کی شہادت کی خبر سنی تو آپؑ نے جناب رسالت مآبؐ سے دریافت کیا یارسول اللہؐ میرے بھائی جعفر کی کیا خبر ہے۔ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا: اے علیؑ صبر کرو خدا تمہیں تمہارے بھائی کی مصیبت میں صبر عطا فرمائے۔ یہ سن کر حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا۔ ان للہ وانا الیہ راجعون۔ بعد اس کے شدت سے گریہ کیا اور حضرت امام حسینؑ جب اپنے بھائی جناب عباسؑ کی لاش پر آئے تو شدت غم سے نڈھال تھے اور فرمارہے تھے۔ ''اے بھائی عباسؑ تمہارے مرنے سے حسینؑ کی کمر ٹوٹ گئی، اے عباسؑ تمہارے مرنے کے بعد میرے لیے تدبیر کی راہیں بند ہو گئیں، میں تمہارے بعد ضعف محسوس کررہا ہوں، اے میری قوت وطاقت عباسؑ تم کہاں ہو۔'' جناب عباسؑ کے چچا جناب جعفرؑ تھے اور جناب عباسؑ کی شہادت میں قدر مشترک یہ ہے کہ دونوں کی عمریں تقریباً مساوی تھیں۔ جناب جعفر بوقت شہادت ۳۳ برس کے اور جناب عباسؑ کی عمر تقریباً ۳۲ برس تھی۔ دونوں برگزیدہ ہستیوں کے شانے قلم ہوئے لیکن جن مصائب کا سامنا جناب عباسؑ کو تھا وہ حالات جناب جعفرؑ کے ساتھ نہ تھے۔ آپ نے حضرت امام حسینؑ کے ساتھ جو حق وفا ادا کیا اس کی سربلندی کی بناء پر ''وفا'' آپ کے نام کا حصہ قرار پائی اور عباسؑ باوفا کے نام سے معروف ہوئے۔

برادران وخواہران جناب عباسؑ

جناب عباس علمدار علیہ السلام کے والد گرامی حضرت علی علیہ السلام کی اولاد کے بارے میں شیخ مفید علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امیر المومنینؑ کی اولاد کی تعداد ۲۷ تھی۔ انوار الحسینیہ میں مرقوم ہے کہ آپ کی شہادت کے وقت دس بیٹے اور اٹھارہ بیٹیاں تھیں۔ ناسخ التواریخ، ارشاد مفید اور اعلام الوریٰ کے

مطابق حضرت امیر المومنینؑ کی نسل پانچ بیٹوں سے بڑھی حضرت امام حسن علیہ السلام، حضرت امام حسین علیہ السلام، حضرت محمد حنفیہ، حضرت عباس علیہ السلام اور حضرت عمر بن علی۔ حضرت امام حسنؑ، حضرت امام حسینؑ، جناب زینبؑ اور جناب ام کلثومؑ کی والدہ گرامی جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا تھیں۔ جناب فاطمہؑ کے فرزند جناب محسن جنکے بارے میں سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ آپ شکم مادر میں تھے کہ ظلم سے شہید ہوئے۔

ابن ماجہ، ابو داؤد، ابن حجر، اسعاف الراغبین اور حاشیہ نور الابصار کے مطابق جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا سے تین بیٹے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئی۔ ۱۵ رمضان المبارک ۳ ہجری کو حضرت امام حسن علیہ السلام، ۳ شعبان المعظم ۴ ہجری میں حضرت امام حسین علیہ السلام، ۵ ہجری میں جناب زینب سلام اللہ علیہا، ۹ ہجری میں جناب ام کلثوم سلام اللہ علیہا اور ۱۱ ہجری میں اسقاط حضرت محسن ہوا۔

شیخ مفید اور علامہ طبرسی علیہ الرحمہ نے آپؑ کی اولاد کی تعداد ۲۷ لکھی ہے۔ جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ حضرت امیر المومنینؑ کے سب سے بڑے فرزند حضرت امام حسن علیہ السلام ہیں۔ دوسرے فرزند حضرت امام حسین علیہ السلام ہیں۔ جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا اور جناب زینب صغریٰ جن کی کنیت ام کلثوم ہے۔ ان چاروں کی والدہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا تھیں جو حضرت علی علیہ السلام کی پہلی زوجہ تھیں۔ پانچویں فرزند محمد حنفیہ ہیں۔ آپ کی کنیت ابو القاسم تھی جو خولہ بنت جعفر بن قیس حنفیہ کے فرزند تھے۔ چھٹے اور ساتویں جڑواں بھائی، بہن عمر اور رقیہ تھے۔ ان کی والدہ حبیب بنت ربعیہ تھیں۔

چار فرزند جناب ابو الفضل العباسؑ، حضرت جعفر، حضرت عثمان اور حضرت عبد اللہ تھے۔ انکی والدہ ماجدہ جناب ام البنین سلام اللہ علیہا بنت حزام بن خالد کلابیہ تھیں۔ یہ چاروں فرزند عالی مرتبت کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی نصرت میں شہید ہوئے۔ بارہویں فرزند جناب یحیٰ تھے جو حضرت اسماء بنت عمیس سے تھے۔ جناب یحیٰ کا انتقال حضرت علیؑ کی شہادت سے قبل ہو گیا تھا۔ تیرہویں اولاد حضرت ام الحسن اور چودہویں حضرت رملہ تھیں۔ ان دونوں کی والدہ حضرت ام سعید بنت عروہ بن مسعود ثقفی تھیں۔ پندرہویں اولاد حضرت محمد اصغر اور سولہویں اولاد حضرت عبد اللہ تھے۔ ان دونوں کی والدہ لیلٰی بنت مسعود دارمیہ تھیں۔ یہ دونوں بھائی کربلا میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت امیر المومنینؑ کی باقی گیارہ بیٹیوں کی اسم گرامی یہ ہیں۔ نفیسہ، زینب صغریٰ، رقیہ صغریٰ، ام ہانی، ام کرام، ام سلمہ، میمونہ، جمانہ، امامہ، خدیجہ اور فاطمہ۔

جناب عباس کا نسب نامہ ماں کی طرف سے

جناب عباس علمدار علیہ السلام کا نسب باپ اور ماں دونوں کی طرف سے اعلیٰ تھا۔ علامہ کنتوری مائتین میں لکھتے ہیں۔ "جناب ام البنینؑ شریف ترین خاندان اور پاکیزہ و بے عیب تھیں۔ آپ کا نسب نہایت اعلیٰ تھا۔" آپ کے اجداد کا شمار اعلیٰ ترین شخصیات میں ہوتا تھا۔ یہ علم و فضل، شجاعت و جوانمردی اور بردباری و شرافت میں یکتائے زمانہ تھے۔ ابن ابی الحدید، ناسخ التواریخ، عمدۃ الطالب اور ابصار العین کے مطابق حضرت ام البنین (فاطمہ کلابیہ) کا اپنے والد ماجد کی طرف سے حسب نامہ یہ ہے: فاطمہ بنت حزام ابن خالد ابن ربیعہ بن لوی بن غالب۔ بن کعب ابن عامر بن کلاب۔ بن ربیعہ ابن عامر بن صعصعہ۔ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن۔

از طرف والدہ آپ کا نسب نامہ یہ تھا۔ لیلیٰ بنت شہید ابن ابی عامر بن الاعت الاستہ مالک بن جعفر ابن کلاب اور لیلیٰ کی ماں ثمامہ بنت سہیل بن عامر مالک بن ابن جعفر بن کلاب مرقوم ہیں اور ثمامہ کی والدہ عمرو بنت طفیل رفارس قرزی ابن مالک الاحزام جعفر ابن کلاب (رئیس الہوازن) تھیں اور عمرہ کی ماں کبشہ بنت عروۃ الرجال بن عتبہ۔ بن جعفر بن کلاب تھیں اور کبشہ کی ماں ام الخشف بنت معاویہ۔ بن عبادہ بن عقیل بن کلاب۔ بن ربیعہ۔ بن عامر بن صعصعہ تھیں۔ ام الخشف کی ماں فاطمہ بنت جعفر بن کلاب تھیں اور فاطمہ کی ماں عاتکہ بنت عبد شمس بن عبد مناف ابن قصی ابن کلاب تھیں۔ عاتکہ کی ماں آمنہ بنت وہب۔ بن عمر بن نصر بن معین بن حارث۔ بن ثعلبہ۔ بن داؤد بن اسد حزیمہ تھیں اور آمنہ کی ماں دختر مجد۔ بن صبحیۃ، الاعز بن قیس بن ثعلبہ۔ بن عکاشہ۔ بن صعصعہ۔ بن علی بن بکر بن وائل بن ربیعہ نزار اور ان کی والدہ دختر مالک بن قیس بن شیبہ تھیں، اور ان کی والدہ دختر ذولزا اسین خشین۔ بن ابی عصم ابن شمخ بن فزارہ اور ان کی ماں دختر عمر بن عرمہ بن عوف بن سعد بن دینا بن بخیض الریب۔ بن غطفان تھیں۔

جناب عباس کی شادی

جب حضرت عباس علیہ السلام جوان ہوئے تو حضرت ام البنین کے دل میں حضرت عباسؑ قمر بن ہاشم کی شادی کی تمنا جاں گزیں ہوئی تاکہ گھر آباد ہو اور صحن خانہ نور علیٰ نور کا منظر پیش کرے۔ جب حضرت امام حسین علیہ السلام سے اپنی دلی آرزو بیان کی تو آپ بہت مسرور ہوئے اور شادی کے انتظامات کرنا شروع کر دیے۔ عقد کے سلسلے میں نظر انتخاب جناب عبید اللہ ابن عباس بن عبد المطلب کی دختر جناب لبابہ پر کی،

خواستگاری کے بارے میں آپس میں گفتگو ہوئی اور شادی کے معاملات بخیر وخوبی حسن رضامندی سے طے پائے اور عقد بارضائے الٰہی قرار پایا۔ ناسخ التواریخ المعارف اور ابن قتیبہ نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جناب عباسؑ کی زوجہ محترمہ حضرت لبابہ تھیں۔ ناسخ التواریخ، لسان الملک لکھتے ہیں۔ حضرت عباسؑ کے حضرت لبابہ سے دو فرزند تھے۔ ایک کا اسم گرامی فضل اور دوسرے جناب عبید اللہ تھے۔

علامہ اسفرائنی تحریر فرماتے ہیں۔ جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباسؑ کو رن کی اجازت دی تو فرمایا: بھائی عباسؑ خیمہ میں جا کر سب سے رخصت ہو تو جب جناب عباسؑ خیمہ میں داخل ہوئے تو آپ کی زوجہ اور دونوں بچوں نے آپ کا دامن تھام لیا۔ جناب عباسؑ کے فرزند عالی جناب فضل نے کربلا میں شہادت فرمائی اور حضرت عبید اللہ کے بارے میں علامہ ساوی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ بعد واقعہ کربلا جنت البقیع میں جناب ام البنین سلام اللہ علیہا کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ نسل جناب عباس علمدار حضرت عبید اللہ سے چلی۔

باب:۳

جناب عباس علیہ السلام کی کنیت

ایسا اسم جو لفظ اب یا لفظ ام سے شروع ہو کنیت کہلاتا ہے۔ مثلاً ابوالقاسم، ابوالفضل اور ام ایمن وغیرہ کنیت کا مقصد صاحبان عز و شرف کی تعظیم و تکریم اور بروں کی تحقیر ہوتا ہے۔ عرب معاشرہ میں کنیت کا رواج عام تھا۔

جناب عباس علمدار علیہ السلام کی متعدد کنیت ہیں۔ جیسے ابوالفضل، ابوالقاسم، ابوفاضل، ابوالشارہ، ابوالقربہ، ابورائش الحار، ابوقربہ مزید براں ابوالفضل، ابوالقاسم اور ابوالقربہ نہایت مشہور ہیں۔

ابوالفضل: جناب عباسؑ جملہ اعمال حسنہ اور فضائل پر فائز تھے۔ شجاعت، صبر و استقلال، تقویٰ، علم و حکمت، ایثار و قربانی اور صبر جیسی اعلیٰ صفات میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ آپؑ کو فضیلت کے اعلیٰ درجات کی بنا پر ابوالفضل کی کنیت سے یاد کیا جاتا ہے۔ ابوالفضل آپ کی مشہور کنیت ہے۔ اسی طرح آپ کی کنیت ابوفاضل بھی انہی معنی و مفہوم پر معمور و معروف ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ نے کربلا میں اپنے عمل سے ثابت کیا کہ آپ منبع صفات حسنہ ہیں۔

ابوالقاسم: جناب عباس علمدار جناب رسالت مآب کی سیرت پر پوری طرح عمل پیرا تھے۔ آپ کا ہر عمل عین اطاعتِ رسول تھا۔ اسی وجہ سے ابوالقاسم کنیت کے شرف سے مزین ہوئے جبکہ کنیت ابوالقاسم جناب رسالت مآبؐ کے لیے مخصوص قرار پائی لیکن کربلا میں آپ نے دین اسلام کی راہ میں بے مثل قربانی دیکر اس اعزاز کو حاصل کیا۔

ابوالقربہ: لغت میں قربہ کے معنی مشک کے ہیں کیونکہ کربلا میں آپ کا تعلق مشک و علم سے قریبی تھا۔ لہٰذا آپ کی کنیت ابوالقربہ قرار پائی۔ اس کنیت کے حوالہ جات مقاتل الطالبین، انوار النعمانیہ تاریخ الخمیس، فزار السرائر اور کتب مقاتل میں ملتے ہیں۔

حضرت عباس علیہ السلام کے القاب

کسی شخص کی ذاتی صفات حسنہ یا اس کے ذاتی عیوب کی بناء پر جو لفظ اس کے نام کا حصہ بن جائے لقب کہلاتا ہے۔ حضرت عباسؑ منبع فضائل تھے۔ آپ کو جملہ فضیلتیں وراثت میں ملی تھیں۔ صاحبان سیرو

تاریخ نے آپ کے یہ القاب تحریر فرمائے ہیں۔

قمر بنی ہاشم (بنی ہاشم کا چاند)، قمر العشیرۃ (خاندان کا چاند)، باب الحوائج (حاجتوں کا در)، باب الحسینؑ (حسینؑ کا دروازہ)، السقاء (پانی پلانے والا)، ساقی عطا شارِ کربلا (کربلا کے پیاسوں کا ساقی)، علمدارِ کربلا (کربلا کے علمدار)، حامل اللواء (علمدار)، بطل العلقمی (نہر علقمہ کا شجاع)، حامی الظعینۃ (محافظ محمل)، کبش الکتیبۃ (سالار لشکر)، الضیغم (شیر جری)، سبع القنطرۃ (وہ شجاع جو دشمن کو روکے)، الصدیق (دوست) العبد الصالح (نیک وصالح بندہ)، العابد (عبادت گزار) الطیار (پرواز کرنے والا)، الشہید (شہادت پانے والے)، الفادی (فدیہ بنانے والے، آپ نے اپنے آپ کو حضرت امام حسینؑ پر فدیہ قرار دے کر جان نثاری کردی)۔ المؤثر (ایثار کرنے والے) المواسی (مونس ومددگار) الحامی والمحامی (دشمنوں سے دفاع کرنے والے)، قائد الجیش (قافلے کے رہبر)، ظہر الولایۃ (ولایت کے محافظ)، المستجار (فریاد سننے والے)، الوقی (محافظ)، المصفّی (پرخلوص)، الساعی (کوشش کرنے والے) المستعجل (مدد کو پہنچنے والے)۔

قمر بنی ہاشم

جناب عباس علمدارؑ نے حسن سیرت وصورت ورثہ میں پائی تھی۔ آپ میں حسن وجمال کے تمام اوصاف پائے جاتے تھے۔ اسی وجہ سے آپ کو قمر بنی ہاشم کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ناسخ التواریخ کے مطابق جب جناب عباسؑ کی ولادت ہوئی تو پورا گھر آپ کے جمال سے منور ہوگیا۔ حضرت امام حسینؑ نے جب حضرت عباسؑ کو پہلی بار دیکھا تو حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی۔ ''بابا میرے بھائی کے بازو کس قدر قوی اور بھرے ہوئے ہیں اور چہرہ کس قدر خوبصورت ہے۔'' علامہ قزوینی، ریاض القدس کے مطابق حضرت امیر المومنینؑ کو جناب عباسؑ کی خبر ولادت دیتے وقت کہا گیا کہ ام البنین کے یہاں چاند سا بیٹا نور فشانی کر رہا ہے۔ ناسخ التواریخ میں مرقوم ہے کہ حضرت عباس بن علی علیہ السلام وجیہہ وشکیل وجمیل نوجوان رعنا تھے۔ اس لیے ان کے حسن کے سبب انہیں قمر بنی ہاشم کہتے ہیں۔ ابو الفرج اصفہانی نے مقاتل الطالبین میں تحریر کیا ہے کہ جناب عباس حسین وجمیل انسان تھے۔

جناب امیر المومنینؑ کے فرزند جناب علی اکبرؑ اور جناب عباسؑ اس قدر حسین وجمیل تھے کہ جب شہر کے کوچہ وبازار سے گزرتے تو دکاندار اور اہل قریہ اپنے معمولات چھوڑ کر آپ دونوں کے حسن وجمال کی طرف متوجہ ہوجاتے۔ جس طرح چودھویں کا چاند جب عروج پر ہوتا ہے تو اس کی چاندنی چاروں اطراف اپنی ضیاء

بار کرنوں سے ماحول میں اپنے وجود کا پتا دیتی ہے اسی طرح جناب علی اکبرؑ اور جناب عباسؑ کا حسن و جمال حسن یوسف کی یاد تازہ کرتا تھا۔ جسے دیکھ کر دوست تو دوست دشمن بھی محوِ حیرت ہو جاتے تھے۔ ناسخ التواریخ اور عوالم میں قمر بنی ہاشم کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے۔ "یقیناً جناب عباسؑ نہایت پرنور چہرہ حسین اور وجیہہ جوان تھے۔ آپ کے حسن و جمال کے سبب آپ کو قمر بنی ہاشم کہا جاتا تھا۔ فرسان الھیجا میں تحریر ہے کہ حضرت عباسؑ کو قمر بنی ہاشم اس لیے کہا جاتا تھا کہ آپؑ کے چہرے کا نور ہر اندھیرے کو روشن کر دیتا تھا اور آپ کا پیکر حسن ہر دیکھنے والے کی آنکھ کو چکا چوند کر دیتا تھا۔ آپ حسن و جمال، شجاعت و شہامت، صبر و استقلال، علم و حکمت، عبادت و ریاضت اور حسن سیرت کی بلندی پر فائز تھے۔ قبیلہ بنی ہاشم میں آپ ان خصوصیات سے پہچانے جاتے تھے۔ اسی بناء پر آپ قمر بنی ہاشم کے لقب سے معروف تھے اور تا قیامت یہ اعزاز آپ کیلئے مخصوص ہے۔

باب الحوائج

جناب عباسؑ کے القاب میں باب الحوائج وہ لقب فیض رساں ہے جو بیکسوں، شکستہ دلوں اور حاجت مندوں کے درد کا مداوا ہے۔ جناب عباسؑ فقرا اور مساکین کو رات کے وقت اپنی پشت پر رکھ کر ضروریات زندگی کا سامان مہیا فرماتے۔ کبھی کوئی سائل آپ کے دست سخا سے خالی ہاتھ نہ لوٹا۔ آپ کے در پر آنے والوں کی مرادیں پوری ہوتی ہیں اور آپ کا در چشمہ فیض رساں ہے، جہاں روزانہ بے شمار حاجت مند آ کر دامن مراد بھرتے ہیں۔ اگرچہ راہ وفا میں لعینوں نے ہاتھ قلم کر دیئے لیکن آپ کے ہاتھوں کی سخاوت تا قیامت جاری رہے گی۔ آپ کو یہ مرتبہ ایثار و وفا کے سبب عطا ہوا۔

جناب عباس علیہ السلام کربلا میں بچوں اور اہل حرم کا سہارا تھے۔ آپؑ حضرت امام حسینؑ کے لشکر کے علمدار اور آپؑ کے قوت بازو تھے۔ آپؑ کے ایثار اور عظیم قربانی کے سبب باب الحوائج کا مرتبہ قدرت کی طرف سے عطا ہوا اور جو بھی آپ کو اپنی حاجتوں میں وسیلہ بناتا ہے، پروردگار عالم اس کی دعا مستجاب فرماتا ہے۔ جناب عباس علمدار باب الحوائج کے روضہ اقدس کے سنہری سونے کے ایوانوں میں چاندی کے دروازے پر عظیم خطیب و شاعر استاد شیخ محمد علی یعقوبی کے قصیدہ کے یہ اشعار نذر قارئین ہیں۔

ھو باب الحسین ما خاب یوما
وافد جاء لائذا فی حماہ
انہ باب حطۃ لیس یخشی

کل ھول مستمسک فی عراہ
قف بہ داعیا و فیہ توسل
فبہ المرء یستجاب دعا

''یا جناب عباسؑ آپ باب الحسینؑ ہیں جو آپ کی پناہ میں آئے اس کی امید کبھی نہیں ٹوٹتی، آپ وہ باب حطہ (وہ در جہاں حاجات کی درخواست کی جائے) ہیں کہ جس کے پہلو میں جم کر (دل جمعی) سے بیٹھنے والا بے خوف وخطر ہو جاتا ہے۔ یہاں بیٹھ کر مانگو (حاجات طلب کرو) اور توسل کرو کیونکہ اسی در پر دعائیں مستجاب ہوتی ہیں۔''

جناب عباسؑ نے کربلا میں ہر طرح سے مشکل حالات کے باوجود اہل حرم کا دفاع کیا اور ہر موقع پر حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ حق وفا ادا کیا اور اپنے عمل سے ثابت کیا کہ آپ باب الحسینؑ ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام حضرت عباسؑ کے بارے میں فرماتے ہیں۔ ''آپ صبر میں کامل، مجاہد، ناصر اور اپنے بھائی (حسینؑ) کا حق ادا کرنے والے تھے۔''

العبد الصالح

عبد صالح کا لقب جناب عباسؑ کے لیے مخصوص ہے۔ آپ کے اللہ سے اس تعلق کی وجہ سے آپ اپنے نفس کی بلندی اور طہارت نسبی کے تحت اطاعت اللہ و رسولؐ اور اطاعت امام میں پوری جانفشانی اور صبر و استقلال کے ساتھ شہادت عظمیٰ سے سرفراز ہوئے۔ حضرت ابو حمزہ ثمالی روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ ''اے عبد صالح آپ پر اللہ کا سلام ہو۔''

قرآن مجید میں سورہ انبیاء کی آیت ۱۰۵ میں عِبَادِیَ الصَّالِحُوْنَ مرقوم ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں یہاں صالحین سے مراد ہم آل محمدؐ ہیں اور زیارت میں آپ نے جناب عباسؑ کو عبد صالح فرمایا ہے۔ اس طرح جناب عباسؑ آل محمد میں داخل ہیں اور عبد صالح آپ کا قدرت کی طرف سے اعزاز ہے۔

عبد صالح کا لقب آپ پر پوری طرح زیب دیتا ہے۔ کیونکہ آپ تقویٰ میں حد کمال پر فائز تھے اور آپ کی پرہیزگاری آپ کے عبد صالح ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ آپ نے کربلا میں عمل صالح بجالا کر شہادت کو وفاداری سے ہمکنار کیا زیارت ناحیہ میں حضرت امام زمانہ فرماتے ہیں۔ ''سلام ہو جناب ابو الفضل العباسؑ فرزند امیر المومنینؑ پر جو بہ جان و دل اپنے بھائی حسینؑ کی غم خواری کر رہے تھے اور فداء

قیامت میں اپنے درجات کی بلندی کا اپنی زندگی میں سامان کر رہے تھے۔ آپ امام پر اپنی جان فدا کر رہے تھے اور ان کو دشمنوں سے بچا رہے تھے اور بہت تیزی سے اپنی مشک کا پانی ان تک پہنچانے کی کوشش کر رہے تھے، ان کے دونوں شانے قلم ہو گئے۔ خدا لعنت کرے ان کے قاتل یزید بن رقاء اور حکیم بن طفیل طائی پر۔

صاحب ایثار وغم خوار

اپنے ذاتی مفاد کو نظر انداز کرتے ہوئے دوسرے کو ترجیح دینا ایثار کہلاتا ہے۔ جناب عباسؑ نے کربلا میں جو ایثار کی مثال پیش کی اس کا ذکر حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے ان الفاظ میں فرمایا تھا۔ ’’اللہ میرے چچا عباسؑ پر رحم کرے انہوں نے ایثار سے کام لیا تھا۔‘‘ جناب عباسؑ نے نہ صرف اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا بلکہ اپنے تین بھائیوں اور دو بیٹوں کی قربانی بھی پیش کی اور ساتھ ہی اہل حرم کی محافظت فرمائی۔ جب افواج شام کی صفیں چیرتے ہوئے دریا تک رسائی حاصل فرمائی تو تین دن کی بھوک و پیاس میں پانی دسترس ہوتے ہوئے بھی نہ پیا بلکہ جناب سکینہؑ کی پیاس کو یاد کیا۔ مشک بھرنے کے بعد ہاتھوں کو عبا کے دامن سے پونچھا، اس لیے کہ آپ کو یہ بھی گوارہ نہ تھا کہ بچوں اور اہل حرم کے پیاسا ہوتے ہوئے ہاتھوں کو تری محسوس ہو۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے جناب عباسؑ کی ایک زیارت میں فرمایا۔ ’’میں اس امر کی گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ (جناب عباسؑ) نے آخری دم تک حضرت امام حسین علیہ السلام کی خیر خواہی کی اور آپ کی نصرت کی بے انتہا کوشش کی۔‘‘

جناب عباسؑ حضرت امام حسین علیہ السلام کا بہت ادب کرتے تھے کبھی بغیر آپ کی اجازت کے کوئی امر بجا نہ لاتے اور جب حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں تشریف لاتے تو آپ کی اجازت کے بغیر نہیں بیٹھتے۔ اپنے آپ کو حضرت امام حسینؑ کا غلام کہنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ آپؑ نے مدینے تا عراق حضرت امام حسینؑ کی فرمانبرداری میں گزاری اور ہر موقع پر حکم کے منتظر رہتے تھے۔

جب ابن زیاد نے حضرت عباسؑ اور آپ کے تینوں بھائیوں کے لیے امان نامہ لکھا جس میں تحریر تھا۔ ’’اے عباس حضرت امام حسینؑ کی رفاقت ترک کر کے کہیں اور چلے جائیں تو آپ نے قاصد (کزمان) سے کہا: ابن زیاد سے ہماری طرف سے یہ پیغام پہنچا دو کہ ہمیں ابن زیاد کی امان کی کوئی ضرورت نہیں۔‘‘ اسی طرح جب شمر ملعون ۹ محرم کو کربلا پہنچا تو امان نامہ اپنے ساتھ لایا تھا، جس میں جناب عباسؑ اور آپ کے بھائیوں کے لیے امان لکھی تھی، اس میں لشکر کی سالاری اور مال دنیا کی لالچ دی گئی تھی۔ جناب عباسؑ اور آپ

کے باوفا بھائیوں نے اس لعین کو جواب دینا پسند نہ کیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ اگرچہ یہ ملعون فاجر و فاسق ہے لیکن اسے جواب دو۔ جناب عباسؑ اور آپ کے بھائیوں نے شمر کو مخاطب کیا! آخر تو چاہتا کیا ہے؟ شمر نے پر فریب لہجہ میں کہا میں تمہارے لیے امان نامہ لایا ہوں، تم اپنے آپ کو حسینؑ کے ساتھ ہلاکت میں نہ ڈالو اور امیر المومنینؑ یزید کی اطاعت میں داخل ہو جاؤ (استغفر اللہ) شمر نے کئی جھوٹے وعدے کیے اور ہر طرح سے لالچ دیتا رہا۔

شمر لعین کو اس کی امان کے جواب میں آپ نے فرمایا۔ "تجھ پر اور تیری امان پر خدا کی لعنت ہو۔ تو ہمیں امان دینے کا وعدہ کر رہا ہے اور فرزند رسولؐ کے لیے کوئی امان نہیں۔ اے ملعون تو ہمیں ملعون اور نسل ملعون کی اطاعت کرنے کا مشورہ دے رہا ہے۔ حضرت عباسؑ کا جواب سن کر شمر لعین نامراد واپس چلا گیا۔

محمد مہدی مازندرانی معالی السبطین میں تحریر فرماتے ہیں۔ ۲۱ تاریخ ماہ رمضان المبارک ۴۰ ہجری کی رات حضرت امیر المومنینؑ نے حضرت عباسؑ کو اپنے قریب بلایا اور سینے سے لگا کر فرمایا۔ "پیارے فرزند عباسؑ جب دسویں محرم کا دن آئے اور تم گھاٹ پر قبضہ کر لو تو اس وقت پانی کا ایک قطرہ تک نہ پینا کیونکہ اس وقت تمہارا بھائی پیاسا ہوگا جب تم میری وصیت پر عمل پیرا ہو گے تو روز قیامت تمہاری وجہ سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک ملے گی۔" جب امیر المومنینؑ اپنی آل اولاد کو وصیت فرما رہے تھے۔ جناب زینب سلام اللہ علیہا نے عرض کی باباجان! حسنؑ و حسینؑ دونوں امام ہیں اور میرے سردار ہیں، ان کی خدمت کرنا میرا فرض ہے۔ میں ان کو اپنی ذات پر ترجیح دوں گی۔ لیکن مجھے ایسا بھائی چاہیے جو میری خدمت و غم گساری اور میری حفاظت و کفالت کے فرائض انجام دے۔ حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا۔ اے زینبؑ اپنے بھائیوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لو۔ جناب زینبؑ نے تمام بھائیوں کی طرف توجہ کی۔ لیکن جب آپ کی نظر حضرت ابوالفضل العباسؑ پر پڑی تو نگاہ چہرہ پر ٹک گئی اور حضرت امیر المومنینؑ کی طرف متوجہ ہوئیں اور جناب عباسؑ کی طرف اشارہ کیا اور عرض کی۔ بابا! مجھے یہ بھائی چاہیے۔ جناب امیر المومنینؑ نے جناب عباسؑ کو قریب بلایا اور جناب زینبؑ کا ہاتھ جناب عباسؑ کے ہاتھ میں دیکر فرمایا! بیٹا عباسؑ اپنی بہن کا خیال رکھنا یہ اپنی ماں فاطمۃ الزہراؑ کی نشانی ہے۔ اس کی خدمت میں کوئی کوتاہی نہ کرنا اور حفاظت و نصرت میں کسی طرح کی کمی نہ آئے۔ یہ سن کر جناب عباسؑ آب دیدہ ہوئے اور عرض کیا۔ باباجان میں آپؑ کی وصیت پر عمل کروں گا اور ہر حال میں بہن کی حرمت اور ان کے حق کا خیال رکھوں گا۔

جناب عباسؑ حضرت امام حسینؑ کا سہارا تھے۔ آپؑ کی شہادت کا حضرت امام حسین علیہ السلام کو بے

انتہا افسوس تھا۔ آپؑ نے فرمایا۔ ''اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک، نور چشم بھائی! تم نے آب کوثر پینے تک بھائی سے وفاداری کا حق ادا کیا۔ اے میرے ماہ منور! تم تمام مصائب میں میرے مددگار تھے، اب تمہارے بعد زندگی میں کوئی مزہ نہیں۔ اب روز قیامت ہم جمع ہوں گے۔ میں اپنی پیاس اور مصیبت پر صبر کرتا ہوں اور اس پر خدا سے شکایت کرتا ہوں۔ اسی طرح کی ایک اور روایت جلاء العیون میں مرقوم ہے۔ جب امام حسینؑ نے اپنے برادر عزیز حضرت عباسؑ کی لاش اطہر پر یہ مرثیہ پڑھا۔ ''اس انسان پر گریہ لازم ہے جس کی جدائی سے حسینؑ گریہ کناں ہے۔ وہ حسینؑ کا بھائی اور والد کا فرزند ابوالفضل عباسؑ کی ذات ہے۔ جو زخموں سے چور خون میں غلطاں ہے۔ عباسؑ نے ہمیشہ میری غم خواری کی اور دنیا کی کوئی طاقت میری حمایت اور ہمدردی سے نہ روک سکی۔ میرا بھائی وہ تھا جس نے خود پیاسا رہ کر اہل حرم کو پانی پلانے کی کوشش کی۔''

حامی و محامی

حامی و محامی کے معنی کسی کی حمایت میں دفاع کرنے اور اس سے دشمن کو دور کرنے والے کو کہتے ہیں۔ جناب عباسؑ کربلا میں بہترین دفاع کرنے والے اور محافظ خیام اہل حرم تھے۔ جناب امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔ ''جناب عباسؑ بہت زیادہ صبر کرنے والے اور حامی و مددگار اور اپنے بھائی کے بہترین بھائی تھے۔''

جب معاویہ بن ابی سفیان کی موت واقع ہوئی تو یزید نے حاکم مدینہ ولید بن عتبہ بن ابوسفیان کو خط لکھا کہ حسینؑ بن علیؑ سے میری بیعت لے لو اور انکار کی صورت میں ان کا سر قلم کر کے میرے پاس بھیج دو۔ جب حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس ولید کا قاصد پہنچا اس وقت آپ نماز عشاء سے فارغ ہو کر تعقیبات نماز میں مصروف تھے۔ آپ نے قاصد سے کہا تم لوٹ جاؤ میں خود آجاؤں گا۔ آپؑ اپنے ہمراہ تیس بنی ہاشم کے جوانوں کو لے کر دارالامارہ پہنچے اور ان جوانوں کو دروازے پر رکے رہنے کی تاکید کی اور فرمایا اگر میری آواز بلند ہو تو اندر داخل ہو جانا۔

جب حضرت امام حسینؑ دارالامارہ میں تشریف لائے تو ولید نے آپؑ کو معاویہ بن ابی سفیان کی موت کی خبر سنائی اور آپؑ سے یزید کی بیعت کا مطالبہ کیا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ ''ہم اہل بیت نبوت، معدن رسالت اور ملائکہ کی آمد و رفت کی آماجگاہ ہیں۔ پروردگار عالم نے ہمارے ذریعہ ابتدا کی اور ہم ہی سے اختتام کرے گا۔ یزید شراب خور اور نفس محرمات کا قاتل ہے یہ اعلانیہ فسق و فجور کا مرتکب ہے۔ لہٰذا مجھ جیسا اس کی بیعت نہیں کر سکتا۔

مروان بن حکم جو دربار میں موجود تھا۔اس نے ولید کو اشارہ کیا کہ حضرت امام حسینؑ کو گرفتار کر لے اگر یہ بیعت کر لیں تو بہتر ہے ورنہ قتل کر دو۔اس وقت جب بیعت یزید کا اصرار بڑھا تو حضرت امام حسینؑ نے با آواز بلند گفتگو فرمائی۔اس وقت جناب عباسؑ کی قیادت میں ہاشمی جوان دارالامارہ میں داخل ہوئے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کو اپنے حصار میں لے کر گھر روانہ ہوئے۔اس طرح کے بیشتر واقعات ہیں جن سے جناب عباسؑ کی حضرت امام حسینؑ کی حمایت کا اظہار ہوتا ہے۔آپ کو یہ کسی صورت میں گوارہ نہ تھا کہ کبھی آپ کو کسی طرح کی تکلیف ہو یا ضرر پہنچے۔

شب عاشور حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو جمع کیا اور ان سے فرمایا۔کل ہماری ان اعدا سے جنگ ہوگی میں تمہاری گردنوں سے بیعت اٹھاتا ہو،تم میں سے جو جانا چاہیے رات کی تاریکی میں جاسکتا ہے۔ان لوگوں کی دشمنی صرف مجھ سے ہے،خدا تمہیں جزائے خیر دے،اب تم اپنے اپنے علاقوں اور شہروں کی طرف لوٹ جاؤ۔اس وقت سب سے پہلے جناب عباسؑ نے اپنی وفاداری کا اعلان کیا۔آپ نے عرض کیا! فرزند رسولؐ ہم ایسا نہیں کر سکتے کہ آپؑ کو چھوڑنے کے بعد زندہ رہیں۔اللہ ہمیں وہ دن کبھی نہ دکھائے۔جناب عباسؑ کے بیان کے بعد تمام اصحاب نے یہی جواب دیا اور آپؑ پر جان فدا کرنے کا عزم کیا اور روز عاشورہ اپنا وعدہ وفا کیا۔

جانثاران حضرت امام حسینؑ کو جناب ابوالفضل العباس علیہ السلام کی اعلیٰ قیادت پر فخر تھا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کو اپنے شیر دل بھائی پر بہت ناز تھا۔ابن سعد سے جب آخری بار اتمام حجت کی خاطر مذاکرات ہوئے تو جناب عباسؑ سائے کی طرح آپ کے ساتھ تھے تاکہ کسی طرح کا آپ کو ضرر نہ پہنچے۔

مخدرات عصمت وطہارت کو یہ یقین تھا کہ جب تک جناب عباسؑ موجود ہیں کسی کی مجال نہیں جو خیام میں داخل ہو سکے۔جناب زینب سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں۔جب بچپن میں، میں نے اپنی مادر گرامی سے سنا کہ اے زینب ایک وقت آئے گا کہ جب تمہارے سر پر چادر نہ ہوگی تو میں سوچتی تھی جس کے اٹھارہ بنی ہاشم کا سر پر سایہ ہو اس کے سر سے چادر کون اتار سکتا ہے۔یہاں تک کہ جب میں مدینہ سے روانہ ہوئی تو بار بار یہ خیال مضطرب کر رہا تھا لیکن جب میں اپنے بھائی عباسؑ پر نظر کرتی تو دل کو سکون میسر آتا کہ ہمارے پردے کا ضامن موجود ہے۔یہاں تک کہ جب کربلا میں شہادتوں کا سلسلہ شروع ہوا تو اس وقت تک مجھے سہارا تھا کہ ابھی میرا بھائی زندہ ہے لیکن جب میرے عباسؑ کے بازو قلم ہو گئے تو مجھے یقین ہو گیا کہ اب میرے پردے کا محافظ نہ رہا۔صاحبان عصمت وطہارت کو جناب عباسؑ کے قوت بازو پر بڑا ناز تھا۔جنت البقیع میں بعد واقع

کربلا جب جناب ام البنین سلام اللہ علیہا نوحہ و بین کرتی تھیں تو بار بار یہ جملہ فرماتی تھیں۔" اے عباسؑ اگر تمہارے بازو قلم نہ ہوتے تو کسی کی کیا مجال تھی جو زینبؑ و ام کلثومؑ کے سروں سے چادر چھینتا، جناب عباسؑ خیام حسینی میں ٹوٹے دلوں کا سہارا تھے۔ آپ بار بار خیموں میں آکر بیبیوں کو تسلی دیتے تھے۔ آپ کی آمد سے اہل حرم کو درد و غم کی کیفیت میں سہارا ملتا۔

یہ امر باب مدینۃ العلم حضرت علی علیہ السلام پر واضح تھا کہ جناب عباسؑ کربلا کے عظیم باوفا فدا کار ثابت ہوں گے۔ ایک روز جب امیر المومنینؑ مسجد نبویؐ میں وعظ و نصیحت فرما رہے تھے کہ ایک اعرابی آیا اور حاضرین مسجد کو سلام کرتا ہوا، جناب امیر المومنینؑ کی خدمت میں سلام پیش کیا اور ایک صندوق آپؑ کی خدمت میں پیش کیا اور ہاتھوں کو بوسہ دیتے ہوئے عرض کی۔ یہ آپؑ کے لیے ہدیہ ہے۔ پھر اس نے صندوق کھولا اور اس میں سے ایک تلوار نکالی اور امیر المومنینؑ کی خدمت میں پیش کی۔ یہ نہایت اعلیٰ درجے کی تلوار تھی۔ جناب امیر المومنینؑ نے یہ تلوار قبول فرمائی اور اسے اچھی طرح دیکھ کر فرمایا۔ کیا کوئی ایسا ہے جو اس تلوار کا حق ادا کرے۔ تو میں اسے یہ تلوار ہدیہ کروں۔ اسی دوران جناب عباسؑ مسجد میں داخل ہوئے اور عرض کیا۔ بابا جان آپ کیا فرما رہے تھے؟ ابھی جناب عباسؑ کم سن تھے لیکن جسمانی طور پر نہایت قوی تھے۔ جناب امیر المومنینؑ نے وہ تلوار آپ کو دکھاتے ہوئے فرمایا۔ میں کہہ رہا تھا تم میں سے کون ہے جو اس تلوار کا حق ادا کر سکے تو میں اسے یہ ہدیہ کروں۔ جناب عباسؑ نے عرض کیا۔ بابا جان اس تلوار کا کیا حق ہے؟ جناب امیر المومنینؑ نے فرمایا۔ اس تلوار کا یہ حق ہے کہ اسے اپنے بھائی حسینؑ کی حفاظت کرو۔ حضرت عباسؑ نے یہ سن کر نہایت پر اعتمادی اور جوش کے جذبہ سے سرشار ہو کر عرض کی بابا جان میں اس تلوار کا حق ادا کروں گا۔ حضرت امیر المومنینؑ نے وہ تلوار آپؑ کو عطا کرتے ہوئے فرمایا۔ واقعی تم اس تلوار کے حق دار ہو اور اس کا حق ادا کر سکتے ہو اور تلوار جناب عباسؑ کو حمائل (ایک مخصوص طریقہ سے تلوار کو گلے میں لٹکانے کو تلوار کا حمائل کرنا کہتے ہیں) کر کے جب روانہ ہونے لگے تو اپنے فرزند دل بند جناب عباسؑ کو اس شان سے دیکھتے وقت آپؑ کی آنکھوں سے بے انتہا آنسو رواں ہوئے۔ اصحاب نے کہا: مولا اس موقع پر اس قدر گریہ کا کیا سبب ہے۔ آپؑ نے فرمایا۔ میری نظروں میں وہ منظر ہے جب عباسؑ کے دریا کے کنارے بازو قلم ہوں گے اور سر پر گرز گراں لگے گا۔ امیر المومنینؑ سے ان حالات کو سن کر وہاں موجود لوگوں نے بھی گریہ کیا۔

جنابؑ عباسؑ نہایت دلیر اور لشکر حسینی کے وفادار علمدار تھے آپ شجاعان عرب کے سب سے بہادر مرد شجاع تھے۔ معالی السبطین میں محمد مہدی مازندرانی تحریر فرماتے ہیں۔" یہ امر واضح ہے کہ اگر لوح محفوظ پر روز

عاشورہ حضرت عباسؑ کی شہادت مرقوم نہ ہوتی تو حضرت عباسؑ اپنی شرر بار تلوار آبدار سے پوری اموی فوج کو موت کے گھاٹ اتار دیتے۔'' محمد مہدی مازندرانی شب عاشور کے واقعات میں تحریر فرماتے ہیں کہ جناب زینبؑ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ شب عاشور میں اپنے خیمہ سے باہر آ کر اپنے بھائی (حسینؑ) کو دیکھنا چاہتی تھی، اس رات میرے بھائی کے لیے ایک الگ خیمہ مخصوص کیا گیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ آپؑ اس خیمہ میں یک و تنہا تشریف فرما ہیں اور قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہیں۔ مجھے یہ خیال فکر مند کرنے لگا کہ میرے خاندان کے مرد بنی ہاشم کہاں ہیں جبکہ ان پر خطر حالات میں محافظ دین تنہا بیٹھے ہیں۔ میں چاہتی تھی کہ جوانان بنی ہاشم کو تنبیہ کروں کہ سلطان دین سے غافل نہ رہیں۔ اس کے بعد میں اپنے بھائی جناب ابوالفضلؑ کے خیمہ کی طرف روانہ ہوئی، خیمے سے کچھ فاصلہ پر یہ منظر دیکھ کر میں رک گئی کہ میرے تمام بھائی، بھتیجے اور جملہ عزیز و اقارب خیمہ میں جمع ہیں اور میرے بھائی جناب ابوالفضل العباسؑ ان کے درمیان اس طرح بیٹھے ہیں جیسے شیر اپنے شکار کے انتظار میں بیٹھتا ہے۔ اس وقت میرے بھائی عباسؑ نے جوانان بنی ہاشم سے خطاب کیا۔ یہ ایسا پر عزم خطاب تھا کہ میں نے ایسی تقریر اپنے بھائی حسینؑ کے علاوہ اور کسی سے نہیں سنی تھی۔ جناب عباسؑ نے اپنی تقریر کے دوران فرمایا۔ میرے بھائیوں، بھتیجوں کل روز عاشور ہے آپ لوگوں کا کیا ارادہ ہے۔ سب نے بیک آواز عرض کی۔ ہم سب آپ کے اشارہ کے منتظر رہیں گے اور آپ کی قیادت میں امر وفا بجالائیں گے۔ حضرت عباسؑ نے سب کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا خیال رہے ہم اہل بیت نبوتؐ ہیں اور یہ ہمارے اصحاب ہیں جو مسافر ہیں ہمارے گھر کے افراد پر ذمہ داریاں زیادہ ہیں۔ لہٰذا کل جب معرکہ شروع ہو تو دشمن کے مقابلے پر پہلے ہمیں جانا چاہیے تاکہ کل لوگ یہ نہ کہیں کہ اہل بیت پیچھے ہٹ گئے اور اصحاب کو آگے کر دیا۔ یہ سن کر نوجوانان بنی ہاشم نے اپنی تلواریں نیاموں سے نکال لیں اور عرض کی۔ ہم آپ کی تائید کرتے ہیں اور آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔

باب: ۴

تاریخ علم

علم رایت اور لوا مختلف قوموں کی پہچان رہے ہیں۔ علم کی تاریخ بہت پرانی ہے اور ہمیشہ یہ عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا رہا ہے۔ تاریخ عالم میں سب سے پہلا علم جناب شیث کے حوالے سے متعارف کیا جاتا ہے۔ مناقب ابن شہر آشوب کی روایت ہے کہ "بنی آدم میں سب سے پہلی جنگ جناب شیث اور قابیل کے درمیان ہوئی۔ اس جنگ کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے جناب شیث کے لیے ایک سفید جنتی حلہ (جنتی لباس، چادر) بھیجا تھا۔ اس جنگ میں منصب علمداری ملائکہ کے سپرد تھی۔ وہ سفید پھریرے والے رایت کو اٹھائے ہوئے تھے۔ اس جنگ میں قابیل کو شکست ہوئی۔" اس واقعہ سے یہ بات انتہائے ثبوت کو پہنچتی ہے کہ علمداری کا شرف ملائکہ سے ہم آہنگ ہے اور اس کے اصل وارث آئمہ اہل بیت علیہم السلام ہیں اور بعد جناب رسالت مآبؐ یہ حق ان کو حاصل رہا کہ وہ جسے چاہیں علمداری کا شرف عطا کریں۔ علمدار کا منصب جس طرح امیر المومنینؑ کو خیبر میں عطا ہوا، اسی طرح کربلا میں فرزند ذیشان جناب عباسؑ کو حضرت امام حسینؑ کی طرف عطا ہوا۔ آپ نے اس منصب کا حق ایسا ادا کیا کہ علمدار نام کا حصہ قرار پایا اور "عباسؑ علمدار" کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔

یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ علم و رایت اس پرچم کو کہتے ہیں جو اپنی مخصوص بناوٹ رکھتا ہو اور اسے نیزہ، یا لکڑی پر لگایا جاتا ہو۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی عزاداری میں علم پنجہ، پھریرا اور چھڑ (چھڑ اس لکڑی کو کہتے ہیں جس پر پنجہ لگایا جاتا ہے) سیرۃ ابن ہشام کے مطابق جناب رسالت مآبؐ نے رمضان المبارک کیم ہجری میں جناب حمزہ کو جو پرچم عنایت فرمایا تھا، اس کا نام لواء تھا اور اسی سال مسلمانوں کے لیے جو پرچم تیار ہوا وہ "رایت" تھا۔ قدیم زمانے میں پرچم کی ایک شکل "بند و عقاب" تھی۔ بند و عقاب رومی لفظ ہے۔ رومیوں کا یہ اصول تھا کہ وہ اپنے پرچموں اور عمارتوں کی بلندی پر باز اور گدھ کی شکل بناتے تھے لہٰذا عربوں نے بھی رومیوں کی طرح پرچم کو بند و عقاب کہنا شروع کر دیا۔ تاج العروس مادہ عقب کے مطابق بند و عقاب نام سے موسوم پرچم والیان حکومت سے مخصوص ہوا کرتے تھے۔ کامل ابن اثیر کے مطابق کسریٰ کے دور اقتدار میں جو پرچم استعمال کیا گیا اس کا نام "درفش کاویانی" تھا، جسے عربوں سے جنگ کے وقت

استعمال کیا گیا تھا۔ یہ پرچم شیر کی کھال کا تھا، جس کی لمبائی بارہ ہاتھ اور چوڑائی آٹھ ہاتھ تھی۔ طبری، تاریخ ابن اثیر اور دیگر تاریخی کتب میں روایت ہے کہ ایران کے ایک بادشاہ "ضحاک" کے دونوں شانوں پر زخم تھے۔ یہ دونوں زخم ایسے تھے جنہیں مندمل کرنے کے لیے روزانہ دو آدمیوں کے مغز کی ضرورت تھی جو اس کے زخموں پر ملے جاتے تھے، قتل کیے جانے والوں کا انتخاب قرعہ اندازی کے ذریعے کیا جاتا تھا۔ بادشاہ وقت کے ظلم و ستم اور اس کی خود غرضی سے عوام میں اضطراب پایا جاتا تھا۔ یہ ظالمانہ کارروائی جاری تھی کہ اصفہان کے رہنے والے ایک شخص جس کا نام "کاوہ" تھا اس کے دو جواں سال بیٹوں کا نام قرعہ اندازی میں نکلا اور باپ کی نظروں کے سامنے دونوں بیٹوں کے سر قلم کیے گئے۔ کاوہ پر بیٹوں کا قتل ناقابل برداشت تھا۔ لہٰذا اس نے ظالم بادشاہ کے خلاف احتجاج کا فیصلہ کیا اور چمڑے کے ایک ٹکڑے کو ایک لکڑی پر آویزاں کیا اور بادشاہ کے خلاف تحریک کا آغاز کیا۔ عوام الناس نے کاوہ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے باہمی اتحاد کے ساتھ ضحاک کے محل پر حملہ کر کے تاج و تخت کو اپنے قدموں تلے روند دیا۔ اس واقعہ کے بعد سے اس پرچم کو احترام کی نظر سے دیکھا جانے لگا اور بعد میں آنے والے وقت میں یہ پرچم ایرانی بادشاہوں کا پرچم قرار پایا۔

علم، رائت، لواء اور جھنڈا زمانہ قدیم سے قومی نشان کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ مختلف عربی و عجمی قبائل نے اپنے پرچموں کا استعمال کیا ہے جن کی شکلیں مختلف ہوا کرتی تھیں۔ کولمبس نے جب امریکا دریافت کیا اور غرب الہند کے مختلف وحشی قبائل کا جائزہ لیا جن کا سردار گوناگاری تھا۔ اس کے زمانے میں عام جھنڈوں کے علاوہ سونے کے بنے ہوئے بھی جھنڈے ہوا کرتے تھے۔ قبائل کے علاوہ زمانہ قدیم کے مستحکم ممالک میں پرچم قومی نشان کے طور پر ہوا کرتے تھے۔ ایران کی قدیم سلطنت کے بادشاہ فریدوں کا پرچم "دارفش کاویانی" کے نام سے موسوم و معروف تھا۔ قدیم تہذیبوں میں یونان، مصر، روم، چین، ایران اور ہند میں جھنڈوں کا استعمال مختلف شکلوں میں کیا جاتا رہا۔ دنیا کے مختلف خطوں میں جب ہم اس کی ابتدا کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ پرچم اقوام عالم میں ان کی ضرورت کے پیش نظر متعارف ہوئے۔ یورپی اقوام میں اس کی باقاعدہ ابتداء صلیبی جنگوں سے ہوئی جو ۱۰۸۹ تا ۱۱۹۲ اپنے عروج پر تھیں۔ صلیبی جنگوں میں انگلستان، فرانس اور جرمنی نمایاں فریق تھے۔ اس کے علاوہ ان کے حمایت یافتہ مختلف دیگر یورپین اقوام کے گروہ ان بڑی فوجی طاقتوں کے ساتھ متحد ہو کر ملک شام میں بیت المقدس کو فتح کرنے کی غرض سے جمع ہوئے۔ ان کے سپاہیوں کے چہرہ پر ایسا خود ہوتا تھا جسے پہننے سے چہرہ چھپ جاتا تھا اور یہ پہچاننا مشکل ہوتا تھا کہ کس شخص کا تعلق کس گروہ یا قوم سے ہے۔ لہٰذا ہر قوم کے لیے علیحدہ علیحدہ جھنڈے تشکیل پائے۔

اس طرح فوجی تنظیم وتربیت کا نتیجہ یہ نکلا کہ بوقت ضرورت یہ لوگ اپنے مخصوص نشان کے جھنڈے تلے جمع ہو جاتے تھے۔ فرانس میں جھنڈوں کی تشکیل کی نئی شکل اس وقت سامنے آئی جب اٹلی میں برسوں سے جنگ جاری تھی۔ ان جھنڈوں پر اس قسم کی تحریر دیکھنے میں آتی تھی کسی سے دب کر نہ رہو، جری اور تیز دم رہو، تمام امور بہادری سے انجام دو، قدم پیچھے نہ ہٹیں، آگے بڑھتے رہو، ہمیشہ وفادار رہو۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان جھنڈوں کی ہیئت میں اضافہ ہوتا رہا اور اس کی مختلف شکلیں معرض وجود میں آئیں۔ بعض اقوام اپنے پرچم پر قوم کے سردار کے نام تحریر کرتے تھے۔ بعض اقوام کے جھنڈوں پر مینا کاری اور طلائی نقوش بھی کشیدہ کیے جاتے تھے۔ اسی طرح گھوڑے اور شیر کی تصویر سے پرچم کو اپنی پہچان کا ذریعہ بنایا گیا۔ مختلف اقوام میں جھنڈوں پر مختلف جانوروں کی ہیبت ناک تصاویر کا پتہ ملتا ہے۔ چینیوں کے جھنڈے پر اژدھے کی شکل بنانے کا رواج رہا ہے۔

اسلامی ادوار میں پرچم کی مختلف شکلیں اور اس کے رنگ سامنے آئے۔ صدر اسلام میں پھریرا سفید ہوا کرتا تھا۔ بنی امیہ کا جھنڈا سرخ رنگ کا ہوتا تھا۔ بنو عباس کا پرچم اور وردی سیاہ رنگ کی ہوا کرتی تھی، بنی ابی طالب کا پرچم سفید تھا، محبان حیدر کرار اور بنی ہاشم کا پرچم سبز تھا۔ جناب عباس علمدار قمر بنی ہاشم کے دست مبارک میں جو علم تھا اس کا پھریرا بھی سبز تھا۔ قصی بن کلاب کے پاس جو قریش کا پرچم تھا ان کے بعد بنی ہاشم کے پاس آیا۔ بعثت جناب رسالت مآبؐ کے بعد علم اسلام مستقل طور پر جناب امیر المومنینؑ کے دست مبارک میں رہا۔

مناقب ابن شہر آشوب اور ارشاد مفید کے مطابق ''پہلے رائت اور لواء قصی بن کلاب کے ہاتھوں میں تھے۔ اس کے بعد رائت جناب عبد المطلب کے پاس رہا۔ جب جناب رسول اکرمؐ مبعوث بر رسالت ہوئے تو آپؐ نے یہ بنی ہاشم کی دسترس میں عنایت فرمایا اور اسلام کی ایک ابتدائی جنگ جسے ودان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اس میں حضرت امیر المومنینؑ کے سپرد فرمایا جو مستقل آپ کے پاس رہا۔ لیکن لواء بنی عبد الدار کے پاس تھا۔ بعد میں آپؐ نے یہ مصعب بن عمیر کے سپرد فرمایا۔ جب وہ جنگ احد میں شہید ہو گئے تو جناب رسالت مآبؐ نے یہ بھی حضرت علیؑ کے سپرد کیا۔ اس طرح امیر المومنینؑ رائت اور لواء دونوں کے حقدار قرار پائے۔ ان دونوں کا رنگ سفید تھا۔''

اسلام کی پہلی جنگ، جنگ بدر میں جناب رسالت مآبؐ کا مخصوص پرچم حضرت امیر المومنینؑ کے ہاتھ میں تھا۔ سب سے پہلے بریدہ نے جو علم مرتب کیا وہ بعد میں حضرت حمزہؑ کو عطا ہوا۔ جنگ احد میں بوقت شہادت یہی علم آپ کی دسترس میں تھا۔ جنگ موتہ میں حضرت جعفر بن ابو طالبؑ نے فرائض علمداری کا حق

ادا کرتے ہوئے شہادت کا شرف حاصل کیا۔ جنگ خیبر میں جب انتالیس روز تک خیبر فتح نہ ہو سکا تو جناب رسالت مآبؐ نے اعلان کیا کل میں علم اسے دوں گا جو جرار، غیر فرار اور خدا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسولؐ اسے دوست رکھتے ہیں اور اسی مرد حق کے ہاتھوں خیبر فتح ہوگا۔ یہاں تک کہ جب امیر المومنینؑ شیر خدا کو علم عطا ہوا تو خیبر کی فتح کی نوید سنائی دی۔ نعرہ تکبیر کی صدا بلند ہوئی اور رسالت مآبؐ نے فاتح خیبر کو گلے لگا کر پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔

ارجح المطالب میں ابوسعید سے روایت ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا۔ "اے علیؑ تم ہمیں غسل دو گے، ہمارا قرض ادا کرو گے اور قبر میں اتارو گے اور تم ہی دنیا و آخرت میں ہمارے علمدار ہو۔" فردوس الاخبار دیلمی میں مرقوم ہے کہ رسول اکرم کا خاص علم صرف جناب امیر المومنینؑ کے ہاتھ میں رہا۔ علامہ حلی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں جملہ فضیلتوں میں حضرت امیر المومنینؑ کی ایک فضیلت یہ تھی کہ بروز احد جناب رسالت مآبؐ نے لواء اور رائت دونوں حضرت امیر المومنینؑ کو عطا فرمائے تھے۔ تاریخ یزد میں تحریر ہے کہ ابو علا اور اس کا باپ بنی امیہ کے طرفداروں میں تھا۔ ابو علا کو طوقی کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اس نے شہروں کی گلی کوچوں میں جا کر بنی امیہ کی حمایت پر لوگوں کو آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ یہ ہشام بن عبدالملک کا استاد تھا۔ لہٰذا جب ہشام برسر اقتدار ہوا تو اس نے ابو علا کو خوش کرنے کے لیے یزد کا حاکم مقرر کیا اور ابن زیاد والا پرچم اسے دیا جو اس پرچم کو لے کر یزد پہنچا اور اپنے نام کے باغ میں اس کو نصب کیا اور اس علاقے کے لوگوں کو بنو امیہ کی اطاعت کی طرف بلاتا رہا۔ لیکن شہر یزد کے لوگوں پر اس کی اہل بیت دشمنی کا کوئی اثر نہ ہوا۔ کیونکہ یہاں کے لوگ اہل بیتؑ کے طرفدار تھے، اسی وجہ سے اس لعین نے ان لوگوں پر طرح طرح کے ظلم روا رکھے۔ اس ظلم و جبر کا خاتمہ اس وقت ہوا جب ۱۳۲ ہجری میں مروان حمار کی حکومت میں ابو مسلم خراسانی نے خراسان اور فارس پر قبضہ کیا، جب اہل یزد کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے ابو مسلم خراسانی کے پاس پیغام بھیجا کہ ہمیں ابو علاء کے شر سے نجات دلاؤ۔ ابو مسلم خراسانی نے محمد زنجی کو اصفہان اور یزد کی طرف روانہ کیا اور ابو علاء بھی اپنے لشکر کے ساتھ جس میں یزد کے رہنے والے بھی شامل تھے مقابلہ کو نکلا اور رات کی تاریکی میں یزد سے قریہ "ابرند آباد" جاتے وقت محمد زنجی کے فوجیوں نے اسے گرفتار کر کے یزد لائے۔ جب عوام الناس میں ابو علاء کی گرفتاری کی خبر پہنچی تو شہر کے مرد اور عورتیں جمع ہوگئیں اور مطالبہ کیا کہ اس ظالم کو اس کے نجس پرچم کے ساتھ جلا دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

جناب رسالت مآبؐ کے بعد جب عربوں کو شام، فارس اور مصر پر تسلط حاصل ہوا تو مختلف ناموں اور

طرز کے پرچم وجود میں آئے اور ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا۔ جس وقت فاطمی سربراہ عزیز باللہ تک اقتدار پہنچا اور یہ شام پر حملہ آور ہوا تو اسکے ہمراہ پانچ سو پرچم تھے۔ ان پرچموں پر مد مقابل کو مرعوب کرنے کے لیے خلفاء، سلاطین اور فوجی افسروں کے نام لکھے تھے اور بعض پر قرآنی آیات بھی تحریر تھیں۔ آثار الاول کے مطابق ابو مسلم خراسانی نے اپنے پرچم پر سورہ حج کی انتالیسویں آیت تحریر کرائی تھی۔ مزید برآں اسکے دو بڑے نیزے جو تیرہ چودہ ہاتھ کے تھے، ان پر جو پرچم نصب تھے ان میں سے ایک کا نام سحاب اور دوسرے کا نام ظل تھا۔

جہاں تک مختلف پرچموں کے رنگوں کا تعلق ہے وہ مختلف نظر آتے ہیں۔ مناقب شہر آشوب کے مطابق پرچم عقاب کا رنگ سیاہ تھا اور زمانہ جاہلیت میں پرچموں کے رنگ سفید تھے۔ بنی امیہ کے پرچم کا رنگ سرخ تھا۔ عباسیوں کے پرچم سیاہ اور علویین کے پرچم کا رنگ سفید اور بعض روایات کے مطابق سبز تھا۔ جس وقت متوکل نے اپنے دو بیٹوں کے لیے بیعت لینا شروع کی تو دو پرچم نصب کیے، ایک کا رنگ سیاہ اور دوسرے کا سفید تھا۔ جناب رسالت مآبؐ کے علم مختلف جنگوں میں مختلف رنگوں کے تھے۔ جنگ بدر میں حضرت امیر المومنینؑ کے علم کا رنگ زرد، جنگ بدر میں حضرت حمزہ کے علم کا رنگ سرخ تھا۔ مناقب شہر آشوب کے مطابق احد و خیبر میں پرچم سفید تھے۔ طبری نے لکھا ہے کہ واقعہ عین الوردہ میں پرچم کا رنگ خاکی تھا۔

علمدار کے اوصاف

علم قوم کی عزت وحمیت کا نشان ہوتا ہے۔ یہ فوج کی تنظیم کا ذریعہ ہوتا ہے اور اسی کے زیر سایہ آگے بڑھنے کا حوصلہ ہوتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ علمدار جرار غیر فرار ہو۔ جب علم کا پھریرا لہراتا ہے فوج کے حوصلے بھی بلند ہوتے ہیں اور فتح مندی مقدر بنتی ہے۔ علمداری کا حق اسے ہوتا ہے جس میں غیرت، جرأت اور وفاداری ہو، بزدلوں اور جنگ سے فرار ہونے والوں پر یہ منصب زیب نہیں دیتا۔ علم کی پاس داری بہت بڑی ذمہ داری ہوتی ہے۔ جسے وہی نباہ سکتا ہے جس میں مذکورہ جملہ صفات پائی جائیں۔ اسی بات کے پیش نظر حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا۔ ''علمدار اسے ہونا چاہیے جو ہر صورت میں دفاع کرتا رہے۔ حقیقی پاسدار و محافظ حریم اسلام و ناموس وہ ہیں جو علم کو چھوڑ کر راہ فرار اختیار نہ کریں، چہار سمت سے علم کو خطرات سے بچائیں، پاسدار اسلام وہ ہیں جو خود کو پیچھے رہ کو دشمن کے حوالے نہ کریں اور نہ آگے بڑھ کر علم کو تنہا چھوڑیں۔''

جنگ صفین میں روانگی کے وقت آپ نے ہدایت فرمائی۔ ''علم کو ایک مقام پر نصب کرنا، اسے تنہا نہ

چھوڑنا، علم ہمیشہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں دینا جو جری و بہادر ہوں اور ہر پیش آنے والے خطرے کو برطرف کرنے کا حوصلہ رکھتے ہوں اور سختیوں کو برداشت کرنے کی سکت رکھتے ہوں۔" آپؑ کی اس ہدایت سے پتا چلتا ہے کہ علمدار کی ذمہ داری بہت زیادہ ہوتی ہے اور اسے خون کا آخری قطرہ بہانے تک جوانمردی دکھانا ہوتی ہے۔ علمداری کے منصب پر فائز کو غیرت، حمیت اور شجاعت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ جنگ میں علم کی توہین کا مرتکب ہو اور اپنی جان بچانے کی خاطر راہ فرار اختیار کرے، ایسا شخص قوم کی نظروں سے گر جاتا ہے اور ہمیشہ کے لیے لعنت و ملامت کا سبب بنتا ہے۔ اسی لیے علم کا حقدار صرف وہ ہوتا ہے جو شجاعت و شرافت اور نجابت جیسی صفات کا حامل ہو اور یہ صلاحیت رکھتا ہو کہ تنظیم اور اصول جنگ اس کے پیش نظر ہوں ایسا شخص جو طمع دنیا اور مال غنیمت کا طلب گار ہو اسلام اسے علمداری کا حق نہیں دیتا۔ دراصل علمداری بہت اہم منصب و اعزاز ہے، اسی لیے تحفظ علم ضروری ہے۔ اگر علم کسی کے پست ارادوں کے سبب سرنگوں ہو جائے تو لشکر بکھر جاتا ہے اور شکست سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس ندامت سے بچنے کے لیے علمدار لشکر کا انتخاب قوم کے بہادر ترین انسانوں میں سے کیا جاتا ہے۔ خاندان رسالتؐ میں سے جن صاحبان عز و شرف نے علمداری کا منصب سنبھالا ان میں علمداروں کی جملہ صفات پائی جاتی تھیں۔ جب تک ان کے اجسام مطہرات میں زندگی کی رمق باقی رہی علم کی حفاظت فرمائی اور مقام علم کو سربلند کیا۔ حضرت امیر المومنینؑ نے علمداری کا جو حق ادا کیا اور آپ میں جو علمداری کی صفات تھیں اس کا اندازہ جناب رسالت مآبؐ کے ان الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے جو آپؐ نے جنگ خیبر کے موقع پر انتالیس روز تک مشاہدہ فرمایا کہ لشکر سالار پر اور سالار لشکر پر الزام تراشی کرتا رہا، اس صورت حال کے پیش نظر آپؐ نے فرمایا۔ کل میں علم اس کو دوں گا جو جرار غیر فرار ہے، وہ خدا اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسولؐ اس کو دوست رکھتے ہیں اور پروردگار عالم اس کے ہاتھوں فتح فرمائے گا۔ جنگ موتہ میں بحیثیت علمدار جناب جعفر طیار کی شجاعت و جانثاری اور روز عاشور جناب عباس علمدار کی جرأت اور بے مثل وفاداری کا قیامت تک دنیا اعتراف کرتی رہے گی۔ یہ وہ برگزیدہ ہستیاں تھیں کہ جب دائیاں ہاتھ قلم ہوتا تو علم بائیاں ہاتھ میں تھام لیتے جب بائیاں ہاتھ قلم ہوتا تو علم کو اپنے زانو اور سینے کا سہارا دیتے اور آخری دم تک حفاظت کی سعی فرماتے۔ ان شجاعان عالم نے اپنی جرأت اور عمل سے یہ بات واضح کر دی کہ علمدار کو شجاع، باہمت، مرد میداں، مستقل مزاج، جرار غیر فرار ہونا لازم ہے، اور جسکی سربراہی میں علمداری کے فرائض انجام دیے جائیں اس کا اطاعت گزار ہونا لازمی ہے۔

سالار لشکر

جناب عباس علمدار کی شجاعت کی بناء پر حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ ''عباسؑ میرا سالار لشکر اور میری قوم کا سخی سردار اور مضبوط قلعہ ہے۔'' جناب عباسؑ کے القاب میں ایک عظیم لقب کبش کتیبہ'' ہے۔ جس کے معنی سالار لشکر کے ہیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے جناب عباسؑ کو یہ لقب آپ کے فن حرب کی مہارت، جرأت اور وفاداری کے پیش نظر عطا فرمایا۔

تاریخ عالم گواہ ہے کہ حضرت عباس علمدار جس لشکر کے سالار تھے، دنیا نے لاکھوں کے مقابلے میں اتنا چھوٹا لشکر نہیں دیکھا جس میں بچے، جوان بوڑھے اور شیر خوار بچہ (جناب علی اصغرؑ) بھی شامل تھے۔ شیخ مفید علیہ الرحمہ کتاب ارشاد میں اور طبری تاریخ طبری میں لکھتے ہیں کہ ''نماز صبح کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے صف آرائی فرمائی کل ۳۲ سوار اور چالیس پیادہ حضرت کے ہمراہ تھے۔ حضرت زہیر قین کو میمنہ کی کمان دی، حضرت حبیب ابن مظاہر کو میسرہ پر مقرر فرمایا اور علم اپنے بھائی حضرت عباسؑ کے ہاتھ میں دیا۔'' حضرت امام حسینؑ نے یہ ترتیب اس طرح مرتب فرمائی کہ اہل بیت اطہار کے خیمے پشت کی جانب تھے اور خیموں کے پیچھے آگ روشن کر دی تا کہ پشت سے دشمن خیموں پر حملہ نہ کر سکے۔ جلاء العیون اور الاخبار الطوال کے مطابق صبح صادق طلوع ہوئی تو صاحبان صدق نے نماز صبح کا تہیہ کیا۔ حضرت علی اکبرؑ نے اذان کہی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے نماز با جماعت پڑھائی۔ اللہ کے سچے بندے ابھی مصلے پر ہی تھے کہ ۸۰ ہزار کے لشکر میں حملہ آور ہونے کے آثار ظاہر ہوئے۔ حضرت امام حسینؑ مصلے سے اٹھے اور بہتر جانثاروں پر مشتمل لشکر کی جنگی تقسیم اس طرح فرمائی کہ میمنہ پر ۲۰ بہادر بقیہ قلب لشکر پر معین فرمائے، میمنہ کے سردار حضرت زہیر قین، میسرہ کے حضرت حبیب ابن مظاہر اور علمدار لشکر حضرت عباسؑ کو مقرر فرمایا۔ ناسخ التواریخ، ابصار العین اور تحفہ حسینیہ کے مطابق جب عاشور کی صبح نمودار ہوئی تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے میمنہ لشکر پر حضرت زہیر قین اور میسرہ پر حضرت حبیب ابن مظاہر کو مقرر فرمایا اور جناب عباسؑ کو علم عطا فرما کر علمدار مقرر کیا۔

تاریخ سقایت

سقایت کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے، اس لیے کہ پانی زندگی کی علامت ہے۔ ارشاد رب العزت ہے۔ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔ ''ہم نے ہر موجود کو پانی سے خلق کیا ہے۔'' ایک شخص نے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: پانی کا مزہ کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: ''جو مزہ حیات کا ہے۔'' پانی میں وہ نعمت ہے جس پر پروردگار عالم کا اختیار کلی ہے۔ دریا، چشمے، آبشار اور بارش کو پانی کی فراہمی کا ذریعہ بنایا تاکہ مخلوق سیراب ہو۔ عربوں میں سقایت کو بڑی اہمیت دی جاتی رہی ہے، اس عہدہ پر فائز افراد قوم وقبیلہ کے مقتدر افراد ہوا کرتے تھے۔ خصوصاً جناب رسالت مآبؐ کے اجداد خانہ کعبہ میں حجاج کو پانی پلانے کے شرف پر فائز تھے۔ یہ عہدہ سقایت کہلاتا تھا۔ جب جناب قصی سقایت کے عہدہ پر مامور ہوئے تو آپ زمانہ حج میں یہاں آنے والوں کے لیے پانی، دودھ اور شربت کا اہتمام فرماتے تھے۔ عرب میں پانی کی قلت کو دور کرنے کے لیے جناب قصی نے مکہ میں کنواں کھدوایا جہاں سے وافر مقدار میں پانی فراہم ہوتا اور یہاں سے بڑی تعداد میں لوگ پانی بھرنے آتے تھے۔ سیرۃ حلبیہ میں ہے کہ جناب قصی کے بعد جب خانہ کعبہ کا انتظام جناب ہاشم نے سنبھالا تو آپ نے حاجیوں کو فراہمی آب کی غرض سے زم زم کے گرد حوض بنوائے۔ کیونکہ منیٰ میں بھی پانی نہ تھا اور شدید گرمی اور گرم ہواؤں سے حاجیوں کا برا حال ہو جاتا تھا۔ لہٰذا تشنہ لب حاجیوں کے لیے آپ وہاں کافی مقدار میں پانی فراہم فرماتے تھے۔ مزید یہ کہ جناب ہاشم نے ایک کنواں کھدوا کر اعلان کیا کہ ہر شخص کو یہاں سے پانی بھرنے کا حق ہے، کسی کو یہ حق نہیں کہ کسی کو پانی بھرنے سے منع کرے۔

جب جناب عبدالمطلب خانہ کعبہ کے منتظم اعلیٰ ہوئے تو آپ نے بھی فراہمی آب پر خصوصی توجہ فرمائی اور حاجیوں کے لیے سقایت کا انتظام فرمایا۔ سیرۃ زینی دحلان کے مطابق جناب عبدالمطلب اپنے جد بزرگوار جناب قصی کی طرح زائرین خانہ کعبہ کے لیے کشمش اور دودھ وشہد کا شربت تیار کراتے تھے جس سے حاجی سیراب ہوتے تھے۔ آپ نے چاہ زم زم کی کھدائی کرائی اور دوبارہ چشمہ ظاہر ہوا جسے عوام الناس کے لیے آپ نے مباح فرمایا۔ اس سے قبل اہل مکہ کو دور دراز علاقوں سے پانی لانا پڑتا تھا۔ جناب عبدالمطلب نے زم زم کے قریب ایک حوض تعمیر کرایا جسے اپنے فرزند حرث کی مدد سے بھرواتے تھے۔ ایک موقع پر جب بیابان سے گزرتے ہوئے جناب عبدالمطلب کے ہمراہی پانی کی قلت کے سبب قریب مرگ ہوئے تو پانی کی تلاش میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے، ابھی چند قدم کا فاصلہ طے کیا تھا کہ گھوڑے کے پاؤں کے نیچے میٹھے پانی کا چشمہ ظاہر ہوا، اس وقت آپ نے تکبیر بلند کی سب اس میٹھے پانی کے چشمے سے سیراب ہوئے اور مشکیں بھریں اور جناب عبدالمطلب نے اپنے حریف قریش کو اس سے پانی بھرنے کی اجازت دی۔ وہ قریش جو آپ کے تعاقب میں تھے اور تمام ساتھیوں کو ہلاک کرنے کے در پے تھے، ان لوگوں نے حضرت عبدالمطلب

سے کہا۔ اب ہم آپ سے اختلاف نہیں کریں گے، اس لیے کہ جو خدا صحرائے بیابان میں آپ کو سیراب کر سکتا ہے اسے یہ پسند ہے کہ آپ خانہ کعبہ کے متولی رہیں۔ جناب عبدالمطلب کے بعد حضرت ابوطالبؑ کو خانہ کعبہ کے متولی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے حاجیوں کے لیے پانی کا معقول بندوبست کیا۔ آپ نے پانی کے حوض تعمیر کرائے جہاں لوگ سیراب ہوتے تھے۔ آپ نے عرفات و مشعر میں پانی کی سبیلیں رکھوائیں، اسی وجہ سے آپ کو "ساقی" کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔

حدیبیہ میں جب پانی کا ذخیرہ ختم ہو گیا اور کہیں سے حصول آب ممکن نہ ہوا تو لوگوں نے پانی کی کمی کا شکوہ کیا، تو جناب رسالت مآبؐ نے جو بمشکل تمام پانی فراہم ہوا، اس سے وضو فرما کر کلی کرتے ہوئے دہن مبارک سے پانی اس کنوئیں میں ڈالا تو اس کنوئیں کے پانی میں اضافہ ہو گیا۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے کہ آپ کی انگشت ہائے مبارک سے پانی اس سفر میں مثل چشمہ ہائے شیریں ظاہر ہوا اور ہم سب سیراب ہو گئے۔ مرقوم ہے کہ اسی منزل پر اصحاب نے قلت آب کی شکایت کی تو آپؐ نے دعا فرمائی تو اس وقت آسمان سے ایسی بارش ہوئی کہ سب سیراب ہو گئے۔

معارج النبوت میں مرقوم ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ فرماتے ہیں۔ میرے گھر میں ایک کنواں تھا جس کا پانی نمکین تھا۔ میں نے حضورؐ سے ذکر کیا۔ یارسول اللہ اس کنوئیں کا نمکین اور کڑوا پانی میری تشنگی کی راہ میں گراں ہے۔ آپؐ نے ایک طشت طلب فرمایا اور اپنے پائے مبارک دھوئے اور فرمایا کہ اس پانی کو اس کنوئیں میں ڈال دو۔ آپؐ کے پاؤں اقدس کے دھون کی برکت سے کنوئیں کا پانی میٹھا ہو گیا۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ ہمارے گھر کا ایک کنواں جس میں کھارا پانی تھا۔ آپؐ کے لعاب دہن سے یہ اس قدر میٹھا ہوا کہ سارے مدینہ میں ایسا میٹھا پانی کہیں بھی نہ تھا۔

زیاد بن حارثہ الصدائی سے روایت ہے کہ میرے قبیلہ کے لوگ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمارا ایک کنواں ہے جس کا پانی موسم سرما میں دو قبیلوں کی ضروریات کو بمشکل پورا کرتا ہے لیکن موسم گرما میں تو بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دریں حالات ہم دونوں قبیلے علیحدہ علیحدہ ہونا چاہتے ہیں مگر اس علیحدگی سے دوسرے مسائل پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔ با ایں ہمہ ہم ایسے مقام پر چلے جاتے ہیں جہاں بہت سے کنوئیں ہیں، مگر وہاں بھی ایک اور قبیلے نے دعویٰ ملکیت کر دیا ہے۔ اس لیے وہاں جانا بھی ہمارے لیے ہلاکت کا باعث ہے۔ آپ نظر کرم فرما کر ہمارے اپنے کنوئیں میں برکت کی دعا فرمائیں تا کہ اس سے گرمی اور سردی میں پانی میسر آ سکے۔ آپؐ نے سات سنگریزے منگوائے اور اپنے دست مبارک میں ملے اور

دعا فرمائی اور کہا کہ ان سنگ ریزوں کو ایک ایک کر کے کنوئیں میں ڈال دو اور اللہ کا ذکر کرتے جاؤ۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس کنوئیں میں پانی کی اتنی کثرت ہوگئی کہ سارا سال کافی ہوتا تھا۔

جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے جنگ بدر کے موقع پر سقایت کے فرائض انجام دیے۔ مناقب شہر آشوب کے مطابق اس وقت جب مسلمانوں پر شدید پیاس کا غلبہ تھا، مسلمانوں کو جناب رسالت مآبؐ نے پانی کی فراہمی کا حکم دیا لیکن قریش کی دہشت کے سبب یہ پانی لانے سے قاصر تھے۔ اس موقع پر جناب رسالت مآبؐ کے حکم کے بموجب حضرت امیر المومنینؑ نے چشمہ آب تک رسائی حاصل کر کے مسلمانوں کو سیراب کیا۔ ایک دفعہ مکہ میں خشک سالی سے قحط پڑ گیا۔ جناب ابو طالبؑ نے جناب رسالت مآب کا واسطہ دے کر باران رحمت کی دعا مانگی تو اتنی بارش ہوئی کہ خشک سالی سے نجات ملی اور ہر طرف سبزہ نظر آنے لگا۔ ایک مرتبہ اہل کوفہ کو سخت خشک سالی کا سامنا تھا۔ حضرت امیر المومنینؑ نے حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ سے طلب باران رحمت کے لیے دعا کرائی تو ابھی دعا ختم نہ ہوئی تھی کہ موسلا دھار بارش شروع ہوگئی اور ہر طرف ہریالی چھا گئی۔ جنگ صفین میں جب امیر شام نے گھاٹ پر قبضہ کیا تو حضرت علی علیہ السلام کے لشکر پر پیاس کا غلبہ ہوا تو آپؑ نے صعصہ بن صوحان اور شیث بن ربعی کے ذریعہ پیغام پہنچایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق کو پانی پر مساوی حق عطا فرمایا ہے لہٰذا دریا سے پہرہ ہٹا دو لیکن لشکر مخالف نے آپ کے قول پر دھیان نہ دیا تو حضرت مالک اشتر و اشعث نے حکم امیر المومنینؑ کے مطابق شامی افواج پر ایسا حملہ کیا کہ گھاٹ تک پہنچ کر قابض لشکر کو وہاں سے راہ فرار پر مجبور کر دیا اور دریا پر جب اختیار کلی حاصل ہوا تو مناقب ابن شہر آشوب کے مطابق آپؑ نے حکم دیا کہ لشکر مخالف کو پانی سے محروم نہ کیا جائے۔

ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ جب سید عالم و عالمیانؐ نے صلح حدیبیہ کے دن مکہ معظمہ کو مراجعت فرمائی تو اس وقت مسلمان بہت پیاسے تھے اور کسی جگہ پانی دستیاب نہ تھا۔ جناب رسول اکرمؐ نے بمقام جحفہ قیام کیا اور فرمایا۔ تم میں سے کون ہے جو فلاں کنویں پر جا کر مشکیں بھر کر پانی لائے تا کہ خدا کا رسول اسے جنت کی بشارت دے۔ ایک شخص اٹھا اور عرض کی یا رسول اللہؐ میں جاتا ہوں۔ حضورؐ نے اسے سقوں کی جماعت کے ساتھ روانہ کیا۔ مسلمہ بن اکوع فرماتے ہیں میں ان کے ساتھ تھا۔ جب ہم اس کنویں کے نزدیک پہنچے تو وہاں بہت سے درخت دیکھے جن سے طرح طرح کی آوازیں آرہی تھیں اور وہ درخت عجیب طرح سے حرکت کر رہے تھے۔ ہم نے ان سے آگ کے شعلے بلند ہوتے دیکھے جن سے ہم سخت خائف ہوئے۔ اس خوف کے سبب ہم ان درختوں سے گزر نہ سکے اور حضورؐ کی خدمت میں واپس چلے آئے۔ حضورؐ

نے فرمایا وہ جنوں کا ایک گروہ تھا جو تمہیں ڈراتا تھا۔ اگر تم میرے کہنے کے مطابق چلتے رہتے تو تمہیں کوئی گزند نہ پہنچتی۔ اسی طرح ایک اور صحابی روانہ ہوئے لیکن انہیں بھی اسی طرح لوٹنا پڑا۔ یہاں تک کے شام ہوگئی اور صحابہ پر پیاس کا غلبہ ہونے لگا۔ جناب رسالت مآبؐ نے حضرت امیر المومنین کو بلایا اور روانہ کیا۔ مسلمہ بن اکوع کہتے ہیں ہم اپنے کندھوں پر مشکیں اور ہاتھوں میں تلواریں لیے باہر آگئے۔ حضرت علی رجز پڑھتے ہوئے بڑھتے گئے، جب ہم وہاں پہنچے تو وہی آوازیں آنے لگیں اور درختوں نے ہلنا شروع کر دیا۔ ہم پر خوف وہراس طاری ہونے لگا۔ میں نے دل میں کہا حضرت علیؑ بھی پہلے دو آدمیوں کی طرح لوٹیں گے۔ اس پر حضرت علیؑ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا۔ میرے قدم بہ قدم چلتے رہو جو تمہیں نظر آرہا ہے اس سے نہ ڈرو۔ اب تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔ جونہی ہم درختوں کے جھنڈ میں آئے تو ان میں سے آگ کے بھیانک شعلے نکلنے شروع ہو گئے۔ ان شعلوں میں سے کٹے ہوئے سر ظاہر ہو رہے تھے، جن سے سخت ہولناک آوازیں آرہی تھیں۔ ان آوازوں سے ہمارے اوسان خطا ہو گئے لیکن حضرت امیر المومنینؑ ان سروں سے گزرتے ہوئے فرماتے جاتے تھے، میرے قدم بہ قدم چلتے آؤ اور دائیں بائیں مت دیکھو اب کوئی خوف نہیں رہا۔ ہم آپؑ کے پیچھے چلتے رہے یہاں تک کہ اس کنویں تک پہنچے ہم نے ایک ڈول کنویں میں ڈالا۔ براء بن مالک نے ایک ڈول ہی پانی نکالا تھا کہ رسی ٹوٹ گئی اور ڈول کنوئیں میں گر گیا۔ کنویں سے قہقہوں کی آوازیں آنے لگیں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کوئی ہے لشکر اسلام میں جو جا کر ایک ڈول پانی لائے۔ ساتھیوں نے کہا یہ بات ہمارے بس سے باہر ہے۔ حضرت علیؑ کمر سے پٹکا باندھ کر کنوئیں میں اتر گئے۔ کنویں سے قہقہوں کی آوازیں بہت تیز بلند ہونے لگیں، جب حضرت امیر المومنینؑ کنوئیں کے اندر پہنچے تو کنوئیں میں عجیب و غریب غلغلہ اٹھا اور ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے کسی کا گلا گھونٹا جا رہا ہو۔ اچانک آپؑ نے اللہ اکبر، اللہ اکبر انا عبداللہ و اخو رسول اللہؐ پکارا اور فرمایا۔ مشکیں نیچے پھینکو آپؑ نے تمام مشکیزے پانی سے بھرے، ان کے دہانے باندھے اور ایک ایک کر کے باہر نکالے۔ بعدازاں آپؑ نے دو مشکیزے اٹھائے اور ہم سب نے ایک ایک۔ جب ان درختوں کے پاس سے گزرے تو اب پچھلی کیفیت دیکھنے میں نہ آئی۔ ہاتف نے حضورؐ کی نعت اور حضرت علیؑ کی منقبت پڑھی۔ جناب امیر المومنینؑ نے تمام قصہ حضورؐ کو سنایا۔ تو ختمی مرتبت نے فرمایا وہ ہاتف عبداللہ جن تھا جس نے جنوں کے شیطان مسعر کو کوہ صفا میں قتل کیا تھا۔

شواہد النبوت میں مرقوم ہے جس وقت حضرت علیؑ صفین میں مصروف تھے۔ آپ کے ساتھیوں کو پانی کی سخت ضرورت پیش آئی۔ لوگوں نے دائیں بائیں ہر طرف پانی تلاش کیا لیکن پانی دستیاب نہ ہوا۔ آپ

نے نظر اٹھائی تو ایک کلیسا نظر آیا۔ آپ نے کلیسا کے رہنے والے سے پانی کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا۔ یہاں سے چھ میل کے فاصلے پر پانی موجود ہے۔ آپ کے ساتھیوں نے عرض کی۔ امیر المومنینؑ اجازت دیجئے تاکہ ہم اپنی قوت ختم ہونے سے قبل پانی تک رسائی حاصل کرلیں۔ آپؑ نے فرمایا اس کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد آپؑ نے اپنی سواری کو مغرب کی طرف مہمیز لگائی اور ایک طرف اشارہ فرمایا کہ یہاں زمین کھودو۔ جب زمین کھودی گئی تو ایک بڑا پتھر ظاہر ہوا جسے ہٹانے کے لیے کوئی ہتھیار بھی کارگر نہ ہوسکا۔ آپؑ نے فرمایا اس کے نیچے پانی ہے۔ لہٰذا پتھر کو شش کرکے ہٹادو۔ آپؑ کے ساتھیوں نے بہت کوشش کی لیکن یہ پتھر اپنی جگہ سے نہ ہلا سکے۔ آپؑ اپنی سواری سے نیچے تشریف لائے اور اپنی انگلیاں اس پتھر کے نیچے رکھ کر پتھر کو ہٹایا تو ٹھنڈا اور میٹھا پانی نکل آیا۔ ایسا پانی تمام سفر میں نہ پیا تھا، سب پانی سے سیراب ہوئے اور جتنا چاہا بھرلیا۔ پھر آپؑ نے اس پتھر کو چشمہ پر رکھ دیا اور فرمایا اس پر مٹی ڈال دو۔ جب دیر کے راحب نے ان احوال کا مشاہدہ کیا تو کلیسا سے نیچے اتر کر حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کیا آپؑ پیغمبر مرسل ہیں؟ حضرتؑ نے فرمایا نہیں۔ اس نے دریافت کیا کیا آپ مقرب ملک ہیں۔ حضرتؑ نے فرمایا نہیں۔ اس نے پوچھا پھر آپ کون ہیں؟ حضرت امیرؑ نے فرمایا میں وصی پیغمبر مرسل جناب محمد بن عبداللہ خاتم النبیینؐ ہوں۔ راہب نے کہا آپؑ ہاتھ بڑھایئے تاکہ میں آپ کے دست مبارک پر اسلام قبول کروں۔ آپؑ نے ہاتھ اس کی طرف فرمایا تو راہب نے کہا۔ **اشھد ان لا الہ الااللہ و اشھد ان محمد الرسول اللہ و اشھد انک علی وصی رسول اللہ**۔ حضرت امیر المومنینؑ نے اس سے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے کہ اب تک تم اپنے مذہب پر کاربند تھے۔ اب تم ایمان لے آئے؟ راہب نے عرض کی۔ اے امیر المومنینؑ اس کلیسا کی بنیاد اس پتھر ہٹانے والے کے لیے تھی، مجھ سے پہلے کئی راہب یہاں رہتے رہے ہیں۔ ہم نے اپنی کتابوں میں پڑھا ہے اور اپنے علماء سے سنا ہے کہ اس جگہ چشمہ ہے اور اس پر ایک نادیدہ پتھر ہے جسے کسی پیغمبر یا وصی پیغمبر کے سوا کوئی اٹھا نہ سکے گا۔ جب میں نے دیکھا کہ آپ نے اس پتھر کو اکھاڑ پھینکا ہے تو میری مراد پوری ہوگئی اور مجھے جس چیز کا انتظار تھا مل گئی۔ یہ سن کر حضرت امیر المومنینؑ نے اتنا گریہ فرمایا کہ آپؑ کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ پھر فرمایا۔ تمام تعریف رب العزت کے لیے ہے کہ میں اس کے یہاں بھولا بسرا نہیں ہوں بلکہ اس کی کتابوں میں میرا ذکر ہے۔

اس کے بعد یہ آپ کا خادم بن گیا اور آپؑ کے ساتھ اہل شام سے مقابلہ کرتا رہا یہاں تک شہید ہوگیا۔ حضرت امیر المومنینؑ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور اسے دفن کیا اور دعائے مغفرت فرمائی۔ جب

کبھی اس کا ذکر ہوتا اسے اپنا غلام کہہ کر پکارتے۔ اسی باب میں مولانا جامی لکھتے ہیں کہ حبۃ العرنی جو حضرت علیؑ کے متوسلین میں تھے۔ ان کا بیان ہے کہ معاویہ بن ابوسفیان سے جنگ کے دوران حضرت علیؑ نے دریا کے کنارے پڑاؤ ڈالا اچانک وہاں ایک آدمی آیا اور کہا السلام علیک یا امیر المومنینؑ! حضرت علیؑ نے کہا وعلیک السلام۔ اس نے بتایا میں سمعوم بن یوحنا ہوں اور اس کلیسا میں رہتا ہوں۔ میرے پاس ایک کتاب ہے جو حضرت عیسیٰؑ سے میراث میں چلی آرہی ہے۔ اگر آپ چاہیں تو خدمت میں پیش کردوں اور چاہیں تو میں پڑھ کر سناؤں۔ آپؑ نے فرمایا پڑھو۔ اس کتاب میں رسول اللہؐ کے اور آپؐ کے اوصاف حمیدہ تھے۔ اس کے آخری الفاظ تھے کہ یہاں وہ شخص اترے گا، جو اس زمانے میں دین اور قرابت داری کے لحاظ سے رسول اللہؐ کا قریب ترین ہوگا۔ وہ اہل مشرق کے ساتھ اہل مغرب سے مقابلہ کرے گا، اس کے سامنے دنیا کی قدروقیمت خاک سے بھی کمتر ہوگی۔ وہ شدت جنگ میں طوفان سے زیادہ زورآور ہوگا۔ اس کی نگاہوں میں موت اتنی عزیز ہوگی جتنا شربت۔ اللہ کی مدد اس کے شامل حال ہوگی اور اس کے ساتھ قتل ہونا شہادت ہوگی۔ اس نے کہا جب نبی مبعوث ہوئے تو میں ان پر ایمان لایا، اب جبکہ آپؑ نے یہاں پڑاؤ ڈالا ہے میں آپؑ کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں تاکہ زندہ و مردہ آپ ہی کی خدمت میں رہوں۔ حضرت علیؑ یہ سن کر رو دیئے اور آپؑ کے ساتھ حاضرین بھی رونے لگے۔ پھر فرمایا۔ سب تعریفیں اس ذات اقدس کے لیے ہیں جس نے میرا تذکرہ نیک لوگوں کے صحیفہ میں کیا۔ پھر حبۃ العرنی سے کہا۔ اے حبۃ اس کی صبح و شام نگہداشت کرتے رہو، اسکے بعد جب آپؑ کھانا تناول فرماتے اسے طلب فرماتے، وہ راہب اس وقت لیلۃ الہریر میں شہید ہوا جب حضرت علیؑ، معاویہ بن ابوسفیان سے شدید جنگ کر رہے تھے۔ حضرت امیر المومنینؑ نے اس کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔

حضرت علی علیہ السلام کی سقایت کے کارنامے حد انتہا پر ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے زمانہ حکومت میں ایک صوبے کے گورنر قرظۃ بن کعب انصاری کو خط تحریر فرمایا کہ "تمہارے علاقے سے متعلق ذمیوں نے مجھے بتایا ہے کہ وہاں نہریں خشک ہو گئی ہیں جن کے سبب خشک سالی پیش نظر ہے، تم فوری طور پر ان امور کا جائزہ لو اور ان نہروں کا نظام درست کراؤ۔ آپؑ جہاں دیگر لوگوں کی مشکلات اور مسائل پر توجہ فرماتے، مزارعین زمین کی فلاح و بہبود پر خصوصی توجہ فرماتے تھے۔ حضرت امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے۔

"حضرت امیر المومنینؑ اپنے ارکان حکومت کے نام خطوط تحریر فرماتے جن میں مزارعین کی فلاح و بہبود کے احکامات صادر فرماتے اور ان امور پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت فرماتے۔ ایک اور موقع پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام بذات خود زمین پر کام کرتے اور زمین کے

سینے سے پوشیدہ نعمتیں نکالا کرتے تھے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت علیؑ علیہ السلام مدینہ میں قوم یہود کے نخلستانوں میں آبیاری فرمایا کرتے تھے، جس کے سبب آپ کے دست مبارک میں گھٹے پڑ گئے تھے۔ آپؑ کے اصلاحی کارناموں میں قابل ذکر یہ بات ہے کہ آپؑ نے مکہ اور کوفہ کے راستوں میں اور دیگر کئی مقامات پر کنوئیں کھودے، جن سے حاجی اور عوام الناس فیض حاصل کرتے تھے۔

حضرت علی علیہ السلام نے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے نہریں کنوئیں اور باغات قائم فرمائے۔ آپؑ نے جو دو بڑے باغات لگائے ان میں بغیبغہ اور ابو نیزر نہایت سرسبز اور پرثمر باغات تھے۔ ابو نیزر جوان باغات کا سرپرست تھا اس کا بیان ہے کہ ایک روز میں باغ میں موجود تھا کہ حضرت امیر المومنینؑ باغ میں تشریف لائے اور میں نے آپؑ کی خدمت میں کھانا حاضر کیا۔ آپؑ نے بعد تناول دست مبارک دھونے کے بعد پھاوڑا اٹھا کر اس باغ کی زیر زمین نہر (کنوئیں) کی جانب روانہ ہوئے اور نہر کی زمین کو ہموار کرنا شروع کیا۔ اس وقت آپؑ کی پیشانی انور پر پسینے کے قطرے ظاہر تھے۔ آپؑ کنوئیں سے باہر تشریف لائے پھر دوبارہ زمین ہموار کرنا شروع کی۔ آپ کے کدال چلانے کی آواز کنوئیں سے باہر آرہی تھی۔ آپؑ نے اس کنوئیں کی اتنی گہرائی تک زمین ہموار کی کہ اونٹ کی گردن کے برابر پانی ظاہر ہوا۔ اس امر خیر کی بجا آوری کے بعد مولائے کائنات کنوئیں سے باہر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا: ''میں اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ یہ چشمہ (اس کنوئیں کو چشمہ اس وجہ سے کہا جاتا تھا کہ اس میں مثل چشمہ وافر مقدار میں پانی ظاہر ہوا) اور یہ باغ میں نے راہ خدا میں وقف کیا ہے۔

ابو نیزر سے روایت ہے کہ مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام نے مجھ سے قلم اور کاغذ طلب فرمایا۔ میں نے کاغذ و قلم آپؑ کی خدمت عالی میں حاضر کیا تو میرے مولا نے وقف نامہ تحریر فرمایا کہ ''اس چشمے اور باغات کو بندہ خدا علیؑ نے وقف کیا۔ حضرت امیر المومنینؑ کے بعد حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسنؑ کے بعد حضرت امام حسین علیہ نے وقف نامہ پر عمل کیا۔ ان دونوں باغات سے حاصل ہونے والی آمدنی حاجت مندوں میں تقسیم کی جاتی تھی۔ اس طرح عطائے امیر المومنینؑ سے فقراء اور مساکین فیضیاب ہوتے تھے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے چشمے اور دونوں باغات ابی نیزر اور بغیبغہ وقف فرما کر مدینہ کے درماندہ غرباء و مساکین کے لیے ذریعہ معاش قرار دیا جسکے سبب کئی خاندان فیض یاب ہوتے رہے۔

لشکر حر اور حضرت امام حسینؑ کی سقایت

حضرت حرؑ کی شرافت اور جرأت کی اہل عرب میں بہت شہرت تھی آپ کوفہ کے رئیس تھے ابن زیاد نے آپ کو طلب کیا اور حضرت امام حسینؑ سے جنگ پر آمادگی چاہی اور ایک ہزار سواروں کا لشکر دیکر روانہ کیا۔

علامہ محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ بحار الانوار میں اور دیگر صاحبان سیر و تاریخ معہ ابی مخنف اور ابن خلدون نے روایت کی ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے منزل بطن عقبہ سے کوچ کیا اور موضع اشراف میں خیام حرم لگائے جب صبح ہوئی تو حضرت نے حکم دیا برتن اور مشکوے پانی سے بھر لیئے جائیں پانی بھرنے کے بعد قافلہ سفر پر روانہ ہو گیا۔ دوپہر تک راہ طے کی تھی کہ اچانک ایک شخص نے اللہ اکبر کہا۔ حضرت نے پوچھا اس وقت اللہ اکبر کہنے کی کیا وجہ ہے؟ اس نے کہا خرمے کے درخت نظر آرہے ہیں۔ یہ سن کر دوسرے لوگوں نے کہا تم بخدا یہاں تو کبھی خرمے کے درخت نہیں دیکھے گئے۔ حضرت نے پوچھا تمہیں کیا دکھائی دے رہا ہے۔ ان لوگوں نے کہا خدا کی قسم ہمیں نوک ہائے نیزہ اور گھوڑوں کے کان دکھائی دے رہے ہیں۔ حضرتؑ نے فرمایا بخدا میں بھی یہ دیکھ رہا ہوں۔ کچھ دیر بعد لشکر کی سواریوں کی پرچھائیاں اس طرح نظر آئیں جیسے شہد کی مکھیوں کے جھنڈ ہوں حرؑ کے قافلے کے پہنچنے سے پہلے حضرت امام حسینؑ قافلہ کے ہمراہ کوہ حسم تک پہنچ گئے اور اسی مقام پر خیمے نصب کیئے گئے اور حر بھی اپنے لشکر کے ساتھ یہاں پہنچ گے۔

روضۃ الصفا کے موافق منزل سراسے آرام فرما کر بڑھے تھے کہ حرؑ کے لشکر سے ملاقات ہوئی۔ تاریخ کامل کے مطابق یہ ملاقات بطن عقبہ کی گھاٹی کے بعد ہوئی۔ روضۃ الشہداء کی روایت کہ مطابق منزل سراب میں لشکر حر حضرت امام حسینؑ کے قافلہ سے ملا مزید براں صاحبان سیر کے مطابق سرا، سراب اور اشراف ایک ہی منزل کا نام ہے۔ اس وقت شدید گرمی تھی اور ظہر کا وقت تھا حر معہ ایک ہزار کے لشکر کے حضرتؑ کے جانثاروں کے سامنے آکھڑا ہوا حضرت کے اصحاب سروں پر عمامے باندھے شمشیریں پکڑے کھڑے تھے۔

اعثم کوفی نے روایت کی ہے کہ جب حر کا لشکر اترا تو حضرت نے اپنے قاصد کو بھیجا کہ دریافت کرے اس لشکر کا سردار کون ہے؟ لوگوں نے بتایا اس لشکر کا سردار حر بن یزید ریاحی ہے۔

بحار الانوار میں تحریر ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ نے اس قیامت کی گرمی میں لشکر مخالف پر شدت پیاس کے آثار دیکھے تو حضرتؑ نے اصحاب کو حکم دیا کہ حر اور ان کے لشکر کو اور گھوڑوں کو پانی پلاؤ۔ حضرت عباسؑ اور اصحاب نے جوانان بہشت کے حکم کی تعمیل کی جناب عباسؑ، شہزادہ علی اکبرؑ، حضرت قاسمؑ، حضرت

عون ومحمدؑ اور انصار پانی پلانے پر متوجہ ہوئے۔ اہل لشکر کو پانی پلانا شروع کیا اور گھوڑوں کے سامنے پانی کے برتن رکھ دیئے۔ یہاں تک کہ ایک ایک گھوڑا جب چار پانچ بار پانی سے منہ اٹھالیتا اور اچھی طرح سیراب ہوجاتا تو کاسہ آب سامنے سے ہٹاتے تھے۔

علی ابن طعان محارابی کہتا ہے میں حر کے ساتھ تھا اور سب کے بعد پہنچا شدت پیاس سے نڈھال تھا۔ حضرتؑ نے فرمایا اپنا اونٹ بیٹھادے۔ جب میں نے اونٹ بیٹھادیا اور پانی پینے کا ارادہ کیا تو حالتِ اضطراب میں پانی مشک سے گرجاتا تھا۔ حضرت نے فرمایا دہانہ مشک کا ترچھا کر لیکن میں بدحواسی کے سبب یہ نہ سمجھ سکا کہ کس طرح مشک کے دہانے سے پانی پیوں۔ تب حضرت نے خود اٹھ کر مشک کا دہانہ میری طرف کردیا اور میں نے پانی پیا اور اپنے جانور کو بھی پلایا۔

حضرت بریر کی سقایت

شب عاشور بچوں کی تشنگی بڑھتی جارہی تھی۔ بچے جناب زینبؑ کے گرد جمع ہوکر فریاد کررہے تھے۔ شیخ جعفر ابن نما علیہ الرحمہ نے روایت کی ہے کہ بچوں کی پیاس حضرت بریر سے دیکھی نہ گئی اپنے ساتھیوں سے کہا ایسا نہ ہو کہ عترت رسول پیاس سے ہلاک ہوجائے۔ لہٰذا تم میرے ساتھ چلو کہ پانی کی کچھ سبیل کریں۔ حضرت بریر چار اصحاب کے ہمراہ جانب نہر فرات روانہ ہوئے۔ محافظ نہر راستہ روکنے لگے اور پوچھا تم کون ہو؟ آپ نے فرمایا میں بریر ہوں اور شدت پیاس کے سبب آیا ہوں۔ محافظوں نے کہا پہلے ہم اپنے سردار سے پوچھ لیں پھر پانی میں اترنا۔ جب اس افسر کو خبر دی گئی اور اس نے حضرت بریر کا نام سنا تو یہ اسحاق نامی افسر جس کی حضرت بریر سے قرابت تھی اس نے اجازت دے دی۔ حضرت بریر ساتھیوں کے درمیان فرات میں اترے اور ذریت رسولؐ کی پیاس یاد کرکے رونے لگے اور موجیں مارتے دریا کو دیکھ کر ساتھیوں سے کہا۔ پیاسوں کی تشنہ لبی یاد کرو اور جلد مشک بھرو کیونکہ اطفال حسینیؑ تشنہ لبی سے فگار ہیں۔ تقاضا وفاداری یہ ہے کہ اس وقت تک پانی نہ پینا جب تک ان پیاسوں کو سیراب نہ کرلو۔ جب حضرت بریر نے مشک میں پانی بھرلیا تو محافظ نے کہا۔ کیا نہر میں اترنا کافی نہ تھا کہ تم مشک بھر کرلیے جارہے ہو۔ اس نے اس امر کی اطلاع اپنے افسر کو دی جس نے حکم دیا کہ پانی یہاں سے نہ جانے پائے۔ اگر یہ اصرار کریں تو قتل کردو۔ حضرت بریر نے اہل لشکر سے کہا ہم نے ایک بوند پانی بھی نہر سے نہیں پیا ہے کیونکہ رسول خداؐ کے اہل حرم پیاسے ہیں۔ اشقیاء نے حضرت بریر کو گھیر لیا۔ حضرت بریر اور آپ کے رفقاء نے مشکیزہ زمین پر رکھ کر ریگ صحرا سے ڈھک دیا تاکہ اس پر کوئی

تیر نہ لگے۔ کچھ دیر بعد ایک ساتھی کاندھے پر مشک لے کر چلا اور حضرت بریر اپنے ساتھیوں کے ساتھ مشک کی حفاظت میں مصروف تھے کہ اشقیاء نے نرغہ کیا اور مشک پر تیر برسانے لگے۔ ناگاہ کاندھے پر رکھی ہوئی مشک کے تسمہ پر ایک تیر لگا جس سے گردن وشانہ اس جری کا مجروح ہوا خون لباس پر جاری ہو کر پاؤں تک پہنچا۔

جب اس محب حسین نے دیکھا کہ مشک محفوظ ہے تو خدا کا شکر ادا کیا کہ میری گردن مشک کے لیے سپر بن گئی۔ حضرت بریر نے اعداء سے با آواز بلند کہا۔ وائے ہو تم پر آل سفیان کے مددگاروں اتنا فتنہ برپا نہ کرو۔ جب یہ آواز اصحاب حسینؑ تک پہنچی جو حضرت امام حسینؑ کے گرد جمع تھے تو ایک بزرگ نے کہا۔ شاید بریر سے پانی کے لیے تکرار ہو رہی ہے۔ حضرت کی اجازت سے چند سوار مدد کے لیے روانہ ہوئے۔ دشمن کو پسپا کیا۔ جب حضرت بریر مشک لائے تو عرض کیا۔ اے آل رسولؐ یہ پانی حاضر ہے، جب بچوں نے یہ آواز سنی تو ایک دوسرے کو اطلاع دیتے ہوئے مشک پر اس طرح گرے کہ کسی نے مشک کو سینے سے لگایا اور کسی نے اپنا سر اس پر رکھ دیا۔ جب بچوں نے مشک پر ہجوم کیا تو مشک کا تسمہ ٹوٹ گیا اور سارا پانی بہہ گیا۔ تشنہ لب بچوں نے حضرت بریر کو آواز دی ہائے۔ اے بریر یہ پانی بہہ گیا۔ یہ سن کر حضرت بریر نے اپنا منہ پیٹ لیا اور کہا۔ ہائے افسوس تشنہ لبی آل رسولؐ کی، ہائے میں کیا کروں یہ بچے پیاسے رہ گئے۔

ابن نما روایت کرتے ہیں کہ حضرت سکینہ بنت حسینؑ فرماتی ہیں۔ جب خیموں میں ایک بوند پانی نہ تھا مشکیں خشک تھیں، ۹ محرم کو عین مغرب کے وقت مجھے سخت پیاس لگی تو میں نے پھوپھی زینبؑ کے پاس جا کر اپنی پیاس کی شدت کا ذکر کیا، میں نے دیکھا کہ پھوپھی زینبؑ میرے شیر خوار بھائی علی اصغرؑ کو نہایت پریشانی کے عالم میں ہاتھوں پر سنبھالے کبھی اٹھتی ہیں اور کبھی بیٹھ جاتی ہیں۔ اس وقت علی اصغرؑ مثل ماہی بے آب تڑپ رہے تھے اور کسی طرح نہیں بہلتے تھے۔ پھوپھی زینبؑ فرما رہی تھیں۔ ہائے اصغرؑ تمہاری صدائے گریہ پھوپھی کے لیے ناقابل برداشت ہے۔ یہ حال دیکھ کر حضرت سکینہؑ فرماتی ہیں میں بھی زار و قطار رونے لگی۔ پھوپھی اماں نے میرے رونے کا سبب پوچھا تو میں نے اپنی پیاس کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اس وقت بھیا علی اصغرؑ کا پیاس سے تڑپنا دیکھا نہیں جاتا تھا۔

اس روز تمام بچوں پر پیاس کا غلبہ تھا۔ پانی کا کسی خیمہ میں ایک قطرہ نہ تھا۔ مایوسی کی حالت میں پھوپھی زینبؑ تقریباً بیس بچوں کو اپنے خیمے میں لے کر پہنچیں اور زار و قطار گریہ کر رہی تھیں۔ جب بابا کے باوفا صحابی حضرت بریر ہمدانی کو بچوں کی تشنگی کا حال معلوم ہوا تو سر پر خاک ڈالی اور خود کو زمین پر گرا دیا اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے۔ کیا تمہاری وفا کا تقاضا یہی ہے کہ جناب فاطمہ زہراؑ کی بیٹیاں اور بچے پیاس سے

تڑپ تڑپ کر مر جائیں اور ہم بیٹھے رہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ ہم ان پر اپنی جانیں فدا کردیں گے۔ اس ولولہ انگیز اور پر اثر گفتگو کا یہ اثر ہوا کہ چار اصحاب باوفا مشک اٹھا کر فرات کی طرف روانہ ہوئے۔ فرات پر تعینات لشکر نے للکارا تو جناب بریر نے فرمایا۔ خیام حسینی میں پانی کا ایک قطرہ نہیں ہے، بچے اور بڑے پیاس سے نڈھال ہیں ہم پانی لینے کی غرض سے آئے ہیں۔ کافی جدوجہد کے بعد حضرت بریر اپنے ساتھیوں کے ساتھ فرات میں داخل ہوئے لیکن کسی نے پانی نہ پیا۔ اصحاب باوفا نے کہا ہم اہل بیت کے بچوں تک پہنچنے سے پہلے پانی نہ پئیں گے۔ حضرت بریر نے مشک اپنے ایک ساتھی کے کاندھے پر رکھنے کو کہا اور خود اس کی حفاظت کرنے لگے۔ اشقیاء نے تیر اندازی شروع کردی۔ ایک تیر جو مشک کے نشانے پر تھا اس سے اس جانثار کا بازو چھلنی ہوگیا لیکن مشک محفوظ رہی۔ پھر حضرت بریر مخاطب ہوئے۔ "اے اولاد سفیان اور ان کے مددگاروں کس قدر ظلم پر آمادہ ہو" کافی جدوجہد کے بعد مشک خیمہ تک پہنچی حضرت بریر نے بچوں کو آواز دی کہ بچوں پانی تمہارے لیے آگیا۔ پیاسے بچے یکایک مشک پر گرے تو مشک کا تسمہ کھل گیا اور سارا پانی بہہ گیا۔ حضرت بریر نے سر پیٹ لیا اور گریہ وزاری کرتے ہوئے کہا۔ ہائے بچوں کی پیاس نہ بجھ سکی۔

حضرت عباسؑ کی سقایت

حضرت عباسؑ کی سقایت کی ابتدا اس واقعہ سے ہوئی جس کا ذکر ثمرات العواد میں مرقوم ہے کہ ایک دن حضرت علی علیہ السلام تشریف فرما تھے۔ آپ کے گرد ریحان جنت، سرداران بہشت جناب حسنینؑ اور ان کے پہلو میں جناب ابوالفضل عباسؑ دوزانو بیٹھے تھے۔ حضرت امام حسینؑ کو پیاس محسوس ہوئی، جناب عباسؑ اس وقت کم سن تھے لیکن بھائی کی پیاس کا احساس کرتے ہوئے فوراً گھر کی طرف روانہ ہوئے اور جناب ام البنین سلام اللہ علیہا سے عرض کیا۔ مادر گرامی! میرے مولا و سردار حضرت حسین علیہ السلام پیاسے ہیں، ٹھنڈا پانی فراہم فرمائیں۔ آپ فوراً اٹھیں اور ایک کوزے میں پانی بھر کے حضرت عباسؑ کے سر مبارک پر رکھ کر نہایت شفقت سے فرمایا۔ اے عباسؑ یہ پانی اپنے آقا و مولا کی خدمت میں جا کر پیش کردو۔ جناب عباسؑ پانی لیکر اپنے آقا و مولا حضرت امام حسینؑ کی طرف روانہ ہوئے، صغیر سنی کا عالم تھا پانی جھلک کر آپ کے شانوں پر آرہا تھا۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے جب یہ منظر دیکھا تو رخسار انور اشکوں سے بھیگ گئے۔ اس واقعہ پر حضرت امیر المومنینؑ نے جناب عباسؑ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: "بیٹا عباسؑ تم ساقی عطاشاء کربلا ہو۔" اسی دن سے آپ کا لقب "ساقی عطاشاء" قرار پایا۔ جس کے معنی کربلا کے پیاسوں

کے ساقی کے ہیں۔ آپ نے اس لقب کی جس طرح پاسداری فرمائی اس کی مثال نہیں ملتی۔

حضرت عباسؑ جب خیمہ سے مقتل کی طرف چلے تو بھتیجی کی دی ہوئی مشک دوش پر اور حضرت امام حسینؑ کا عطا کیا ہوا علم آپ کے ہاتھوں میں تھا۔ جب سقائے حسینؑ کو یہ علم ملا تھا تو آپ نے بڑھ کر حضرت امام حسینؑ کی قدم بوسی کی اور پرچم اسلام کو اپنی آنکھوں سے لگایا تھا۔ یہ وہی علم تھا جس پر حضرت حمزہ اور حضرت جعفرؑ کو ناز تھا۔ یہ وہی علم تھا جو کبھی خیبر میں بلند ہوا اور کبھی خندق میں، فاتح خیبر کے فرزند نے اس علم کے ملنے پر پروردگار کا شکر ادا کیا اور جاہ و جلال کے ساتھ میدان میں تشریف لائے۔ جب حضرت امام حسینؑ نے جناب عباسؑ کو اس شان سے میدان کارزار کی طرف بڑھتے دیکھا کہ دوش پر خشک مشکیزہ ہاتھ میں علم و نیزہ لیے ہوئے، حیدر کرار کی شان سے گھوڑے پر سوار دریا کی جانب بڑھ رہے ہیں تو حسرت بھری نگاہ کے ساتھ دل کی بے قراری بڑھ گئی۔ در خیمہ سے پیاسے بچے سقائے سکینہ کی سواری دیکھ کر حسرت و یاس کی تصویر بن گئے۔ جناب زینبؑ کی آنکھوں میں اشک جاری تھے اور زوجہ جناب عباسؑ کے سر سے چادر گری جا رہی تھی اور خیمہ میں کہرام برپا تھا۔

مقتل ابی مخنف میں مرقوم ہے کہ جب حضرت عباسؑ نہر کی طرف روانہ ہوئے اور دشمن دائیں بائیں بھاگے تو اس وقت آپ نے یہ رجز پڑھا۔ "میں موت سے ہرگز نہیں ڈرتا جو چاہے مقابلے پر آئے، موت سے ملاقات کے لیے میں خود چل کر آیا ہوں۔ میں نے اپنی جان پاکیزہ جان کے حوالے کر دی ہے۔ میں صبر کے ساتھ ثابت قدم رہتا ہوں تاکہ سر جدا کروں اور جسموں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں۔ میں عباسؑ ہوں، جنگ میں سختی سے مدمقابل کا سامنا کرتا ہوں۔"

جب آپ نے دریا کا رخ کیا تو اعدا نے آپ پر ہجوم کیا۔ آپ نیزے سے جو قریب آتا اسے واصل جہنم کر دیتے، آپ کو تنہا دو محاذوں کا سامنا تھا۔ اول میدان کارزار میں لشکر کثیر جو چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ دوسرے چھ ہزار سے زیادہ محافظین فرات، لیکن آپ نے سب کو درہم برہم کر دیا۔ فوج کا ایک دستہ جو آپ کو نرغہ میں لینا چاہتا تھا۔ ان سب کو واصل جہنم کیا۔ یہاں تک کہ فوجیوں کی آہنی دیوار ٹوٹی تو روح علی نے مرحبا کہا اور شیر نے گھاٹ پر قبضہ کیا۔ جب مشک دریا میں ڈالی تو اتنی خشک تھی کہ تین بار پانی میں ڈالا اور نکالا۔ آپ نے چلو میں پانی لے کر آواز دی۔ اے لشکر کوفہ و شام بتاؤ دریا تمہارے قبضہ میں ہے یا ہمارے۔ اللہ رے محبت حسینؑ اور پیاسی بھتیجی کی پیاس کا احساس کہ جب مشک بھر کر چلے تو ہاتھوں کو عبا کے دامن سے خشک کیا تاکہ تری نہ پہنچے۔ آپ کی وفاداری حد کمال پر تھی کہ دریا قبضہ میں ہوتے ہوئے بھی تین

دن کی بھوک و پیاس کے باوجود خشک ہونٹوں کے ساتھ دریا سے باہر آئے۔ آپ کی نظر میں حضرت علی اصغرؑ کی خشک زبان، کملایا ہوا چہرہ، جناب سکینہ کی پیاس اور بچوں کی صدائے العطش تھی۔ جب آپ نے مشک میں پانی بھر لیا تو گھوڑے سے کہا۔ اے اسپ وفادار سیراب ہو جا لیکن اس نے پانی نہ پیا اور خیموں کی طرف حسرت و یاس سے نظر کی، گویا یہ بے زبان کہہ رہا تھا میرے آقا حسینؑ اور ان کے معصوم بچے پیاسے ہیں میں کس طرح پانی پی سکتا ہوں۔

جب آپ مشک سکینہ لے کر خیمہ کی طرف روانہ ہوئے تو بھاگی ہوئی فوج نے زرغہ کیا۔ جب چاروں طرف سے آپ کو لعینوں نے گھیر لیا تو آپ نیزے سے لشکر اعدا کو ہٹاتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے کہ اچانک حکیم بن طفیل طائی نے درخت کی آڑ سے داہنے ہاتھ پر آپ کے تلوار لگائی جس سے آپ کا ہاتھ کٹ کر زمین پر گر گیا۔ آپ نے علم بائیں ہاتھ میں لیا، اس وقت آپ یہ شعر پڑھ رہے تھے۔ ''گو کہ تم نے میرا داہنا ہاتھ کاٹا مگر قسم بخدا جب تک میں زندہ ہوں، اپنے دین کی حفاظت و حمایت کرتا رہوں گا، آپ تھوڑی دور چلے تھے کہ زید بن ورقا جہنی شقی نے آپ کے بائیں ہاتھ پر تلوار لگائی جس سے یہ ہاتھ بھی قلم ہو گیا۔ جب آپ کے دونوں ہاتھ کٹ گئے تو علم کو سینے مبارک سے لگا لیا، جس طرح آپ کے عم حضرت جعفر طیار نے جنگ موتہ میں دونوں ہاتھ کٹ جانے کے بعد علم کو سینے سے لگایا تھا۔ جب جناب عباسؑ کا بائیاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو اس وقت جناب عباسؑ دلاور میدان کارزار میں فرمارہے تھے۔ ''اے گروہ فجار تم نے میرا دائیاں ہاتھ بھی کاٹ دیا۔'' اسی اثناء ایک تیر مشکیزہ پر لگا اور سارا پانی بہہ گیا اور ساتھ ہی ایک اور تیر سینہ میں لگا۔ آپ کے جسم سے مسلسل خون بہہ جانے کے سبب ضعف بڑھ گیا تھا۔ اتنے میں ایک شقی نے جو پسران آمان بن دارم قبیلہ تمیم سے تھا، بڑھا اور سر مبارک پر گرز مارا اس کے بعد آپ گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے اور حضرت امام حسینؑ کو آواز دی یا ابن رسول اللہ میرا آپ کو آخری سلام ہو۔ جنابِ امام حسینؑ کمر جھکائے جناب عباسؑ کی طرف بڑھے اور کہتے جاتے تھے، ہائے میری کمر ٹوٹ گئی۔ حضرت کے ہمراہ جناب علی اکبرؑ بھی روانہ ہوئے چلتے چلتے حضرت امام حسینؑ ایک مقام پر رک گئے اور حضرت علی اکبرؑ کو آواز دی۔ اے علی اکبرؑ یہ میرے بھائی کا کٹا ہوا ہاتھ زمین پر ہے۔ جناب علی اکبرؑ نے جناب عباسؑ کے کٹے ہوئے ہاتھ کو اٹھا لیا۔ حضرت امام حسینؑ نے یہ ہاتھ جناب علی اکبرؑ سے لے کر اپنے کلیجے سے لگا لیا۔ تھوڑی دور آگے چلے تھے کہ ایک مرتبہ پھر رک گئے۔ دوسرا ہاتھ بھی جناب علی اکبرؑ نے اٹھایا۔ حضرت امام حسینؑ دونوں ہاتھوں کو سینے سے لگائے ہوئے جناب عباسؑ تک پہنچے۔

باب:۵

فضائل ومناقب جناب عباسؑ

جناب عباسؑ کے اسم گرامی کے ساتھ لفظ ''وفا'' وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو عباسؑ باوفا کہا جاتا ہے۔ کربلا میں آپ کی قربانیوں اور خدمات کی دنیا معترف ہے۔ آپ نہایت اعلیٰ صفات پر فائز تھے۔ شجاعت وایثار، حق گوئی، علم وفراست، عبادت، کرم وجود وسخا اور تقویٰ جیسی بے شمار صفات کا آپ مظہر تھے۔ آپ منبع صفات حسنہ تھے۔ آپ سخاوت کے علمبردار اور شہنشاہ وفا کے لقب سے معروف ہوئے۔

صورت ایسی کہ قمر بنی ہاشم کہلائے اور سیرت ایسی کہ آپ کا باب ولایت ہونا ثابت ہے۔ آپ عبدالصالح اور باب الحوائج کے مرتبے پر فائز ہیں۔ آپ نے وفاشعاری اور خودداری کا عملی نمونہ پیش فرمایا۔ آپ مکارم اخلاق حسنہ کے پیکر تھے۔ آپ نے اپنے اعلیٰ کردار سے امت کو دین کی بصیرت عطا فرمائی اور گمراہی سے نجات کا راستہ معین فرمایا۔ خواہشات نفسانی پر قابو پانے اور صراط مستقیم پر چلنے کا درس دیا۔

آپ وفاداری کے اعلیٰ منصب پر فائز تھے۔ جب ابن زیاد کی طرف سے آپ کے لیے امان نامہ لایا گیا اور ساتھ ہی اعلیٰ سرکاری منصب کی طرف رجوع کرنے کی کوشش کی گئی تو آپ نے ابن زیاد کے پیش کردہ عہدوں پر لعنت کی اور فرزند رسول سے وفاداری کا عہد تجدید فرمایا۔ آپ نے ہر موقع پر حق وفا ادا فرمایا۔ جب آپ دریا میں اترے تو اس وقت آپ پر پیاس کا شدید غلبہ تھا۔ اس کے باوجود فرزند رسولؐ حضرت امام حسینؑ اور آپ کے اطفال کی پیاس کو یاد کرتے ہوئے مشک بھر کر گھاٹ سے پیاسے روانہ ہوئے اور حق وفا ادا کرتے ہوئے زخموں سے چور بدن کے ساتھ تین دن کی بھوک و پیاس کے عالم میں جام شہادت نوش فرمایا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ''اللہ اس گروہ پر لعنت کرے جس نے حضرت عباس علمدارؑ کو شہید کیا، اللہ تعالیٰ اس گروہ پر لعنت کرے جس نے آپ کی حرمت کا لحاظ نہ کیا اور آپ کو شہید کر کے اسلام کی حرمت کو پامال کیا۔

آپؑ نے ساری زندگی اطاعت حضرت امام حسینؑ میں بسر کی۔ یہاں تک کہ راہ حق میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا اور مقام اطاعت کا درس دیا اپنے بیٹوں اور بھائیوں کی قربانی دینے کے بعد اپنی جان راہ مولا میں قربان کر دی۔ آپؑ نے کبھی حکومت واقتدار کی طرف نظر نہ کی۔ یہاں تک کہ آپ نے روز عاشور منصب

واقتدار کی ہر پیشکش کو اپنے پاؤں تلے روند کر یزیدی اقتدار کے جابرانہ چہرہ سے نقاب الٹ کر یزید کے مکروہ عزائم سے عالم اسلام کو آگاہ فرمایا۔ آپ نے قرآن مجید کی آیت کُونُوا مَعَ الصّٰدِقِینَ ۔ ''سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔'' کی اپنے عمل سے تفسیر بیان فرمائی اور دنیا کو بتادیا کہ اہل حق کی راہ میں حائل ہونے والی باطل کی کوئی رکاوٹ راستہ نہیں روک سکتی۔ پروردگار عالم نے جناب عباس علمدار کو عظیم مرتبہ عطا فرمایا۔ آپ نے یزید کو ایسا نشان عبرت بنایا کہ وہ حقارت کی انتہا کو پہنچ گیا، یہ ظلم و جبر اور بربریت کے سبب دنیا کی نظروں میں ایسا گرا کہ لعنت کا مستحق قرار پایا۔

پروردگار عالم کا ارشاد ہے۔ قل لا اسالکم علیه اجراً الا المودة فی القربیٰ۔ ''اے میرے حبیب کہہ دیجئے کہ میں تبلیغ رسالت کا اجر تم سے نہیں مانگتا لیکن فقط یہ چاہتا ہوں کہ تم میرے ذوالقربیٰ سے محبت و مودت رکھو۔'' حکم قرآن کے تحت اہل بیت سے مودت بطریق اولیٰ واجب ہے۔ حضرت عباس علیہ السلام فرزند حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں لہٰذا آیت مودت میں شامل ہیں۔

جناب عباسؑ ایمان کی معراج پر تھے۔ علامہ طبرسی مستدرک الوسائل میں شہید اول سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ نے حضرت عباسؑ سے فرمایا: کہو ایک۔ جناب عباس نے کہا۔ ایک پھر حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا: کہو دو، تو جناب عباسؑ نے عرض کی! جس زبان سے ایک کہا، اب اس زبان سے دو کیسے کہوں؟ یہ سن کر حضرت امیر المومنینؑ نے آپ کو بوسہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''تیرے دہن میں بابا علیؑ کی زبان ہے۔'' اس قول کے متعلق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ اس سے بہتر مدحت بیان نہیں ہو سکتی۔ جس طرح آپ نے بیان فرمائی۔ مزید برآں یہ روایت عمدۃ المطالب میں ابونصر نے مفضل بن عمر سے نقل کی ہے۔ (واضح ہو کہ حضرت فضل حضرت امام جعفر صادقؑ کے ہم راز صحابی تھے) کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''میرے چچا عباس بن علیؑ صاحب بصیرت، راسخ الایمان اور حضرت امام حسینؑ کے ہمراہ جہاد کرنے والے تھے اور ہر مصیبت کو احسن طریقے سے برداشت کرتے رہے، یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔''

شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے خصال اور امالی میں علامہ محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ نے بحار الانوار میں اور علامہ شیخ عبداللہ بن نور اللہ بحرانی نے عوالم العلوم میں ابوحمزہ ثمالی سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت امام زین العابدینؑ نے جناب عبیداللہ بن عباس ابن علی ابن ابی طالبؑ کو دیکھا تو رونے لگے اور فرمایا! یوم احد (جنگ احد میں) جناب رسالت مآبؐ پر بہت سخت مصیبت کا دن تھا اس دن حضرت حمزہ آپؐ کے چچا کی شہادت

ہوئی۔ حضرت حمزہ شیر خدا اور شیر رسول اللہ تھے۔ اس کے بعد جنگ موتہ کے دن آپؐ پر سخت مصیبت کا دن تھا۔ اس دن حضرت جعفر طیار کی شہادت ہوئی۔" آخر میں فرمایا۔ "حضرت امام حسینؑ کی مصیبت جیسا کوئی دن نہ تھا۔ پروردگار عالم جناب عباسؑ پر رحمت نازل کرے کہ آپ نے اپنی زندگی پر حضرت امام حسینؑ کی زندگی کو ترجیح دی اور بہت زیادہ مصائب برداشت کرتے ہوئے حضرت امام حسینؑ پر اپنی جان قربان کر دی۔ آپ کے بازو قلم کیے گئے تو اس کے بدلے خداوند عالم نے انہیں دو پر عطا کیے ہیں اور قیامت میں آپ کا مقام دیکھ کر تمام شہدا اولین وآخرین رشک کریں گے۔"

سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ نے "اقبال الاعمال" میں زیارت ناحیہ نقل کی ہے۔ اس میں مرقوم ہے۔ "میں گواہی دیتا ہوں کہ اے شہدائے کربلا! تمہارے لیے اللہ نے تمام پردے ہٹا دیئے اور مسند بچھا دی اور خدا نے تمہیں بہترین جزا دی ہے اور تم نے ہمیشہ حق کا ساتھ دیا ہے اور تم ہمارا ذخیرہ ہو اور ہم بھی دار بقاء میں تمہارے ساتھ مل جائیں گے۔" حضرت امام حسین علیہ السلام نے شب عاشور فرمایا۔ "میرے اصحاب سے بہتر اور کوئی صحابی نہیں ہے اور میرے اہل بیت سے زیادہ نیک اور کوئی اہل بیت نہیں، خدا تمہیں جزائے خیر دے۔" اصحاب حسینی کا اس قدر مرتبہ ہے تو حضرت عباسؑ ان اصحاب میں بلند ترین مرتبہ کے حامل ہیں۔ "اکسیر العبادات" میں حضرات معصومین علیہم السلام سے روایت ہے کہ "یقیناً حضرت عباسؑ کو اس طرح علم عطا کیا گیا ہے جس طرح عطا کرنے کا حق ہے۔"

حضرت ابوالفضل العباسؑ نے جود وسخا میں اپنے بابا کی پیروی کی۔ آپ مکارم اخلاق کے بلند مقام پر فائز تھے۔ علامہ قزوینی رقم طراز ہیں کہ حضرت عباس بن علیؑ اپنے بھائی کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ ان کے ساتھ بیٹھتے بھی نہ تھے۔ کبھی حضرت امام حسینؑ کو بھائی کہہ کر نہیں پکارا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ اے عباسؑ! مجھے بھائی کیوں نہیں کہتے تو جناب عباسؑ نے فرمایا۔ میں آپؑ پر قربان اگرچہ میں اور آپ نسبی اعتبار سے ایک ہی باپ سے تعلق رکھتے ہیں مگر میری ماں آپ کی والدہ گرامی کی کنیز ہیں، اس لیے کہاں میں اور کہاں آپ۔ حضرت ابوالفضل العباسؑ کی عظمت کردار بیان کرتے ہوئے علماء وفقہا نے جناب عباسؑ کو فضائل وکمالات حسنہ کا پیکر کہا ہے۔ صاحبان مقاتل اور علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ زہد وتقویٰ اور روحانیت کے اعتبار سے شہدائے کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے بعد آپ سب سے افضل ہیں۔ شفیع المقاتل میں مرقوم ہے کہ حضرت عباس علمدار آئمہ کی فقیہ اولاد میں تھے۔ علامہ قائنی خراسانی نے آپ کے متعلق تحریر کیا ہے کہ حضرت عباسؑ عالم غیر متعلم تھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں ''میرے چچا عباسؑ فرزند علیؑ وسیع النظر اور محکم الایمان شخصیت تھے۔آپ نے اپنے برادر گرامی کے ہم رکاب دشمنوں سے جہاد پر اس مقامِ فضیلت سے سرفراز ہوئے جو کم لوگوں کو عطا ہوا۔'' حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کی صورت و سیرت دونوں قابل فخر و قابل رشک ہیں۔ آپ کا باب ولایت اور باب الحوائج ہونا مسلم ہے۔آپ کا یہ شرف مخصوص ہے کہ آپ غازی ہیں اور شہید بھی۔شجاعت آپ کا ورثہ تھا جس کا اظہار صفین اور کربلا میں فرمایا۔آپ کی ذات مقتدر جملہ مکارم اخلاق اور صفات حسنہ کا احاطہ کیے ہوئے ہے، جن کا مکمل طور پر بیان کرنا صاحبان فکر و نظر کے بس کی بات نہیں۔اس لیے کہ کوئی صفت اعلیٰ ایسی نہ تھی جو حضرت عباسؑ میں نہ ہو۔وفاداری، شجاعت، حق گوئی، جود و سخا، کرم و عنایت، عبادت و تقویٰ اور علم و فضل۔جیسی صفات کا آپؑ پیکر تھے

حضرت عباسؑ کا روضہ مبارک زائرین کی تمناؤں کا مرکزی اور مرجع خلائق ہے۔ جہاں کرامات کا ظہور ہوتا ہے۔یہاں بیمار شفاء کامل پاتے ہیں اور حاجت مندوں کی حاجات مستجاب ہوتی ہیں۔یہ روضہ منورہ ملائکہ کی آماجگاہ ہے، یہاں سے نور الٰہی کا ظہور ہوتا ہے۔صاحبان مودت یہاں آکر سکون قلب حاصل کرتے ہیں۔آپ کا مدفن ساری دنیا سے آئے ہوئے زائرین کے لیے پناہ گاہ ہے۔یہاں ظاہر ہونے والے معجزات ہر روز کا معمول ہیں۔یہ اس قدر ہیں کہ ضبط تحریر میں لانا انسان کے بس کی بات نہیں۔جو ایک بار شہنشاہ وفا حضرت عباس علمدارؑ کے روضہ منورہ کی زیارت سے سرفراز ہو وہ بار بار جانے کی تمنا کرتا ہے۔ یہاں کا روحانی منظر اور زائرین کا خلوص و تقدس انفرادیت کا حامل ہے۔یہاں آکر انسان دنیاوی اقتدار اور تاج و تخت کو اپنے قدموں تلے خاک بسر دیکھتا ہے۔

مظہر صفات حسنہ

پروردگار عالم نے جناب عباس علمدارؑ کو صورت و سیرت میں سربلندی عطا فرمائی۔آپ قمر بن ہاشم تھے۔آپ کا قد بلند، جسم قوی، چہرہ شگفتہ، پیشانی منور اور پیکر مجسم نور تھا۔آپ کے خد و خال اس قدر پرکشش تھے کہ دیکھنے والا ایسا محو دیدار ہوتا کہ چہرہ مبارک سے نظریں نہ ہٹتیں۔آپ پیکر جمال تھے۔آپ کا رعب و دبدبہ مثل علیؑ شیر خدا تھا۔حضرت عباسؑ کو ہر صاحب جمال پر فوقیت حاصل تھی جو ایک بار آپ کے دیدار سے مشرف ہوتا وہ بار بار آپ کو دیکھنے کا آرزومند ہوتا۔آپ پر بنی ہاشم کے جوانوں کو فخر تھا۔آپ جب راہوار پر سوار ہوتے تو آپ کے پائے مبارک زمین پر خط کھینچتے۔آپ جس راہ سے گزرتے لوگ آپ کی بھرپور جوانی

اور حسن و جمال کو دیکھ کر محوئے حیرت ہو جاتے۔

جناب عباسؑ فضیلتوں کی انتہا پر گامزن تھے۔ شجاعت، سخاوت، عزت وحمیت، مستقل مزاجی، صاحب مروت، طہارت نفس، بزرگی، جود وسخا، کرم وعطا، ہمدردی، وفا اور خودداری میں آپ حد کمال پر فائز تھے۔ اسی سبب آپ کو ابوالفضل کہا جاتا ہے۔ سخاوت وایثار اور ضرورت مندوں کی حاجت روائی کرنا آپ کو اپنے اجداد طاہرین سے وارثت میں حاصل ہوئی۔ آپ غریبوں اور بیکسوں کے ملجا تھے، دنیا میں جو سخی ظاہر ہوئے ان کی سخاوت ان کی موت کے بعد ختم ہو گئی لیکن حضرت عباسؑ ایسے سخی ہیں کہ راہ وفا میں بازو کٹوانے کے باوجود قیامت تک حاجت روائی فرماتے رہیں گے۔ آپ کا در کھلا ہے جو چاہیے دامن مراد بھر لے۔ کیونکہ آپ باب الحوائج ہیں۔ لہٰذا چشمہ عطا جاری ہے اور لوگ آپ کے کرم سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔ آپ کے وسیلے سے دعائیں مستجاب ہوتی ہیں لیکن اس امر کی بجا آوری کے لیے محبت، عقیدت اور احترام محمدؐ وآل محمدؑ اولین شرط ہے۔

حضرت عباس علمدارؑ کی صفات حسنہ کی بابت عمدۃ المطالب میں شیخ ابو نصر بخاری مفضل ابن عمر سے روایت اخذ کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "ہمارے چچا حضرت عباس بن علیؑ نہایت ذہین، عاقل، مستقل مزاج اور پختہ ایمان کے حامل تھے۔ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ مل کر جہاد کیا اور شدید امتحان سے گزر کر شہادت کی اعلیٰ منزل حاصل کی۔" حضرت عباس علمدارؑ نے فضائل معصومین علیہم السلام کے تمام مدارج واسلوب کو اپنی ذات سے ظاہر کیا۔ آپ نے اپنے نفس کو نفس حضرت امام حسینؑ میں وابستہ کر کے اپنی فکر اور جملہ صفات کو حضرت امام حسینؑ کے سپرد کر دیا۔ یہاں یہ کہنا مناسب ہوگا کہ جس طرح حضرت امیر المومنینؑ نفس رسولؐ تھے، اسی طرح حضرت عباس علیہ السلام اپنے عمل وجانثاری اور فکر کے سبب نفس حضرت امام حسین علیہ السلام کے مطابق عمل پیرا تھے۔ حضرت امام حسینؑ سے آپ کی قربت کا یہ عالم تھا کہ اکثر امور حکم امام سے قبل انجام فرماتے تھے۔ مجالس المواعظ والبکا علامہ شیخ جعفر شوشتری، تحفہ حسینیہ، ابصار العین اور اسرار الشہادۃ میں مرقوم ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے جناب عباس علمدارؑ کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ "خدا عباس بن علیؑ پر رحم کرے کہ انہوں نے اپنے آپ کو امام حسین علیہ السلام پر اس طرح قربان کیا کہ دونوں ہاتھ (راہ وفا میں) قلم ہوئے جس کے عوض پروردگار عالم نے مثل جناب جعفر بن ابی طالبؑ جنت کی خوشگوار فضا میں پرواز کی غرض سے دو پر عطا فرمائے۔ پروردگار عالم کے نزدیک آپ کا وہ عظیم الشان مرتبہ ہے کہ تمام شہداء آپ پر رشک کریں گے۔" آپ کے ضبط نفس کا یہ عالم تھا کہ جرأت وقوت کی انتہا پر ہونے کے باوجود معرکہ کربلا میں حضرت امام حسینؑ کے احکام کے مطابق عمل کیا، جب آپ مشک و

علم لیکر دریا کی جانب روانہ ہوئے تو صرف نیزے سے اس طرح دفاع کیا کہ جو سامنے آیا اسے نیزے کی انی سے فضا میں اچھال دیتے اس طرح پانچ سو سے زیادہ لعینوں کو واصل جہنم کیا۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے تلوار نہیں چلائی کیونکہ حکم امام حسین علیہ السلام کے تحت مقصد پانی کی فراہمی تھا۔ اسی لیے آلات حرب میں صرف آپ کے پاس نیزہ تھا۔ مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر جنگ کی اجازت ہوتی تو آپ افواج تو کیا کوفہ الٹ دیتے اور دشمنان دین کو کہیں پناہ نہ ملتی۔

اخلاق

جناب عباس علیہ السلام جملہ صفات حسنہ کے پیکر تھے۔ آپ میں انکساری حد انتہا پر تھی۔ آپ کو اخلاقی سرفرازی وراثت میں ملی، آپ معاشرے کے تمام طبقات سے نہایت اخلاق سے پیش آتے۔ آپ کی نظر میں امیر و غریب کے درمیان کوئی فرق نہ تھا۔ غرباء سے اسی طرح ملتے جس طرح امراء سے۔ ضرورت مندوں کے ساتھ نہایت اخلاق سے پیش آتے، کبھی کسی سائل کو کمتر نہیں سمجھا۔ صاحبان تقویٰ اور عمر رسیدہ افراد سے نہایت احترام اور اخلاق سے پیش آتے، کمزوروں کی حوصلہ افزائی فرماتے اور حاجت مندوں کی مدد فرماتے تھے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام سے اس طرح اخلاق سے پیش آتے کہ جسکی مثال نہیں ملتی۔ علامہ قزوینی ریاض القدس میں تحریر فرماتے ہیں۔ جناب عباسؑ کا اخلاق اتنا اعلیٰ تھا کہ (احتراماً) اپنے بھائی حضرت امام حسینؑ کو بھی بھائی کہہ کر مخاطب نہ کیا۔ ایک دن حضرت امام حسینؑ نے فرمایا بھیا عباس کیا وجہ ہے کہ تم نے مجھے بھائی کہہ کر نہیں پکارا۔ آپؑ نے عرض کی۔ آپ پر میری جان نثار اگرچہ میں اور آپ ایک ہی نسل پدری سے ہیں لیکن میری ماں آپ کی مادر گرامی کی خادمہ ہیں کہاں میں اور کہاں آپ کی ذات اعلیٰ صفات۔

کبریت احمر میں علامہ خراسانی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عباسؑ میں جمیع فضائل و اخلاق حسنہ پورے طور پر موجود تھے۔ آپ کی نظر میں شاہ و فقیر میں کوئی امتیاز نہ تھا، غرباء و مساکین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے۔ لوگوں کی خطاؤں کو معاف فرماتے اور راہ چلتے لوگوں کی خیریت دریافت فرماتے، جواب سلام امراء و غرباء کو یکساں طور پر فرماتے۔ جملہ صفات کے مظہر ہونے کے باوجود تکبر کبھی آپ کے قریب سے نہ گزرا۔ بچوں سے شفقت فرماتے اور سوالات کے جوابات نہایت نرمی سے عنایت فرماتے۔ زمانہ آپ کے حسن اخلاق کا معترف تھا۔ عوام و خواص سب کی عزت نفس کا خیال فرماتے۔ اخلاق حسنہ آپ کو وراثت میں حاصل ہوا۔

حضرت عباسؑ کی عبادت

عبادت چہاردہ معصومینؑ کا امتیاز تھی۔ طویل سجدے اور خشوع وخضوع سے عبادت گزاری میں راتیں بسر کرنا ان صاحبان فضیلت کا معمول تھا۔ مولائے کائنات حضرت امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے۔ ''میں اس وقت تک سجدہ سے سر نہیں اٹھاتا جب تک اپنے معبود کی بارگاہ میں حاضر نہ ہو جاؤں۔'' جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ فرمایا کرتی تھیں۔ ''اے معبود راتیں اتنی مختصر ہیں کہ میرا سجدے سے سر نہیں اٹھتا کہ رات تمام ہو جاتی ہے۔'' حضرت امام زین العابدینؑ عبادت کی زینت تھے۔ اسی طرح جملہ آئمہ انتہائی عبادت گزار تھے۔ جناب عباس علمدار کو عبادت گزاری وراثت میں ملی۔ آپ معرفت میں کامل اور عبادت میں اکمل تھے۔ ریاض القدس اور تحفہ حسینیہ کے مطابق سجدوں کی کثرت سے آپ کی پیشانی انور پر سجدہ کا نورانی نشان ضوفشاں تھا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ''انسانی عقل کا سب سے افضل مزاج اور فطرت عبادت ہے۔'' سورہ فتح آیت ۲۹ر میں ارشاد ہے۔ سِیۡمَاهُمۡ فِیۡ وُجُوۡهِهِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ ۔ ''کثرت سجود کے اثر سے ان کی پیشانیوں میں گھٹے پڑے ہوتے ہیں۔'' ثواب الاعمال میں شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے حضرت عباسؑ کے متعلق روایت کی ہے کہ دونوں آنکھوں کے درمیان (پیشانی پر) سجدوں کے نشان تھے۔

حضرت عباس علیہ السلام حقیقی عبادت گزار اور زاہد تھے۔ آپ کو عبادت کی بجا آوری میں بڑا شغف حاصل تھا۔ آپ عابد شب زندہ دار تھے۔ شیخ مفید علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''شب عاشور حضرت امام حسین علیہ السلام نے پوری رات عبادتِ خداوندی، نماز اور استغفار، مناجات اور دعا میں بسر کی۔ اسی طرح آپؑ کے اصحاب نے نماز، دعا اور استغفار کرتے ہوئے بسر کی اور ہر عمل خیر میں حضرت عباسؑ ان تمام اصحاب وانصار میں پیش پیش تھے۔ عبادت کے ساتھ خیام حسینیؑ کی حفاظت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔'' (ارشاد مفید) اطاعت امام کا بجالانا عبادت کے زمرے میں آتا ہے۔ جناب عباسؑ نے ساری زندگی حضرت امام حسینؑ کی اطاعت میں بسر کی اور یوم عاشور یہ اطاعت گزاری اپنی انتہا پر پہنچ چکی تھی۔ سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اصحاب نے شب عاشور قیام ورکوع وسجود میں گزاری خیام اصحاب واقربا سے عبادت کی صدا بلند تھی۔ جیسے شہد کے چھتے سے آوازیں آتی ہیں۔ ان عبادت گزاروں کی آوازوں میں سے ایک متاثر کن آواز جناب عباسؑ کی بھی تھی۔'' (لہوف ابن طاؤس)

حضرت عباسؑ کی سخاوت

سخاوت کے معنی بخشش اور فیاضی کے ہیں۔ اسلامی معاشرے میں سخاوت کی بڑی اہمیت ہے۔ انسان کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ کی امانت ہے۔ ان نعمتوں میں زندگی سب سے بڑی امانت ہے۔ جناب عباس علمدار علیہ السلام نے اپنی جان آفریں حضرت امام حسینؑ کے سپرد کی اور راہ مولا میں اپنے آپ کو قربان کیا۔ ایک سخی کا دولت راہ حق میں عطا کرنا آسان ہے لیکن جان قربان کرنا بہت بڑی سخاوت ہے۔ سخاوت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ مشکلات و مصائب میں کام آنا بہت بڑی سخاوت ہے۔ جناب عباس علمدار ایسے سخی تھے کہ خود مصائب برداشت کیے اور مخدرات عصمت و طہارت کو ہر منزل پر تسلی دیتے رہے اور خدمت حضرت امام حسینؑ میں ہمہ تن مصروف رہے۔

راہ حق میں سب سے عظیم سخاوت جان کا قربان کرنا ہے۔ جناب عباسؑ کی سخاوت کا کمال صبر و استقلال اور وفا کی لاج رکھنا ہے۔ اہل سخا کی سب سے بڑی صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ کسی کو ضرورت مند اور پریشان حال نہیں دیکھ سکتے۔ جناب عباسؑ کو اس صفت میں کمال حاصل تھا۔ آپ کی حمیت کو یہ گوارا نہ تھا کہ جناب سکینہؑ اور دوسرے معصوم بچوں کو پانی کے لیے فریاد کرتا دیکھیں۔ لہٰذا آپ نے پانی کی فراہمی کی حتی الامکان سعی فرمائی۔

سخی وہ ہوتا ہے جو اپنے در پر آنے والوں کو عطا کرے۔ جناب عباس علیہ السلام ایسے سخی ہیں جن کا در قیامت تک کے لیے کھلا رہے گا اور آپ لوگوں کی حاجت روائی فرماتے رہیں گے۔ کیونکہ آپ باب الحوائج (حاجت روائی کا دروازہ) ہیں باب الحوائج ایسے سخی کو کہتے ہیں جسے جب کوئی پریشان حال حاجت روائی کے لیے پکارے تو وہ اس کی حاجت کو پورا کرے۔ آپ کے دست مبارک تو قلم ہو گئے لیکن آپ کی سخاوت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ کیونکہ آپ سخاوت کی معراج پر ہیں۔ لہٰذا آپ کو ابوالفضل العباسؑ کہتے ہیں۔ یعنی اپنے فیض و کرم سے حاجتوں کو پورا کرنے والے۔ آپ کی پناہ میں آنے والوں کی آس کبھی نہیں ٹوٹتی۔ آپ ایسے سخی ہیں کہ آپ ہر فریادی کی فریاد کو سننے والے اور بیکسوں اور مجبوروں کا آسرا ہیں۔

سخاوت کا تصور جذبہ ایثار کے بغیر ممکن نہیں۔ حضرت امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں۔ "اللہ تعالیٰ میرے چچا حضرت عباسؑ پر رحم کرے، آپ نے ایثار سے کام لیا۔" سخی وہ ہوتا ہے جو اپنی قیمتی شے راہ خدا میں

عطا کرے۔ جناب عباسؑ نے حضرت امام حسین علیہ السلام جو کربلا میں اللہ کے حبیبؐ کی نمائندگی فرمارہے تھے۔ آپ کا ہر عمل رضائے خدا اور رسولؐ تھا۔ لہٰذا آپ نے اپنی جان اور اپنے بھائیوں کو قربان کر کے سخاوت کی اعلیٰ مثال قائم کی۔ حضرت امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے۔ ''میں گواہ ہوں کہ آپؑ نے آخری دم تک حضرت امام حسینؑ کی خیر خواہی کی اور اس کے لیے بھرپور کوشش کی۔'' جناب عباسؑ کو جب بھی کوئی پسندیدہ چیز ملتی تو اسے حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں پیش فرماتے۔ واقعات کربلا میں آپ کے ایثار وسخاوت کی کئی مثالیں ایسی ہیں جن کا جواب کہیں اور نہیں ملتا، کربلا میں جب قلت آب کا آغاز ہوا تو آپ نے اپنے حصے کا پانی معصوم بچوں میں تقسیم کیا۔

جناب عباسؑ کا ایثار

اپنی ضروریات اور نفع پر دوسروں کو ترجیح دینا اور مقدم جاننا ایثار کہلاتا ہے۔ اسلامی معاشرہ میں ایثار کی بڑی اہمیت ہے۔ جب جناب رسالت مآبؐ نے مدینہ ہجرت فرمائی تو انصار نے مہاجرین کے ساتھ جو حسن سلوک کیا وہ ایثار کی اعلیٰ مثال ہے۔ اپنی ذات سے باہر نکل کر دوسروں کے مفاد کو پیش نظر رکھنا ایثار کہلاتا ہے۔ جناب رسالت مآبؐ کا ارشاد ہے۔ ''جو چیز اپنے لیے پسند کرو وہی دوسروں کے لیے پسند کرو۔'' حضرت امیر المومنینؑ نے صوبے کے ایک گورنر محمد بن ابوبکر کے نام خط میں تحریر فرمایا۔ ''رعایا کے عام لوگوں سے وہی سلوک روا رکھو جو اپنے اور اپنے گھر والوں کے لیے پسند کرتے ہو۔'' سورہ الحشر آیت ۹ رمیں ارشاد ہو رہا ہے۔ **ویو ثرون علیٰ انفسهم ولو کان بهم خصاصة** ۔ ''وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ خود ضرورت مند ہوتے ہیں۔''

جناب عباس علمدار علیہ السلام کے ایثار کے بارے میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ''اللہ میرے چچا عباسؑ پر نزول رحمت فرمائے کہ آپ نے ایثار سے کام لیا۔'' حضرت امام زمانہ علیہ السلام نے زیارت ناحیہ میں ارشاد فرمایا۔ ''سلام جناب ابوالفضل العباسؑ فرزند امیر المومنینؑ پر جو بہ جان و دل اپنے بھائی حسینؑ کی غم خواری کر رہے تھے اور فرداء قیامت میں اپنے درجات کی بلندی کا اپنی زندگی میں سامان کر رہے تھے۔ آپ امام پر اپنی جان فدا کر رہے تھے اور آپؑ کو دشمنوں سے بچا رہے تھے اور بہت تیزی سے اپنی مشک کا پانی ان تک پہنچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان کے دونوں شانے قلم ہو گئے۔ خدا لعنت کرے ان کے قاتل یزید بن رقاد اور حکیم بن طفیل طائی پر۔''

جناب عباس علمدار کی وفا اور جذبہ ایثار نہایت عروج پر تھا۔ مدینہ ہو یا کربلا ہر منزل پر آپ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذات کو اپنی ذات پر ترجیح دی اور ایثار کی بے مثال تاریخ رقم کی۔ آپ نے حضرت امام حسینؑ کی اطاعت پر فخر کیا اور آپ کے حکم کے منتظر رہتے تھے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے حکم کی تعمیل میں دیر کی ہو بلکہ اپنے ذاتی کام ترک کر کے پہلے حضرت امام حسینؑ کے کام انجام دیتے۔ ہمیشہ آپ کو آقا کہہ کر مخاطب کرتے۔ کربلا میں آپ کا کردار بطور حاجت روا، ساقی اور محافظ مخدرات عصمت وطہارت اہم تھا۔ آپ نے یزید کے امان نامہ کو ٹھکرا دیا، جو آپ کے لیے لکھا گیا تھا۔ آپ نے حضرت امام حسینؑ پر اپنے حقیقی بھائیوں کو قربان کر کے حضرت امام حسینؑ سے دلی محبت اور ایثار کا ثبوت پیش کیا۔ جناب عباسؑ کی کربلا میں پوری توجہ اس بات پر تھی کہ کسی طرح تشنہ لبوں کو سیراب کر دیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے آپ نے اپنی جان کی بھی پرواہ نہ کی اور راہ وفا میں اپنے بازو نذر کر دیئے۔

جناب عباس علمدارؑ نے دشمنان دین کے سامنے جو رجز پڑھا اس میں جذبہ ایثار نمایاں تھا۔ علامہ باقر مجلسی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔ جب حضرت عباس علمدارؑ پانی کے حصول کے لیے جانب فرات روانہ ہوئے تو اشقیاء نے آپ پر حملہ کر دیا۔ اس وقت آپ نے اس مضمون کا رجز پڑھا۔ ''جب موت میرے سامنے ہو تو میں موت سے نہیں ڈرتا، یہاں تک کہ بہادروں کے کشتوں میں میری جان بھی ڈال دی جائے۔ میں عباس ہوں میری جان فرزند رسول اللہؐ پر فدا ہو میں موت سے نہیں ڈرتا۔'' آپ نے آگے بڑھتے ہوئے جمعیت اعدا کو منتشر کیا ناگاہ حکیم بن طفیل طائی نے ایک درخت کے پیچھے سے ایسی تلوار لگائی کہ داہناں ہاتھ آپ کے جسم اطہر سے جدا ہو گیا۔ اس وقت آپ نے فرمایا۔ ''اے قوم روسیاہ گو کہ تم نے میرا داہنا ہاتھ قطع کر دیا ہے لیکن قسم بخدا میں حمایت دین اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی حمایت سے دستبردار نہیں ہوں گا۔'' آپ مسلسل خیمہ گاہ کی طرف بڑھ رہے تھے کہ زین بن ورقاء جہنی ملعون نے آپ کے بائیں ہاتھ پر تلوار لگائی جو جسم سے جدا ہو گیا۔ ابو مخنف نے جناب عباسؑ کی شہادت کے باب میں لکھا ہے کہ جب آپ گھاٹ سے باہر آئے تو چاروں طرف سے دشمنوں نے تیروں کی بارش شروع کر دی۔ مبصرص بن شیبان لعین نے حملہ کر کے آپ کا دائیاں ہاتھ کاٹ دیا، تو حضرت عباس علیہ السلام نے فرمایا۔ ''خدا کی قسم امام کی حمایت کرتا رہوں گا جو سراپا ایمان ہیں اور فرزند فاطمہؑ ہیں۔ میرا اللہ اور اس کے پیغمبر پر ایمان ہے اور اس کی تصدیق کرتا ہوں۔'' ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب عباس علمدارؑ پیکر ایثار اور منبع وفا تھے۔

شجاعت حضرت عباسؑ

حضرت عباس علیہ السلام پیکر شجاعت تھے۔ لفظ شجاع آپ پر زیب دیتا ہے۔ آپ کا ایک لقب ضیغم ہے جس کے معنی شیر کے ہیں۔ آپ اپنی شجاعت، قوت اور رعب ودبدبہ کے سبب ضیغم کے لقب سے معمور ہوئے۔ سید جعفر علی اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں۔ ''کوئی بڑے سے بڑا جنگ جو آپ کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا تھا جو آپ کے مدمقابل ہوتا وہ راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا اور اس کا سر اس کے جسم سے بھی آگے نکل جاتا تھا۔''

ہر شجاع کی بہادری کا چرچا دنیا میں آنے کے بعد ہوتا ہے لیکن جناب عباس علیہ السلام وہ شجاع ہیں کہ آپ کی شجاعت کی خبر آپ کی ولادت سے قبل سنا دی گئی تھی۔ علامہ کنتوری تحریر فرماتے ہیں۔ ''جناب عباسؑ کی ولادت سے قبل آپ کی شجاعت کی شہادت دی گئی تھی۔'' اور اس خبر کے سنانے والے جناب رسالت مآبؐ تھے۔ صاحب بحرانی لکھتے ہیں۔ ''جناب عباسؑ نہایت باہمت شہسوار اور شیر دل بہادر تھے۔ آپ میدان کارزار میں نیزہ بازی اور شمشیر زنی میں نہایت جری اور دلیر تھے۔'' منتخب طریحی اور روضۃ الشہدا کی روایت کے بموجب جناب عباسؑ نے شجاعان عرب کے ساتھ کئی غزوات میں حصہ لیا۔ کتاب کبریت احمر میں مرقوم ہے۔ ''جناب عباس علمدار شجاعت کا عظیم پہاڑ تھے۔ آپ کا قلب اطہر شجاعت کا قلعہ تھا کیونکہ آپ بہت عظیم شہسوار اور حملہ کرنے والے شیر تھے۔ آپ نیزے اور تلوار سے نہایت شجاعت اور دلیری کا اظہار کیا کرتے تھے۔ میدان کارزار میں کفار آپ کی شجاعت سے مرعوب ہو جاتے تھے۔ آپ کی شجاعت کے باب میں واعظ کاشفی تحریر فرماتے ہیں۔ ''حضرت عباسؑ بہت نامور نبرد آزما اور جرأت وقوت کے پروردہ تھے۔'' روضۃ الشہدا میں ہے کہ ''آپ کو جرأت وقوت شیر خدا حضرت علی علیہ السلام سے میراث میں ملی تھی۔'' ناسخ التواریخ، مقتل عوالم، شرح زیارت ناحیہ، تحفہ حسینیہ اور ابصار العین کے مطابق جناب عباس علمدار کی شجاعت نہایت بلندی پر تھی۔ آپ مملکت شجاعت کے تاجدار اور اقلیم شجاعت کے مالک ومختار اور رئیس تھے۔''

جنگ نہروان میں جناب عباسؑ کی شجاعت اپنی حد انتہا پر دیکھنے میں آئی۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اس جنگ کے موقع پر جناب عباسؑ کو گھڑ سواروں کے ایک دستے کے ساتھ پل کی حفاظت پر مقرر فرمایا۔ وہ پل جنگی نقطہ نظر سے بہت اہمیت رکھتا تھا تاکہ کوئی خارجی اس پل سے نہ گزر سکے۔ آپ کی شجاعت اور رعب ودبدبہ کے سبب کسی میں اس پل سے گزرنے کی ہمت نہ تھی۔ اس لیے کہ جب بھی کوئی آگے بڑھنے

کی کوشش کرتا آپ کی تلوار راہ میں حائل ہو جاتی۔ لہٰذا خوارج کی ہمت پست ہوگئی اور ان کو اپنا ارادہ ملتوی کرنا پڑا اور راہِ فرار میں عافیت جانی۔ حضرت عباسؑ کی اس عظیم کامیابی کی ایک شخص نے حضرت امیر المومنینؑ کو اس وقت خبر دی، جب آپ وضو کر رہے تھے۔ آپ نے اس خبر پر کسی طرح کی حیرت کا اظہار نہیں کیا کیونکہ آپؑ جانتے تھے کہ جناب عباسؑ کی رگوں میں آپ کا خون گردش کرتا ہے اور شجاعت ان کی میراث ہے۔

جناب عباس علمدار کی شجاعت کی دنیا معترف تھی۔ جنگ صفین کے موقع پر لشکر شام نے فرات پر قبضہ کر لیا اور چاہا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے لشکر تک پانی نہ پہنچنے پائے۔ جناب عباس علمدار نے نہایت شجاعت کا اظہار کرتے ہوئے دریائے فرات کا رخ کیا اور لشکر شام کو فرات سے بھاگنے پر مجبور کیا۔ کسی میں جرأت نہ تھی کہ آپ کے سامنے آتا، یہاں تک کہ دریا امیر المومنینؑ کے لشکر کی دسترس میں آ گیا۔ اس موقع پر حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا۔ اگرچہ دریا پر ہمیں اختیار کلی حاصل ہے لیکن لشکر مخالف کو پانی کے حصول سے نہ روکا جائے۔

ایک روز جنگ صفین میں لشکر شام نے دیکھا کہ ایک نوجوان جس کی عمر ۱۵ ابرس کے قریب ہے، لشکر حضرت امیر المومنینؑ سے ظاہر ہوا اور میدان کارزار کی طرف نہایت سطوت اور جلالت کے ساتھ آگے بڑھنا شروع کیا۔ سپاہ شام پر اس جری کا ایسا رعب طاری ہوا کہ کسی میں مقابلہ کرنے کی جرأت نہ تھی۔ حاکم شام نے اپنے لشکر کے ایک نامور سپاہی ابن شعثا سے کہا کہ اس نوجوان کا مقابلہ کرو۔ اس نے اپنے جواب میں کہا۔ میری جرأت کو دیکھتے ہوئے اہل شام مجھے دس ہزار شہسواروں کے برابر شمار کرتے ہیں۔ یہاں میرے بیٹے بھی موجود ہیں میں ایک بیٹے کو اس نوجوان کے مقابلے میں روانہ کرتا ہوں۔ وہ اسے قتل کر دے گا۔ ابن شعثا نے یکے بعد دیگرے اپنے سات بیٹے مقابلے کے لیے بھیجے جو اس نوجوان کے ہاتھوں واصل جہنم ہوئے۔ آخر یہ خود میدان میں اترا۔ اسے اپنی بہادری پر بڑا ناز تھا لیکن جب مد مقابل ہوا تو ایک ہی وار میں زندگی ہار گیا۔ اسکے بعد کسی اور میں مقابلے کی جرأت نہ ہوئی تو حضرت امیر المومنینؑ نے اس نوجوان کو اپنے پاس بلایا اور جب چہرے سے نقاب الٹی تو لوگوں کو معلوم ہوا یہ قمر بنی ہاشم حضرت ابو الفضل العباس علیہ السلام ہیں۔

آپ ہر محاذ پر ناقابل شکست تھے۔ آپ کی رگوں میں شیر خدا لافتیٰ حضرت امیر المومنینؑ کا لہو تھا۔ میدان کربلا میں آپ نے جس جرأت کا اظہار کیا وہ بے مثال ہے۔ آپ نے ایک لاکھ سے زیادہ لشکر یزید کے سامنے اعلان کیا، میں موت سے نہیں بھاگتا بلکہ موت سے ملاقات کرتا ہوں۔ میرا نفس طاہر، نفس محمد مصطفیٰؐ کے نفس حسینؑ کا صدقہ ہے جو طاہر و متقی ہیں۔ مجھے کسی کے ساتھ نہ دینے کا کوئی خوف نہیں۔ مقتل ابی مخنف میں مرقوم

ہے کہ حضرت عباسؑ دریا کی طرف روانہ ہوئے اور دشمن دائیں بائیں بھاگے تو اس وقت آپ نے یہ رجز پڑھا۔
''میں موت سے ہرگز نہیں ڈرتا جو چاہیے مقابلہ پر آئے، موت سے ملاقات کے لیے میں خود چل کر آیا ہوں، میں نے اپنی جان پاکیزہ جان کے حوالے کر دی ہے، میں صبر کے ساتھ ثابت قدم رہتا ہوں تاکہ سروں کو جدا کروں اور جسموں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں، میں عباس ہوں، جنگ میں سختی سے مدمقابل کا سامنا کرتا ہوں۔''

جب آپ نے دریا کا رخ کیا تو اعدا نے آپ پر ہجوم کیا۔ آپ نیزہ سے جو قریب آتا اسے واصل جہنم کر دیتے۔ آپ کو تنہا دو محاذوں کا سامنا تھا۔ اول میدان کارزار میں لشکر کثیر جو چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ دوسرے چھ ہزار سے زیادہ محافظین فرات لیکن آپ نے سب کو درہم برہم کر دیا۔ فوج کا ایک دستہ جو آپ کو نرغہ میں لینا چاہتا تھا ان سب کو واصل جہنم کیا۔ آپ کی جرأت کا یہ عالم تھا کہ راہ میں جو بھی حائل ہوتا اسے نیزہ کی نوک پر اچھال دیتے اس طرح دریا پر پہنچنے تک پانچ سو (ناریوں) کو واصل جہنم کیا۔ اس دوران نہ آپ نے تلوار چلائی نہ کسی کی طرف بڑھ کر حملہ کیا بلکہ دفاعی جہاد کیا جو سامنے آتا نیزہ سے دفاع کرتے۔ اس لیے کہ اسد اللہ کے وارثِ شجاعت کو حضرت امام حسین علیہ السلام نے جنگ کی اجازت نہیں دی تھی۔ صرف پانی کے حصول کے لیے دفاع کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ آپ مسلسل آگے بڑھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ فوجوں کی آہنی دیوار ٹوٹی تو روح علی نے مرحبا کہا اور شیر نے گھاٹ پر دسترس حاصل کی اس طرح تاریخ شجاعت کا ایک باب اپنے نام مختص فرمایا۔

وفائے جناب عباسؑ

دین اسلام میں عہد وفا کی بڑی اہمیت ہے۔ وعدہ خلافی جائز نہیں۔ سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۳۴ر میں ارشاد ہو رہا ہے۔ واوفو بالعھد ان العھد کان مسولا۔ ''وعدے کی پابندی کرو، بے شک تم کو وعدہ کے بارے میں جواب دینا ہوگا۔'' وعدہ کی پاسداری کا ہر حال میں پورا کرنا لازم ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد رب العزت ہے۔ ''مومن وہ ہیں جو اپنی امانتوں اور وعدوں کا پاس رکھتے ہیں۔'' نیک لوگ وہ ہیں جو عہد کرنے کے بعد اس کو پورا کرتے ہیں۔'' پروردگار عالم نے حضرت اسماعیلؑ کے عہد وپیا کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ ''اور انہی آسمانی کتاب میں حضرت اسماعیلؑ کو یاد کرو۔ بے شک وعدہ کا سچا تھا۔ نیز وہ ہمارا رسول اور باعظمت نبی تھا۔'' بحار الانوار میں حضرت امام موسی کاظمؑ نے جناب رسالت مآبؐ سے روایت کی ہے۔ لا دین لمن لا عھد لہ۔ ''جو شخص عہد وپیمان کا پابند نہ ہو، وہ لا دین ہے۔'' (اسے مسلمان نہیں سمجھنا

چاہیے) وعدہ چاہے بڑوں سے کیا جائے یا بچوں سے اسے پورا کرنا چاہیے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ ''عہد و پیماں کی ذمہ داریوں کو ان سے وابستہ کرو جو میخوں جیسے (مضبوط) ہوں۔'' جناب رسالت مآبؐ فرماتے ہیں۔ ''کل قیامت کے دن سب سے زیادہ میرے قریب وہ شخص ہوگا جو تم میں زبان کا سب سے زیادہ سچا، امانت کو سب سے زیادہ ادا کرنے والا اور عہد کا سب سے زیادہ پابند ہو۔''

قرآن و حدیث کی روشنی میں وعدہ کی پاسداری کا حتمی حکم ہے۔ جس طرح حضرت امام حسینؑ نے طفلی کا وعدہ کربلا میں وفا کیا، اسی طرح حضرت عباس علمدارؑ نے بوقت شہادت حضرت امیر المومنینؑ سے جو حضرت امام حسین علیہ السلام کی نصرت کا وعدہ کیا تھا اسے پورا کیا اور لفظ وفا کو اپنے نام کے ساتھ مختص فرمایا۔ آپ نے ہمیشہ اپنی زندگی پر حضرت امام حسینؑ کی حیات کو ترجیح دی اور ہر لمحہ حکم امام کے منتظر نظر آتے تھے، ہر حکم کی تعمیل بصد شوق فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ جانتے ہوئے کہ حُر بحکم ابن زیاد راستہ روکنے کی غرض سے آئے ہیں۔ اس کے باوجود بحکم حضرت امام حسینؑ لشکر حر کو سیراب کیا۔ آپ کی طرز وفا داری سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے اپنا نفس حضرت حسینؑ کے حوالے کر دیا تھا۔ شیخ مفید علیہ الرحمہ، ناسخ التواریخ اور مقتل لہوف کے مطابق جب حضرت امام حسینؑ نے دیکھا کہ لشکر سپاہ ابن زیاد، جنگ کرنے پر بہت جلد آمادہ ہے تو جناب عباسؑ کے ذریعہ لشکر شام سے ایک شب بغرض عبادت مختص کرنے کی غرض سے جنگ کو موقوف کروانے کے لیے روانہ کیا اور جناب عباسؑ نے آپؑ کے حکم کی تعمیل کے مطابق عمل پیرا ہو کر ایک شب کے لیے جنگ موقوف کرائی تا کہ عبادتِ خداوندی میں یہ شب بسر ہو۔ شب عاشور جب حضرت امام حسینؑ نے اصحاب سے اپنے خطاب میں فرمایا لشکر شام ہماری جان کا دشمن ہے، اے میرے اصحاب و اقربا میں چراغ بجھائے دیتا ہوں تم چلے جاؤ۔ اس موقع پر جناب عباسؑ نے فرمایا۔ آقا میری جان ہزار بار آپؑ پر فدا یہ ممکن نہیں کہ ہم زندہ رہیں اور آپ کو نرغہ اعدا میں تنہا چھوڑ جائیں۔ ایسی زندگی پر ہم ملامت کرتے ہیں۔ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وفائے حضرت عباسؑ حد انتہا پر تھی۔

جب حضرت عباسؑ شدید زخمی ہو کر زمین پر تشریف لائے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کو سلام آخر پیش کیا۔ اس وقت جب حضرت امام حسینؑ آپ کے سرہانے تشریف لائے اور چاہا کہ آپ کو خیام میں لے جائیں تو جناب عباسؑ نے عرض کی۔ آقا آپ مجھے خیمے میں نہ لے جائیں میں سکینہؑ سے بہت شرمندہ ہوں، میں نے پانی لانے کا کہا تھا لیکن پانی بچوں تک نہ پہنچ سکا۔ آپ کو اپنی جان سے زیادہ حضرت امام حسینؑ عزیز تھے۔ آپ نے ساری عمر حضرت امام حسین علیہ السلام کو آقا کہہ کر مخاطب کیا۔ صرف وقت آخر جب حضرت

امام حسینؑ نے آپ سے فرمایا۔ اے عباسؑ تم نے ساری زندگی ہمیں آقا کہا میری تمنا ہے کہ مجھے بھائی کہہ کر مخاطب کرو۔ روایت ہے کہ آپ نے بھائی کہا اور عالم بقا کی طرف حق وفا ادا کرتے ہوئے روانہ ہو گئے۔

جناب عباسؑ علمدار حضرت امام حسینؑ کی خدمت اور حکم کی بجا آوری پر آمادہ رہتے تھے۔ روایت ہے کہ ہندوستان کی ایک ملکہ نے یہ منت مانی کہ اس کی حاجت پوری ہو جائے تو وہ جناب عباسؑ کے روضہ مبارک کے میناروں پر سونا چڑھائے گی۔ جب اس کی مراد بر آئی تو وہ منت پوری کرنے ماہر کاری گروں کے ہمراہ کافی مقدار میں سونا لائی تا کہ میناروں کی طلا کاری کا کام شروع کیا جائے۔ اسی رات جناب عباسؑ کے روضہ مبارک کے خادم کو خواب میں جناب عباسؑ کی زیارت ہوئی اور آپ نے فرمایا۔ ''میں اس بات پر راضی نہیں کہ آقا کے ہوتے ہوئے یہ سونا میرے میناروں پر چڑھایا جائے کیونکہ آقا کے میناروں پر سونا لگا ہوا ہے۔ میں اپنے میناروں پر سونا چڑھا کر آقا اور غلام کا فرق ختم نہیں کرنا چاہتا۔ جب صبح کو کام کے آغاز کے لیے ملکہ کاری گروں کو لے کر حاضر ہوئی تو خادم نے جناب عباسؑ کے حکم سے اسے آگاہ کیا۔ یہ سن کر ملکہ نے مختص کیا ہوا منت والا سونا آپ کے مزار کے دوسرے کاموں پر وقف کر دیا۔

معرفت حضرت عباسؑ

جناب امیر المومنینؑ، مولود کعبہ جب دنیا میں تشریف لائے تو معرفت جناب رسالت مآبؐ سے معمور تھے۔ لہٰذا آپ نے اس وقت تک آنکھیں نہیں کھولیں جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف نہ لائے۔ اسی طرح ولادت کے بعد حضرت عباسؑ نے اس وقت تک آنکھیں نہیں کھولیں جب تک حضرت امام حسینؑ تشریف نہ لائے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بوقت ولادت معرفت کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے اور جانتے تھے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ کربلا میں فدا کاری کا شرف اعلیٰ عطا ہو گا۔ جس طرح حضرت علی علیہ السلام نے بوقت ولادت شیر مادر نہ پیا بلکہ جب جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور آپ کو آغوش مبارک میں لیا اور اپنی زبان مبارک دہن امیر المومنینؑ میں دیکر سیراب فرمایا۔ اسی طرح جناب عباس نے پیدائش کے بعد ماں کا دودھ نہیں پیا بلکہ جب حضرت امام حسینؑ تشریف لائے اور آغوش مبارک میں لیا اور دہن اقدس میں زبان اطہر دی تو جناب عباسؑ نے اس روحانی غذا سے سیراب ہو کر جانثاری کا عہد وفا کیا اور واضح کیا کہ معرفت آپ کا ورثہ ہے۔

حضرت امیر المومنینؑ اس امر سے آگاہ تھے کہ جناب عباسؑ دنیا میں معرفت الٰہی کا منبع اور شیدائے

حسینؑ ہیں۔ ریاض القدس کے مطابق حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے جناب عباسؑ کی ولادت پر اپنی پیشانی مبارک سجدہ میں رکھ دی اور اپنے فرزند ذی وقار کے ہاتھوں کا بوسہ لیا۔ جناب عباسؑ صاحبان عصمت وطہارت کی شفقت کے زیر سایہ بلندیوں سے گزرتے ہوئے معرفت کی انتہا تک پہنچے۔ آپ کو ابتدائی عمر میں معرفت کا وہ مقام حاصل تھا جہاں طویل عمری میں انسان اس منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب آپ بچپن کے ابتدائی مراحل میں تھے۔ ایک روز اپنے بابا حضرت امیر المومنینؑ کے پاس تشریف لائے تو امیر المومنینؑ نے نہایت شفقت سے آپ کو اپنی آغوش مبارک میں لے کر اپنے سینۂ انور سے لگایا اور مخاطب ہوئے۔ بیٹا عباسؑ کہو ایک۔ آپ نے فرمایا۔ ایک۔ اس کے ساتھ ہی فرمایا۔ بیٹا کہو دو۔ اس موقع پر آپ نے خاموشی اختیار کی اور کچھ لمحہ بعد اپنے بابا کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا! بابا جان۔ جس زبان سے ایک کہا، اب مجھے حیا آتی ہے کہ میں اس زبان سے دو کہوں۔ یہ جواب سن کر حضرت امیر المومنینؑ نے ارشاد فرمایا۔ اَحْسَنْتَ یَا وَلَدِی، بَارَکَ اللّٰہُ فِیْکَ۔ ''اے میرے فرزند تم نے بہت خوب کہا۔ اللہ رب العزت تمہاری معرفت توحید میں برکت عطا فرمائے۔'' یہ فرما کر جناب عباسؑ کو اپنے سینے انور سے لگا کر دونوں آنکھوں کے درمیان پر مسرت انداز میں بوسہ دیا۔

حضرت عباس علیہ السلام نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہر عمل کا نہایت قریب سے مشاہدہ کیا اور حسنات امامت کو اپنی زندگی میں سمو کر مجسم نور ہو گئے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کا ہر عمل عین شریعت تھا، جو آپ کی معرفت پر دلالت کرتا ہے۔ عراق میں قیام کے دوران آپ نے منبر سلونی سے خطبات امیر المومنینؑ سے اکتساب علم کیا اور معرفت الٰہی کو وراثت میں پا کر اسکا اظہار اپنی عملی زندگی سے فرمایا۔ آپ نے سرائے علم و معرفت میں تربیت پائی۔ جس بیت الشرف میں آپ کا قیام رہا وہ ملائکہ کی آماجگاہ، وحی کی منزل، اسرار الٰہی کا مرکز، ہدایت کا روشن مینارہ اور مظلوموں وحاجت مندوں کی پناہ گاہ تھا۔ ایسے پاکیزہ ماحول میں تربیت یافتہ ہونے کے سبب آپ میں معرفت الٰہی اور معصومین علیہم السلام کے ادراک کی پوری استعداد موجود تھی۔ آپ کا پیکر انور جملہ صفات مظہر الایمان ومظہر العجائب مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کی صفات کا مظہر تھا۔ مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کل کے مشکل کشاء ہیں اور آپ کے فرزند ذی وقار جناب عباس علمدار علیہ السلام باب الحوائج ہیں۔ آپ معرفت الٰہی کی اس منزل پر فائز تھے کہ آپ کے سامنے اسرار ورموز کے پردے ہٹے ہوئے تھے۔ آپ ایمان ومعرفت کی اس منزل پر فائز تھے جہاں رسائی حاصل کرنا بشر کے اختیار میں نہیں۔ واقعہ کربلا میں آپ کا صبر واستقلال اور جانثاری معرفت کی حد انتہا پر نظر آتی ہے۔

علم و حکمت

جناب عباس علمدار علیہ السلام نے باب مدینۃ العلم کی آغوش مبارک سے علم و حکمت کے گوہر نایاب حاصل کیے۔ آپ کی علمی و فکری تربیت اس گھر سے ہوئی جس کے مکین وارث علم لدنی تھے۔ اس علمی ماحول نے آپ کو علم کا بلند ترین مینارہ بنا دیا۔ آپ اسرار توحید اور رموز معرفت و علم سے باخبر تھے۔ آپ پر حسنین علیہم السلام کی ہم نشینی کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام کی بزم سے فیض یاب ہونے والوں میں آپ کے یہ متعلمین قابل ذکر ہیں۔ حضرت حبیب ابن مظاہر، حضرت میثم تمار، حضرت رشید ہجری، حضرت کمیل بن زیاد، حضرت عبداللہ بن جعفر، حضرت سلیمان بن صرد الخزاعی، حضرت مالک اشتر، حضرت قنبر، حضرت عمار یاسر، حضرت اویس قرنی، حضرت ہجر بن عدی الکوفی الکندی، حضرت اصبغ بن نباتہ مجاشعی، حضرت حارث بن عبداللہ ہمدانی، حضرت زید بن صوحان عبدی، حضرت سہیل بن حنیف، حضرت عثمان بن حنیف، حضرت عبداللہ بن حباب، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عدی بن حاتم، حضرت عبداللہ بن ابی طلحہ، حضرت صعصعہ بن صوحان، حضرت عبداللہ بن بدیل، حضرت ورقاہ خزائی، حضرت عمر بن حمق خزاعی اور حضرت محمد بن ابی بکر۔ جب فیضان باب مدینۃ العلم سے اصحاب اس قدر صاحب علم قرار پاسکتے ہیں تو جناب عباسؑ کے علم کی بلندی کا کیا عالم ہوگا۔ گویا آپ معدن العلم اور چشمہ فیض رساں تھے۔

سید عبدالرزاق موسوی المقرم صحیفہ وفا میں اور آیت اللہ شیخ محمد ابراہیم کلباسی النجفی خصائص عباسیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ ''بعض مستند اور معتبر علماء سے روایت ہے کہ کربلا میں ایک عالم کو یہ خیال ہوا کہ وہ علم میں حضرت عباس علمدارؑ سے زیادہ صاحب علم ہو چکا ہے۔ اس نے حلقہ درس میں بیٹھ کر کہا جو اسباب حضرت عباسؑ کی فضیلت و برتری کے ہیں وہ تمام مجھ میں پائے جاتے ہیں اور جو مرتبہ آپ کی شہادت سے ملا وہ مرتبہ اجتہاد کے مقابلہ میں کم ہے۔ (معاذ اللہ) حاضرین کو اس کی یہ جہالت بہت ناگوار ہوئی اور اس عالم نادان کی اس خود فراموشی پر افسوس کرتے ہوئے اس محفل سے اٹھ گئے۔ دوسرے دن یہ حاضرین اس عالم کی تلاش میں نکلے کہ اسے اللہ کی ہدایت حاصل ہوئی یا اپنی گمراہی پر قائم ہے۔ گھر جا کر دروازے پر دستک دی تو جواب ملا کہ وہ حضرت عباس علمدارؑ کے حرم گئے ہیں۔ جب یہ لوگ جناب عباسؑ کے حرم پہنچے تو دیکھا کہ یہ رسی کا ایک سرا اپنے گلے میں باندھے ہوئے ہے اور

دوسرا جناب عباس علمدارؑ کے ضریح مبارک سے بندھا ہوا ہے اور حضرت عباسؑ سے اپنی جسارت کی معافی مانگ رہا ہے۔ جب اس سے اس کے اس عمل کی بابت دریافت کیا گیا تو اس نے کہا۔ میں نے رات کو خواب دیکھا کہ میں علماء کی محفل میں بیٹھا ہوں کہ اچانک کسی نے ندا کی کہ حضرت ابوالفضل العباسؑ تشریف لا رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی حاضرین پر رعب طاری ہوگیا اور اچانک حضرت عباسؑ اس بزم میں تشریف لائے، آپ کے چہرہ مبارک کے گرد ایک نور کا ہالہ تھا جس کی تابانی سے نظریں خیرہ ہو رہی تھیں اور حضرت کے خدوخال سے حضرت امیر المومنینؑ کی جھلک نمایاں تھی۔ آپ وہاں صدر نشین ہوئے، میں اپنی گزشتہ جسارت کے سبب خوفزدہ تھا۔ آپ تشریف فرما ہوئے اور حاضرین سے یکے بعد دیگرے گفتگو فرمائی۔ جب میری نوبت آئی۔ آپ نے فرمایا تم کیا کہتے ہو۔ آپ کے اس سوال سے میں بدحواس ہوگیا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح اپنے آپ کو بچا سکوں اور اپنی دانست میں اپنے نظریات ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور جو باتیں کل میں نے تم لوگوں سے کہی تھیں، وہی کہہ دیں۔ آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میں نے اپنے بابا جان (حضرت امیر المومنینؑ) اور اپنے بھائی حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام سے علم حاصل کیا ہے۔ میں نے ان کی راہوں سے علم حاصل کر کے اپنے کو یقین تک پہنچایا ہے اور تم ابھی تک امامت میں شک کر رہے ہو، کیا ایسا نہیں ہے؟ اس وقت مجھ میں اتنی طاقت وجرأت نہ تھی کہ حضرتؑ کی فرمائشات کا انکار کرتا۔ حضرت نے دوبارہ فرمایا۔ تم نے جس استاد سے علم حاصل کیا ہے اسکے حالات تم سے زیادہ بدتر ہیں۔ سنو! تمہارے پاس حق معلوم کرنے کے لیے چند اصول وقواعد ہیں جن کی مدد سے احکام معلوم کرتے ہو اور جاہلوں کو بتاتے ہو، ہم نے احکام خدا مخزن وحی سے دریافت کیے ہیں۔ پھر حضرت نے اپنے فضائل، صبر، ایثار کرم، شجاعت اور جہاد کا تذکرہ فرمایا اور کہا کہ اگر ان صفات کا معمولی سا حصہ لوگوں میں تقسیم ہو جائے تو تم لوگوں میں تحمل کی طاقت نہیں رہے گی۔ اسکے برخلاف تم میں حسد، خود غرضی، ریا جیسی مذموم باتیں پائی جاتی ہیں۔ پھر حضرت نے ایک طمانچہ میرے منہ پر رسید کیا جس سے میری آنکھ کھل گئی، میں اس وقت اپنی خطاؤں کی معافی کے لیے آپؑ کے حرم میں آیا ہوں۔

خصائص عباسیہ میں آیت اللہ شیخ محمد ابراہیم کلباسی تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ صاحبان علم کی محفل میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام زیادہ بڑے عالم تھے یا حضرت سلمان فارسی۔ اہل محفل میں سے ایک شخص نے کہا میرے خیال میں حضرت سلمان فارسی بڑے عالم تھے اور اس

کی دلیل یہ ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے ان کے متعلق فرمایا تھا۔ سلمان منا اھل البیت"۔ ''سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہیں۔'' اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے حضرت سلمان فارسی کے لیے فرمایا تھا۔ ''سلمان نے اولین و آخرین کا علم پایا ہے اور وہ نہ ختم ہونے والا سمندر ہے اور وہ ہم اہل بیتؑ سے ہیں۔'' معصومین علیہم السلام نے حضرت سلمان فارسی کے متعلق فرمایا کہ ''سلمان حکیم لقمان کی مانند ہیں۔''

جس شخص نے کہا تھا کہ میرے خیال میں حضرت سلمان فارسی بڑے عالم تھے۔ اس نے چند روز بعد اپنی رائے بدل دی۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ آپ نے اپنی رائے کیوں تبدیل کی؟ تو اس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لغزش سے بچانا تھا۔ لہٰذا جس دن میں نے اپنی رائے پیش کی تھی تو اسی رات میں نے خواب دیکھا کہ ایک بڑی عالی شان محفل کا انعقاد ہے اور جناب عباس علمدارؑ پوری جلالت سے صدر محفل میں تشریف فرما ہیں اور حضرت سلمان فارسی بحیثیت ایک غلام کے آپ کے سامنے کھڑے ہیں اور حضرت عباسؑ کے احکامات پر عمل پیرا ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر میں حیران تھا۔ حضرت سلمان فارسی نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے اپنے قریب بلایا اور فرمایا۔ ''تمہیں میرے متعلق غلط فہمی ہے۔ یہ سچ ہے کہ میں نہ ختم ہونے والا سمندر ہوں لیکن اپنے ہی جیسے افراد کے لیے۔ میں حضرت ابوذر، حذیفہ، عمار اور ابن مسعود کے لیے نہ ختم ہونے والا سمندر ہوں اور جہاں تک فرزند حضرت امیر المومنینؑ حضرت عباس ابوالفضلؑ کے ساتھ موازنے کا تعلق ہے تو میں ان کے خادم ہونے اور ان کا ادنیٰ شاگرد ہونے پر فخر کرتا ہوں۔ میں ان سے علم و فضل کی خیرات حاصل کرنے والا ہوں۔''

جناب عباس علیہ السلام وارث علم لدنی، فقیہ کامل اور جملہ علوم پر دسترس رکھتے تھے اور ساتھ ہی آپ کی پوری زندگی عمل سے عبارت تھی۔ الکبریت الاحمر میں علامہ محمد باقر پرجندی تحریر فرماتے ہیں۔ ''حضرت ابوالفضل العباسؑ خاندان عصمت و طہارت کے عظیم المرتبت فقہا اور فاضل تھے بلکہ آپ وہ عالم تھے جن کو غیر از معصوم کسی نے تعلیم نہیں دی۔'' آپ معرفت میں حد کمال پر فائز تھے۔ آپ نے کمسنی میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ آپ کو علم الرجال پر دسترس حاصل تھی۔ یہ وہ علم ہے جس پر تمام روایات کی صحت کا دارومدار ہے۔ تنقیح المقال میں مرقوم ہے کہ ''حضرت عباسؑ عادل، ثقہ، متقی اور شریف طینت و پاک سرشت تھے۔'' علم فقہ وہ علم ہے جس کے ذریعہ حلال و حرام کا فرق واضح ہوتا ہے اور شرعی مسائل حل ہوتے ہیں۔ تنقیح المقال میں مرقوم ہے کہ ''حضرت عباسؑ آئمہؑ کی فقیہ اولادوں میں ایک زبردست فقیہ تھے۔''

فصاحت و بلاغت

خطیب منبر سلونی امیر الکلام، باب مدینۃ العلم حضرت علی علیہ السلام کے فرزند ارجمند حضرت عباس علمدار علیہ السلام فصاحت و بلاغت میں حضرت امیر المومنینؑ کے جانشین تھے۔ حضرت علی کی فصاحت و بلاغت کا ثبوت ''نہج البلاغہ'' ہے جو علم و حکمت اور معرفت پر مبنی کلام ہے۔

جناب عباس علمدارؑ کے خطبات میں حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی خطابت کے جوہر نظر آتے ہیں۔ مکہ معظمہ سے عراق روانگی کے وقت آپؑ نے نہایت فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جو علم و آگہی اور جامعیت کے اعتبار سے بے مثال ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد اس اللہ کی جس نے اس گھر (خانہ کعبہ) کو ان (حسینؑ) کے والد کی ولادت گاہ سے شرف بخشا۔ کل جو گھر تھا (اللہ کا) آج قبلہ قرار پایا۔ اے منکروں اور گناہ گارو! تم حسینؑ کا راستہ کیوں روکتے ہو۔ یہ اعمال صالح بجالانے والوں کے امام ہیں۔ تم امام کو (حج) کی ادائیگی سے روک رہے ہو۔ ساری دنیا میں ان سے زیادہ نہ کوئی کعبہ سے قریب ہے اور نہ اس کا مستحق ہے۔ اگر اللہ کی واضح حکمتیں، اعلیٰ اسرار اور امتحان مقصود نہ ہوتا تو کعبہ از خود ان (حضرت امام حسینؑ) کے قریب آجاتا۔ لوگ حجر اسود کو بوسہ دیتے ہیں اور حجر اسود ان (حسینؑ) کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا ہے۔ یاد رکھو! اگر میرے آقا مشیت الٰہی کے پابند نہ ہوتے تو تم پر اس طرح جھپٹے جس طرح باز پوری شدت سے محوئے پرواز پرندوں پر جھپٹتا ہے۔ کیا تم ان کو ڈرانا چاہتے ہو جو عالم طفلی میں موت سے کھیلا کرتے تھے تو غور کرو کہ وہ بڑے ہو کر کیسے جری ہوں گے؟ تم اپنے نبی کی بیٹی کے فرزند کے قتل کا ارادہ کرتے ہو۔ میں آپؑ کے عزیز ترین رفقاء کے ساتھ اپنے آپ کو مخلوق خدا کے سید و سردار پر فدا کرنے کا تہیہ کر چکا ہوں۔ تم پروائے ہو۔ دیکھو اور غور کرو کہ شراب خور کون ہے اور حوض کوثر کا مالک و مختار کون ہے؟ وہ کون ہے جس کے گھر میں بدمست مغنی ہیں اور وہ کون ہے جس کے گھر میں وحی اور قرآن کا نزول ہے؟ وہ کون ہے جس کے گھر میں لہو و لعب اور نجاست کے ڈیرے ہیں؟ وہ کون ہے جس کے گھر میں تطہیر اور آیات کا قیام ہے؟ غور کرو، تم اسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جس میں قریش تھے جو جناب رسول اللہ کو قتل کرنے کے درپے تھے اور تم بھی اپنے نبیؐ کی بیٹی کے بیٹے کو قتل کرنا چاہتے ہو۔ جناب امیر المومنینؑ کے ہوتے ہوئے رسول اللہؐ کا قتل ناممکن تھا اور جب تک میں زندہ ہوں، ابو عبداللہ حسینؑ کا قتل ناممکن ہے۔ اللہ تمہیں

تمہارے مقصد میں ناکام کرے اور تمہیں اور تمہاری اولاد کو منتشر کر دے اور تمہیں اور تمہارے اجداد کو اپنی رحمتوں سے محروم رکھے۔

حضرت عباس علمدارؑ نے یہ خطبہ ۹ محرم الحرام کو بوقت عصر بارضائے حضرت امام حسینؑ ارشاد فرمایا۔ آپ اپنے گھوڑے ''اشہل'' پر سوار میدان کارزار میں تشریف لائے۔ اس وقت آپ کے پاس کسی طرح کا اسلحہ نہیں تھا۔ آپ کو دیکھ کر لشکر یزید کی سپاہ حیران تھی کہ یہ کیسے جری ہیں کہ لاکھوں کے لشکر میں مسلسل آگے بڑھ رہے ہیں۔ آپ لشکر اعدا کی صفیں عبور کرتے ہوئے عمر بن سعد کے بالکل قریب تشریف لائے۔ اس موقع پر آپ کو حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف سے جنگ کی اجازت نہ تھی بلکہ مقصد اتمام حجت تھا۔ آپ نے فرمایا: اے اہل شام! سرکشی اور بغاوت کے خمیر سے اٹھنے والے لشکر، کیا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو یہ کہے کہ وہ حسینؑ کو نہیں جانتا؟ اے جاہلو! گو کہ تم مصلحت پسندی کا شکار ہو، میں بتاتا ہوں کہ حسینؑ وہ ہیں جن کا نام رب ذوالجلال نے رکھا۔ حضرت جبرائیلؑ نے آپؑ کو لوریاں دیں اور حضرت اسرافیلؑ نے جھلایا، حسینؑ وہ ہیں جو جسم رسولؐ سے وابستہ رہے۔ اے بے حیاء شامیو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ (کعبہ) جسے رسول اللہؐ نے ایک بار بوسہ دیا وہ تو تمہارا قبلہ قرار پایا اور جس حسینؑ کے بدن پر رسول اللہؐ کے بوسوں کی بارش ہوئی اور جو بدن آپؐ کے بوسوں کی آماجگاہ ہے، اس جسم اطہر کے لیے تمہاری تلواریں آمادہ قتل ہیں۔ تمہارا یہ عمل سب سے بڑی بے دینی ہے۔ کاش تم وہ دیکھ سکتے جو میں دیکھ رہا ہوں تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ اور تم حسینؑ سے ہرگز جنگ نہ کرتے بلکہ یہاں سے لوٹ جاتے۔ میری نگاہیں یہ دیکھ رہی ہیں کہ شیطان تم پر غالب آ چکا ہے اور تم جہنم کی زد میں آ چکے ہو۔ آپ نے لشکر شام کو مخاطب کیا: اے گندگی اور کوڑے کے ڈھیر پر اگنے والی گھاس، کیا تم حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کے اس شرف سے واقف نہیں کہ یہ جوانان جنت کے سردار ہیں۔ تم مجھے موت سے ڈراتے ہو اور مجھ سے بزدلی کی توقع رکھتے ہو۔ قسم بخدا میں سروں کو تمہارے کندھوں سے اڑتے دیکھ رہا ہوں اور اگر میں ان کی طرف اشارہ کروں تو تم خوف سے ہلاک ہو جاؤ۔ اے شامیو! بفرض محال! اگر تم اپنی تلواریں نکال بھی لو تو تلواریں تم سے زیادہ ہمارے ہاتھوں کی گرفت سے آشنا ہیں، ہم صاحب سیف ہیں، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میرے بابا اگر تمہیں تلوار پکڑنے کا سلیقہ نہ سکھاتے تو تم اس امر سے ناواقف تھے۔ اے ہماری شجاعت کے زروں کو چن کر شجاعت کے جھوٹے دعویدارو۔ تم عباسؑ کو دھمکانے آئے ہو۔ قسم بخدا میں چاہوں تو تمہارے جسم ساکت رہیں اور تمہاری روحیں قبض کر لوں لیکن ہم کیا کریں ہماری طینت میں کرم ہے اور ہاں اگر نوبت تلوار تک آ پہنچی تو تمہیں معلوم

ہو جائے گا کہ حسینؑ کے مددگار کمزور ہیں یا تم، کیا تمھیں معلوم نہیں۔ شجاعت ہماری میراث ہے۔

جناب عباسؑ نے اشقیاء کے سامنے جو رجز پڑھا وہ نہایت فصیح تھا۔ مطالب کے اعتبار سے اس کی بڑی اہمیت ہے کہ چند جملوں میں سب کچھ بیان کر دیا۔ مقتل ابی مخنف میں مرقوم ہے کہ جب حضرت عباس علیہ السلام نہر کی طرف روانہ ہوئے اور دشمن دائیں بائیں بھاگے تو اس وقت آپ نے یہ رجز پڑھا۔ ''میں موت سے ہرگز نہیں ڈرتا جو چاہے مقابلے پر آئے، موت سے ملاقات کے لیے میں خود چل کر آیا ہوں۔ میں نے اپنی جان پاکیزہ جان کے حوالے کر دی ہے۔ میں صبر کے ساتھ ثابت قدم رہتا ہوں تاکہ سر جدا کروں اور جسموں کے ٹکڑے ٹکڑے کروں۔ میں عباس ہوں جنگ میں سختی سے مدمقابل کا سامنا کرتا ہوں۔'' علامہ محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ نے جناب عباسؑ کی شہادت کے بارے میں لکھا ہے کہ جب حضرت عباسؑ پانی کے حصول کے لیے جانب فرات چلے تو اشقیاء نے آپ پر حملہ کر دیا اس وقت آپ نے اس مضمون کا رجز پڑھا۔ ''جب موت میرے سامنے ہو تو میں موت سے نہیں ڈرتا، یہاں تک کہ بہادروں کے کشتوں میں میری لاش بھی ڈال دی جائے۔ میں عباسؑ ہوں، میری جان فرزند رسول اللہؐ پر فدا ہو میں موت سے نہیں ڈرتا۔'' جناب عباس علیہ السلام کے خطبات و رجز کا ہر جملہ فصاحت و بلاغت سے معمور ہے، معنی و مفہوم کے اعتبار سے نہایت دور رس اور سچائی کا آئینہ دار ہے جس کی مثال محمدؐ و آل محمدؐ کے سوا کہیں اور نہیں ملتی۔

علامہ دربندی اسرار الشہادۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔ روز عاشور ایک شخص حضرت عباس علمدارؑ کے مقابلہ میں آیا۔ اسے اپنی جرأت اور بلاغت پر بڑا ناز تھا۔ اس نے حضرت ابوالفضل عباسؑ کے سامنے نامناسب دھمکی آمیز لہجہ میں کہا۔ میں بہت دلیر اور نڈر ہوں۔ اگر آپ کو سلامتی مطلوب ہو تو میرے سامنے ہتھیار ڈال دیں۔ اسد اللہ کے فرزند نے اسے نہایت جرأت مندانہ جواب دیا۔ اے شخص تیری ان دھمکیوں سے میں مرعوب ہونے والا نہیں، تیری ساری گفتگو سراب کی مانند ہے جو دور سے تو پانی ہوتا ہے لیکن قریب پہنچ کر پتا چلتا ہے کہ یہ ریت چمک رہی تھی۔ کیا تیرا یہ گمان ہے کہ میں ہتھیار ڈال دوں گا۔ تیری اس خواہش کا پورا ہونا محال ہے۔ اے دشمنِ خدا اور رسولؐ! اچھی طرح گوش گزار کر لے کہ میں بہادروں سے مقابلہ کرنے کا عادی ہوں۔ میں جنگ کی تکالیف پر صبر کرنے والا ہوں، جس میں یہ صفات موجزن ہوں وہ کسی بھی مدمقابل سے خوف زدہ نہیں ہوتا۔ میں رسول خداؐ سے اتصال رکھتا ہوں، میں شجرہ نبوت کا ثمر ہوں۔ شجرہ نبوت کا پھل کبھی بھی ملامت برداشت نہیں کر سکتا۔ میں علی بن ابی طالبؑ کا فرزند ہوں، میں مدمقابل سے عاجز ہونے والا نہیں، میں شمشیر و سناں کی ضربوں سے رنجیدہ خاطر نہیں ہوتا۔ میں نے لمحہ بھر بھی کسی کو اللہ کا شریک نہیں کیا

اور میں نے آج تک فرمان رسولؐ کی کبھی مخالفت نہیں کی۔ میں شجر نبوت کا پتا ہوں اور پتے ہمیشہ ٹہنیوں سے رابطہ رکھتے ہیں میں نے زندگی سے کبھی پیار نہیں کیا اور موت سے کبھی گھبرایا نہیں۔ لہٰذا تجھ سے جو بھی ممکن ہو کرلے۔ اس فصیح و بلیغ خطاب کے بعد جب یہ شخص مد مقابل ہوا تو حضرت عباسؑ نے اس پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ واصل جہنم ہوگیا۔

صاحب عصمت وطہارت

عصمت کے معنی معصیت، خطا وعصیان سے دوری اور اجتناب کے ہیں۔ لغات کشوری اور دیگر لغات میں عصمت کے معنی اپنے آپ کو گناہ سے اس طرح باز رکھنا ہے کہ عمر بھر کبھی کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو۔ عصمت وہ صفت ہے جو اللہ رب العزت اپنے صاحبان امر بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ جن میں خطا و معصیت سے اجتناب کی حتمی صلاحیت ہوتی ہے۔ مجمع البحرین کے مطابق ''معصوم وہ ہوتا ہے جو تمام خطاؤں سے مبرا ومنزہ ہوتا ہے۔''

جناب عباس علمدار علیہ السلام کا شجرہ نسب آپ کی عصمت وطہارت پر دلیل محکم ہے۔ آپ کے والد ماجد حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں، دادا محترم جناب ابو طالب، پردادا سید القریش حضرت عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب ابن مرہ بن کعب ابن لوی ابن غالب ابن فہر بن مالک ابن نضر بن کنانہ ابن خزیمہ ابن مدرکہ ابن الیاس ابن مضر بن نزار بن معد ابن عدنان ہیں۔ جناب عباسؑ کا شجرہ نسب اتنا طیب وطاہر ہے کہ آپ کے بزرگوں میں کسی نے بت پرستی نہیں کی، نہ کبھی جھوٹ بولا نہ ان کی نسل سے کوئی مشرک تھا اور نہ ان سے گناہ سرزد ہوئے۔ یہ ہمیشہ حق وایمان کی منزل پر فائز رہے۔ بحار الانوار، انوار محمدیہ، مدارج النبوت، سیرت حلبیہ میں مرقوم ہے کہ جناب رسالت مآبؐ کے جملہ آباء و اجداد اور مائیں پاک تھیں۔

جناب عباس علمدار علیہ السلام کا نسب نامہ باپ اور ماں دونوں کی طرف سے اعلیٰ تھا۔ علامہ کنتوی ماتمین میں لکھتے ہیں۔ ''جناب ام البنینؑ شریف ترین خاندان اور پاکیزہ و بے عیب تھیں۔ آپ کا نسب نہایت اعلیٰ تھا۔ آپ کے اجداد جوانمردی اور بردباری وشرافت میں یکتائے زمانہ تھے۔''

جناب عباس علیہ السلام کے شجرہ نسب سے آپ کی عصمت وطہارت کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ علامہ دربندی اسرار الشہادۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔ ''زیارت کے بعض فقروں سے جو آئمہ معصومین میں سے مروی ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عباسؑ معصوم اور علم لدنی کے مالک تھے۔

جناب عباسؑ کی عصمت اور سر بلندی کا لقب ''عبد صالح'' وہ اعزاز ہے جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے عطا فرمایا۔ ابو حمزہ ثمالی سے مروی ہے کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے زیارت میں ارشاد فرمایا۔ ؟؟ اے عبد صالح، اے اللہ، رسول اللہؐ، امیر المومنینؑ حسن مجتبیٰؑ اور حسینؑ شہید کربلا صلوات اللہ علیہم کے سچے اطاعت گزار آپ پر میرا سلام ہو۔'' یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اذان میں پانچ مرتبہ تشہد کے بعد السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و بر کاتہ کے بعد السلام و علینا و علیٰ عباد اللہ الصالحین کہتے ہیں تو اس میں حضرت عباسؑ کے حضور سلام بھیجتے ہیں۔ اس لیے کہ آپ محمدؐ و آل محمدؐ کے ساتھ اس فضیلت کے مستحق ہیں۔ جناب عباسؑ عصمت و طہارت کی اس منزل پر ہیں کہ آپ کے روضہ اطہر کی زیارت کا حکم ہے۔ مزار البحار میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں۔ ''حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت سے فارغ ہونے کے بعد زائر کے لیے لازم ہے کہ وہ حضرت عباسؑ کے روضہ اطہر پر جائے اور خود کو مرقد مقدس پر گرا دے اور اسے بوسہ دے پھر عرض کرے۔ اے دین خدا کے معاون و مددگار! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ اے علی ابن ابی طالبؑ کے فرزند، آپ پر میرا سلام ہو، اے حسینؑ مظلوم کے مددگار! آپ پر میرا سلام ہو۔ اے عباس ابن علیؑ آپ پر میرا سلام اس وقت تک پہنچتا رہے جب تک میرے جسم میں سانس ہے۔ جناب عباسؑ کے روضہ انور کی زیارت کی بڑی فضیلت ہے۔ آپ کے روضہ پر حاضری سے قبل تمام آئمہ کی زیارت کی طرح طہارت کا ہونا ضروری ہے۔ حرم میں داخل ہونے سے قبل دعائے اذن پڑھنا چاہیے۔ آپ کے روضہ انور کی زیارت دیگر آئمہ کی زیارت کا درجہ رکھتی ہے۔ علامہ شیخ مفید، علامہ ابن طاؤس اور ابو مشہدی تحریر فرماتے ہیں۔ ''جناب عباسؑ کے روضہ اقدس کے حرم میں داخل ہونے سے قبل دعائے اذن پڑھی جائے اور قبر مطہر پر خود کو گرا کر کہے۔ ''السلام علیک ایھا العبد الصالح۔''

جنگ صفین میں حضرت عباسؑ

جنگ جمل کے اثرات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے معاویہ بن ابو سفیان نے شام میں حضرت علیؑ کے گورنر سہل بن حنیف کو نکال دیا تو انہوں نے حضرت علیؑ سے شکایت کی۔ حضرت علیؑ نے ان کی بحالی کے لیے خطوط لکھے لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔ آپؑ کے خلاف معاویہ بن ابی سفیان اور اس کے شامی ساتھیوں نے خروج کیا۔ حضرت علیؑ کو جب اطلاع ملی تو آپ روانہ ہوئے اور صفر ۳۷ ہجری میں صفین کے مقام پر دونوں

لشکروں کا سامنا ہوا۔ معاویہ بن ابی سفیان کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار (۱۲۰۰۰۰) اور حضرت علیؑ کے لشکر کی تعداد نوے ہزار (۹۰۰۰۰) تھی۔ معاویہ بن ابی سفیان کے لشکر نے صفین میں دریا پر قابض ہو کر بندوش آب کر دی اور کئی ہزار فوجی پہرے پر متعین کر دیے تاکہ حضرت علیؑ کے لشکر تک پانی نہ پہنچنے پائے، اس صورت حال کے پیش نظر حضرت علیؑ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے ایک نہایت فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جسے ''خطبہ حمایہ'' کہتے ہیں۔ اس خطبہ میں آپؑ نے دریا کا قبضہ واگزار کرنے کی ترغیب فرمائی۔ یہ وہ وقت تھا جب آپ کے لشکر کو قلت آب کا سامنا تھا۔

ان حالات میں حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرات پر قابض فوجیوں سے نبرد آزما ہونے کی اجازت طلب فرمائی۔ اجازت ملنے پر نواسہ رسولؐ نے گھڑ سواروں کے ایک دستہ کے ہمراہ دریا کا رخ کیا۔ اس وقت آپ کے قوت بازو حضرت عباسؑ آپ کے ساتھ تھے، جب دشمن کا لشکر حائل ہوا تو آپ نے ان پر حملہ کیا، یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ دشمن کے لشکر نے راہ فرار اختیار کی۔ حضرت امام حسینؑ اور حضرت عباسؑ اپنے دستہ کے ساتھ فرات میں اترے۔ دریا سے قبضہ چھڑانے کے بعد کسی کو پانی کے حصول سے نہیں روکا۔

اس جرأت مندانہ اقدام کے وقت حضرت عباس علیہ السلام کی عمر ۱۱ برس تھی۔ اس کم عمری کے باوجود آپ نہایت قوی، جری اور طویل قامت تھے۔

جنگ صفین میں جنابِ عباسؑ کی مبارزت

جنگ صفین میں جناب عباسؑ نے کم سنی کے باوجود جس جرأت سے میدان کارزار میں شجاعانِ عرب کو شکست پا کیا اس پر بڑے بڑے نامور جنگجو حیران تھے۔ دراصل شجاعت آپ کو حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے وراثت میں ملی تھی۔ محرق القلوب میں مرقوم ہے کہ حضرت عباسؑ نے اکثر بہادران عرب کو قتل کیا تھا اور بہت سی جنگوں میں لوائے ظفر بلند کیا تھا۔

جب جناب عباس علیہ السلام میدان صفین میں تشریف لائے تو آپ کے چہرے منور پر نقاب تھی، لوگ حیران تھے کہ نہ جانے یہ کون جوان ہے جو فاتحانہ انداز سے آگے بڑھ رہا ہے۔ اس موقع پر لشکر اعدا پر ایسا خوف طاری تھا کہ بڑے بڑے پہلوان مقابلہ کرنے سے کترا رہے تھے۔ معاویہ بن ابو سفیان نے اپنے لشکر کے ایک نامور پہلوان ابو الشعثاء کو مقابلہ کے لیے آمادہ کرنا چاہا تو اس نے نہایت تکبر سے کہا میرے خیال میں یہ کوئی نوخیز جوان ہے۔ اس کے مقابلے میں، میں نہیں جاؤں گا بلکہ اپنے سات بیٹوں میں سے

ایک کو بھیجتا ہوں، جو اس جوان کے لیے کافی ہوگا۔ میں تو وہ ہوں جسے اہل شام ایک ہزار گھڑ سواروں کے مقابلے کے لیے لائے ہیں۔ اس گفتگو کے بعد اس نے اپنے بیٹے کو مقابلے کے لیے روانہ کیا تو جناب عباسؑ نے اس کو نہایت سرعت سے فی النار کر دیا۔ یہاں تک کہ اس کے تمام بیٹے جناب عباسؑ کے ہاتھوں مارے گئے۔ اپنے بیٹوں کی ہلاکت پر ابوالشعثاء نہایت غیض کے عالم میں میدان میں آیا اور متکبرانہ انداز میں کہا: میں ہر حال میں اس نوجوان کے ماں باپ کو اس کی کم سنی کی موت پر رلا کر دم لوں گا۔ یہ بڑی تیزی سے آپ کی طرف بڑھا لیکن جب تلوار سے وار کرنا چاہا تو تلوار اٹھانے کی مہلت بھی نہ ملی اور شیر خداؑ کے وارث شجاعت فرزند نے آن واحد میں اسے اس کے سات بیٹوں کے ساتھ ملحق کر دیا۔ آپ کی اس جرأت کا مشاہدہ کرنے کے بعد لشکر اعداء پر ایسا خوف طاری ہوا کہ کسی میں مقابلہ کرنے کی جرأت نہ رہی۔ آپ کی اس جرأت پر دشمن اور دوست سب حیران تھے، جب آپ میدان سے لوٹے تو جناب امیر المومنینؑ کے اہل لشکر مرحبا کہتے ہوئے استقبال کے لیے آگے بڑھے، اس وقت جناب امیر المومنینؑ نے آپ کو داد شجاعت دی اور جب رخ انور سے نقاب ہٹائی تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ تلوار کی یہ کاٹ کسی اور کی نہیں بلکہ فرزند اسد اللہ کے فرزند قمر بنی ہاشم کی تھی۔

تحفہ یوسفیہ کے مطابق جنگ صفین میں محمد حنفیہ جنگ کرنے کے بعد جب میدان کارزار سے پلٹے تو حضرت امیر المومنینؑ نے ایک بار پھر حکم جہاد دیا۔ اس موقع پر محمد حنفیہ نے عرض کی۔ بابا جان! آپ مجھ کو امر جہاد بجالانے کو کہتے ہیں اور حسنینؑ کو حکم جہاد نہیں فرماتے۔ آپؑ نے ارشاد فرمایا۔ اے فرزند تم میرے بیٹے ہو اور حسنینؑ فرزند رسولؐ ہیں۔ یہ کلام حضرت امام حسین علیہ السلام نے سنا تو پدر بزرگوار سے جنگ کی اجازت چاہی۔ ریاض القدس میں مرقوم ہے کہ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کی طرف سے اجازت نہ ملنے پر سید الشہداء امام حسین علیہ السلام نے التماس و التجا کی کیونکہ امیر المومنینؑ علم امامت کے تحت باخبر تھے کہ فرزند رسول کو اس جنگ میں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔ لہٰذا آپ نے اجازت دے دی۔ جب حضرت امام حسینؑ عازم جنگ ہوئے اور آپ کے بھائیوں کو خبر ہوئی تو آپس میں کہا اللہ اللہ ہم بیٹھے رہیں اور حسین فرزند فاطمہ عازم جنگ ہوں۔ لہٰذا سب بھائی حضرت امام حسینؑ کے ہمرکاب ہوئے۔ تحفہ یوسفیہ کے مطابق اصحاب حضرت امیر المومنینؑ کا بیان ہے کہ ناگاہ ایک سوار برق رفتار ایک سمت سے ظاہر ہوا لیکن یہ نہ پتا چل سکا کہ وہ کون ہے، دیکھتے ہی دیکھتے وہ لشکر شام کی صفوں میں در آیا۔ اس جری کے ہاتھ میں نیزہ تھا۔ اس نے کمال شجاعت سے نیزہ کو حرکت دی اور جو بھی سامنے تھا جلے سے نیزہ کی انی پر اٹھا کر پھینک دیا، یہاں تک کہ

مختصر وقت میں نوے (۹۰) اشقیاء کو واصل جہنم کیا۔ یہ دلیرانہ انداز جنگ دیکھ کر لشکر مخالف میں غل تھا کہ یہ دلیر کون ہے، معلوم ہوا کہ یہ قمر بنی ہاشم فرزند حیدر کرار شیروں کے شیر حضرت عباسؑ پروقار ہیں۔

جناب ابوالفضل العباسؑ اپنی شجاعت، رعب اور کلائی کی سرعت کے سبب ضیغم کے لقب سے مشہور ہوئے۔ کتاب کبریت احمر میں ہے کہ حضرت عباسؑ جنگ صفین میں اپنے والد گرامی حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ شریک ہوئے اور اس زمانے میں مشہور سورماؤں کو اپنی تلوار سے گھائل کیا۔ اس موقع کی مناسبت سے آپ ضیغم کے لقب سے مشہور ہوئے۔

جنگ صفین میں جنابِ عباسؑ کی پیاس

فضائل الشہداء کے مطابق جنگ صفین میں حضرت عباسؑ پر پیاس کا غلبہ ہوا تو اپنے پدر بزرگوار حضرت امیرالمومنینؑ کی خدمت میں عرض کی۔ بابا! پیاس ہلاک کیے دیتی ہے۔ حضرت امیرالمومنینؑ نے ایک جام آب اپنے نورِ نظر کے لیے مہیا فرمایا۔ جناب عباسؑ پانی پی کر اللہ کا شکر بجالائے۔ جب پانی پی چکے تو دیکھا کہ حضرت امیرالمومنینؑ گریہ فرمارہے ہیں۔ آپ نے عرض کی۔ بابا جان اس موقع پر اس قدر گریہ کا سبب کیا ہے؟ فرمایا: اے فرزند تمہاری پیاس نے مجھے ایک اور آنے والے وقت کی پیاس کی یاد دلادی جس میں دریا کی روانی کے باوجود تمہارے لبوں تک ایک قطرہ پانی نہ پہنچ سکے گا۔ یہ سن کر جناب عباسؑ نے عرض کیا وہ کون سا زمانہ ہوگا۔ جناب امیرالمومنینؑ نے فرمایا۔ اے میرے فرزند وہ ۶۱ ہجری کا زمانہ ہوگا۔ جناب عباسؑ نے دریافت کیا بابا۔ کیا اس وقت آپ نہ ہوں گے۔ آپؑ نے بتایا۔ بیٹا اس وقت میں نہ ہوں گا۔ جناب عباسؑ نے دریافت کیا کیا اس وقت بھائی حسنؑ اور حسینؑ ہوں گے۔ آپؑ نے فرمایا۔ اے میرے لعل اس وقت حسنؑ تو نہ ہوں گے لیکن تمہارے آقا حسینؑ ہوں گے اور وہ بھی تمہارے ساتھ پیاسے ہوں گے۔ جناب عباسؑ نے عرض کیا۔ بابا اس وقت ہماری کون سی ایسی خطا ہوگی کہ ہم پر بندش آب ہوگی اور دریا کی موجوں کے باوجود ہم پیاسے ہوں گے۔ امیرالمومنینؑ نے فرمایا۔ بیٹا تم بے خطا ہوگے، تم رفاقت حسینؑ میں پیاسے رہو گے۔ جناب عباسؑ نے معلوم کیا کیا فرزند رسولؐ میرے آقا حسینؑ پر بھی پانی بند ہوگا۔ امیرالمومنینؑ نے فرمایا۔ بیٹا، حسینؑ اور ان کے اصحاب واقربا اور چھوٹے بچے بھی پیاسے شہید کیے جائیں گے اور یہ ظلم وستم کرنے والے وہی لوگ ہوں گے جو آج تمہارے سامنے ہیں۔ یہ دردانگیز خبر سن کر جناب عباسؑ نے عرض کی۔ بابا اس وقت ہمارا کیا فرض ہوگا؟ امیرالمومنینؑ نے فرمایا۔ بیٹا اس وقت تم اپنی جان فرزند رسولؐ اور اہل بیت پر نثار کردینا۔

جنگ نہروان میں حضرت عباسؑ کی جرأت

جنگ صفین کے بعد ایک گروہ نے حضرت علی علیہ السلام کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا اور ۱۰ ر شوال المکرم ۳۷ ر ہجری کو نہروان میں جمع ہو کر تخریبی کارروائیاں شروع کر دیں۔ حضرت امیر المومنینؑ نے ان کی سرکوبی کے لیے نہروان کا رخ کیا۔ بغداد سے چار فرسخ کے فاصلہ پر معرکہ پیش آیا۔ باغیوں کی تعداد بارہ ہزار تھی، بعد میں ان میں انتشار پیدا ہوا تو یہ تعداد چار ہزار رہ گئی۔ جب یہ مقابل آئے تو سب قتل ہو گئے، صرف نو افراد باقی بچے اس جنگ میں مشہور خارجی ذوالثدیہ بھی مارا گیا۔

اس جنگ میں حضرت امیر المومنینؑ نے جناب عباسؑ کو گھڑ سواروں کے ایک دستے کے ہمراہ پل کی حفاظت پر مامور فرمایا تا کہ کوئی خارجی پل سے گزر نہ سکے۔ یہ پل جنگی نقطہ نظر سے بہت اہمیت رکھتا تھا۔ آپ نے نہروان کے معرکہ میں اپنی ہاشمی شجاعت کو منوایا تھا۔ لشکر خوارج میں سے کوئی بھی پل کو عبور نہ کر سکا۔ جب بھی کوئی پل کی جانب بڑھنے کی کوشش کرتا تو جناب عباسؑ کی تلوار ان کے سامنے حائل ہو جاتی اور آپ کے رعب و دبدبے کے سبب کسی میں پل عبور کرنے کی جرأت نہ تھی۔ اس طرف رخ کرنے والا فرار میں اپنی عافیت جانتا۔

جب دوران جنگ وقت نماز آیا تو حضرت امیر المومنینؑ نے وضو کے لیے پانی طلب فرمایا۔ جس وقت آپ وضو کرنے میں مصروف تھے تو ایک گھڑ سوار آیا اور یہ خبر دی کہ اے امیر المومنینؑ! جس پل کی حفاظت پر جناب عباسؑ اپنے دستے کے ساتھ مامور تھے، اس پر خوارج نے قبضہ کر لیا ہے۔ مخبر کی اس خبر پر امیر المومنینؑ نے نہ وضو سے سر اٹھایا اور نہ اس خبر کو کوئی اہمیت دی۔ کیونکہ آپ کو علم تھا کہ پل پر عباسؑ جیسے جری کو تعینات کیا ہے، جن کی تلوار کی کاٹ سہنے کی خوارج میں ہمت نہیں۔ امیر المومنینؑ کے پیش نظر وہ حدیث رسول تھی جس میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ "اے علیؑ خوارج کا فتنہ اٹھے گا اور وہ جنگ کریں گے، ان کے اترنے کا مقام یہ ہوگا اور ان کا انجام بد ہوگا اور اے علیؑ یہ تمہارے ہاتھوں شکست خوردہ ہو کر واصل جہنم ہوں گے۔" یہ حدیث بیان کرنے کے بعد فرمایا۔ "نہ میں نے جھوٹ بولا ہے اور نہ مجھے خبر دینے والے رسولؐ نے جھوٹ بولا ہے۔"

حضرت امیر المومنینؑ کی اس گفتگو کو سن کر وہاں موجود لوگوں کو بہت تعجب ہوا۔ ان لوگوں کے درمیان ایک ایسا شخص بھی موجود تھا جس نے آپؑ پر شک کیا اور اس نے کہا، ٹھیک ہے اس بات سے علیؑ کے حق پر ہونے کو پہچان لیتے ہیں، اگر آپؑ کی بات سچ ثابت ہوئی تو پھر کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ کچھ دیر بعد گھڑ سوار آیا اور اس نے کہا: اے امیر المومنینؑ آپ نے جیسا فرمایا تھا ویسا ہی ہوا، واقعی خوارج نے پل عبور

نہیں کیا۔ جناب عباسؑ کی اس جرأت پر جو آپ نے پل کی حفاظت پر پیش فرمائی ہر طرف سے مرحبا کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

شہادت امیر المومنینؑ اور حضرت عباسؑ

جواہر العقدین میں حسین بن کثیر نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام ایک رات حضرت امام حسنؑ اور ایک رات حضرت امام حسینؑ اور ایک رات جناب عبداللہ بن جعفر کے یہاں روزہ افطار فرماتے تھے۔ آپؑ تین لقموں سے زیادہ تناول نہ فرماتے تھے۔ آپؑ فرماتے تھے۔ میں اس بات کو دوست رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کروں کہ میرا پیٹ خالی ہو۔ جس رات کی صبح آپ قتل کیے گئے اس رات آپ بار بار باہر تشریف لے جاتے تھے اور آسمان کی طرف دیکھتے تھے اور فرماتے تھے۔ خدا کی قسم نہ میں نے کبھی جھوٹ بولا اور نہ میری بات جھوٹ ثابت ہوئی، یہ رات وہی معلوم ہوتی ہے جس کا مجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ جب سحری کا وقت نمودار ہوا تو آپ باہر تشریف لے گئے۔ بطخوں نے چلانا شروع کیا، تو آپؑ نے فرمایا۔ یہ نوحہ اور بین کر رہی ہیں۔ جب آپؑ انیسویں رمضان المبارک کی رات کو نماز فجر کی ادائیگی کے لیے مسجد تشریف لائے تو ابن ملجم لعین نے زہر آلود تلوار سے آپؑ کی پیشانی اقدس پر اس حالت میں وار کیا جب آپ سجدے میں تھے۔ ضرب کے لگتے ہی آسمان سے آواز آئی، الاقتل لامیر المومنینؑ۔ ''آگاہ ہو امیر المومنینؑ قتل ہو گئے۔'' حضرتؑ نے سر کے زخم پر مٹی ڈالی اور فرمایا: ''خدا کی قسم میں کامیاب ہو گیا اور حیات ابدی پالی۔''

تاریخ الامامت والسیاست میں ہے کہ آپ کو ایسے زہر سے بجھی ہوئی تلوار سے زخمی کیا گیا تھا کہ یہ زہر سارے اہل مصر کے لیے کافی تھا۔ آپؑ نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے اسی حنوط سے حنوط کیا جائے۔ جو آپؑ کے پاس جناب رسول اکرمؐ کے حنوط میں سے کچھ بچا ہوا تھا۔ مرقات الایقان میں ہے کہ آپؑ نے اپنی تمام اولاد و ازواج کو حضرت امام حسنؑ کے سپرد فرمایا۔ ماتمین کی روایت کے مطابق حضرت عباسؑ کو حضرت امام حسینؑ کے حوالے کیا اور فرمایا۔ یہ تمہارا غلام ہے، کربلا میں کام آئے گا۔ علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ امیر المومنینؑ نے حضرت عباسؑ اور دیگر اولاد کو جو بطن جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا سے نہ تھی طلب فرما کر ارشاد فرمایا: ''میں تمہیں اس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ تم فرزندان رسول الثقلینؐ حضرت حسنؑ اور حسینؑ کی ہمیشہ نصرت کرنا، میں تم سے رخصت ہوتا ہوں۔ خدا تمہیں صبر عطا فرمائے۔

خلاصۃ المصائب، فضائل الشہداء، ریاض القدس، ماتمین اور مرقات الایقان کے مطابق جناب ام البنین نے جب دیکھا کہ حضرت امیر المومنینؑ نے اپنے سب فرزندوں کو حضرت امام حسن علیہ السلام کے سپرد فرمایا ہے لیکن میرے نور نظر عباسؑ کو کسی کے حوالے نہیں کیا، تو آپ بے حد پریشان و غمگین ہوئیں اور عرض کیا۔ میرے سرتاج و آقا کیا اس ناچیز کنیز سے کوئی خطا سرزد ہوگئی ہے، یا حسنینؑ کے خادم عباسؑ سے کوئی قصور ہوا ہے جو آپ نے سب بیٹوں کو حضرت امام حسنؑ کے سپرد فرمایا اور عباسؑ کو کسی کے حوالے نہیں کیا، یہ سوچ کر میرا دل بے چین ہے۔ حضرت ام البنین کی یہ گفتگو سن کر حضرت امیر المومنینؑ آب دیدہ ہوئے اور فرمایا: اے ام البنین اگر تم اس راز سے آگاہ ہوتیں تو یہ سوال نہ کرتیں۔ اتنا فرما کر آپؑ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو قریب بلایا اور حضرت عباسؑ کو طلب فرمایا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے دست مبارک میں حضرت عباس علمدارؑ کا ہاتھ دیکر ارشاد فرمایا: بیٹا یہ تمہارے سپرد ہے۔ میں اسے تمہاری غلامی میں دیتا ہوں۔ پھر حضرت عباسؑ سے فرمایا۔ بیٹا یہ تمہارے آقا ہیں۔ ان کی رفاقت اور نصرت تمہارا فرض ہے۔ جب یہ کربلا کے میدان میں نرغہ اعدا میں گھر جائیں گے تو ان کی مدد کرنا۔

حضرت امیر المومنینؑ وصیت سے فارغ ہونے کے بعد خالق کائنات کی بارگاہ میں روانہ ہوئے۔ اس وقت اہل بیتؑ میں گریہ و ماتم برپا تھا۔ کوفہ کی در و دیوار سے صدائے گریہ بلند تھی۔ ملا محمد حسین واعظ تحریر فرماتے ہیں۔ اس وقت جناب عباسؑ فرط غم سے نڈھال و مضطرب تھے اور اپنے سر کو بار بار دیوار خانہ سے ٹکراتے اور گریہ کرتے تھے۔

واقعہ کربلا کا پس منظر

تاریخ میں جتنے بھی واقعات وحالات گزرے ہیں ان کے اسباب ضرور ہوتے ہیں۔ بقول شاعر

وقت کرتا ہے پرورش برسوں حادثہ ایک دم نہیں ہوتا

دنیا میں جب کبھی کوئی حادثہ یا معرکہ پیش آتا ہے اس کا پس منظر ضرور ہوتا ہے، حق و باطل کے معرکے کا آغاز جناب آدم علیہ السلام کے دنیا میں تشریف لانے کے ساتھ ہی شروع ہوگیا۔ جناب ہابیل کو قابیل نے قتل کیا۔ جناب ہابیل نہایت صالح اور حق گو تھے جبکہ قابیل آپ کے برعکس نہایت حریص اور ظالم تھا۔ یہ دونوں حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے تھے، قابیل کا پیشہ کھیتی باڑی تھا اور ہابیل بکریاں پالتے تھے۔ دونوں نے نذر مانگی۔ قابیل نے نذر میں نہایت ردی چیز رکھی جبکہ جناب ہابیل نے سب سے بہتر بکری جو آپ کے

ریوڑ میں تھی رکھی۔ قابیل کی نذر قبول نہ ہوئی جبکہ جناب ہابیل کی نذر قبول ہوئی جس کے سبب قابیل کو حسد ہوا اس وقت جناب آدم علیہ السلام حج کو گئے ہوئے تھے۔ قابیل نے موقع پاکر جناب ہابیل کو قتل کر دیا اور لاش کو لیے پھرتا رہا۔ آخر اس نے ایک کوئے سے دفن کرنے کا طریقہ سیکھا۔ قرآن مجید کی پانچویں سورت میں اس واقعہ کا تفصیلی ذکر ہے۔

قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے کئی واقعات مرقوم ہیں، جن میں حق و باطل کے معرکے پیش آئے لیکن تمام واقعات میں قدر مشترک یہ ہے کہ فتح ہمیشہ حق کی ہوئی۔

حضرت امام حسینؑ کے زمانے میں جو حالات تھے ان سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے تقریباً بیس سال کے حالات و واقعات جو ۴۰ تا ۶۰ ہجری پیش آئے ان کا بغور مشاہدہ فرمایا۔ آپ جانتے تھے کہ عراق کے جو لوگ حضرت علیؑ کی اطاعت کا دم بھرتے تھے وہ سچے دل سے ان کے ساتھ نہ تھے ان میں اکثر بے وفا تھے۔

حضرت امام حسینؑ کو یہ معلوم تھا کہ بنو امیہ کے دور حکومت میں بے دریغ دولت صرف کر کے حکومت کے استحکام کیلئے لوگوں کو خریدا گیا اور خاندان بنو ہاشم کی برگزیدہ ہستیوں سے مقابلہ کرنے میں مال و دولت ہی کو اپنا سب سے بڑا ذریعہ اور سہارا سمجھا گیا۔ اہل بیت رسولؐ کو راہ سے ہٹانے کے لئے ارکان سیاست نے رشوت، مکر و فریب، قتل و غارت گری کو اپنا سہارا بنایا۔ حضرت امام حسینؑ نے اس بات کا بھی مشاہدہ کیا تھا کہ اس دور کے افسران بالا نے اپنے اختیارات کا صحیح استعمال نہیں کیا وہ عوام الناس پر کسی ظلم سے دریغ نہیں کرتے تھے حضرتؑ نے وہ وقت بھی دیکھا تھا جب آپؑ کے والد گرامی قدر حضرت علیؑ راہ حق میں اپنے چند اصحاب باوفا کے ساتھ بحیثیت ہادی و رہنما تنہا نظر آتے تھے۔

حضرت امام حسینؑ کے اس زمانے کے حالات سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ آپؑ کی اس زمانے کی زندگی کا زیادہ تر حصہ خاموشی اور گوشہ نشینی میں بسر ہوا۔ اس دور میں نہ آپؑ نے کسی سیاسی گروہ سے رابطہ کیا اور نہ حکومت کے حصول کیلئے کوئی منصوبہ بنایا اگر آپ کو دنیاوی حکومت کی تمنا ہوتی تو دستور زمانہ کے مطابق آپؑ بھی اس بیس سالہ عرصہ میں لوگوں کو حکومت کے حصول کے لئے آمادہ کر سکتے تھے اس لئے کہ آپ کا بحیثیت نواسہ رسولؐ اور صاحب علم و فراست نہایت بلند مقام تھا لیکن آپؑ نے ایسا نہ کیا اس کی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ آپؑ کے پیش نظر کربلا کا وہ واقعہ تھا جس کے متعلق آپ کے نانا جناب رسولؐ خدا نے آپؑ کو آگاہ کر دیا تھا لہٰذا آپ کی نظر میں دنیاوی اقتدار سے کہیں زیادہ مستحکم اور دائمی منزل تھی جس کا تعلق بقائے دین سے تھا اس طرح آپ نے راہ خدا پر گامزن ہونے والوں کی تاریخ میں ایک عظیم باب کا اضافہ فرمایا

اور راہِ حق میں سب کچھ قربان کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار تھے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ "حق اگرچہ گراں نظر آتا ہے لیکن اس کے اثرات (و نتائج) نہایت مفید ہوتے ہیں اور باطل گو کہ ہلکا نظر آتا ہے لیکن اس کے اثرات (ونتائج) وبا پذیر ہوتے ہیں۔" اس قول کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے دین اسلام کے لیے جو عظیم قربانی راہ خدا میں پیش کی اس کے اثرات آج تک نمایاں ہیں کہ دنیا کے کونے کونے میں آپ کا ذکر قائم ہے اور شہیدوں کی یاد منائی جاتی ہے۔ عراق وشام میں ایام عزا میں کروڑوں عزاداروں کی موجودگی آپ کی روحانی اور حقیقی فتح کا اعلان ہے۔ جبکہ یزید اور اس کے کارندے بے نام ونشاں ہو گئے۔ اس کا تخت وتاج زمیں بوس ہو گیا اور یزید ظلم وجبر اور باطل کا سیاہ داغ بن کر ظاہر ہو رہا ہے اور یہ ہمیشہ کے لیے لعنت کا مستحق قرار پایا۔ طاغوتی قوتیں ہمیشہ حق سے برسرِ پیکار رہیں لیکن ان کو بدنامی اور لعنت کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوا جبکہ صاحبان راہ حق سرخرو ہوئے اور بارگاہ خداوندی میں ان کی قربانیاں قبول ہوئیں۔ اسکی مثال انبیاء و صالحین ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں نہایت واضح الفاظ میں کیا گیا ہے۔

حق وصداقت کی تعلیم اور ترویج حق کے لیے دنیا میں پیغمبر ورسول بھیجے جنہوں نے ہدایت کے چراغ روشن کیے، اسی طرح جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احکام الٰہی لے کر آئے اور تبلیغ اسلام کے لیے مامور ہوئے۔ آپؐ جب دنیا میں تشریف لائے تو ہر طرف کفر کی تاریکیاں پھیلی ہوئی تھی۔ جہالت کے اندھیرے چھائے ہوئے تھے اور انسانیت سسک رہی تھی۔ بوسیدہ قبائیلی نظام نے عوام الناس کو اپنی غلامی میں جکڑا ہوا تھا، دنیا میں خصوصاً عرب میں بوسیدہ عقائد کا جال بچھا ہوا تھا، بت پرستی، آتش پرستی، آفتاب و ماہتاب کی پوجا، درختوں اور جانوروں کے سامنے سرنگوں ہونا، یہ وہ زمانہ تھا جب ہر طاقتور شے کے سامنے انسان بے بس نظر آتا تھا۔ ان پر آشوب حالات میں پروردگار عالم نے اپنے محبوب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا میں دین اسلام کی تبلیغ کے لیے معین فرمایا۔ آپ کو نبوت ورسالت سے مزین فرمایا اور علم لدنی سے سرفراز کیا تا کہ آپؐ دنیا کو تاریکی سے نکال کر ایمان کی روشنی میں زندگی گزارنے کے قابل بنائیں۔

جب آپؐ نے بحکم خدا اعلان نبوت فرمایا تو باطل کی تمام قوتیں آپ کی مخالف ہو گئیں۔ اس کٹھن وقت اور دشوار گزار راہوں سے گزرنے کے لیے حضرت ابوطالبؑ جیسے محسن اسلام اور محافظ رسول کی ضرورت تھی۔ لہٰذا حضرت ابوطالبؑ نے جناب رسالت مآبؐ سے یہ عرض کیا کہ اے میری جان وروح بھتیجے آپ تبلیغ فرمائیں، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ جب کفار مکہ نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راہ حق سے ہٹانے کے

لیے دشمنی کا آغاز کیا تو جناب ابوطالبؑ نے گروہ کفار پر واضح کر دیا کہ میرے ہوتے ہوئے کسی کی کیا مجال جو آپؐ کو تبلیغ سے ہٹا سکے۔ جناب ابوطالبؑ حبیب خدا کے سچے محب تھے۔ جناب ابوطالب کے فرزند حضرت علی علیہ السلام اپنے والد گرامی کی طرح جناب رسالت مآبؐ کی تبلیغ میں شریک کار رہے دعوت ذوالعشیرہ ہو یا ہجرت مدینہ حضرت امیر المومنینؑ ہر موقع پر جناب رسالت مآبؐ کے شانہ بہ شانہ نظر آتے ہیں۔

جب اسلام کی روشنی پھیلنے لگی اور قبائل اسلام کی طرف مائل ہونا شروع ہوئے تو باطل قوتیں یکجا ہونا شروع ہوئیں اور جنگجو فطرت قبائل نے جنگ وجدال کا آغاز کیا، لیکن جناب رسالت مآبؐ کے زمانے میں جتنی بھی جنگیں ہوئیں ان میں آپؐ نے دفاعی جہاد کا اعلان فرمایا، خصوصاً ابتدائی جنگوں میں جنگ بدر، احد، خندق وخیبر واقع ہوئیں، تمام معرکوں میں علم داری کا شرف حضرت امیر المومنینؑ کو حاصل ہوا اور یداللہ کی شمشیر کی ضرب سے دشمنان اسلام پسپا ہوئے لیکن ان جنگوں کے نتیجے میں جو کفار ہلاک ہوئے ان کے اعزاء نے جب اسلام قبول کیا تو وہ اپنے بزرگوں کا قاتل حضرت امیر المومنینؑ کو سمجھتے ہوئے آپؑ سے دشمنی پر اتر آئے اور ہمیشہ اس موقع کی تلاش میں رہے کہ کب وہ وقت آئے کہ یہ حضرت امیر المومنینؑ سے اپنے اعزاو اقربا کے قتل کا انتقام لیں۔ آخر یہ گروہ سامنے آیا اور ان کے چہروں سے منافقت کی نقاب الٹ گئی، اور ان منافقین نے حضرت علی علیہ السلام کی اطاعت سے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ یزید بن معاویہ نے تخت خلافت کا دعویٰ کیا اور ساتھ ہی فرزند رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام سے بیعت کا اصرار کیا جو حضرت امام حسین علیہ السلام کے لیے ممکن نہ تھا کیونکہ آپؑ نے آغوش جناب رسالتؐ میں پرورش پائی تھی اور آپ دین اسلام کے حقیقی وارث تھے۔ دین کی بقاء آپؑ کے لیے اہم ترین فریضہ تھا۔ طبری کا بیان ہے کہ یزید نے ولید بن عقبہ والی مدینہ کو لکھا کہ حسینؑ سے میری بیعت لے اگر وہ انکار کریں تو ان کا سر تن سے جدا کر کے میرے پاس روانہ کر دے۔ جب ولید نے حضرت امام حسینؑ کو اپنے دارالامارہ میں بلا کر سوال بیعت کیا تو آپ نے واضح الفاظ میں بیعت سے انکار کرتے ہوئے فرمایا۔ ”مجھ جیسا یزید جیسے کی بیعت کرے یہ ممکن نہیں۔“ بیعت کا تقاضا روز بروز شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ آخر حضرت امام حسین علیہ السلام نے دین کی بقاء کی خاطر مدینہ چھوڑنے کا فیصلہ کیا اور نانا کے روضہ سے جدا ہو کر تین ماہ مکہ میں قیام فرمایا، جہاں کوفیوں نے آپؑ کو خطوط بھیجنا شروع کیے۔ یہاں تک کہ بارہ ہزار خطوط آپ تک پہنچے، جن میں مرقوم تھا کہ آپؑ تشریف لائیں، ہم آپ کی اطاعت کے لیے تیار ہیں اور آپؑ کے حکم کے منتظر ہیں، ہم یزید کے فسق و فجور سے عاجز آ چکے ہیں۔ آپ کو فہ تشریف لائیں اور ہماری ہدایت فرمائیں۔ ان خطوط میں جو آخری خط آپ کو پہنچا اس میں تحریر تھا اگر

آپ تشریف نہ لائے تو ہم سمجھیں گے کہ ہم بے امام ہیں، ہماری رہنمائی کرنے والا اب کوئی نہیں ہے۔ اس خط میں آپ کو خدا اور رسول کا واسطہ دیا گیا تھا کہ آپ بہت جلد تشریف لائیں۔ آپ نے اول حضرت مسلم کو بحیثیت سفیر حسینی کوفہ روانہ کیا جہاں اہل کوفہ نے آپ سے بے وفائی کی۔ یہاں تک کہ ابن زیاد کے ہاتھوں شہادت پائی۔ اس لعین نے نہایت بے دردی سے آپ کو قتل کرایا، جس دن حضرت مسلم کی شہادت ہوئی اسی دن حضرت امام حسینؑ مکہ سے روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ دوسری محرم کو کربلا پہنچے اور خیمے نصب ہوئے؛ یزیدی لشکر نے آل رسولؐ کو اپنے نرغہ میں لیا اور ساتویں محرم کو بندش آب شروع ہوئی اور تین دن کی بھوک و پیاس کے عالم میں حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب وعزیز واقرباء کے ساتھ شہادت پائی۔ شہیدان راہ حق میں جناب عباس علمدار علیہ السلام نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی اطاعت کرتے ہوئے بحیثیت سالار لشکر سخت ترین حالات میں حق وفا ادا کرتے ہوئے شہادت پائی۔

دس محرم نہایت ظلم واستبداد کے سائے میں گزرا، میدان کربلا میں شہیدان راہ حق کے بے گور وکفن لاشوں سے آبدیدہ تھا کہ شمر لعین نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے گلوئے اقدس پر کند خنجر چلا دیا۔ اس وقت تاریکی چھا گئی اور خیام حسینی میں بھی کہرام بپا تھا کہ خیموں میں آگ لگا دی گئی اور صاحبان عصمت و طہارت کے سروں سے چادریں نیزوں کی انیوں سے اتاری گئیں اور مال واسباب لوٹا گیا اور سر برہنہ علیؑ کی بیٹیوں کو در بدر پھرایا گیا۔ کوفہ وشام کے بازاروں میں بے ردا سیدانیاں آہ وبکا میں مصروف تھیں اور سر حضرت امام حسین علیہ السلام نیزہ طویل پر سورہ کہف کی تلاوت کر رہا تھا۔ آخر اسیران کربلا کو سات سو کرسی نشینوں کے سامنے دربار یزید میں رسن بستہ اور بے ردا لایا گیا، اس وقت یزید لعین حضرت امام حسین علیہ السلام کے دندان مبارک پر ایک چھڑی سے بے ادبی کر رہا تھا اور یہ اشعار اپنی نجس زبان سے ادا کر رہا تھا، کاش! میرے وہ بزرگ جو جنگ بدر میں مارے گئے موجود ہوتے تو دیکھتے کہ میں نے بدر واحد کے اپنے مقتولین کا کس طرح بدلہ لیا ہے اور میرے کارناموں سے وہ بے انتہا خوش ہوتے اور مجھے دعائیں دیتے کہ اے یزید تیرے ہاتھ شل نہ ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ بنی ہاشم نے ملک کے ساتھ کھیل کھیلا تھا نہ کوئی وحی آئی تھی نہ ملک کا نزول ہوا تھا، ابھی کیا ہے دنیا دیکھتی جائے گی کہ میں بنی خندف سے نہیں اگر آل محمدؐ سے بدر واحد کے کارناموں کا بدلہ نہ لے لوں۔

یزید لعین کے ان اشعار سے کربلا میں پیش آنے والے حالات کا پس منظر واضح ہوتا ہے کہ اہل بیت کی دشمنی کا آغاز اسلامی فتوحات سے شروع ہو چکا تھا اور یہ دشمنی کربلا میں انتہا پر نظر آتی ہے۔ اس سازش میں

شریک چہروں کو حضرت امام حسینؑ نے بے نقاب کر دیا اور شہادت حسینؑ نے دنیا میں انقلاب برپا کر دیا اس طرح حسینؑ محبان اہل بیت کے دلوں کی دھڑکن بن گئے اور آپؑ کی عظمت کا زمانہ معترف ہے اور آپ کا روضہ انور ساری دنیا کو دعوت حق دے رہا ہے۔ حسینؑ وہ ہیں کہ آپؑ نے اپنی شہادت سے انسانی کو جینے کا سلیقہ سکھا دیا۔

باب:٦

دربار حاکم مدینہ اور جناب عباسؑ

بحارالانوار کے مطابق معاویہ بن ابوسفیان نے ۱۵/رجب ۶۰/ہجری کو اس دنیا سے رخصت کی اور وصیت نامہ میں اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ نامزد کیا۔ ابن شہر آشوب اور بحارالانوار کے مطابق یزید نے ولید بن عقبہ بن ابی سفیان کو جو اس وقت معاویہ بن ابی سفیان کی طرف سے حاکم مدینہ تھا لکھا: ''امام حسینؑ، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر اور عبدالرحمٰن بن ابوبکر سے فوراً بیعت لے لے۔'' سرالشہادتین میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ ''جب یزید پلید مالک اور بادشاہ بنا ۶۰/ہجری میں تو اس نے بیعت لینے کے واسطے بہت سے ممالک کو خطوط لکھے اور عامل مدینہ ولید بن عقبہ کو لکھا جو مدینہ میں تھا کہ ''یہ بیعت لے حسینؑ سے لیکن حسینؑ نے انکار کیا۔ یزید کی بیعت سے اس لیے کہ یزید فاسق، شرابی اور ظالم تھا۔''

ابن خلدون کے مواقف ''معاویہ بن ابوسفیان کے مرنے کے بعد بیعت خلافت کے لیے یزید کی پوری توجہ ان لوگوں سے بیعت لینے پر تھی جنہوں نے اس کی ولی عہدی کی بیعت سے معاویہ بن ابی سفیان کے زمانے میں انکار کیا تھا۔'' کامل بن اثیر نے لکھا ہے اطلاعی خطوط کے علاوہ ایک خط اور تھا جس میں حاکم مدینہ کو تاکید کی تھی کہ ان کو نہ چھوڑنا، یہاں تک کہ بیعت کرلیں۔ اس باب میں اعثم کوفی کے مطابق یزید نے تاکید کی ''اگر وہ بخوشی بیعت کرلیں تو بہتر ہے ورنہ ان سے جبری بیعت لینا اور ان میں سے جو شخص بیعت نہ کرے اسے قتل کر کے سر میرے پاس روانہ کردو۔'' مقتل ابی مخنف، ابن شہر آشوب اور بحارالانوار میں مرقوم ہے کہ یزید نے حاکم مدینہ ولید بن عقبہ کو اس مضمون کا دوسرا خط لکھا۔ ''جس وقت تو میرا یہ خط پڑھے تو عام لوگوں سے بیعت لے اور ان چار اشخاص عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر اور حسین بن علیؑ سے خاص طور پر بیعت لینا۔ میرا یہ خط انہیں دکھانا۔ جو بیعت پر آمادہ نہ ہو تو اس کا سر خط کے جواب کے ساتھ بھیج دینا۔''

اس پرآشوب دور میں حضرت عباس علمدار علیہ السلام حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ہمہ وقت جاں نثاری کے لیے آمادہ تھے۔ جب ولید نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس اپنا قاصد بھیجا، اس وقت آپ نماز عشاء سے فارغ ہو کر تعقیبات میں مصروف تھے۔ اسی دوران قاصد نے آپ کو ولید کا پیغام پہنچایا۔ اس کے بعد آپ گھر تشریف لائے اور آپ نے خاندان کے تیس جوانوں کو تیار کیا جن کی قیادت

حضرت عباس علیہ السلام فرما رہے تھے۔ الغرض حضرت امام حسینؑ بنی ہاشم کے جوانوں کو لے کر دارالامارہ آئے اور جب دروازے پر پہنچے تو جوانوں سے فرمایا کہ تم یہاں دروازہ پر رک جاؤ، اگر میری آواز بلند ہو تو اندر داخل ہو جانا۔ مقتل لہوف کی روایت کے مطابق حضرت امام حسین علیہ السلام بنی ہاشم کے تیس نوجواں کے ہمراہ تشریف لائے اور ولید نے معاویہ بن ابی سفیان کی موت کی خبر سنائی اور یزید کی بیعت کا مطالبہ کیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے بیعت سے انکار کیا اور ارشاد فرمایا۔ "ہم اہل بیت نبوت، معدن رسالتؐ اور ملائکہ کی آمد و رفت کا مقام ہیں۔ ہمارے ذریعہ خدا نے ابتداء کی اور ہم ہی سے اختتام کرے گا۔ یزید شرابی اور نفس محترم کا قاتل ہے اور اعلانیہ فسق و فجور میں مبتلا ہے۔ مجھ جیسا اس جیسے کی بیعت نہیں کر سکتا، تم صبح تک اس بارے میں سوچو اور میں بھی غور کرتا ہوں، تم غور کرو کہ ہم میں سے کون خلافت کا زیادہ حق دار ہے۔"
مروان بن الحکم دربار میں موجود تھا۔ اس نے ولید کو اشارہ کیا کہ حضرت امام حسینؑ کو گرفتار کر لو، اگر وہ بیعت کریں تو بہتر ہے ورنہ قتل کر دو۔"

ولید کی طرف سے بیعت کا اصرار بڑھ رہا تھا اور حضرت امام حسینؑ نے واضح کر دیا کہ میرے لیے بیعت کرنا ممکن نہیں۔ اسی دوران حضرت امام حسینؑ نے بلند آواز میں گفتگو کی جیسے ہی آپؑ کی آواز بلند ہوئی۔ بنی ہاشم کے جوان حضرت قمر بنی ہاشم عباس علمدار کی قیادت میں بے دریغ تلواریں لیے ہوئے دارالامارہ میں داخل ہوئے اور حضرت امام حسینؑ کو اپنے حصار میں لیے ہوئے گھر لے آئے۔

حضرت امام حسینؑ روضہ رسولؐ پر

دربار حاکم مدینہ میں بیعت سے انکار کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام جناب عباسؑ کی قیادت میں جوانان بنی ہاشم کے ساتھ گھر تشریف لائے۔ سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔ "رات گزرنے کے بعد صبح حضرت امام حسینؑ حالات سے باخبر ہونے کے لیے گھر سے باہر تشریف لائے۔ مروان نے حضرت سے ملاقات کی اور کہا: اباعبداللہ میں آپ کا خیر خواہ ہوں، میری نصیحت کو سنیں تا کہ سعادت پائیں۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا۔ تیری نصیحت کیا ہے؟ مروان نے کہا۔ یزید بن معاویہ کی بیعت کر لیں کیونکہ یہ دنیا و آخرت کے لیے بہتر ہے۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا۔ "انا للہ و انا الیہ راجعون ۔" جب امت پیغمبر کی خلافت و بادشاہی یزید کے ہاتھوں میں ہو تو اب اسلام کو الوداع کہہ دینا چاہیے۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا۔ میں نے اپنے جد امجد رسول اللہؐ کو یہ فرماتے سنا کہ "الخلافۃ محرمۃ علیٰ آل ابی سفیان۔"

ابو سفیان کے خاندان پر خلافت حرام ہے۔ ایک طویل گفتگو کے بعد مروان غصہ کی حالت میں چلا گیا۔

بحار الانوار میں محمد بن ابو طالب موسوی کے مطابق جب یزید پلید کا خط حضرت امام حسینؑ کے قتل کی بابت ولید کے پاس پہنچا تو حضرت امام حسین علیہ السلام اس شب دولت سرا سے روضہ رسول اللہؐ پر تشریف لائے اور عرض کیا۔ ''السلام علیک یا رسول اللہ میں حسینؑ ہوں۔ آپ اپنی امت کو امانتاً میرے سپرد کر گئے تھے اور اپنا خلیفہ و جانشین بنا گئے تھے۔ آپؐ گواہ ہیں کہ ان لوگوں نے میری نصرت نہیں کی اور مجھے تنہا چھوڑ دیا اور حرمت کی کوئی رعایت نہ کی۔'' یہ فرما کر صبح تک اپنے جد بزرگوار کی مرقد پر مصروف عبادت رہے۔ آپؐ یہاں رکوع و سجود بجا لاتے رہے۔

کامل اور اعثم کوفی کے مطابق حضرت امام حسینؑ رات کو روضہ رسولؐ پر تشریف لائے۔ بقول اعثم کوفی حضرت نے فرمایا۔ ''السلام علیک یا رسول اللہؐ میں آپ کی فاطمہ کا بیٹا اور آپ کا فرزند ہوں، جس کو آپؐ نے رحلت فرماتے وقت امت کے حوالے کیا تھا اور ان کو میری حرمت اور عزت کرتے رہنے کی وصیت فرمائی تھی۔ نانا! ان لوگوں نے آپ کی وصیت کو بھلا دیا اور مجھے تنہا چھوڑ دیا۔ میں آج کی رات آپ سے آپ کی امت کی شکایت کرتا ہوں اور جب میں آپ سے ملوں گا تو تفصیل سے عرض کروں گا۔'' اس شب ولید نے ایک شخص کو حضرت کی دولت سرا پر بھیجا تاکہ دیکھے کہ حضرتؑ مدینہ منورہ سے کوچ کر گئے یا نہیں کیونکہ حضرتؑ اپنے نانا رسول اللہ کی قبر مطہر پر گئے تھے۔ لہٰذا آپؑ کو گھر میں نہ پایا اور ولید کو جا کر خبر دی کہ حضرت امام حسینؑ گھر پر تشریف نہیں رکھتے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت دولت سرا تشریف لائے۔ جب دوسری شب ہوئی تو دوبارہ روضہ رسولؐ پر تشریف لے گئے۔

مدینہ سے روانگی کی آخری شب روضہ رسولؐ پر

آخر مدینہ سے جدائی کی آخری شب آئی جب سورج اپنی آخری شعاعیں زمین پر بکھیر کر حسینؑ کی جدائی کے غم میں غروب ہو چکا تھا اور چاند اپنی مدھم روشنی دکھا کر ڈوب چکا تھا۔ رات کی تاریکی نے صحرائے عرب کو اپنے دامن میں چھپا لیا تھا۔ ہر طرف غم و اندوہ اور مصیبت و آلام کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ جب ہر طرف سناٹا چھا گیا اور ساری دنیا محو خواب ہو گئی تو یاد الٰہی میں راتیں بسر کرنے والے حسینؑ نے اس رات اپنی ماں جائی پیاری بہن حضرت زینب سلام اللہ علیہا کو مدینہ سے کوچ کی لرزہ خیز خبر سنائی۔ یہ رات مخدرات عصمت و طہارت اور خصوصاً جناب صغریٰ سلام اللہ علیہا کے لیے قیامت کی رات تھی۔ اس لیے کہ

اب حضرت علی اکبر علیہ السلام، حضرت علی اصغر علیہ السلام، جناب قاسم علیہ السلام، حضرت عون ومحمدؑ اور چچا عباس علیہ السلام سے جدائی کی گھڑی قریب تھی۔ جناب صغریٰ بار بار اپنے شیر خوار بھائی کو سینے سے لگاتی تھیں اور حسرت ویاس سے مسافران کربلا کے چہروں پر نظر جمائے ہوئے تھیں۔ بدن لرز رہا تھا اور آنکھیں مسلسل اشک بار تھیں۔

امام عرش عالی مقام نے اپنی بہن جناب زینبؑ اور بیٹی جناب سکینہؑ سے فرمایا۔ مجھے مدینہ دیکھنا نصیب ہو کہ نہ ہو، یہاں کی مقدس گلیاں اور در و دیوار پھر دیکھتا ہوں کہ نہ ہوں لہٰذا آج آخری بار نانا کے روضہ انور پر چل کر حاضری دے آئیں۔ چادر تطہیر کی پروردہ جناب زینب بنت علی مرتضیٰؑ نے سر پر چادر اوڑھی اپنے دونوں بچوں عون ومحمدؑ کو ساتھ لیا آگے آگے حضرت امام حسینؑ تھے اور ان کے پیچھے ثانی زہراء حضرت زینبؑ روانہ ہوئیں۔ شہزادہ دو عالم نے اپنی بیٹی سکینہ کی انگلی پکڑی پھر اس طرح نبی کے گھرانے کا یہ مختصر سا قافلہ روضہ رسول کی آخری زیارت کے لیے روانہ ہوا۔ ابھی خانوادہ رسالتؐ کے یہ نفوس گھر سے چلے ہی تھے کہ جناب زینبؑ کو اپنی مادر گرامی خاتون جنت جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کی وہ بات یاد آگئی جب آپ بچوں کے ساتھ اپنے والد سید کونین کی لحد اقدس پر اپنے جگر گوشوں حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کو لے کر چلی تھیں اور بی بی زینبؑ سے کہا تھا۔ "بیٹی زینبؑ جس طرح آج میں رات کی تاریکی اور تنہائی میں بابا کے روضہ کی آخری زیارت کے لیے جارہی ہوں ایک دن اسی طرح تم اپنے نانا کے مزار پر حاضر ہوگی۔ آج میرے ساتھ حسنؑ اور حسینؑ ہیں کل تمہارے ہمراہ عون ومحمدؑ ہوں گے۔"

روایت ہے کہ جناب زینب سلام اللہ علیہا نے روضہ اقدس جناب رسول خداؐ کو بوسہ دیا اور اپنی چادر روضہ اقدس سے مس کی تا کہ غریب الوطنی میں جب جی گھبرائے تو اس چادر کے دامن سے اپنے نانا کی خوشبو سونگھ کر تسکین حاصل ہو۔ لیکن افسوس کہ ظالموں نے یہ مقدس چادر بھی بی بی کے سر اطہر سے اتار لی۔ اس کے بعد جناب سکینہ نانا کے روضہ سے لپٹ گئیں اس وقت حضرت امام حسینؑ کی چیخیں بلند ہوئیں۔ مقتل لہوف اور بحار الانوار میں مرقوم ہے کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام روضہ رسولؐ پر تشریف لائے تو قبر رسولؐ پر ہاتھ رکھ کر بہت روئے۔ آپ نے حضرت رسول خداؐ کو سلام کیا اور فرمایا۔ "یارسول اللہؐ آپ پر میرے ماں باپ قربان میں مدینہ چھوڑ کر آپ کے سایہ رحمت سے اچانک جارہا ہوں میرے اور آپ کے درمیان جدائی پیدا کی جارہی ہے اور مجھے اس بات پر مجبور کیا جارہا ہے کہ میں یزید کی بیعت کروں جو شراب خور، بدکار اور فاسق وفاجر ہے۔ اگر میں یزید کی بیعت کروں تو یہ کفر ہے۔ اگر اس کی بیعت سے انکار کرتا ہوں تو یہ قتل کے

در پے ہے۔ یارسول اللہ آپ پر میرا آخری سلام ہو۔ اسی دوران حضرتؑ کی کچھ دیر کے لیے آنکھ جھپک گئی۔ آپ نے دیکھا کہ جناب رسول خدا کھڑے ہیں اور آپ پر سلام بھیج رہے ہیں اور فرمارہے ہیں۔ اے میرے فرزند تمہارے والد، ماں اور بھائی میرے پاس جنت میں ہیں اور ہم سب یہاں تمہارے مشتاق ہیں۔ اے حسینؑ ہمارے پاس آنے میں جلدی کرو اور اے میرے فرزند حسینؑ تمہارے لیے ایسا درجہ ہے جو نور الٰہی سے آراستہ ہے، جسے تم شہادت کے بغیر نہیں پاسکتے۔"

اعثم کوفی کے مطابق حضرت امام حسینؑ جب روضہ رسولؐ پر دوسری رات دوبارہ تشریف لائے تو نماز پڑھی اور مناجات کی۔ "اے اللہ یہ تیرے پیغمبر کی خاک ہے اور میں اس مٹی کا فرزند ہوں، مجھے جو حالات درپیش ہیں تو ان سے آگاہ ہے، تو میری حالت اور کیفیت سے بخوبی واقف ہے کہ میں نیکی کو عزیز رکھتا ہوں اور برائی سے بیزار ہوں۔ اے رب ذوالجلال والاکرام اس خاک پاک کے طفیل اور اس ہستی کے واسطے جو اس تربت میں مدفون ہے مجھے اپنی اور اپنے رسول کی کرامت عطا فرما۔ اس کے بعد آپ بہت روئے اور قبر مطہر پر سر رکھا۔ آنکھ جھپک گئی خواب میں نانا رسول اللہ کو دیکھا کہ ان کے چاروں طرف فرشتے جمع ہیں اور رسول اللہ نے آپ کو اپنے سینے سے لگالیا اور پیشانی پر بوسہ دیکر فرمایا۔ "اے حسینؑ تم ایسے لوگوں کے ہاتھوں شہید کیے جاؤ گے جو اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس وقت تم پیاسے ہوگے لیکن یہ ایک قطرہ پانی کا نہ دینگے۔ میرے پیارے حسینؑ تمہارے ماں باپ میرے پاس ہیں یہ تمہارے دیدار کے مشتاق ہیں اور بہشت میں تمہارے واسطے اعلیٰ درجات ہیں جو بغیر شہادت کے حاصل نہیں ہوسکتے۔ حضرت امام حسینؑ نے خواب ہی میں جواب دیا: اے نانا مجھے اپنے پاس رکھ لیجئے۔ مجھے دنیا میں جانے کی حاجت نہیں۔ حضرت رسول خدا نے فرمایا: اے حسینؑ تمہیں شہادت کی سعادت حاصل کرنا ہے۔" صاحب روضۃ الشہداء کے مطابق پھر حضرت امام حسینؑ اپنی والدہ گرامی جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا اور بھائی حضرت امام حسنؑ کی قبر مبارک سے رخصت ہوئے۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ "رات بھر حضرت امام حسینؑ ان مزارات سے وداع ہوتے رہے۔ جب حضرت امام حسینؑ جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی قبر منور پر آئے تو نہایت افسردہ تھے۔ جناب زینبؑ سرہانے کھڑی ہوگئیں اور حضرت امام حسینؑ پائنتی کھڑے ہوئے اس وقت جناب زینبؑ کی ہچکی بندھ گئی اور حضرت کی چیخ بلند ہوئی۔ جناب امام حسینؑ نے ماں کی تربت پر سر رکھ دیا اور عرض کی۔ اماں آپ کا بیٹا حسینؑ آخری سلام عرض کرنے آیا ہے۔ اماں جس حسینؑ کو آپ نے چکی پیس پیس کر پالا اور جس حسینؑ کو جبرائیلؑ نے جھولا جھلایا آج اس حسینؑ پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں۔ اماں مدینہ چھوٹ رہا

ہے، ہم آپ کی قبر سے جدا ہو رہے ہیں۔ لوگ ہمارے خون کے پیاسے ہیں۔ حضرت امام حسینؑ نے ماں کی قبر پر بہت گریہ کیا، آنسوؤں کے قطرے جب قبر پر گرے تو قبر جناب فاطمہؑ لرز گئی اور آواز آئی میرے لعل حسینؑ صبر کرو کہیں شدت غم سے قبر نہ پھٹ جائے۔

مدینہ سے روانگی

صاحب لہوف سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی مدینہ سے روانگی کے باب میں لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن زبیر حضرت امام حسینؑ کی خدمت اقدس میں آئے اور عرض کیا۔ آپ مکہ میں رہیں۔ حضرت امام حسینؑ نے ان پر واضح کیا کہ جناب رسالت مآبؐ نے جو امر انجام دینے کو فرمایا ہے میں اسے انجام دوں گا۔ ابن عباس حضرت امام حسینؑ کے گھر سے واحسینا! کہتے ہوئے باہر آئے، اس کے بعد عبداللہ بن عمر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا: "آپ کے لیے بہتر ہے کہ آپ ان گمراہ لوگوں کی اصلاح فرمائیں اور ان سے جنگ نہ کریں۔" اس پر آپؑ نے فرمایا: "تمہیں نہیں معلوم کہ یہ دنیا کی کس قدر پستی تھی کہ حضرت یحیٰؑ بن ذکریاؑ کے سر کو بنی اسرائیل کی ایک حرام کاری کی مرتکب عورت کے سامنے بطور ہدیہ پیش کیا گیا۔ لیکن تمہیں نہیں معلوم کہ بنی اسرائیل طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک ستر (۷۰) انبیاء کو قتل کرنے کے بعد اپنے دنیاوی معاملات میں اس طرح مشغول ہوئے جیسے ان لوگوں نے کوئی ظلم نہیں کیا۔ ان کے اس ظلم پر رب تعالیٰ نے انہیں سزا دینے میں جلدی نہ کی بلکہ مہلت دینے کے بعد ان سے سخت انتقام لیا۔" حضرت نے مزید فرمایا: "اے عبداللہ رب کریم کے غیض و غضب سے ڈرو اور میری نصرت کرنے میں کوتاہی نہ کرو۔"

جناب عباسؑ سے حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: "بھائی عباس سامان سفر تیار کرو، مدینہ سے جدائی کا وقت آ گیا۔" مسلسلۃ الذہب، جلاء العیون اور مجاہد اعظم کے مطابق ۲۸ رجب المرجب ۶۰ ہجری یوم سہ شنبہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباسؑ سے فرمایا کہ بھائی اب روانگی کے لیے سواریوں کا انتظام کرو۔ حضرت عباس علیہ السلام نے انتظامات شروع کر دیئے۔

اس وقت آپؑ نے چاہنے والی بہن حضرت زینبؑ سے کہا۔ "ہم مدینہ چھوڑ رہے ہیں۔ اگر عبداللہ بن جعفر اجازت دیں تو آپ بھی ساتھ چلیں۔ یہ سن کر جناب زینبؑ کی نظروں میں سفر کا نقشہ پھر گیا۔ آپ جناب عبداللہ بن جعفر کی خدمت میں تشریف لائیں۔ جناب عبداللہ اس وقت شدید بیمار تھے۔ جناب زینبؑ

نے کبھی اپنے شوہر سے کوئی سوال نہیں کیا تھا لیکن آج بھائی کی محبت سے مجبور ہو کر حضرت عبداللہ سے اجازت طلب کی۔ وہ آنسو جو بھائی کے سامنے ضبط کیے تھے نکل آئے۔ جب مدینہ سے کوچ کی خبر محلہ بنی ہاشم میں مشہور ہوئی تو مدینہ کے گھروں سے عورتیں، بوڑھے اور جوان سب بے تابی کے عالم میں گھروں سے نکل آئے، ایسا بین ہوا جیسے آج ہی رسول اللہ رخصت ہوئے اور علی مرتضیٰ شہید ہوئے ہوں اور در و دیوار سے رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

حضرت امام حسینؑ کی زیرِ نگرانی جناب عباسؑ نے قافلہ کی روانگی کے لیے تمام انتظامات مکمل کیے۔

روضۃ الشہداء کے مطابق حضرت عباسؑ نے تاجدار اسلام حضرت امام حسینؑ کو اطلاع دی کہ حضور سواریاں حاضر ہیں۔ حضرت امام حسینؑ نے مخدرات عصمت و طہارت کو حکم دیا کہ اپنی عورتوں اور مردوں سے رخصت ہو کر سوار ہونے کے لیے چلو، اور جناب ام سلمہ اور حضرت اُم البنین سے فرمایا کہ آپ دونوں میری بیٹی فاطمہ صغریٰ کے علاج کی خاطر یہیں ٹھہریں۔ علامہ حسین واعظ کاشفی روضۃ الشہداء میں لکھتے ہیں کہ اس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام کی بیٹی کی عمر سات (۷) سال تھی۔ جب مستورات عصمت و طہارت کی روانگی کا وقت آیا تو حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: اے بنی ہاشم دور ہٹ جاؤ اور اہل حرم کو راستہ دو اس وقت اصحاب حسینی نے نظریں نیچی کر لیں اور دور ہٹ گئے۔ اس دوران مخدرات عصمت و طہارت گھر سے برآمد ہوئیں جو سرتاپا حجاب میں تھیں، ان کے چاروں طرف پردہ کا انتظام تھا۔ جناب عباسؑ، حضرت علی اکبرؑ اور حضرت امام حسینؑ اپنی نگرانی میں سوار کر رہے تھے۔ جناب عباسؑ نے نہایت ادب و احترام سے ایک ایک بی بی کو محمل میں سوار کیا۔ جناب زینبؑ، جناب ام کلثومؑ، جناب سکینہؑ اور دوسری صاحبزادیاں سوار ہوئیں۔ اس کے بعد ایک بی بی گود میں صغیر سن جناب علی اصغرؑ کو آغوش میں لیے تشریف لائیں۔ ان کے چاروں طرف پردہ کیا ہوا تھا۔ یہ باعظمت بی بی لیلیٰ تھیں۔ ان کو ہم شکل مصطفیٰ جناب علی اکبرؑ نے سوار کیا۔ اس وقت جناب علی اکبرؑ کا چہرہ مثل ماہتاب منور تھا۔ اس کے بعد حرم سرا سے جناب قاسمؑ اپنی والدہ گرامی قدر کے ہمراہ تشریف لائے، اس کے بعد عورتیں اور بچے آتے رہے اور سوار ہوتے رہے، پھر جناب عباسؑ نے گھوڑے کی رکاب تھامی اور حضرت امام حسینؑ سوار ہوئے۔ اس کے بعد تمام جوانان بنی ہاشم سوار ہوئے۔ بحکم حضرت امام حسینؑ جناب عباسؑ نے علم تھاما۔ جب قافلہ روانہ ہونے لگا تو ہر طرف آہ و فغاں سے فضاء سوگوار تھی اور اہل مدینہ حضرت امام حسینؑ کی مدینہ سے روانگی پر غم میں ڈوبے ہوئے تھے۔

عبداللہ بن سنان سے روایت ہے کہ بوقت رخصت مدینہ حضرت امام حسینؑ کے در دولت پر حاضر ہوا

یکا یک ایک جوان رعنا کے ہمراہ ایک معظمہ سرتا پا پردہ عفت وعصمت کے ساتھ گردن جھکائے تشریف لائیں۔ اس وقت مجھ پر ایسا رعب وجلال چھایا کہ قوت گویائی سلب ہوگئی۔ کچھ دیر بعد جب میں نے اپنے اوپر قابو پایا تو معلوم ہوا کہ یہ معظمہ ام فروہ مادر جناب قاسمؑ ہیں اور جوان رعنا حضرت قاسمؑ ہیں۔ شہزادہ جناب قاسمؑ نے اپنا گھٹنا زمین پر رکھا اور اپنی مادر گرامی کو نہایت ادب سے سوار کیا۔ اس کے بعد ایک بی بی جو سرتا پا چادر میں تھیں، پر وقار اور نہایت اطمینان کے ساتھ تشریف لائیں، اتنے میں ایک حسین وجمیل جوان جن کے چہرہ کا نور چاروں طرف پھیل رہا تھا، قریب محمل آئے اور ان معظمہ کو نہایت ادب سے سوار کیا۔ معلوم ہوا، یہ جوان قمر بنی ہاشم جناب عباسؑ ہیں اور وہ بی بی ام کلثومؑ ہیں۔ پھر ایک شہزادہ دو عالم کی شہزادیوں کے ہمراہ برآمد ہوئے۔ ان مخدرات عصمت وطہارت کو کنیزیں اپنے حلقے میں لیے ہوئے تھیں، جن کو شہزادہ علی اکبرؑ نے سوار کیا۔ اس وقت جناب سکینہؑ حضرت علی اصغرؑ کو ایک رضائی میں لیے ہوئے تھیں۔ جب ایک معظمہ نہایت پر وقار جاہ وجلال کے ساتھ برآمد ہوئیں تو مدینہ کی عورتوں میں کہرام مچ گیا۔ اس طرح نالہ وفریاد کی آوازیں بلند ہوئیں کہ قریب تھا کہ مدینہ کی بستی الٹ جائے گی۔ ان معظمہ کے ہمراہ نوجوانان بنی ہاشم قریب محمل آئے اور ان کو بڑے احتشام سے سوار کیا۔ معلوم ہوا یہ معظمہ ثانی زہرا جناب زینبؑ ہیں اور ان کے ہمراہ جوانان ہاشمی، اولاد عقیل، حضرت عون ومحمد شبیہ پیغمبر علی اکبرؑ اور حضرت امام حسینؑ ہیں۔

علامہ قزوینی ریاض القدس میں تحریر فرماتے ہیں۔ مدینہ سے روانگی کے وقت وہ بیبیاں سوار ہونے کو تشریف لائیں، جن کے چہروں کو آفتاب نے بھی کبھی نہیں دیکھا تھا اور جن کی صورتوں پر چاند اور ستاروں نے بھی کبھی نظریں نہ کی تھیں۔ جب وہ بیبیاں سوار ہونے لگیں تو جناب علی اکبرؑ نے دوڑ کر پردہ محمل اٹھایا، جناب قاسمؑ نے زیر پا کرسی رکھی۔ حضرت عباسؑ نے پائے حضرت زینبؑ اپنے زانو پر رکھے اور جب آپ سوار ہونے لگیں تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت زینبؑ کے زیر شانہ ہاتھ کے سہارے سوار کیا۔ اکسیر العبادات کے مطابق حضرت امام حسین علیہ السلام اہل بیت اطہار کو بوقت روانگی سمجھانے اور تسلی دینے کے بعد آپؑ سوار ہونے کے لیے آگے بڑھے، اس وقت حضرت عباسؑ کو ان الفاظ میں آواز دی۔ ''میرا قوت بازو، میرے لشکر کا سردار قمر بنی ہاشم کہاں ہے۔'' یہ آواز سن کر جناب عباسؑ نے عرض کیا۔ مولا آپ کا غلام حاضر ہوا چاہتا ہے۔ یہ کہتے ہوئے آقا حسینؑ کی خدمت میں پہنچ گئے اور عرض کی۔ مولا کیا حکم ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ بھائی میری سواری کا گھوڑا لاؤ۔ آپؑ نے اسی وقت تیز رو گھوڑا حاضر کیا۔ جب حضرت امام حسین علیہ السلام سوار ہونے لگے تو جناب عباسؑ نے فوراً رکاب فرس تھامی اور شاہ دو جہاں زین فرس پر جلوہ

نما ہوئے۔ آپ کے بعد قمر بنی ہاشم سوار ہوئے۔ بنی ہاشم کے سوار ہوتے ہی اہل مدینہ میں کہرام مچ گیا۔

اسرار الشہادۃ کے مطابق اس وقت بنی ہاشم کی صدائے گریہ بلند ہوئی سب کی زبان پر الوداع، الوداع، الفراق الفراق کی صدائیں تھیں۔ صدائے گریہ سن کر حضرت عباسؑ نے فرمایا۔ خدا کی قسم آج جدائی ہو رہی ہے اور اب قیامت ہی میں مل سکیں گے۔

صاحب خلاصۃ المصائب سے روایت ہے کہ جب یہ قافلہ روانہ ہوا تو حضرت فاطمہ صغریٰؑ روتی ہوئی مدینہ کے باہر چلی آئیں۔ کسی نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے کہا: مولا فاطمہ صغریٰؑ یہ کہتی ہیں کہ میں اپنے بابا کو نہیں چھوڑ سکتی اور نہ جدائی میں صبر کر سکتی ہوں۔ یہ سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام نے گریہ کیا۔ یہاں تک یہ گریہ وزاری اہل حرم کے کجاؤں تک پہنچی۔ آپؑ نے حضرت عباسؑ اور حضرت علی اکبرؑ سے فرمایا۔ ''جاؤ میری لخت جگر کو میرے پاس لے آؤ''۔ یہ دونوں تشریف لے گئے اور جناب فاطمہ صغریٰؑ کو سینے سے لگایا اور بہت گریہ کے بعد فرمایا۔ چلو تمہارے بابا جان بلا رہے ہیں۔ یہ سن کر فاطمہ صغریٰؑ بہت مسرور ہوئیں اور خدمتِ پدر بزرگوار میں حاضر ہوئیں، اور دوڑ کر قدموں سے لپٹ گئیں۔ پھر دامن تھام کر کہنے لگیں۔ ''بابا جان میں آپ کے دولت سرا کو خالی اور خواب گاہ کو سونا دیکھ کر کیسے صبر کروں گی''۔ حضرت امام حسینؑ نے حضرت فاطمہ صغریٰؑ کو اس قدر حال پریشاں دیکھا تو ہاتھ بلند کر کے دعا فرمائی اور کہا۔ اے فاطمہ صغریٰؑ اب اپنے گھر جاؤ، جب میں عراق پہنچ جاؤں گا تو تمہیں لانے کے لیے تمہارے بھائی علی اکبرؑ، چچا عباسؑ کو بھیجوں گا۔ اس کے بعد سواری روانہ ہوگئی۔ یہ ۲۸ رجب المرجب ۶۰ ہجری یوم سہ شنبہ تھا۔

عبداللہ بن سنان کوفی کا بیان ہے کہ جب حسینی قافلہ منزل تسلیم ورضا طے کرتا ہوا مکہ معظمہ کی جانب رواں تھا تو حضرت عباسؑ گھوڑے پر سوار علم اسلام ہاتھ میں لیے آگے آگے چل رہے تھے۔

انصار واقربا کی سوگواری

جب اہل بیت اطہار کا قافلہ مدینہ سے روانہ ہونے لگا تو ہر طرف آہ و بکا سے فضا سوگوار تھی۔ انصار و اقربا سب افسردہ تھے۔ جناب ام سلمہ اور حضرت عبداللہ بن جعفر گریہ فرما رہے تھے۔ سب ایک دوسرے سے مل کر جدائی کے غم سے اشکبار تھے۔

سرکار دربندی نے اسرار الشہادۃ میں اور آقائے محمد مہدی مازندرانی نے معالی السبطین میں لکھا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی ایک کم سن بچی جناب صغریٰؑ تھیں۔ حضرت امام حسینؑ جب مدینہ سے روانہ ہو رہے

تھے۔اس وقت جناب فاطمہ صغریٰ بیمار تھیں جنہیں ام المومنین جناب ام سلمہ کے سپرد کیا تھا۔ ریاض القدس اور مفتاح البکا کے موافق حضرت امام حسینؑ کے مدینہ سے روانہ ہوتے وقت آپ بخار کی حالت میں تھیں۔ لہٰذا حضرت امام حسینؑ ان کو اپنے ساتھ نہیں لے گئے اور آپ کو جناب ام سلمہ کے سپرد کیا تھا۔

حضرت امام حسینؑ نے جناب صغریٰ کا ہاتھ جناب ام سلمہ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے فرمایا۔ بیٹی تم اپنی نانی کے پاس رہو۔ حضرت امام حسینؑ نے آپؑ کی تیمارداری کے لیے جناب عباسؑ کی والدہ حضرت ام البنین کو مدینہ میں رہنے دیا۔ جناب صغریٰ مدینہ کے اس گھر میں کسی طرح رہنے کو آمادہ نہ تھیں۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا۔ بیٹی صغریٰ جنگلوں کا سفر ہے اور گرمی کا زمانہ ہے۔ لہٰذا تمہیں بیماری کی حالت میں اس طویل سفر میں لے جانا مناسب نہیں ہے۔ اس وقت جناب صغریٰ ایک ایک بی بی سے مل کر رو رہی تھیں۔ ایک ایک بی بی نے جناب صغریٰ کے سر پر ہاتھ پھیر کر الوداع کہا۔ جب سب بیبیاں چلی گئیں تو جناب صغریٰ نے حضرت زینبؑ کا ہاتھ تھام کر کہا۔ پھوپھی اماں آپ بتائیں یا نہ بتائیں لیکن مجھے پتہ ہے کہ بابا کا گھر اجڑ رہا ہے۔ جناب زینبؑ نے فرمایا۔ صغریٰ تمہیں یہ کیسے پتہ چلا کہ تمہارے بابا کا گھر اجڑ رہا ہے۔ حضرت صغریٰ نے کہا۔ "پھوپھی اماں میں بیمار ہوں۔ بیماری کی حالت میں ساری رات جاگتی ہوں، میں رات کے پچھلے پہر دیکھتی ہوں کہ آسمان سے ایک سیاہ برقعے میں بی بی آ کر مکان کی چھت پر آہ وفغاں کرتی ہیں۔" جناب صغریٰ کا تڑپنا دیکھ کر جناب زینبؑ نے حضرت امام حسینؑ سے کہا۔ "بھیا صغریٰ کو اپنے ساتھ لے چلیں، یہ آپؑ کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ میں اس کی دیکھ بھال کروں گی۔ آپؑ کو کوئی تکلیف نہیں ہونے دوں گی۔" حضرتؑ نے فرمایا۔ "بہن زینبؑ ساتھ نہ لے جانے کی وجہ یہ ہے کہ میری باقی بیٹیاں کوئی آپ کی ہم شکل ہے کوئی میری شکل کی اور کوئی بابا کی شکل کی لیکن صغریٰ اماں زہراؑ کی ہم شکل ہے میں نہیں چاہتا کہ یہ شام کے بازاروں اور درباروں میں بے ردا پھرائی جائے۔"

آغازِ سفر

بحار الانوار میں شیخ مفید علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کی جانب روانہ ہوئے تو اس وقت اس آیت مبارکہ کی جو حضرت موسیٰؑ کے حال میں ہے۔ تلاوت فرما رہے تھے۔ فخرج منها .... السبیل O (سورۃ القصص ۲۱۔۲۲) ترجمہ: "غرض جناب موسیٰؑ وہاں سے امید وبیم کی حالت میں نکلے اور بارگاہ خدا میں عرض کی پروردگار مجھے ظالمین سے نجات دلا۔" اور جب

مدین کی طرف رخ کیا تو آپ ہی آپ بولے، "مجھے امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھا راستہ دکھادے۔"

تاریخ الخمیس کے موافق شتر سوار مکہ کی طرف جارہے تھے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی زبان مبارک پر یہ آیت جاری تھی۔ فخرج منھا.......... من القوم الظلمین O (سورۃ القصص، آیت: ۲۱) ترجمہ: "غرض جناب موسیٰ وہاں سے امید و بیم کی حالت میں نکلے اور بارگاہ خداوندی میں عرض کی، پروردگار مجھے ظالمین سے نجات دلا۔" اور جب مدینے کی طرف رخ کیا تو آپ ہی آپ بولے۔ "مجھے امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھا راستہ دکھائے گا۔" تاریخ الخمیس کے موافق شتر سوار مکہ کی طرف جارہے تھے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی زبان مبارک پر یہ آیت جاری تھی۔ فخرج منھا.......... من القوم الظلمین O (سورۃ القصص، آیت: ۲۱) ترجمہ: "غرض جناب موسیٰ وہاں سے امید و بیم کی حالت میں نکلے اور بارگاہ خداوندی میں عرض کی پروردگار مجھے ظالمین سے نجات دلا۔"

علامہ محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ شارع عام سے روانہ ہوئے تو اہل بیتؑ نے عرض کی۔ مناسب یہ ہے کہ راہ غیر متعارف سے تشریف لے چلئے۔ جس طرح عبداللہ بن زبیر نے راہ اختیار کی تا کہ اگر کوئی شخص آپؑ کی تلاش میں آئے تو وہ آپؑ کو نہ پا سکے۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا۔ میں سیدھے راستہ سے نہیں پھر سکتا۔

بقول اعثم کوفی حضرت امام حسینؑ کے چچازاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل نے کہا۔ "اگر ہم شارع عام سے علیحدہ ہو کر غیر معین راستہ سے عبداللہ بن زبیر کی طرح روانہ ہوں تو بہتر ہے کیونکہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ ولید کچھ آدمیوں کو ہمارے تعاقب میں نہ بھیج دے۔ اگر ہم شارہ عام پر ہوں گے تو با آسانی انہیں مل جائیں گے اور مشکلات درپیش آئیں گی۔" حضرت امام حسینؑ نے فرمایا۔ "شارع عام اور سیدھے راستہ پر ہی چلنا بہتر ہے۔ لہٰذا ہم اسی راستہ پر چلیں گے۔"

باب:۷

حضرتؑ کی مکہ معظمہ تشریف آوری

طبری اور شیخ مفید کے مواقف حضرت امام حسین علیہ السلام ۳رشعبان المعظم ۶۰ رہجری یوم جمعہ مکہ معظمہ پہنچے۔ بقول اعثم کوفی ۶۰ رہجری کے شعبان کے مہینے کے چندروز باقی تھے کہ حضرت امام حسینؑ مکہ معظمہ تشریف لائے۔ رمضان، شوال اور ذیقعد کے مہینوں میں مکہ میں قیام فرمایا۔

الاخبار الطول کے مواقف حضرت امام حسین علیہ السلام کی آمد سے چندروز قبل عبداللہ بن زبیر کی آمد ہوئی اور لوگوں نے عبداللہ بن زبیر کے گرد جمع ہونا شروع کر دیا۔ لیکن حضرت امام حسینؑ کی آمد کے ساتھ ہی لوگوں کی آمد آپ کے پاس شروع ہوئی۔ گو کہ یہ بات عبداللہ بن زبیر کو ناگوار ہوئی لیکن مصلحت وقت کے تحت عبداللہ بن زبیر نے بھی صبح وشام حضرت امام حسینؑ کے پاس آنا شروع کر دیا۔ ابن خلدون کے مواقف جب کوفیوں کو یزید کی خلافت اور بیعت کے بارے میں معلوم ہوا اور ان کو پتہ چلا کہ حضرت امام حسینؑ مکہ معظمہ تشریف لے گئے ہیں تو شیعیان امیر المومنینؑ سلیمان ابن صرد خزاعی کے مکان میں جمع ہوئے اور چند لوگوں کی طرف سے جن میں سلیمان وسب بن محمد ورفاعہ وابن شداد اور حبیب ابن مظاہر وغیرہ شامل تھے۔ حضرت امام حسینؑ کو خط لکھا کہ "آپ یہاں تشریف لائیں ہم لوگوں نے نعمان کے ہاتھوں پر یزید کی بیعت نہیں کی، نہ جمعہ میں اسکے ساتھ شریک ہوئے اور نہ عید میں۔ اگر آپ تشریف لے آئیں تو ہم اس کو نکال دیں گے۔"

مقتل لہوف، مقتل ابومخنف اور بحار الانوار میں مرقوم ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ نے یزید کی بیعت نہیں کی اور مدینہ منورہ چھوڑ کر مکہ معظمہ تشریف لائے تو سلیمان بن صرد خزاعی کے مکان میں لوگ جمع ہوئے۔ اس موقع پر سلیمان بن صرد خزاعی لوگوں سے مخاطب ہوئے۔ "اے شیعو! تم تک معاویہ بن ابی سفیان کی موت کی خبر پہنچی اور یزید جانشین بنا تم سب یہ جانتے ہو کہ حسین بن علیؑ نے اس کی مخالفت کی ہے اور بنی امیہ کے ستم کاروں کے شر سے بچنے کے لیے خانہ خدا میں پناہ لی ہے تو تم حضرت امام حسینؑ کے والد بزرگوار کے شیعہ ہو اور آج حضرتؑ ہماری نصرت کے متمنی ہیں اگر تم ان کی نصرت اور ان کے دشمنوں سے جنگ کا ارادہ رکھتے ہو تو اپنی آمادگی کا اظہار کرو اور خط کے ذریعے ان کو اس بات کی اطلاع دو۔ اگر تم خوف زدہ ہو اور تم پر غفلت وسستی کا غلبہ ہے تو انہیں اپنے حال پر چھوڑ دو اور انہیں طلب نہ کرو۔

یہاں سب کی یہ رائے ہوئی کہ حضرت امام حسینؑ کو خطوط لکھے جائیں کہ حضرت کوفہ تشریف لائیں۔ چنانچہ روساء اور مقتدر لوگوں نے خطوط لکھے اور عبداللہ بن مسمع اور عبداللہ بن وال کے ہاتھوں حضرتؑ کی خدمت میں یہ خطوط روانہ کیے۔ یہ دونوں قاصد ماہ رمضان کی دسویں تاریخ کو حضرتؑ کی خدمت میں مکہ معظمہ پہنچے۔ اس کے دو دن بعد اور خطوط لکھے گئے جو قیس بن مسہر صیداوی اور عبدالرحمٰن بن عبداللہ کے ہاتھ روانہ کیے۔ یہ خطوط پہنچنے کے دو دن بعد اور خطوط لکھے گئے جو کہ بن ہانی سبیعی اور سعید بن عبداللہ لے کر روانہ ہوئے۔ اس طرح بارہ ہزار خطوط حضرت کی خدمت میں بھیجے گئے، جن میں حضرتؑ کی اطاعت کرنے اور جان و مال کی قربانی دینے کے وعدے کیے گئے تھے اور حضرتؑ سے کوفہ تشریف لانے کی التجا کی گئی تھی۔

ابصار العین فی انصار الحسینؑ کے موافق جن لوگوں نے مزید خطوط بھیجے، ان میں حضرت حبیب ابن مظاہر، حضرت مسلم بن عوسجہ، سلیمان بن صرد، رفاعہ بن شداد، مسیب بن نجبہ، شیث بن ربعی، حجار بن حجر، یزید بن حارث بن دیم، عمرو بن الحجاج اور محمد بن عمران شامل تھے۔ ان خطوط لکھنے والوں میں سوائے حضرت حبیب ابن مظاہر اور حضرت مسلم بن عوسجہ کے کسی نے بھی وعدہ وفا نہ کیا۔

قصد سفرِ عراق

علامہ اربلی تحریر فرماتے ہیں کہ جناب مسلم بن عقیل وہانی ابن عروہ محمد ابن کثیر اور فرزندان جناب مسلم کو قتل کرنے کے بعد عمر ابن سعد اور ابن زیاد کے مابین حکومت کرنے کا معاہدہ ہو گیا اور طے پایا کہ حر ابن یزید ریاحی کو سب سے پہلے دو ہزار سواروں سمیت روانہ کر کے حضرت امام حسینؑ کو گرفتار کرایا جائے اور انہیں کوفہ لا کر قتل کر دیا جائے۔

ایک طرف یزید اور اس کے ہم نوا ہوس اقتدار میں مبتلا تھے اور دوسری طرف حضرت امام حسینؑ رضائے الٰہی کے حصول کے لیے سب کچھ قربان کرنے پر آمادہ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب آپؑ نے حضرت مسلم بن عقیل کو روانہ کیا تھا تو ان کے ساتھ کوئی لشکر یا ہتھیار نہیں بھیجے، اس لیے کہ آپؑ کا مقصد اقتدار پر قبضہ کرنا نہ تھا بلکہ آپ کا مقصد ہدایت اور دین کی ترویج تھا، جس طرح آپؑ کی مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تشریف آوری کا مقصد دین اسلام کی پیروی اور ہدایت تھا اسی طرح مکہ معظمہ سے عراق روانگی کے مقاصد بھی یہی تھے۔ حضرت امام حسینؑ کی پوری زندگی سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ آپؑ نے کبھی بھی دنیاوی اقتدار کے لیے لوگوں کو جمع نہیں کیا۔ آپ جب مکہ سے روانہ ہوئے اور مقصد لشکر کشی اور حصول اقتدار

ہوتا تو عورتوں اور بچوں کو ساتھ لے کر روانہ نہ ہوتے۔ بلکہ آپ کا مقصد قیام امن کی ایک کوشش تھی اور ان تمام امور کا مقصد لوگوں کو راہ مستقیم پر چلانا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت امام حسینؑ نے اپنے ہمراہ بہت سی ایسی شخصیتوں کو اپنے ساتھ شامل نہ کیا جن کا اہل عرب پر کافی دبدبہ اور رسوخ تھا۔ ان میں عبداللہ ابن عباس، محمد حنفیہ اور عبداللہ ابن جعفر اور دیگر کئی معتبر شخصیتوں نے حضرتؑ کے ساتھ چلنے کی درخواست کی تھی لیکن آپؑ نے ان کو ساتھ چلنے سے روک دیا۔ علامہ طبری لکھتے ہیں۔ حضرت امام حسینؑ مکہ سے عراق کی جانب صرف اپنے اہل وعیال کو لے کر روانہ ہوئے۔ تاریخ ابن خلدون میں مرقوم ہے کہ حسین ابن علیؑ مع اپنے اہل بیت کے مکہ سے روانہ ہوئے جس میں عورتیں بچے اور مرد شامل تھے۔

کیونکہ مکہ میں قیام کے دوران آپؑ کے پاس مسلسل خطوط آتے رہے جن میں التجا کی گئی تھی کہ آپؑ تشریف لائیں، ہم سب آپ کی آمد کے منتظر ہیں۔ ان خطوط میں بار بار یہ جملہ دہرایا گیا کہ ہم بے امام ہیں اور گمراہیوں سے بچنے کے لیے آپ کی ہدایت کے متمنی ہیں۔ جب حضرت امام حسینؑ کے پاس مسلسل اس مضمون کے خطوط آئے تو آپ نے اتمام حجت کے لیے قصد عراق فرمایا۔ حالانکہ آپؑ ان لوگوں کی بے وفائی سے واقف تھے۔ آپؑ کو معلوم تھا کہ ماضی میں ان لوگوں نے حضرت علیؑ سے وفا نہ کی تھی لیکن آپ کے پیش نظر اپنے نانا رسول خداؐ کی وہ احادیث تھیں۔ جن میں آپ کو واقعہ کربلا سے پہلے ہی آگاہ کیا گیا تھا اور حضرت امام حسینؑ نے ان واقعات پر آمادگی کا اظہار فرمایا تھا۔ یہی وہ عظیم مقاصد تھے جن کی وجہ سے حضرتؑ نے قصد عراق فرمایا۔

سورہ آل عمران پارہ ۴ رکوع ۷ میں پروردگار عالم کا ارشاد ہے۔ "کہہ دو اے رسول کہ اگر تم لوگ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہو گے تو ضرور وہ لوگ اپنی خواب گاہوں کی طرف نکل پڑیں گے جن پر قتل ہو جانا واجب کیا گیا ہے۔"

حضرت امام حسینؑ کے پیش نظر اپنے رب کا یہ حکم تھا اور آپؑ جانتے تھے کہ آپؑ اور آپ کے اصحاب وہی لوگ ہیں جن کے لیے اللہ کے اس حکم پر عمل کرنا واجب ہے۔ لہٰذا آپ ہر قربانی اور ہر امتحان کے لیے آمادہ تھے۔ زمانہ حج میں حضرت کا حج کو عمرہ میں تبدیل کرنا یقیناً ہر مسلمان کے لیے لمحہ فکریہ تھا کہ وہ کیا حالات تھے کہ نواسہ رسولؐ یہاں سے بغیر حج کے عراق کے لیے روانہ ہوئے۔ دراصل حضرت امام حسینؑ یہ بات سب پر واضح کرنا چاہتے تھے کہ دین کے اصل وارث ہم ہیں اور ہر زمانے میں ہم نے بیت اللہ کی حفاظت کی ہے اور اب بھی اس کے استحکام کے لیے ہماری کوشش رہی ہے۔

دراصل حضرت امام حسینؑ اپنے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس حدیث پر عمل پیرا تھے کہ "حسینؑ مجھ سے اور میں حسینؑ سے ہوں۔" گویا اس حدیث کی روشنی میں بتا رہے تھے کہ میرا ہر عمل مطابق رسول خداؐ ہے۔ میرا قصد عراق اور کربلا میں شہادت عمل رسول خداؐ کے مترادف ہے۔

حضرت امام حسینؑ کو معلوم تھا کہ آپ کے عزیز واقربا اور انصار سب شہادت سے سرفراز ہوں گے اور اہل حرمت، عصمت وطہارت کو اسیر کیا جائے گا لیکن اس امتحان کے نتائج نہایت مفید ودائمی ہوں گے اور میری اس قربانی کے نتیجے میں دین اسلام بچ جائے گا۔ لہٰذا امتحان کی منزل سے گزرتے ہوئے قصد عراق فرمایا۔ پہلی امتحان کی منزل نانا رسول خداؐ کے روضہ کو چھوڑنا تھا۔ مدینہ جہاں بچپن کی یادیں اور بزرگوں کے حالات و واقعات حضرت امام حسینؑ کے پیش نظر تھے لیکن آپ نے رضائے الٰہی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے مدینہ چھوڑا۔ اب دوسرا امتحان مکہ معظمہ کو چھوڑنا تھا وہ بھی زمانہ حج کے نزدیک وہ مقاصد بہت اہمیت کے حامل تھے جو عظیم قربانی کے بعد حاصل ہونا تھے۔ لہٰذا حضرتؑ نے قصد عراق فرمایا۔

مکہ مکرمہ سے عراق روانگی

شیخ سلیمان القندوزی مفتی اعظم قسطنطنیہ ینابیع المودۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔ "جس دن حضرت مسلم کی کوفہ میں شہادت ہوئی اسی دن حضرت امام حسینؑ مکہ سے عراق کی طرف روانہ ہوئے آپؑ نے طواف خانہ کعبہ وسعی اور تحصیل تحلیل احرام وغیرہ فرما کر اپنے حج کو عمرہ سے تبدیل فرمایا اس کے بعد مکہ سے روانہ ہوئے۔ اس لئے کہ حج تک آپ کا وہاں رہنا ممکن نہ تھا کیونکہ اس بات کا خوف تھا کہ آپ پر اس سے بھی زیادہ سختی کی جائیگی جس کے باعث مکہ معظمہ میں خصوصاً موسم حج کے زمانہ میں فساد واقع ہوگا۔ اس لئے کہ یہ امر واضح ہے کہ یزید نے شیاطین بنی امیہ میں سے تیس آدمیوں کو قافلہ حجاج کے ساتھ صرف اس امر کے لئے روانہ کر دیا تھا کہ وہ حضرت امام حسینؑ کو جس حال میں پائیں قتل کر دیں۔

حضرت امام حسینؑ کو اس بات کا علم تھا چنانچہ جب لوگوں نے آپؑ کو عراق جانے سے منع کیا تو تاریخ طبری کے موافق "حضرت امام حسینؑ نے فرمایا خدا کی قسم اگر میں ایک بالشت بھر مکہ کے باہر قتل کیا جاؤں تو وہ میرے نزدیک محبوب تر ہے بہ نسبت اس کے کہ ایک بالشت اس کے اندر قتل ہوں۔ قسم بخدا اگر میں چیونٹی کے سوراخ میں چلا جاؤں تب بھی یہ لوگ مجھے وہاں سے نکال کر اپنے قتل کرنے کی خواہش کو پورا کریں گے۔ قسم بخدا میرے معاملہ میں یہ لوگ اسی طرح حدود خداوند تعالیٰ سے باہر ہو جائیں گے جس طرح یہودی

بست (شنبہ) کے معاملہ میں ہوئے تھے۔"

شیخ مفید علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ حضرت مسلم نے روز سہ شنبہ آٹھویں ذی الحجہ ۶۰ ہجری عراق میں خروج کیا اور حضرت امام حسینؑ بھی آٹھویں ذی الحجہ ۶۰ ہجری کو مکہ معظمہ سے عراق روانہ ہوئے۔ بحار الانوار کے موافق حضرت امام حسینؑ تیسری شعبان ۶۰ ہجری کو مکہ معظمہ تشریف لائے۔ بقیہ ماہ شعبان وماہ رمضان وشوال وذیقعد اور آٹھویں ذی الحجہ تک بلاد طیبہ میں قیام فرمایا۔ یہاں آپؑ نے عبادت باری تعالیٰ میں اپنا وقت صرف کیا اس عرصہ میں شیعیان بصرہ وحجاز کا ایک گروہ حضرت کے پاس جمع ہوگیا۔ ماہ ذی الحجہ میں حضرت نے عراق کے سفر کا ارادہ فرمایا۔ اس موقعہ پر طواف خانہ کعبہ بجالائے کوہ صفا ومروہ کے درمیان سعی فرمائی اور احرام حج کو عمرہ سے بدل کر اعمال عمرہ بجالائے کیونکہ حالات کے پیش نظر حج کرنا حضرت کیلئے ممکن نہ تھا لہٰذا عمرہ ادا کر کے عراق روانہ ہوئے۔

شیخ مفید علیہ الرحمہ ارشاد شیخ مفید میں حضرت امام حسینؑ کی عراق روانگی کے باب میں تحریر فرماتے ہیں "حضرت امام حسینؑ حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدا ہو کر اپنے اہل وعیال کے ہمراہ عراق کی جانب روانہ ہوئے راستے میں اپنے شیعوں سے نصرت طلب فرمائی آغاز سفر سے قبل اپنے ابن عم حضرت مسلم ابن عقیل کو لوگوں سے بیعت لینے کوفہ کی طرف روانہ کیا جب حضرت مسلم کوفہ پہنچے تو اہل کوفہ نے حضرت مسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اور ہر طرح کی نصرت ومدد کا وعدہ کیا لیکن کچھ دنوں بعد اہل کوفہ نے اپنا عہد وپیماں توڑ دیا اور حضرت مسلم کو دشمنوں کے درمیان یک وتنہا چھوڑ دیا۔ آخر کار حضرت مسلم شہید کر دیے گئے اور اہل کوفہ عمر سعد کے ساتھ شامل ہو گئے اور حضرت امام حسینؑ سے جنگ کرنے کربلا پہنچے اور وہاں حضرت کا محاصرہ کیا اور آپؑ کو مدینہ یا کسی اور مقام میں جانے سے روکا آخر حضرت امام حسینؑ حالت مظلومیت میں بھوکے پیاسے شہید ہوئے اہل کوفہ نے حضرتؑ کی خدمت اور انکے حق کی کوئی پرواہ نہ کی اور جو آپؑ کے ساتھ عہد وپیماں اور بیعت کی تھی اسے توڑ دیا۔"

علامہ حلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں حضرت امام حسینؑ نے اپنے بھائی حضرت مسلم ابن عقیل کو اس لئے روانہ کیا تا کہ لوگوں سے آپؑ کیلئے بیعت لیں۔ جب حضرت مسلم کوفہ پہنچے تو اہل کوفہ نے بیعت کی اور اپنی وفاداری کا یقین دلایا لیکن کچھ وقت گزرنے کے بعد اہل کوفہ نے بیعت توڑ دی اور حضرت مسلم کو تنہا چھوڑ دیا آخر حضرت مسلم بے یار ومددگار شہید ہوئے اس کے بعد عظمت امام سے بے خبر عہد شکن حضرت امام حسینؑ کے ساتھ جنگ کرنے کوفہ سے کربلا آئے اور حضرتؑ کا یہاں محاصرہ کیا اور حضرتؑ کیلئے تمام راہیں بند کر دیں تا کہ وہاں سے کہیں نہ جاسکیں۔ انتہا یہ کی کہ حضرت پر پانی بند کر دیا۔ آخر آپؑ اپنے انصار واقربا

کے ساتھ بھوکے پیاسے عالم مظلومیت میں شہید ہوئے۔

جناب آیت اللہ شہرستانی العظمیٰ کی شہرہ آفاق کتاب نہضت الحسینؑ میں مرقوم ہے۔ ''حضرت امام حسینؑ کا اہل کوفہ کی دعوت پر لبیک کہنا اور اپنے عم حضرت مسلم بن عقیل کو بیعت کیلئے اہل کوفہ کی طرف روانہ کرنا۔ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے اپنے آپ کو منصب خلافت کیلئے پیش کیا، اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضرت امام حسینؑ نے خود کو منصب خلافت کیلئے پیش کیا تو یہ بات حضرت امام حسینؑ کی شخصیت اور آپؑ کے موقف سے تصادم نہیں ہوگی کیونکہ اس وقت حالات اس نہج پر پہنچ چکے تھے کہ حضرت امام حسینؑ پر واجب تھا کہ آپؑ قیام فرمائیں (اٹھ کھڑے ہوں) اور اس کیلئے جن شرائط اور اہلیت کی ضرورت تھی، وہ سب حضرت امام حسینؑ میں بدرجہ اتم موجود تھیں''۔

امام شبلنجی لکھتے ہیں حضرت امام حسینؑ جو مکہ سے اپنے جملہ اعزاء و اقربا اور انصار و جانثاروں کو ہمراہ لے کر چلے ان کے تعداد ۸۲ تھی۔

روضۃ الشہدا کے موافق حضرت امام حسینؑ نے اپنے اعزا و اقربا اور خیر خواہوں کو جمع کیا، بچوں اور عورتوں کیلئے محملیں تیار کیں اور اس دن جس دن حضرت مسلم بن عقیل شہید ہوئے تھے۔ آپؑ مکہ سے روانہ ہوئے۔ علامہ محمد باقر مجلسی اور سید ابن طاوس علیہ الرحمہ نے روایت کی ہے کہ حضرت امام حسینؑ تیسری ذی الحجہ ۶۰ ہجری کو قبل وصولی شہادت حضرت مسلم بن عقیل مکہ معظمہ سے عراق کی طرف روانہ ہوئے، وہی دن شہادت حضرت مسلم کا تھا۔ صاحب نورالعین (ترجمہ خصائص الحسین) لکھتے ہیں کہ کربلا پہنچنے سے قبل جب خیمے نصب ہوئے تھے تو حضرت امام حسینؑ تمام اولاد اور برادران اہل بیت کو جمع فرماتے تھے اور ایک نظر سب کو ملاحظہ فرماتے تھے۔

اعثم کوفی کے موافق حضرت امام حسینؑ نے جب قصد عراق فرمایا تو جس شخص کو اپنے ہمراہ لے جانا تھا اسے اپنے ساتھ شامل کیا دس دس دینار سرخ اور ایک ایک اونٹ دیکر کعبہ اور صفا و مروہ کا طواف کیا۔ اس کے بعد اہل بیت اطہار کیلئے کجاوے درست کئے اور ترویہ کے وقت ۹ ذی الحجہ کو منگل کے دن مکہ سے روانہ ہوئے عزیز و اقربا دوست اور ملازم سب ملا کر ۸۲ آدمی آپ کے ہمراہ تھے تاریخ خمیس کے موافق اہل بیت اور دوسرے آدمی ملا کر ۷۰ ستر افراد قافلہ میں سوار تھے۔ ابن خلدون کے قول کے مطابق اس وقت حجاز کا گورنر عمر بن سعید بن العاص تھا۔ اسکے آدمیوں نے حضرت امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کو کوفہ جانے سے روکا اس پر کافی تکرار ہوئی روضۃ الصفا کے مطابق جب عمر بن سعید کو پتہ چلا تو اس نے اپنے سپہ سالار کو واپس بلا لیا۔

حضرتِ حر راہ کوفہ میں

حضرت حرؒ کی شرافت اور جرأت کی اہل عرب میں بہت شہرت تھی آپ کوفہ کے رئیس تھے ابن زیاد نے آپ کو طلب کیا اور حضرت امام حسینؑ سے جنگ پر آمادگی چاہی اور ایک ہزار سواروں کا لشکر دیکر روانہ کیا۔

علامہ محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ بحار الانوار میں اور دیگر صاحبان سیر و تاریخ معہ ابی مخنف اور ابن خلدون نے روایت کی ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے منزل بطن عقبہ سے کوچ کیا اور موضع اشراف میں خیام حرم لگائے جب صبح ہوئی تو حضرت نے حکم دیا برتن اور مشکوے پانی سے بھر لیئے جائیں پانی بھرنے کے بعد قافلہ سفر پر روانہ ہو گیا۔ دو پہر تک راہ طے کی تھی کہ اچانک ایک شخص نے اللہ اکبر کہا۔ حضرت نے پوچھا اس وقت اللہ اکبر کہنے کی کیا وجہ ہے؟ اس نے کہا خرمے کے درخت نظر آرہے ہیں۔ یہ سن کر دوسرے لوگوں نے کہا قسم بخدا یہاں تو کبھی خرمے کے درخت نہیں دیکھے گئے۔ حضرت نے پوچھا تمہیں کیا دکھائی دے رہا ہے۔ ان لوگوں نے کہا خدا کی قسم ہمیں نوک ہائے نیزہ اور گھوڑوں کے کان دکھائی دے رہے ہیں۔ حضرتؑ نے فرمایا بخدا میں بھی یہ دیکھتا ہوں۔ کچھ دیر بعد لشکر کی سواریوں کی پرچھائیاں اس طرح نظر آئیں جیسے شہد کی مکھیوں کے جھنڈ ہوں حرؒ کے قافلے کے پہنچنے سے پہلے حضرت امام حسینؑ قافلہ کے ہمراہ کوہ حسّم تک پہنچ گئے اور اسی مقام پر خیمے نصب کیئے گئے اور حر بھی اپنے لشکر کے ساتھ یہاں پہنچ گے۔

روضۃ الصفا کے موافق منزل سراے آرام فرما کر بڑھے تھے کہ حرؒ کے لشکر سے ملاقات ہوئی۔ تاریخ کامل کے مطابق یہ ملاقات بطن عقبہ کی گھاٹی کے بعد ہوئی۔ روضۃ الشہداء کی روایت کہ مطابق منزل سراب میں لشکر حر حضرت امام حسینؑ کے قافلہ سے ملا مزید براں صاحبان سیر کے مطابق سراہ، سراب اور اشراف ایک ہی منزل کا نام ہے۔ اس وقت شدید گرمی تھی اور ظہر کا وقت تھا حر معہ ایک ہزار کے لشکر کے حضرتؑ کے جانثاروں کے سامنے آکھڑا ہوا حضرت کے اصحاب سروں پر عمامے باندھے شمشیریں پکڑے کھڑے تھے۔

اعثم کوفی نے روایت کی ہے کہ جب حر کا لشکر اترا تو حضرت نے اپنے قاصد کو بھیجا کہ دریافت کرے اس لشکر کا سردار کون ہے؟ لوگوں نے بتایا اس لشکر کا سردار حر بن یزید ریاحی ہے۔

لشکرِ حر کو سیراب کرنا

بحار الانوار میں تحریر ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ نے اس قیامت کی گرمی میں لشکر مخالف پر شدت

پیاس کے آثار دیکھے تو حضرتؑ نے اصحاب کو حکم دیا کہ حر اور ان کے لشکر کو اور گھوڑوں کو پانی پلاؤ۔ حضرت عباس اور اصحاب نے جوانان بہشت کے حکم کی تعمیل کی جناب عباسؑ، شہزادہ علی اکبرؑ، حضرت قاسمؑ، حضرت عون ومحمدؑ اور انصار پانی پلانے پر متوجہ ہوئے۔ اہل لشکر کو پانی پلانا شروع کیا اور گھوڑوں کے سامنے پانی کے برتن رکھ دیے۔ یہاں تک کہ ایک ایک گھوڑا جب چار پانچ بار پانی سے منہ اٹھالیتا اور اچھی طرح سیراب ہو جاتا تو کاسہ آب سامنے سے ہٹاتے تھے۔

علی ابن طعان محارابی کہتا ہے میں حر کے ساتھ تھا اور سب کے بعد پہنچا شدت پیاس سے نڈھال تھا۔ حضرتؑ نے فرمایا اپنا اونٹ بیٹھا دے۔ جب میں نے اونٹ بیٹھا دیا اور پانی پینے کا ارادہ کیا تو حالتِ اضطراب میں پانی مشک سے گر جاتا تھا۔ حضرت نے فرمایا دہانہ مشک کا ترچھا کر لیکن میں بدحواسی کے سبب یہ نہ سمجھ سکا کہ کس طرح مشک کے دہانے سے پانی پیوں۔ تب حضرت نے خود اٹھ کر مشک کا دہانہ میری طرف کر دیا اور میں نے پانی پیا اور اپنے جانور کو بھی پلایا۔

باب:۸

حضرت امام حسینؑ کی کربلا آمد

ابو مخنف سے روایت ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ سرزمین کربلا پر پہنچے تو آپؑ کے گھوڑے کے قدم رک گئے۔ حضرت نے گھوڑے سے اتر کر دوسرا گھوڑا بدلا لیکن وہ بھی ایک قدم آگے نہ بڑھا اور اسی دوران حضرت نے یکے بعد دیگرے سات گھوڑے بدلے لیکن کوئی گھوڑا بھی یہاں سے ایک قدم آگے نہ بڑھا، آپؑ نے جب یہ دیکھا تو دریافت کیا اس جگہ کا نام کیا ہے لوگوں نے کہا اس جگہ کو غاضریہ کہتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا اس مقام کا اس کے علاوہ کوئی اور بھی نام ہے؟ لوگوں نے کہا اس کو نینوا بھی کہتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا اور کوئی نام؟ لوگوں نے کہا شاطی الصراط بھی کہتے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا، اس کے علاوہ بھی کسی نام سے پکارتے ہیں؟ لوگوں نے کہا اسے کربلا بھی کہتے ہیں۔ کربلا کا نام سن کر حضرت نے آہ سرد بھری اور فرمایا "کرب وبلا" پھر فرمایا یہیں اتر جاؤ یہی ہماری آخری خواب گاہ ہے۔ ہمارا خون اسی جگہ بہے گا۔ اور یہیں حرمت رسولؐ اللہ پامال ہوگی۔ یہاں ہمارے مرد اور بچے ذبح کئے جائیں گے۔ یہیں ہماری قبریں ہونگی اور لوگ یہاں زیارت کو آئیں گے۔ وقت رخصت نانا نے یہیں کا وعدہ لیا تھا اس کے خلاف کچھ نہیں ہوگا۔

ابو مخنف نے مزید لکھا ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ گھوڑے سے اترے تو فرمایا "اے دنیا تیری دوستی پر صد ہا افسوس کہ تیرا کیسا عروج و زوال ہے۔ کتنے ہی اہل حق مارے جاتے ہیں لیکن زمانہ تغیر کو نہیں چھوڑتا ہر زندہ اپنے سفر پر رواں دواں ہے اور اسکے کوچ کا وقت عنقریب آنے والا ہے یہ تمام امور قدرت کے اختیار میں ہیں"۔

حضرت امام حسینؑ اپنے اہل وعیال کے ساتھ ۲ محرم ۶۱ ہجری کو وارد کربلا ہوئے علامہ محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ اور ابن خلدون کے مواقف یہ دن پنجشنبہ کا تھا اور محرم ۶۱ ہجری کی دوسری تاریخ تھی۔ جب حضرت یہاں پہنچے تو یہاں کا وحشت ناک منظر دیکھ کر آپؑ کی نظر میں وہ ہولناک منظر سامنے آگیا جو دس محرم کو پیش آنے والا تھا۔ معالی السبطین میں حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ کربلا میں دوسو انبیاء اور دوسو نبی زادے دفن ہیں ان میں سے ہر ایک شہید تھا۔

حضرت امام حسینؑ نے زمین کربلا پر قدم رکھتے وقت فرمایا یہی وہ مقام ہے جسے رب العزت نے میری شہادت گاہ کیلئے روز ازل سے تجویز فرمایا تھا۔ اس میدان کی طرف دیکھو جو حشر کا نقشہ پیش کر رہا ہے۔

یہی وہ مقام ہے جس کی نشانیاں میرے نانا نے مجھ پر ظاہر فرمائی تھیں ہم اپنی منزل پر پہنچ چکے ہیں۔

صاحب نورالعین نے روایت کی ہے کہ جب حضرتؑ نے یہاں نزول فرمایا تو ارشاد فرمایا۔ ''یہی ہمارے قافلے کے اترنے کی جگہ ہے اسی جگہ ہمارا خون بہایا جائے گا۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں ہمارے حرم قید کیے جائیں گے۔ اس جگہ صاحبان عزو شرف کو رسوا کیا جائے گا۔ بخدا اسی جگہ میری رگیں کٹیں گی اور میری داڑھی خون سے رنگین ہوگی۔ آسمان سے فرشتے میرے نانا رسولؐ خدا، والدہ گرامی اور بابا امیر المومنینؑ کو پرسہ دیں گے اور گریہ و ماتم کریں گے۔ بخدا میرے نانا نے اسی جگہ کا وعدہ اللہ سے کیا تھا۔''

جب حضرتؑ نے سواری سے اتر کر زمین پر قدم رکھے تو زمین کربلا کا رنگ زرد ہوگیا۔ آپؑ نے ایک مٹھی خاک اٹھائی اور چہرہ انور پر ڈالی اور بیٹھ گئے۔ جناب عباسؑ اور جناب علی اکبرؑ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا نشیبی جگہ تلاش کریں۔ جہاں مخدرات عصمت و طہارت کے خیام نصب کیے جائیں اس وقت جناب زینبؑ نے عرض کی بھیا بابا امیر المومنین ہمیشہ جہاد کے لیے بلند جگہ منتخب کرتے تھے آپ نشیبی جگہ کا انتخاب کر رہے ہیں۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا۔ ''بہن بابا کی جنگوں اور میری جنگ میں فرق ہے ۔ مجھے علم ہے رضائے الٰہی یہ ہے کہ میں دین بچانے کیلئے مع اہل و عیال اور انصار قتل کیا جاؤں۔ بہن نشیبی جگہ کا انتخاب اس غرض سے بھی کیا ہے۔ تا کہ میری شہادت کے بعد بے حیا قوم اہل حرم پر نگاہ نہ ڈال سکے''۔ یہ سن کر جناب زینبؑ زارو قطار رونے لگیں اور غم سے نڈھال ہوگیں۔ اس وقت حضرت امام حسینؑ نے جوانان بنی ہاشم، بیٹوں، بھائیوں اور تمام انصار و اقربا کو اپنے گرد جمع کیا اور سب پر حسرت کی نگاہ کی۔ اس وقت غم کی گھٹا چھائی تھی سارا ماحول سوگوار تھا۔ حضرت نے آسمان کی طرف رخ کیا اور فرمایا۔ ''پروردگار گواہ رہنا ہم تیرے محبوب حضرت ختمی مرتبت کی عترت ہیں۔ بنی امیہ نے ہم پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے ہیں۔ ہمیں حرم رسولؐ سے جدا کیا اور ہم پر ظلم و جفا کی۔ اے پروردگار تو ہی ہمارے حقوق کا محافظ ہے۔ یہ سن کر اہل بیت رسولؐ نے آہ و بکا کی۔ حضرت ام کلثومؑ فرماتی تھیں۔ بھیا ہمارا کلیجہ چھلنی اور دل خون ہو رہا ہے کہ ہم کس ہولناک صحرا میں آ پہنچے اس موقع پر حضرت امام حسینؑ نے فرمایا ''بہن زینبؑ ایک مرتبہ بابا علی مرتضیٰ حسن مجتبیٰ کی گود میں سر رکھ کر سو گئے۔ ایک عجیب خواب دیکھا جب نیند سے بیدار ہوئے تو زارو قطار رونے لگے۔ بھیا حسن نے بابا سے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک خونی طوفان ہے جس میں تمہارے بھائی حسینؑ غوطے کھا رہے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں۔ ھل من ناصر ینصرنا ھل من مغیث یغثنا لیکن فریاد کو کوئی نہ پہنچ سکا۔ پھر میری طرف نگاہ

اٹھائی اور فرمایا میرے پیارے بیٹے حسینؑ جب دل ہلا دینے والا واقعہ رونما ہوگا تو تم پر کیا گزرے گی۔"
میں نے عرض کی بابا جان انشاءاللہ آپ مجھے شکر گزار پائیں گے۔

خیموں کا نصب ہونا

جب حضرت امام حسینؑ کا قافلہ کربلا پہنچا شدید گرمی کا موسم تھا، جلتی ہوئی ریت پر خیمے نصب ہوئے اونٹ بیٹھائے گئے۔ حضرت قاسمؑ و علی اکبرؑ اور عون و محمدؑ نے پردہ کیا۔ رسولؐ اللہ کی نواسیاں علیؑ و فاطمہؑ کی بیٹیاں مخدرات عصمت وطہارت جوانان بنی ہاشم کی نگرانی میں خیموں میں داخل ہوئیں۔

اعثم کوفی کے مواِفق جب کربلا قافلہ پہنچا تو دریائے فرات کے کنارے اسباب اتارا گیا اور خیمے نصب ہوئے جملہ برادر اور چچازاد بھائی سب کے اپنے اپنے خیمے لگے حضرتؑ کے خیمے کے گرد اصحاب واعزا کے خیمے لگائے گئے سب اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے۔

مقتل لہوف میں سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ لکھتے ہیں جب خیمے نصب ہو چکے تو حضرت امام حسینؑ اپنی تلوار صاف کر رہے تھے اور یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔ "اے زمانے تیری دوستی ہمیشہ قائم رہنے والی نہیں ہے۔ تیرا کام دوستوں کے ساتھ دشمنی کے سوا اور کچھ نہیں صبح وشام تو نے اپنے دوستوں کی جماعت کو قتل کیا ہے اور یہ زمانہ کسی طور قناعت نہیں کرتا اس میں ہر زندہ موت کی طرف جا رہا ہے اور ہر امر اللہ کے اختیار میں ہے میرا خدا ہر عیب سے پاک ہے اور اس کا کوئی ثانی نہیں"۔

یہ سن کر حضرت زینبؑ پریشان ہوگئیں اور کہا۔ "اے بھائی آپ جو باتیں کر رہے ہیں یہ تو وہ شخص کرتا ہے جسے اپنے مرنے کا یقین ہو" حضرت امام حسینؑ نے فرمایا "حقیقت میں ایسا ہی ہونے والا ہے" جناب زینبؑ نے فرمایا۔ "بھائی کاش میں مر جاتی آپ اپنی شہادت کی خبر سنا رہے ہیں۔" اس وقت اہل حرم میں کہرام مچ گیا۔ عورتیں منہ پر طمانچے مارنے لگیں۔ جناب ام کلثومؑ نے آہ و فریاد کرتے ہوئے کہا۔ اے! ابا عبداللہ آپ کے بعد بیکسی اور لاچارگی سے پناہ ہو۔ حضرت امام حسینؑ نے تسلی دی اور کہا۔ "بہن راہ خدا میں صبر کرو ہر شخص کے لیے فنا ہے اور سب کو مرنا ہے"۔ یہ سن کر جناب زینبؑ حضرت امام حسینؑ سے مخاطب ہوئیں۔ "بھائی کیا آپ اپنے آپ کو دشمن کی قید میں سمجھتے ہیں مجھے یہ بات بہت پریشان کر رہی ہے اور برداشت کرنا مشکل ہے۔ اس وقت بی بی نے شدت غم سے بہت گریہ کیا اور منہ پہ طمانچے مارے یہاں تک کہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر گئیں۔

جب حضرت زینب کو ہوش آیا تو حضرت امام حسینؑ نے اپنے نانا جناب رسولؐ خدا اور بابا حضرت علی مرتضیٰ کے مصائب یاد دلائے تا کہ اپنے مصائب کم محسوس ہوں اور جناب زینبؑ کو سکون مل جائے۔ حضرت امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں جب میری پھوپھی جناب زینبؑ نے حضرت کے اشعار سنے تو رونے لگیں اور شدید رنج وغم کا اظہار کیا اور اپنی چادر سنبھالتے ہوئے غم واندوہ کی حالت میں حضرت امام حسینؑ کے پاس تشریف لائیں اور عرض کیا۔ ''اے میرے بھائی! اے میری آنکھوں کے نور اے انبیاء واوصیاء کے جانشین اور اے ہم زندہ رہنے والوں کی پناہ گاہ کاش مجھے موت آجاتی''۔

جناب زینبؑ کے یہ دردانگیز بین سن کر حضرتؑ نے بی بی کو تسلی دی اور فرمایا ''یہ خدا کا فیصلہ ہے اور ہماری بازگشت اسی کی طرف ہے اس کے بعد حضرت نے اصحاب کو حکم دیا کہ اپنے خیمے ایک دوسرے کے قریب نصب کریں چنانچہ اصحاب نے اس حکم کی تعمیل کی۔

جناب زینبؑ وحضرت ام کلثومؑ کی گریہ وزاری سے حضرتؑ کے دل پر بہت اثر ہوا۔ بحارالانوار میں مرقوم ہے کہ کربلا پہنچ کر حضرت امام حسینؑ نے اہل بیت کو جمع کیا اور ان کو دیکھ کر گریہ کرتے رہے اور فرمایا۔ ''اے اللہ ہم تیرے نبیؐ حضرت محمدؐ کی عترت ہیں ہمیں پریشان کیا گیا اور ہمیں اپنے وطن سے نکالا گیا۔ ہم اپنے نانا کے روضے سے دور کیے گئے۔ ہم پر بنی امیہ نے زیادتی کی اے اللہ ہمارے حق کا واسطہ ہماری خبر لے اور ان کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔''

مخدرات عصمت وطہارت کا گریہ

جب حضرت امام حسینؑ نے بندش آب کے حکم پر دریا کے چاروں اطراف لشکر یزید کا نرغہ دیکھا اور اعدا کے سامنے اتمام حجت کیلئے خطبہ دیا تو سید ابن طاوس علیہ الرحمہ کے موافق آپؑ کی بیٹیوں اور بہن حضرت زینبؑ وام کلثومؑ نے رونا شروع کر دیا اور منہ پیٹنے لگیں، گریہ و ماتم کی آوازیں بلند ہوئیں۔ حضرت امام حسینؑ نے اپنے بھائی جناب عباسؑ اور لخت جگر حضرت علی اکبرؑ کو ان کے پاس بھیجا اور فرمایا کہ انہیں جا کر تسلی دیں مجھے اپنی جان کی قسم انہیں اس کے بعد بہت رونا ہوگا۔

اسی رات حضرت امام حسینؑ نے جب چند ایسے اشعار پڑھے جن سے دنیا کی ملامت، اسکی ناپائیداری اور بے وفائی کا شکوہ ظاہر ہوتا تھا۔ یہ اشعار حضرت نے دو تین بار پڑھے۔ جناب زینبؑ یہ اشعار سن کر بہت زیادہ غمزدہ ہو گیں اور نوحہ و ماتم کرتی ہوئی حضرت امام حسینؑ کے پاس پہنچیں شدت غم سے منہ پر طمانچے

مارے اور بیہوش ہو گئیں۔

حضرت عباسؑ علمدار نے مختلف مواقع پر صاحبان عصمت وطہارت بیبیوں کی دلجوئی فرمائی۔ ابو مخنف نے بروایت ضحاک بن قیس لکھا ہے کہ جس وقت حضرت امام حسینؑ نے ناقہ پر سوار ہو کر مقابل لشکرِ شام خطبہ پڑھا اور حضرتؑ کی آواز خیمہ اہل حرم میں پہنچی تو اہل حرم کے خیمے سے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں، اس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام نے جناب عباس علیہ السلام اور جناب علی اکبر علیہ السلام کو روانہ کیا کہ جا کر اہل حرم کو سنبھالیں۔ یہ دونوں خیمہ میں گئے اور مخدرات عصمت وطہارت کو سمجھا کر پھر میدان میں آئے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے باقی خطبہ تمام کیا۔ ضحاک کہتے ہیں، ایسا فصیح کلام نہ کسی نے اس سے پہلے کبھی سنا تھا اور نہ کبھی آئندہ سنا جائے گا۔

ایک شب کی مہلت

شیخ مفید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ حضرت امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ سے فرمایا اے برادر! اگر ہو سکے تو لڑائی کل تک پر موقوف رہے آج کی رات ان سے کہو ہمارے قتال سے باز رہیں تاکہ اس شب ہم اپنے پروردگار کی عبادت کریں یہ تمام شب نماز، دعا، استغفار اور تلاوت میں بسر کریں کیونکہ خدا جانتا ہے کہ میں ہمیشہ نماز، تلاوت، استغفار اور دعا کا مشتاق رہا ہوں یہ سن کر حضرت عباسؑ منافقین کے پاس گئے اور ایک رات کی مہلت طلب کی۔ عمر سعد نے ایک شخص کو جناب عباسؑ کے ہمراہ خدمت امام عالی مقام میں بھیجا جب وہ حاضر ہوا۔ اس نے حضرتؑ سے کہا آج شب کی مہلت دی ہے۔ کل اگر اطاعت امیر کریں گے تو ابن زیاد کے پاس لے چلیں گے ورنہ قتل کریں گے یہ کہہ کر یہ شخص واپس چلا گیا۔

مقتل لہوف میں ہے کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے دیکھا کہ سپاہ ابن زیاد جنگ شروع کرنے میں بہت جلدی کر رہی ہے اور وعظ ونصیحت کا ان پر کوئی اثر نہیں ہو رہا ہے۔ تو حضرت امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ سے فرمایا۔ جیسے بھی ممکن ہو لشکر اعدا کو جنگ کرنے سے روکو تاکہ آج کی رات میں نماز ادا کر سکوں اس لئے کہ خدا جانتا ہے کہ مجھے نماز پڑھنے اور تلاوت قرآن سے کس قدر لگاؤ ہے۔ حضرت عباسؑ آئے اور ان لوگوں سے ایک شب کی مہلت کی درخواست کی عمر بن سعد نے خاموشی اختیار کی یعنی ایک شب کی مہلت پر رضا مند نہ تھا۔ عمرو بن حجاج زبیدی نے کہا! خدا کی قسم اگر یہ لوگ ترک و دیلم کے قبیلے سے بھی ہوتے تو ہم ان کی درخواست قبول کر لیتے حالانکہ یہ آل محمدؐ ہیں۔ اس کے بعد ایک شب کی مہلت کی درخواست قبول کر لی۔

ناسخ التواریخ اور روضۃ الشہداء کے مطابق ایک شب کی مہلت ملنے کے بعد اگرچہ جنگ نہ چھڑی لیکن عمر سعد کا لشکر وہیں اترا گویا حضرت امام حسینؑ کا چھوٹا سا لشکر اس وقت سے فوجی محاصرہ میں آ چکا تھا۔

تحفہ حسینیہ، اکسیر التواریخ اور منتقل عوالم کے مطابق حضرت امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ سے فرمایا۔ ''بھیا عباسؑ تم جاؤ اور ان لوگوں سے کہو کہ یہ کل تک اپنے ارادے سے باز رہیں اور ان سے ایک شب کی مہلت عبادت کے لیے طلب کرو۔ اس لیے کہ اللہ اس امر سے خوب واقف ہے کہ میں تلاوت قرآن مجید اور کثرت سے استغفار کو بے حد عزیز رکھتا ہوں۔'' حضرت عباسؑ نے جب حضرت امام حسینؑ کے اس فرمان کو اعدا کے سامنے پیش فرمایا، تو عمر سعد نے شمر سے مشورہ کیا تو شمر نے جواب دیا کہ اگر میں سردار ہوتا تو حسینؑ کو ہرگز اجازت نہ دیتا۔ بعد میں عمر سعد نے اجازت دیتے ہوئے ایک شخص کو اپنے اس پیغام کے ساتھ روانہ کیا کہ اگر بیعت قبول کر لو گے تو پھر ابن زیاد کے پاس لے چلیں گے اور اگر بیعت نہ کی تو پھر ہم زندہ نہ چھوڑیں گے۔ یہ پیغام پہنچا کر یہ شخص واپس چلا گیا۔

جب شب عاشور انصار و اقربا مصروف عبادت تھے کہ اعدا نے خیموں کی جانب ہجوم کیا تو جناب عباسؑ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو خبر دی کہ یہ لوگ آپ کے لیے آئے ہیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ بھیا! عباس میں خود سوار ہو کر ان کے سامنے روانہ ہوتا ہوں۔ جناب عباسؑ نے عرض کیا۔ آپ تشریف رکھیں میں جا رہا ہوں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ اے عباسؑ جا کر ان لوگوں سے پوچھو آخر یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ جناب عباسؑ نے بتایا یہ لوگ کہتے ہیں۔ یہ ہمارے حاکم کا حکم ہے کہ ہم اس طرف ہجوم کریں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ اے عباسؑ ان نابکاروں سے کہہ دیں کہ اس وقت واپس چلے جائیں، ہمیں اس رات اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے کیونکہ ہمیں تلاوت قرآن مجید، کثرت دعا، نماز اور طلب رحمت سے بہت پیار ہے۔ جناب عباسؑ فوج شام کے سامنے تشریف لائے اور فرمایا۔ ''اس رات تم واپس چلے جاؤ کل اس بارے میں سوچ کر آنا۔ اس کے بعد جناب عباسؑ خیمہ گاہ تشریف لائے اور خیام حسینی کا پہرہ دیا اور ساتھ ہی نماز، اور مناجات کرتے رہے، اور ساتھ ہی اپنے بھائیوں کو نصیحت فرمائی کہ یہ حضرت امام حسین علیہ السلام پر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر دیں۔ مالی شیخ صدوق، روضۃ الصفا، کامل التواریخ، روضۃ الشہداء کے مطابق شب عاشور جناب عباسؑ نے خیام کے ارد گرد خندق کھود کر اس میں لکڑیاں جلائیں تا کہ شب خون سے بچا جا سکے۔ روضۃ الصفا اور روضۃ الشہداء میں یہ روایت مرقوم ہے کہ حضرت امام حسینؑ تعقیبات نماز و دعا میں مصروف تھے کہ عمر ابن سعد خبیث نے صبح کی نماز پڑھی اور گھوڑے

پر سوار ہو کر اہل بیت کے خیام کی طرف افواج کو اس طرح بلایا جس طرح سیلاب اپنی شدت سے بڑھتا ہے۔
اس وقت حضرت امام حسینؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا۔ "نماز صبح کی ادائیگی اور تعقیبات کے بعد میری آنکھ لگ گئی تھی تو میں نے دیکھا کہ کتوں نے مجھ پر حملہ کر دیا ہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ میرا قاتل مبروص ہو گا اور میں نے اپنے جد بزرگوار کو دیکھا۔" انہوں نے فرمایا۔ "اے فرزند تم آل محمد کے شہید ہو۔ ملائکہ تمہارے استقبال کے لیے موجود ہیں اور آج کا دن گزرنے کے بعد تم میرے پاس لائے جاؤ گے۔ خداوند عالم نے ایک فرشتے کو بھیجا ہے۔ جو تمہارا خون سبز رنگ کی شیشی میں رکھے گا۔"

حضرت عباسؑ کا کنواں کھودنا

اعثم کوفی کے مواقف ابن زیاد نے عمر سعد کو تاکید کی کہ دریائے فرات پر پہرے بیٹھا دے کہ حضرتؑ کی نظر تک پانی پر نہ پڑے۔ ابومخنف کے مطابق جیسے ہی عمر سعد کو ابن زیاد کا خط ملا، حجر بن حر کو چار ہزار کا لشکر دے کر حکم دیا کہ نہر غاضریہ پر پہرہ لگا دے اور حضرتؑ پر پانی بند کر دے، اس کے علاوہ مزید چار ہزار کا لشکر شیث بن ربعی کو دیکر بندش آب کا حکم دیا۔ اس حکم کے ملتے ہی آٹھ ہزار کا لشکر نہر کے چاروں طرف پھیل گیا۔
سرالشہادتین کے مواقف ایک ایک سردار لشکر کے ساتھ پہنچنا شروع ہوا۔ یہاں تک کہ عمر سعد کے پاس بائیس ہزار سوار اور پیادے دریائے فرات کے گرد حائل ہو گئے۔ بحارالانوار کے مطابق ابن زیاد نے عمر سعد کو لکھا کہ ایک قطرہ بھی پانی حضرت امام حسینؑ کے لب خشک تک نہ پہنچے اور پیاسے قتل ہوں، یہ خط ملتے ہی اہل بیت رسالتؑ پر پانی بند کر دیا گیا اور ایک شخص کو بلا کر یہ منادی کرائی کہ اے پسر فاطمہ رسول خدا تمہیں اس پانی کا ایک قطرہ نصیب نہیں ہو گا۔
ابواسحق اسفرائنی کے مطابق وہ جو ابن سعد کی مدد کے لیے آئے تھے۔ دریائے فرات اور حضرت امام حسینؑ کی قیام گاہ کے درمیان جا اترے۔ عمر سعد نے حجر بن حر کو بلا کر ایک جھنڈا دیا اور دو ہزار سوار ساتھ کیے اور حکم دیا کہ فلاں راستہ کی حفاظت کرے اور حضرت امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کو نہر فرات کا پانی پینے سے روکے۔ ابن ربعی کو ایک جھنڈا اور چار ہزار سوار دیکر دوسرے راستے پر تعینات کر کے حکم دیا کہ تم ادھر سے حسینؑ اور انکے ساتھیوں کو پانی پینے سے روکنا، یہ دونوں فوجیں اپنے اپنے مقام پر آکر پانی پینے سے روکتی رہیں۔
جب حضرت امام حسینؑ نے پیاسے بچوں کی تشنہ لبی دیکھی تو اپنے قوت بازو جناب عباسؑ کو بلا کر فرمایا۔ بھیا عباسؑ اہل حرم اور معصوم بچے پیاس سے جاں بلب ہیں لہذا کنواں کھودو اس حکم کی تعمیل میں آپؑ

کنواں کھودنے میں مصروف ہو گئے۔ مقتل ابی مخنف اور لہوف کی روایت کے مطابق بچوں پر جب پیاس کا غلبہ ہوا اور پانی کے حصول کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباس علیہ السلام کو بلا کر فرمایا۔ بھیا! اہل بیت کو جمع کر کے کنواں کھودو۔ حضرت عباسؑ نے آقا حسینؑ کے حکم کی تعمیل بجالاتے ہوئے کنواں کھودا، مگر پانی برآمد نہ ہوا۔ لہٰذا اسے بند کر دیا۔ علامہ بسطامی تحریر فرماتے ہیں۔ جناب عباسؑ نے جب کنواں کھودنا شروع کیا تو پانی برآمد ہونے سے قبل عمر سعد کے ظالم لشکر نے اچانک حملہ کر کے کنواں بند کر دیا۔ ناسخ التواریخ میں یہ روایت مرقوم ہے کہ جب کربلا میں نویں محرم کی رات گزر گئی اور صبح کی روشنی ظاہر ہوئی تو اہل بیت اور اصحاب پر بے پناہ پیاس کی شدت تھی، جس کا ذکر حضرت امام حسینؑ سے کیا تو آپؑ نے جناب عباسؑ کو بلا کر فرمایا۔ بھیا عباس اصحاب کو جمع کر کے کنواں کھودو تاکہ پانی فراہم ہو اور تشنہ لبوں کی پیاس بجھے۔ جناب عباسؑ نے کنواں کھودا لیکن پانی نہ نکلا۔ مقتل عوالم اور امالی شیخ صدوق کے مطابق ابن زیاد ملعون نے دشمنی اور ضرر رسانی کی غرض سے عمر سعد کو خط لکھا کہ مجھ کو یہ اطلاع ملی ہے کہ حسینؑ کنواں کھود کر پانی نکالتے ہیں۔ لہٰذا اس بات کی تحقیق کرنے کے بعد میرا خط ملتے ہی کنواں کھودنے سے روک دے اور پانی کی فراہمی کی تمام راہیں بند کر دے اور تجھے تاکید ہے کہ اس میں ہرگز کوتاہی نہ کی جائے اور ان تک پانی نہ پہنچنے پائے۔

شب عاشور اہل بیت اطہار اور اصحاب نے عبادت میں بسر کی، یہ وہ رات تھی جس کی صبح روز قیامت تھی۔ یہ بہت بڑا امتحان تھا کہ بھوک و پیاس کے باوجود رات ذکر الٰہی میں بسر ہوئی۔ اس رات بڑوں اور بچوں پر پیاس کا شدید غلبہ تھا لیکن پانی کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی تھی۔ محرم کی نویں تاریخ نمودار ہوئی تو امام حسین علیہ السلام نے اپنے قوت بازو و ساقی اہل بیت جناب عباسؑ کو طلب فرما کر ارشاد فرمایا۔ بھیا عباسؑ چند اصحاب کو اپنے ہمراہ لے کر کنواں کھودو شاید پانی نکل آئے اور معصوم بچے سیراب ہو سکیں۔ مورخین نے اس واقعہ کی تفصیل میں لکھا ہے کہ نو محرم کی صبح حضرت سکینہؑ پر پیاس کا شدید غلبہ تھا۔ آپ حضرت زینبؑ کے پاس آئیں اور عرض کی۔ پھوپھی اماں پیاس مارے ڈالتی ہے۔ برتن پانی سے خالی ہیں، مشکیزے خشک ہیں اور پانی بالکل میسر نہیں۔ حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے جناب سکینہ کا یہ حال دیکھا تو حضرت علی اصغرؑ کو آغوش میں لیا اس وقت آپ حالت اضطراب میں کبھی اٹھتی تھیں اور کبھی بیٹھتی تھیں۔ جناب علی اصغرؑ شدت پیاس کی سبب آپ کی آغوش میں مثل ماہی بے آب تڑپ رہے تھے۔ آپ فرماتی تھیں، بیٹا صبر کرو لیکن جناب سکینہؑ کو حضرت علی اصغرؑ کے اضطراب کے سبب کسی طرح قرار نہیں آتا تھا۔ آپ کے اشک رواں تھے۔ جناب زینبؑ نے فرمایا۔

بی بی کیوں روتی ہو۔ جناب سکینہؑ نے عرض کی۔ پھوپھی اماں! آپ اصحاب وانصار کے خیموں میں پانی تلاش کرائیں ممکن ہے تھوڑا سا پانی میسر آجائے۔ جناب سکینہؑ کی تسلی کے پیش نظر آپ جناب ام کلثومؑ، حضرت عباسؑ، حضرت قاسمؑ اور دیگر عزیز واقربا کے خیموں میں تشریف لائیں لیکن کسی خیمے میں ایک قطرہ پانی نہ تھا۔

جب کہیں سے ایک قطرہ پانی میسر نہ ہوا تو آپ چھوٹے بچوں کے ہمراہ جن کی تعداد بیس تھی اپنے خیمے میں تشریف لائیں، اور جناب عباسؑ کو طلب فرمایا اور آپ سے کہا۔ بھیا عباسؑ اب اصحاب کو جمع کر کے کنواں کھودو، یہ معصوم بچے شدت پیاس سے جاں بلب ہیں۔ آپ نے اسی وقت کنواں کھودنا شروع کیا۔ جب بچوں کو کنواں کھودنے کی خبر ملی تو یہ اپنے ننھے ننھے ہاتھوں میں کوزے لیے العطش العطش کی صدائیں بلند کرتے ہوئے اس مقام تک پہنچے۔ جہاں کنواں کھودا جا رہا تھا اور اس آرزو میں کہ اب پانی میسر آئے گا، یہ بچے جھک جھک کر کھودے جانے والے کنوئیں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اسی اثنا عمر بن سعد لعین کو اطلاع ملی تو دشمن دیں لشکر کے ہمراہ آلات حرب سے لیس پہنچا تو تشنہ لب بچے ہاتھوں میں خالی کوزے لیے ہوئے خیموں کی طرف روانہ ہوئے۔ ظالموں نے اس کنوئیں کو بند کر دیا۔ ان لعینوں کے جانے کے بعد جناب عباسؑ نے دوسرا کنواں کھودا۔ اس دوران تشنہ لب بچے خیمہ میں العطش کی صدائیں بلند کر رہے تھے۔ مرقوم ہے ظالموں نے اس کنوئیں کو بھی بند کر دیا۔ یہاں تک کہ آپ نے یکے بعد دیگرے چار کنوئیں کھودے جو سب بند کر دیئے گئے۔ جب پانچواں کنواں کھودا تو پانی کے آثار نمودار ہوئے تھے۔ یزیدی لشکر نے اس کنوئیں کو بھی بند کر دیا۔ اس وقت جناب سکینہؑ ہاتھ میں خشک کوزہ لیے کھڑی تھیں۔ دشمن کی آمد پر خیمہ کی طرف لوٹیں ناگاہ آپ کا پاؤں خیمہ کی طناب میں الجھ گیا اور منہ کے بل زمین پر گر گئیں اور جناب زینبؑ کو با آواز بلند صدا دیتی رہیں۔ جناب سکینہؑ کا یہ حال دیکھ کر حضرت امام حسینؑ بہت رنجیدہ ہوئے۔

علامہ اربلی تحریر فرماتے ہیں۔ جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے پیاسوں کا اضطراب دیکھا تو نویں تاریخ اتمام حجت کی غرض سے ناقہ پر سوار ہو کر لشکر اعدا کی جانب تشریف لائے اور فرمایا: اے قوم! اگر تمہاری یہ خام خیالی ہے کہ میں گنہگار ہوں تو عورتیں اور بچے بے خطا ہیں۔ یہ اہل بیت رسول خداؐ ہیں انہیں تھوڑا سا پانی دے دو، یہ شدت پیاس سے جاں بلب ہیں۔ عمر بن سعد نے کہا: اے حسینؑ اگر ساری دنیا پانی پانی ہو جائے اور ہمارے قبضہ اختیار میں ہو تو ہم اس وقت تک پانی کا ایک قطرہ بھی نہ دیں گے جب تک تم یزید کی بیعت نہ کر لو گے۔ عمر بن سعد کے یہ الفاظ سن کر آپ نے اپنا تعارف کراتے ہوئے اہل بیتؑ سے جناب رسالت مآبؐ کا رشتہ اور تعلق بتایا لیکن اس سنگ دل پر کوئی اثر نہ ہوا۔

شب عاشور جناب عباسؑ کی وفاداری

ابن خلدون کے مطابق حضرت امام حسین علیہ السلام نے شب عاشور اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے خطبہ دیا، جس کا مضمون یہ تھا۔"میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتا ہوں اور اس کی تعریف ظاہر اور پوشیدہ کرتا ہوں۔ اے اللہ میں تیری حمد کرتا ہوں کہ تو نے ہمارے جد کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور ہم کو گوش وچشم وقلوب عطا کیا۔ قرآن کی تعلیم اور سمجھ عطا فرمائی۔ پس ہم تیرے شکر گزار ہیں۔ امابعد میں اپنے ہمراہیوں سے زیادہ نہ کسی کو باوفا سمجھتا ہوں اور نہ کسی کو ان سے بہتر جانتا ہوں اور میرے اہل بیت سے زیادہ کوئی نیک اور نہ ان سے کوئی شخص زیادہ رشتہ کا لحاظ رکھنے والا ہے۔ پس تم سب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔ آگاہ ہو جاؤ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ کل یہ اعدا مجھ سے ضرور جنگ کریں گے۔ میں تم کو خوشی سے اجازت دیتا ہوں جس کا جس طرف جی چاہے چلا جائے۔ میرا کچھ حق اس پر نہیں ہے۔ لیکن مناسب ہے کہ تم میں سے ہر شخص میرے اہل بیتؑ میں سے ایک ایک فرد کو اپنے ہمراہ لے لے۔ تم سب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے گا اور اپنے اپنے شہروں اور ملکوں کی طرف منتشر ہو کر چلے جاؤ۔ اللہ رب العزت تم کو اس تکلیف سے بچائے۔ کیونکہ شامی میرے خون کے پیاسے ہیں، اگر یہ مجھے پالیں گے تو دوسروں کی جستجو نہیں کریں گے۔"بقول طبری اور مثیر الاحزان شب عاشور حضرت امام حسینؑ نے فرمایا۔"یہ لوگ صرف میری جان کے دشمن ہیں، لہٰذا تم لوگ رات کی تاریکی میں یہاں سے چلے جاؤ۔"

کامل ابن اثیر، ارشاد مفید، لہوف اور مقتل خوارزمی نے لکھا ہے کہ شب عاشور حضرت امام حسینؑ نے اپنے اصحاب اور بنی ہاشم سے خطاب فرمایا۔"میں تم سب کو اجازت دیتا ہوں خدا تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے، تم اس تاریک رات میں اپنے گھروں کو واپس چلے جاؤ یہ قوم صرف میری جان کے درپے ہے، تم میری طرف سے آزاد ہو تم پر اب میرا کوئی عہد وپیماں نہیں۔"

جناب عباس علمدارؑ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے یہ الفاظ سن کر حق وفا ادا کرتے ہوئے اس عزم کا اظہار کیا کہ"اے فرزند رسولؐ! ہم ایسا کس طرح کر سکتے ہیں کہ آپ کو یک وتنہا چھوڑ جائیں، یہ کسی صورت ممکن نہیں۔ کیا ہم آپ کو اس لیے تنہا چھوڑ جائیں کہ ہم آپ کے بعد زندہ رہیں؟ خدا ہمیں وہ دن کبھی نہ دکھائے۔"جناب عباسؑ کے اس خطاب کے بعد جملہ اصحاب باوفا اور اقربا نے اس بات کا عزم کیا کہ وہ کسی صورت حضرت سے جدا نہیں ہو سکتے۔ بلکہ واپس جانے پر شہادت کو ترجیح دیں گے۔ فرزندان جناب

مسلم بن عقیل، جناب مسلم بن عوسجہ، حضرت زہیر قین اور حضرت سعید بن عبداللہ سب نے فرمایا۔ ''ایسی زندگی پر لعنت ہے جو آپؑ کے بعد باقی رہے۔''

جناب مسلم بن عوسجہ نے کہا۔ ''اے فرزند رسولؐ اگر ہم نے آپ کی نصرت سے منہ پھیر لیا تو روز محشر ہم خدا کے سامنے کیا عذر پیش کریں گے۔ بخدا جب تک ہم دشمنوں کے سینوں میں نیزے پیوست نہ کر دیں اور اپنی تلواروں سے انکے ٹکڑے نہ کر دیں، اس وقت تک آپ سے جدا نہ ہوں گے۔ جب تک ہمارے ہاتھوں میں تلواریں ہیں۔ ہم ان کینہ صفت دشمنوں سے جنگ کریں گے۔ اگر خالی ہاتھ ہو جائیں گے تو ان پر سنگ باری کر کے انہیں ہلاک کر دیں گے۔ ہم اس وقت تک لڑیں گے جب تک آپ پر اپنی جانیں قربان نہ کر دیں۔

حضرت مسلم بن عوسجہ کے بعد سعد بن عبداللہ حنفی نے کہا۔ ''اے حسینؑ قسم بخدا ہم آپ کو تنہا نہیں رہنے دیں گے۔ اگر ہم ستر مرتبہ قتل ہو کر پھر زندہ کیے جائیں گے پھر بھی آپ کی نصرت سے منہ نہ موڑیں گے۔'' حضرت زہیر بن قین نے کہا۔ ''اگر مجھے ہزار بار قتل کیا جائے اور دوبارہ زندگی پاؤں تو بھی آپ کی نصرت کرتا رہوں گا۔'' حضرت ہلال نے کہا۔ ''مولا جب تک میری تلوار آپ کے دشمنوں کو قتل کر سکی اور میرا گھوڑا انہیں روند سکا میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔'' یہ سن کر حضرت ہلال بن نافع کو حضرت نے دعا دی۔ اس کے بعد آپؑ خیمے میں تشریف لائے تو حضرت زینبؑ نے فرمایا۔ ''بھائی آپ نے اصحاب کا امتحان لے لیا یا نہیں۔'' حضرتؑ نے جناب زینبؑ کو اطمینان دلایا۔ وسائل مظفری کے مواقف اس موقع پر حضرتؑ نے اپنے اصحاب کو جنت دکھا دی۔ ''تحفہ حسینیہ، مقتل عوالم، تاریخ، اعثم کوفی اور نور العین کے مطابق اپنے اصحاب باوفا کے جذبات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے فرمایا۔ ''خدا کی قسم! میں نے اپنے اصحاب سے بہتر اور زیادہ وفادار کسی کے اصحاب کو نہیں دیکھا اور میں نے اپنے اہل بیت سے بڑھ کر بھلائی کرنے والا اور صلہ رحم کے تقاضوں کو پورا کرنے والا کوئی خاندان نہیں دیکھا۔''

شب عاشور جناب عباسؑ کی وفاداری اپنے عروج پر تھی، ہر لمحہ آپ حضرت امام حسینؑ اور اہل حرم کے ساتھ تھے۔ بار بار اہل حرم کو دلاسہ دیتے اور ساتھ ہی آپ کی زبان پر ذکر الٰہی جاری تھا۔ شب عاشور آپ محافظ اہل حرم کے فرائض بھی انجام دے رہے تھے اور دشمن کی حرکات و سکنات پر آپ کی نظر تھی۔

جناب زینب سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں۔ ''شب عاشور گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز بلند ہوئی تو میں بھیا حسینؑ کے پاس آئی اور دشمن کی آمد کی خبر سنائی۔ مقتل لہوف میں مرقوم ہے کہ آپؑ نے اپنی بہن زینبؑ سے فرمایا۔ میں نے ابھی خواب میں اپنے نانا جناب محمد مصطفیٰؐ، اپنے والد علی مرتضیٰؑ کو دیکھا ہے۔ انہوں نے مجھ

سے فرمایا کہ تم بہت جلد ہمارے پاس آنے والے ہو۔ جب بی بی نے اپنے بھائی کا خواب سنا تو بی بی کی چیخیں نکل گئیں۔ اپنے چہرے پر تماچے مارے اور شدت سے آہ وفغاں کی۔ حضرت امام حسینؑ نے بڑی شفقت سے بہن سے فرمایا۔ تمہارے دشمن کے لیے بربادی ہے۔ خدا آپ پر رحم کرے، خاموش ہو جائیں۔ یہ سن کر آپ خاموش ہو گئیں۔

اس وقت حضرت عباسؑ امام حسین علیہ السلام کے پاس آئے اور عرض کیا۔ اموی لشکر ہماری طرف بڑھ رہا ہے۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا۔ اے عباسؑ! ان کے پاس جا کر معلوم کرو کہ یہ کیوں آگے بڑھ رہے ہیں اور اب یہ کیا چاہتے ہیں؟ جناب عباسؑ نے بیس سوار اپنے ساتھ لیے۔ ان میں حضرت زہیر بن قین اور حضرت حبیب ابن مظاہر بھی شامل تھے۔ آپ لشکر یزید کے سامنے آئے اور پوچھا تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا۔ ہمارے حاکم کا حکم آیا ہے کہ آپ لوگ یزید کی اطاعت کریں ورنہ ہم جنگ کریں گے۔ جناب عباسؑ نے فرمایا۔ تم سب یہیں رک جاؤ، میں اپنے آقا و مولا ابو عبداللہ کی خدمت میں جا کر تمہارا پیغام ان تک پہنچاتا ہوں۔ آپ کے رعب وجلال کا لشکر اعدا پر ایسا اثر ہوا کہ کسی میں ایک قدم آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اہل لشکر نے کہا۔ آپ پیغام پہنچا کر ہمیں مطلع کریں۔ جناب عباسؑ حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں روانہ ہوئے اور باقی اصحاب وہاں ٹھہرے رہے۔ حضرت حبیب ابن مظاہر نے حضرت زہیر بن قین سے فرمایا کہ آپ ان لوگوں کو نصیحت کریں۔ حضرت زہیر نے کہا کہ آپ بزرگ ہیں آپ گفتگو فرمائیں۔ اس کے بعد حضرت حبیب ابن مظاہر لشکر یزید سے مخاطب ہوئے۔ لوگو! اللہ کا خوف کرو، جن کو تم قتل کرنا چاہتے ہو، یہ اہل بیت رسولؐ ہیں، یہ بہت زیادہ عابد و زاہد ہیں اور عابد شب زندہ دار ہیں۔ یہ وہ ہیں جو کثرت سے ذکر الٰہی کرتے ہیں۔ تم انہیں قتل کر کے اللہ کو کیا منہ دکھاؤ گے۔ لشکر یزید کے ایک ملعون عزرہ بن قیس نے کہا۔ حبیب! آپ تو ہمیشہ اپنی تعریف کرنے کے عادی ہیں۔ حضرت حبیب ابن مظاہر نے کہا۔ پھر اس میں قباحت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے نفس کا تزکیہ کیا ہے اور ہدایت کی ہے۔ اے عزرہ خوف خدا کر پاکیزہ نفسوں کو قتل کر کے گمراہوں کا معاون و مددگار نہ بن۔ عزرہ نے طعنہ دیتے ہوئے کہا۔ زہیر تم تو اہل بیت کے شیعہ نہ تھے۔ میں تمہیں عثمانی سمجھتا تھا۔ حضرت زہیر بن قین نے فرمایا۔ مجھے یہاں دیکھ کر بھی تجھے علم نہیں ہوا کہ میں کس جماعت سے تعلق رکھتا ہوں، میں نے امام کو خط نہیں لکھے تھے۔ راستے میں اتفاق سے ہم جمع ہو گئے۔ جس وقت میں نے حضرت امام حسینؑ کو دیکھا تو مجھے رسول اللہؐ سے ان کا رشتہ یاد آیا، لہٰذا میں ان کی جماعت میں شامل ہوا اور اب اپنی جان ان پر قربان کر دوں

کا جبکہ تم لوگوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے حق کو ضائع کر دیا۔

جس وقت حضرت زہیر بن قین اور حضرت حبیب ابن مظاہر نصیحت کرنے میں مصروف تھے کہ حضرت عباسؑ حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اہل لشکر کا موقف بیان کیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ بھیا! ان لوگوں سے جا کر کہہ دو کہ آج کی رات ہم اللہ بزرگ و برتر کی عبادت میں مصروف رہیں گے اور دعا و استغفار کریں گے، خداوند تعالیٰ جانتا ہے کہ مجھے نماز، تلاوت قرآن مجید اور کثرت دعا و استغفار سے کس قدر محبت ہے۔ جناب عباسؑ حضرت امام حسین علیہ السلام کا پیغام لے کر آئے اور اہل لشکر کو آگاہ کیا۔ آخر کافی بحث کے بعد لشکر یزید عبادت کے لیے ایک شب مختص ہونے پر راضی ہوا۔ جب حضرت عباسؑ وہاں سے واپس آئے تو آپ کے ساتھ عمر بن سعد کا ایک قاصد بھی تھا۔ اس نے حسینی لشکر کے سامنے اعلان کیا کہ! ہم نے تمہیں آج رات کی مہلت دی ہے۔ اگر تم نے اطاعت کر لی تو ہم تمہیں ابن زیاد کے پاس لے جائیں گے اور اگر تم نے انکار کیا تو ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔ امالی صدوق میں مرقوم ہے کہ ابن سعد کی طرف سے منادی نے یہ ندا دی کہ ''ہم نے حسینؑ اور اس کے ساتھیوں کو آج رات کی مہلت دی ہے۔'' اس کے بعد دونوں لشکر اپنے اپنے مقام پر چلے گئے۔

حضرت زہیر بن قین کی حضرت عباسؑ سے گفتگو

جب شب عاشور کی نصف شب گزر چکی تو حضرت زہیر بن قین ''خیمہ حضرت عباسؑ پر آئے اور آواز دی حضرت عباس خیمہ سے باہر تشریف لائے تو حضرت زہیر نے کہا مجھے ایک واقعہ یاد آ رہا ہے، اسے بیان کرنا چاہتا ہوں آپ تھوڑی دور چلیں۔ دونوں بہادر گھوڑوں پر روانہ ہوئے۔ جناب زہیر نے گفتگو شروع کی ''اے عباسؑ جب خاتون جنت کا انتقال ہو گیا تو مولائے کائنات نے اپنے بڑے بھائی جناب عقیل سے کہا کسی بہادر خاندان کی پرہیزگار بی بی کا انتخاب کرو کہ خدا مجھے بہادر بیٹا عطا کرے جو میرے حسینؑ کے کام آئے، اے! عباسؑ اسی دن کے لئے مولا نے آپ کو رکھوایا تھا۔ دیکھئے نصرت حسینؑ میں کوئی کمی نہ ہو۔ یہ سننا تھا کہ حضرت عباسؑ نے جوش شجاعت میں جو انگڑائی لی تو رکابوں کے تسمے ٹوٹ گئے اور کہنے لگے ''اے زہیر تم مجھے شجاعت دلا رہے ہو۔ تم حسینؑ سے بہت محبت کرتے ہو میں تو اپنے کو انکا غلام کہتا ہوں کل دیکھنا اگر آقا نے اذن دیا تو ان فوجوں کو دار العمارہ سے ٹکرا دوں گا۔''

شب عاشور جناب عباسؑ کا عزم

شب عاشور جناب زینب سلام اللہ علیہا نے جناب عباسؑ سے فرمایا۔ بھیا عباسؑ! یہ خیام آپ کے خیام ہیں اور یہ مستورات آپ کی بہنیں ہیں۔ خدارا ہماری مدد میں کوئی کسر نہ کرنا۔ اس وقت جناب عباسؑ نے اپنی پریشان حال بہن کو تسلی دی۔ اہل حرم کو آپؑ کی وفا اور شجاعت پر ناز تھا، ہر مصیبت میں آپؑ سب کے مونس و غمخوار تھے۔ جب تک جناب عباسؑ زندہ رہے اہل حرم مطمئن رہے۔ آپؑ کی موجودگی میں کسی کی مجال نہ تھی کہ اہل حرم کو نقصان پہنچائے۔ معالی السبطین میں محمد مہدی مازندرانی تحریر فرماتے ہیں۔ ''اگر لوح محفوظ میں روز عاشور حضرت عباس علمدارؑ کی شہادت نہ لکھی ہوتی تو آپ اپنی شرر بار تلوار سے پورے اموی لشکر کو موت کے گھاٹ اتار دیتے۔'' معالی السبطین میں مرقوم ہے کہ جناب زینبؑ فرماتی ہیں۔ ''شب عاشور میں اپنے خیمہ سے نکلی، میں اپنے بھائی کو دیکھنا چاہتی تھی۔ اس رات میرے بھائی حسینؑ کے لیے ایک علیحدہ خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ میں نے اس خیمہ میں دیکھا کہ میرے بھائی یک وتنہا بیٹھے تلاوت قرآن مجید فرما رہے ہیں۔ میرے دل میں خیال آیا بھیا حسینؑ تنہا ہیں، اس وقت خاندان کے مرد کہاں ہیں؟ ان خطرات میں سلطان دیں اکیلے بیٹھے ہیں۔ میرا ارادہ ہوا کہ جوانان بنی ہاشم کو تنبیہ کروں کہ وہ سلطان دیں سے غافل نہ رہیں۔ یہ سوچتے ہوئے میں اپنے بھائی ابوالفضل العباسؑ کے خیمہ کے قریب آئی اور کچھ فاصلہ پر رک گئی اور خیمہ میں یہ منظر دیکھا کہ میرے تمام بھائی، بھتیجے اور جملہ عزیز واقربا بیٹھے ہیں اور میرے بھائی عباسؑ ان کے درمیان اس طرح بیٹھے ہیں جیسے شیر اپنے شکار پر بیٹھتا ہے۔ اس وقت میرے بھائی نے جوانان بنی ہاشم کو جو خطبہ دیا، ایسا پرعزم خطاب میں نے اپنے بھیا حسینؑ کے علاوہ کسی اور سے نہیں سنا تھا۔ میرے بھائی ابوالفضل العباسؑ نے خطاب کے آخر میں فرمایا: میرے بھائیوں بھتیجوں اور چچازاد بھائیوں کل روز عاشور ہے۔ آپ سب کیا فرائض انجام دیں گے۔ سب نے بیک زبان کہا، ہم سب آپؑ کے اشارے کے منتظر ہوں گے، تمام معاملات میں آپ کے حکم کے تابع رہیں گے۔ جناب عباسؑ نے سب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا: اس بات کا خیال رہے کہ ہم اہل بیت رسولؐ ہیں اور یہ ہمارے اصحاب ہیں، یہ مسافر ہیں۔ گھر کے افراد پر زیادہ ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ کل جب صبح ہو تو سب سے پہلے دشمنوں کے مقابلہ پر ہمیں جانا چاہیے تاکہ بعد میں لوگ یہ نہ کہیں اہل بیتؑ خود پیچھے تھے اور اصحاب کو آگے کر دیا۔ جس وقت جناب عباسؑ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے تو بنی ہاشم کے جوانوں نے جوش میں آ کر اپنی تلواروں کو نیاموں سے نکالا اور جناب عباسؑ کی تائید کرتے ہوئے کہا ہم سب آپ کے ہر حکم کی تعمیل کرینگے۔

شب عاشور جناب عباسؑ، جناب علی اکبرؑ اور جناب قاسمؑ کی گفتگو

دمعہ ساکبہ اور صاحب ریاض القدس نے یہ روایت تحریر فرمائی ہے کہ شب عاشور خیمے کے باہر جناب علی اکبرؑ اور جناب عباسؑ باتیں کر رہے تھے۔ جناب عباسؑ سے جناب علی اکبرؑ نے کہا چچا جان میں آپ سے پہلے میدان کارزار میں جاؤں گا۔ اس پر جناب عباسؑ نے کہا۔ بیٹے مجھ سے تمہارا مرنا دیکھا نہیں جائے گا۔ لہٰذا میں تم سے پہلے جاؤں گا۔ اس طرح دونوں کا اصرار تھا کہ میں پہلے میدان میں جانا چاہتا ہوں۔ آخر جناب عباسؑ نے کہا۔ اے بیٹے علی اکبرؑ اگر تم جاؤ گے تو آقا کا نور نظر چلا جائے گا۔ اس پر جناب علی اکبرؑ نے کہا۔ چچا آپ جائیں گے تو بابا کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ راوی کہتا ہے کہ جناب عباسؑ اور جناب علی اکبرؑ میں یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک ۱۴ سال کا نوجوان دونوں کے قریب آیا اور ہاتھ جوڑ کر جناب عباسؑ سے کہا۔ چچا آپ نہ جائیں اور بھیا آپ بھی نہ جائیں۔ بھیا آپ جائیں گے تو بابا کا نور نظر جدا ہو جائے گا اور چچا جان اگر آپ جائیں گے تو میرے چچا حسینؑ کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ میرے بابا مر چکے ہیں، میں یتیم ہوں، مجھے جانے دیجئے، جب جناب قاسم یہ گفتگو کر رہے تھے کہ خیمہ کا پردہ اٹھا اور حضرت امام حسین علیہ السلام تشریف لائے اور جناب قاسمؑ کو اپنی بانہوں میں لے کر فرمایا۔ اے میرے قاسمؑ میں تمہیں اکبر سے زیادہ چاہتا ہوں، یہ تم نے کیا کہا۔ بیٹا قاسمؑ اب میں تمہارا باپ ہوں، تمہاری شہادت سے مجھے اتنا رنج ہوگا جتنا میرے بھائی کو ہوتا۔ اس کے بعد حضرت قاسمؑ بڑھ کر اپنے چچا کے ہاتھ پیر چومنے لگے۔ اس وقت حضرت امام حسینؑ نے جناب قاسمؑ کو اپنے سینے سے لگاتے ہوئے شدت سے گریہ کیا۔

ابن سعد سے مذاکرات میں حضرت عباسؑ کی شرکت

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اتمام حجت کی خاطر اپنے ایک صحابی عمرو بن قرظہ انصاری کو عمر سعد کے پاس یہ پیغام دیکر روانہ کیا کہ آج رات دونوں لشکروں کے درمیان آکر مجھ سے ملاقات کرو۔ یہاں تک کہ رات ہوئی، عمر سعد بیس سواروں کے ساتھ چلا اور حضرت امام حسین علیہ السلام بھی سواروں کو ساتھ لے کر مذکورہ مقام پر تشریف لائے۔ اس موقع پر حضرت امام حسینؑ نے اپنے ساتھیوں کو یہاں سے چلے جانے کو کہا۔ اور فرمایا۔ میرے ساتھ صرف میرا بھائی عباسؑ اور فرزند علی اکبرؑ رہیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے ارشاد کے بموجب آپ کے تمام ساتھی دور ہٹ گئے تو عمر سعد نے اپنے محافظوں کو حکم دیا کہ وہ بھی یہاں سے دور چلے

جائیں اور اس مقام پر صرف اس کا بیٹا حفص اور غلام درید رہے گا۔

جب دونوں طرف سے ہمراہی چلے گئے تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے عمر سعد سے فرمایا۔ ابن سعد! تجھے خدا کے حضور پیش ہونا ہے، کیا تجھے خوف خدا نہیں؟ تجھے معلوم ہے کہ میں کس کا فرزند ہوں۔ اس کے باوجود مجھ سے جنگ کرنا چاہتا ہے۔ تم ان لوگوں کو چھوڑ کر میرے ساتھ شامل ہو جاؤ، اس طرح تمہیں قرب الٰہی حاصل ہوگا۔ عمر سعد نے کہا اگر میں نے ایسا کیا تو ابن زیاد میرا گھر گرا دے گا۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا۔ میں تجھے اس سے بہتر گھر بنوا دوں گا۔ یہ سن کر عمر سعد نے کہا۔ ابن زیاد میری جائیداد پر قابض ہو جائے گا۔ حضرت نے فرمایا۔ میں اپنے حجاز کے مال سے تجھے اس سے بہتر مال دوں گا۔ یہاں تک کہ آپ نے بغیبغہ کی جاگیر دینے کو کہا۔ واضح ہو کہ یہ ایک وسیع جائیداد تھی، جس میں کھجوروں کے باغات، کھیت اور پانی کے چشمے تھے۔ آخر عمر سعد نے ایک اور بہانہ کیا کہ کوفہ میں میرا خاندان ہے۔ اگر آپ کا ساتھ دیا تو ابن زیاد ان پر ظلم کرے گا۔ اس کی ان بہانہ تراشیوں کو سن کر آپؑ کو یقین ہو گیا کہ یہ راہ راست پر آنے والا نہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ خدا تجھے جلد قتل کرے اور روز محشر تیری مغفرت نہ کرے۔ قسم بخدا! مجھے یقین ہے کہ تو زیادہ دیر تک عراق کا گندم نہ کھا سکے گا۔

حضرت کے اس کلام کو سن کر اس لعین نے آپ کی بات کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔ کوئی بات نہیں میں گندم کے بجائے جو پر گزارا کر لوں گا۔ اس ملعون نے آپ کی پیشکش کو مسترد کر کے اپنی عاقبت خراب کر لی۔

جانثاران حسینؑ کی صف آرائی

شیخ مفید علیہ الرحمہ کتاب ارشاد میں اور طبری تاریخ طبری میں لکھتے ہیں۔ کہ "نماز صبح کے بعد حضرت امام حسینؑ نے صف آرائی فرمائی کل ۳۲ سوار اور ۴۰ پیادہ حضرت کے ہمراہ تھے۔ حضرت زہیر بن قین کو میمنہ کی کمان دی، حضرت حبیب ابن مظاہر کو میسرہ پر مقرر فرمایا اور علم اپنے بھائی حضرت عباس کے ہاتھ میں دیا"۔ حضرت امام حسینؑ نے یہ ترتیب اس طرح مرتب فرمائی کہ اہل بیت اطہار کے خیمے پشت کی جانب تھے اور خیموں کے پیچھے آگ روشن کر دی تا کہ پشت سے دشمن خیموں پر حملہ نہ کر سکے۔

مقتل ابی مخنف نے لشکر کی ترتیب کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے جناب زہیر بن قین کو بیس سواروں کے ساتھ میمنہ پر اور ہلال بن نافع کو بیس سواروں کے ہمراہ میسرہ میں کھڑا کیا اور باقی اصحاب قلب لشکر میں کھڑے ہو گئے۔ عورتوں اور بچوں کو خیموں کے اندر رہنے کا حکم دیا۔ حضرتؑ کے افسر مشیر ہلال بن نافع بجلی تھے سر الشہادتین کے موافق جب حضرت امام حسینؑ کو یقین ہو گیا کہ یہ لوگ جنگ کریں

گے تو آپؑ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ ان کے لشکر کے گرد خندق کھودیں اور صرف ایک راستہ رکھا جائے جس سے نکل کر جنگ کی جائے۔ کامل ابن اثیر کے موافق حضرت نے اصحاب کے خیموں کا معائنہ کیا اور حکم دیا کہ خیموں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیں۔ دشمن سے جنگ کے وقت ایک طرف سے خیموں کے آگے سے مخاطب ہوں کہ خیمے داہنے بائیں اور پیچھے رہیں۔ جلاء العیون اور الاخبار الطوال کے موافق صبح صادق طلوع ہوئی تو صاحبان صدق نے نماز صبح کا تہیہ کیا۔ حضرت علی اکبرؑ نے اذان کہی۔ حضرت امام حسینؑ نے نماز باجماعت پڑھائی۔ اللہ کے سچے بندے ابھی مصلے ہی پر تھے کہ ۸۰ ہزار کے لشکر میں حملہ آور ہونے کے آثار ظاہر ہوئے امام مصلے سے اٹھے اور بہترین جانبازوں پر مشتمل لشکر کی جنگی تقسیم اس طرح فرمائی کہ میمنہ پر ۲۰ بیس بہادر اور میسرہ پر بیس بہادر بقیہ قلب لشکر پر معین فرمائے، میمنہ کے سردار حضرت زہیر بن قین، میسرہ کے حضرت حبیب ابن مظاہر اور علمدار لشکر حضرت عباسؑ کو مقرر فرمایا۔

تاریخ عالم گواہ ہے کہ دنیا نے لاکھوں کے مقابلے میں اتنا چھوٹا لشکر نہیں دیکھا جس میں بچے، جوان، بوڑھے اور شیر خوار بچہ بھی شامل ہو۔

امان نامہ

ناسخ التواریخ، اعثم کوفی کے مطابق جب عبید اللہ بن زیاد نے عمر سعد کے نام خط لکھا جس میں یہ حکم دیا کہ اگر حسینؑ اور ان کے اصحاب میرا حکم مان لیں تو ٹھیک ہے ورنہ انہیں قتل کر دے۔ وہ اسی کے مستحق ہیں۔ جب انہیں قتل کر دے تو حسینؑ کی لاش پر گھوڑے دوڑانا۔ اگر یہ کام تیرے بس کا نہیں تو شمر کو اپنا قائم مقام مقرر کر دے۔ ابن زیاد نے یہ خط لکھ کر شمر ذی الجوشن کے حوالے کر دیا۔ اس وقت جریر بن عبداللہ بن مخلد کلابی نے ابن زیاد کو مخاطب کیا۔ اے امیر میری ایک خواہش ہے اگر اجازت ہو اور تو وعدہ کرے تو عرض کروں۔ ابن زیاد نے کہا، جو کہنا چاہتے ہو کہو۔ جریر بن عبداللہ نے کہا۔ اگر تیری اجازت ہو تو جناب عباسؑ اور ان کے بھائیوں کو ایک خط کے ذریعہ امان لکھ دوں۔ اے امیر یہ تیرا مجھ پر بہت بڑا احسان ہوگا۔ ابن زیاد نے امان کا وعدہ کیا۔

عبداللہ بن جریر نے ابن زیاد سے امان نامہ حاصل کیا اور اپنے غلام عرفان کے حوالے کرتے ہوئے کہا جلد از جلد کربلا پہنچ کر یہ عبداللہ، عباس، جعفر اور عثمان کے حوالے کرنا۔ خبردار اس امان نامہ کی خبر کسی اور تک نہ پہنچنے پائے۔ ناسخ التواریخ کے مطابق عرفان نے امان نامہ حضرت عباسؑ اور ان کے بھائیوں کو دیا۔ جب یہ امان نامہ جناب عباسؑ اور آپ کے بھائیوں نے پڑھنا شروع کیا اور مقصد تحریر سمجھتے ہوئے کہ اس کے مقاصد

کیا ہیں۔ فوراً یہ خط چاک کر کے پھینک دیا اور عرفان سے کہا تو یہاں سے چلا جا اور جریر بن عبداللہ سے کہنا کہ ہم لوگ اس قدر گرے ہوئے نہیں ہیں کہ ابن زیاد کی امان قبول کریں۔ ہمارے لیے خداوند تعالیٰ کی امان بہت ہے۔ ابصار العین فی انصار الحسینؑ اور تاریخ اعثم کوفی کے مطابق جب عرفان نے جناب عباسؑ اور آپ کے بھائیوں کا جواب سنا تو شمر کے پاس جا کر پورا واقعہ بیان کیا اور یہاں سے کوفہ روانہ ہوا اور جریر بن عبداللہ کو پورے واقعہ سے آگاہ کیا تو وہ بہت آزردہ ہوا اور کہا، اب عباسؑ اور ان کے بھائیوں کے بچنے کی کوئی امید نہیں رہی۔

علامہ قزوینی تحریر فرماتے ہیں کہ جریر کا امان نامہ حضرت عباسؑ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپؑ نے اسے ملاحظہ فرما کر جواب دیا تو مخدرات عصمت وطہارت حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں آئیں اور بتایا کہ حضرت عباسؑ اور آپ کے بھائیوں کے نام امان نامہ آیا ہے۔ حضرت امام حسینؑ نے اپنے بھائی عباسؑ باوفا کو طلب فرمایا۔ وہ خدمت میں حاضر ہوئے۔ جناب زینب سلام اللہ علیہا بھی اسی جگہ تشریف فرما تھیں۔ آپ نے امان نامہ سے متعلق گفتگو فرمائی تو جناب عباسؑ نے فرمایا۔ اے بہن وہ پاؤں ٹوٹ جائیں جو حسینی آستانہ سے جدا ہوں اور وہ آنکھیں پھوٹ جائیں جو حسینی جمال کے سوا کسی اور طرف دیکھیں۔

محرم الحرام کی نویں تاریخ شمر اپنے خیمے سے نکل کر حضرت امام حسین علیہ اسلام کے قریب آیا اور آواز دی۔ عبداللہ وجعفر عباسؑ اور عثمان کہاں ہیں۔ میں ان کے لیے حکم امان لایا ہوں۔ ان حضرات نے جب امان کے الفاظ سنے تو اس کو جواب دینا بھی گوارا نہ کیا۔ جلاء العیون، دمعہ ساکبہ، ناسخ التواریخ اور تحفہ حسینیہ کے مطابق امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ سے فرمایا۔ تم لوگ سنو تو سہی کہ یہ کہتا کیا ہے۔ یہ سن کر جناب عباسؑ نے اپنے بھائیوں کے ہمراہ شمر کے قریب جا کر پوچھا کیا کہنا چاہتے ہو اور تمہارا ارادہ کیا ہے؟ اس نے کہا تمہارے لیے امن کا پیغام ہے۔ میں نے ابن زیاد سے تمہارے لیے امان کا حکم حاصل کیا ہے۔ تم حسینؑ کے ساتھ رہ کر فضول میں اپنی جان نہ دو بلکہ ان کے لشکر سے کنارہ کشی اختیار کر کے یزید کی اطاعت میں آجاؤ۔ یہ سن کر امان نامہ کو ٹھکراتے ہوئے سب نے بیک آواز کہا خدا تجھ پر اور تیری امان پر لعنت کرے تو ہمیں امان دیتا ہے اور فرزند رسولؐ کے لیے امان نہیں۔ اعلام الوریٰ اور تذکرۃ الخواص کے مطابق یہ سنتے ہی شمر ملعون آپے سے باہر ہو گیا اور غیظ وغضب کی حالت میں اپنے لشکر کی طرف واپس لوٹ گیا۔ یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ شمر کی امان کا مقصد یہ تھا کہ جناب عباسؑ کو حضرت امام حسینؑ سے جدا کر کے اپنی سپاہ میں شامل کرے۔ شمر جانتا تھا کہ لشکر حسینی کا ستون جناب عباسؑ ہیں اگر انہیں اذن جہاد مل گیا تو کوئی مد مقابل ان کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا۔ اس لیے کہ شجاعان عرب میں ان کا ثانی کوئی نہیں۔

باب: ۹

برادران حضرت عباسؑ کی شہادت

تحفۂ حسینیہ میں مرقوم ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ کربلا میں چار بھائیوں نے شہادت پائی۔ (جناب عباس علمدار کے برادران مادری جناب عبداللہ، جناب جعفر اور جناب عثمان تھے) جناب عباسؑ، عبداللہ، جعفر اور عثمان چاروں حقیقی بھائی تھے۔ جناب عباسؑ کی ولادت ۴؍شعبان المعظم ۲۶ھ میں، جناب جعفر کی ولادت ۳۲ھ میں، جناب عبداللہ کی ولادت ۳۶ھ میں اور جناب عثمان کی ولادت ۴۰ھ میں ہوئی۔ مجالس المتقین اور تحفۂ حسینیہ کے مطابق جب حضرت عباسؑ بن علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے اپنے مقتولین کی کثرت ملاحظہ فرمائی تو اپنے مادری برادران جناب عبداللہ، جناب جعفر اور جناب عثمان سے فرمایا۔ اے بھائیوں میرے قریب آؤ آج میں تمہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی کی خاطر نصیحت کرتا ہوں کہ آج جنگ کرنے میں کوتاہی بالکل نہ کرنا۔ آقا حسینؑ کی نصرت میں اپنی جان عزیز کو محبوب نہ رکھنا اور ہر حال میں حسینؑ کی محبت میں سرشار ہو کر اپنی جان قربان کرنا۔ بھائیو! حسینؑ جناب محمد مصطفیٰؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے نور نظر اور دختر رسولؐ کے لخت جگر ہیں۔ لہٰذا آپ کی اعانت اور نصرت کو واجب جان کر ان پر اپنی جان فدا کرو، ان کی مدد میں خدا اور رسولؐ کی خوشنودی ہے۔ تحفۂ حسینیہ میں مزید روایت مرقوم ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام کے ارشاد کو سنتے ہی ان صاحبان مودت و بصیرت نے اس عزم کا اظہار کیا کہ بھیا! ہم نصرت حسینؑ کرتے ہوئے اپنے لہو میں ڈوب جائیں گے اور اس راہ سے سرخرو ہو کر اپنے والد محترم سے ملاقات کریں گے۔

اخبار الطول کے مطابق جناب ابو الفضل العباسؑ نے اپنے بھائیوں سے فرمایا۔ بھائیو! میں تم پر قربان آگے بڑھ کر اپنے آقا و مولا کا دفاع کرو اور ان کے سامنے جام شہادت نوش کرو تحفۂ حسینیہ اور مجمع النورین کے مطابق کربلا میں اصحاب کے بعد بنی ہاشم میں ہر ایک کی یہ کوشش تھی کہ قربان ہونے میں ایک دوسرے سے سبقت حاصل کرے۔ جسے اجازت ملتی وہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرخروئی حاصل کرتا۔ جناب عباسؑ پر لشکر حسینی کی بہت زیادہ ذمہ داری تھی۔ آپؑ کی ہر چند یہ کوشش تھی کہ اجازت ملے اور اپنے بابا امیر المومنینؑ کی بارگاہ میں سرخرو ہوں لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف سے میدان کارزار میں جانے کی

اجازت نہیں ملتی تھی۔ حضرت عباس علیہ السلام نے اس خیال سے کہ اگر میں ابھی اپنی قربانی پیش نہیں کرسکتا تو ضروری ہے کہ جناب قاسمؑ اور حضرت علی اکبرؑ سے پہلے اپنے حقیقی بھائیوں کو حسینؑ پر قربان کر دوں تا کہ بابا جان مجھ سے ناراض نہ ہوں اور انہیں شکوہ نہ رہے۔ لہٰذا آپ نے اپنے سگے بھائیوں کو مخاطب کیا۔ اے میرے حقیقی بھائیو تم میدان قتال میں روانہ ہو کر خدا اور رسول کی خاطر اپنی جانیں نذر کر دو اور مجھے ثابت کر دو کہ تم سرخرو ہو گئے۔ اے بھائیو! جب جنگ صفین میں تیروں کی بارش ہو رہی تھی، اس موقع پر پدر بزرگوار نے محمد حنفیہ سے فرمایا تھا کہ آگے بڑھو اور فوج مخالف کے میمنہ پر حملہ کرو تو انہوں نے کمال دلیری سے حملہ کیا تھا اور جس وقت پلٹ کر آئے تو بابا نے فرمایا۔ اب میسرہ پر حملہ کرو۔ اس وقت انہوں نے عرض کی بابا جان کیا حضور ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ تیروں کی بارش ہو رہی ہے اور میں زخموں سے چور ہوں، بابا حسنؑ اور حسینؑ بھی تو ہیں یہ سننا تھا کہ انہوں نے فرمایا۔ سنو تم میرے بیٹے ہو اور حسنؑ اور حسینؑ رسول مقبولؐ کے فرزند ہیں، تم میرے ہاتھوں کی مانند ہو اور حسنینؑ آنکھوں کی مثل ہیں، ہاتھ دفاع کرتے ہیں اور آنکھوں کا کام لڑنا نہیں ہے۔ اس وقت محمد حنفیہ کے اعتراض پر بابا جان خفا ہو گئے تھے اور انہوں بطور نصیحت فرمایا تھا۔ بیٹا! میرے فرزندوں میں وہ زیادہ خوش نصیب ہو گا جو دشت کربلا میں فرزند رسولؐ امام حسین علیہ السلام کی مدد کرے گا۔ میرے بھائیو! مجھے ماں کے نام پر حرف نہیں لانا ہے، اس لیے کہ یہ بھی بہت شجاع خاندان کی خاتون ہیں اور ہماری بہادری کے کارناموں کی خبر سننے کے لیے مدینہ میں لوگ موجود ہیں۔ لہٰذا جنگ کرو اور قربانیاں پیش کرو اور ماں باپ کا نام روشن کرو۔ یہ سن کر آپ کے بھائیوں نے نہایت دلیری سے جواب دیا کہ ہم یہاں اسی حق کی ادائیگی کے لیے آئے ہیں اور جس قدر ممکن ہو سکا ہم انشاءاللہ اپنی قربانیاں پیش کر کے اپنے پدر بزرگوار، مادر گرامی اور آپ کو شاد کریں گے۔ ناموس اسلام میں مرقوم ہے کہ جب شہادتوں کے سلسلے شروع ہوئے، باپ کی نشانیاں امیر المومنینؑ حضرت علی علیہ السلام کی یادگاریں خاک میں ملنے لگیں تو جناب عباس علیہ السلام نے بھائیوں کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ عزیز جاں پیارو! تم سب مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہو، آج میری خواہش ہے کہ تم سب مجھ سے پہلے بابا علی مرتضیٰؑ کی خدمت میں پیش ہو کر دربار رسولؐ میں سرخرو ہو کر لب کوثر پہنچ جاؤ۔ تمہاری جدائی کے داغ ہم اپنے سینے پر اٹھائیں گے اور صبر و رضائے الٰہی کے درجات سے سرفراز ہوں گے۔ یہ بہادر بھائی کے فدائی، عاشق حسینؑ پہلے ہی شوق شہادت سے سرشار تھے، لہٰذا عرض کیا ہماری یہی تمنا ہے کہ آپکی شہادت سے قبل ہم اپنے لہو میں ڈوب جائیں اور آقا حسینؑ پر قربان ہو جائیں۔

جناب عبداللہ بن علیؑ

جناب عبداللہ ابن علی بن ابی طالب علیہ السلام حضرت عباس علیہ السلام کے حقیقی بھائی تھے۔ آپ حضرت عباسؑ کی ولادت کے آٹھ سال بعد پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ جناب ام البنین ہیں۔ ابصار العین فی انصار الحسین کے مطابق "جناب عبداللہ اپنے بھائی جناب عباسؑ کے آٹھ سال بعد پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ حضرت ام البنین ہیں۔ ناسخ التواریخ کے مطابق جناب عبداللہ کی کنیت ابو محمد ہے۔ پدر بزرگوار کے ساتھ چھ سال اور حضرت امام حسنؑ کے ساتھ سولہ سال اور حضرت امام حسینؑ کے ساتھ پچیس سال زندگی بسر کی اس طرح آپ کی عمر پچیس سال تھی۔" جناب امیر المومنینؑ کی شہادت کے وقت آپ چھ سال کے تھے۔ حضرت امام حسنؑ کی شہادت کے وقت آپ کی عمر سولہ برس تھی، کربلا میں آپ پچیس سال کے تھے۔ آپ کو شجاعت ورثہ میں ملی تھی۔ آپ نہایت جری اور حوصلہ مند تھے۔ بحار الانوار، ناسخ التواریخ، انوار الحسینیہ، دمعہ ساکبہ، مہیج الاحزان اور تحفہ حسینیہ کے مطابق جناب عبداللہ ابن علی کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ ابصار العین اور تحفہ حسینیہ کے مطابق ارباب سیر کا اتفاق ہے کہ جب سلسلہ شہادت شروع ہوا اور اصحاب واقربا نے شہادت نوش فرمانا شروع کی تو جناب عباسؑ نے اپنے بھائیوں کو اپنے پاس بلایا اور بالحاظ عمر پہلے بڑے بھائی کو اس کے بعد چھوٹے بھائیوں سے فرمایا تم میدان میں جا کر اپنی جانبازی اور دلیری کا ثبوت پیش کرو۔ سب سے پہلے جناب عبداللہ سے فرمایا۔ بھائی آگے بڑھو اور اس طرح لڑو کہ میں تمہیں مقتول دیکھوں اور تمہارے لیے اس سعادت کا ذخیرہ جمع کروں کہ تمہاری کوئی اولاد نہیں۔ یہ سنتے ہی جناب عبداللہ نہایت برق رفتاری سے میدان میں تشریف لائے اور نہایت بہادری سے آگے بڑھ کر دشمنوں پر حملہ کیا۔ ضحاک مشرقی نے روایت کی ہے کہ حضرت عباس بن علیؑ نے اپنے بھائی جناب عبداللہ سے فرمایا۔ "اے بھائی اب تم جہاد کرو اور شہداء میں شامل ہو جاؤ۔" آپ نے میدان کارزار میں آ کر تلوار کھینچ کر لشکر کفار سے لڑنا شروع کیا اور گروہ اشقیاء کو واصل جہنم کیا۔ بحار الانوار میں مرقوم ہے کہ بوقت جنگ جناب عبداللہ یہ رجز پڑھ رہے تھے۔ "اے گروہ اشقیاء آگاہ و خبردار ہو جاؤ کہ میں اس صاحب فضیلت و شجاعت کا فرزند ہوں جن کا اسم گرامی علیؑ ہے۔ جو پسندیدہ اعمال صالح اور شیر خدا ہیں، جو شمشیر رسولؐ اور قاتل کفار ہیں۔" شجاعت آپ کو وراثت میں ملی تھی اور بڑے بھائی جناب عباسؑ نے یہ حوصلہ افزائی فرمائی تھی۔ لہٰذا میدان میں بہادری کے ایسے جوہر دکھائے کہ مدمقابل دنگ تھے۔ آپ کی شجاعت کے متعلق صاحب ناسخ التواریخ لکھتے ہیں کہ "عبداللہ شیر یزداں حضرت علی علیہ السلام کے بہادر فرزند

تھے اور آپ دشمن سے نبرآزمائی کے لیے بے چین تھے۔ جب آپ میدان میں تشریف لے گئے تو وہاں پہنچتے ہی ایک زبردست حملہ کیا اور دشمنوں کے درمیان یہ رجز پڑھا۔ میں عظیم المرتبت بہادر ہوں۔ میں صاحب جودو کرم کا فرزند ہوں اور یہی سبب ہے کہ میرے افعال واعمال میں اچھائی نظر آتی ہے اور تم سمجھو وہ (حضرت علیؑ) کون تھے وہ رسول اللہ کی شمشیر برہنہ تھے اور ان کے افعال واعمال روز روشن کی طرح ساری دنیا میں عیاں ہیں۔" تحفۂ حسینیہ اور انوار الحسینیہ کے مطابق رجز پڑھنے کے بعد آپ نے اس طرح حملہ کیا کہ رن کانپ گیا۔ آپ کی تلوار اس طرح چل رہی تھی کہ جیسے چکی کے پاٹ گھومتے ہیں۔ آپ نے میدان میں چکر لگا کر دشمنوں کے تکوارے ٹکڑے کر دیئے۔ اس وقت دشمن کی صفوں میں چیخ وپکار کی آوازیں بلند تھیں۔

دشمن نے جب یہ محسوس کیا کہ اس شیر جری پر قابو نہیں پایا جا سکتا تو پانچ ہزار کے لشکر نے ایک ساتھ حملہ کیا۔ آپ نہایت بہادری سے جنگ کر رہے تھے کہ ہانی ابن ثبیت حضرمی نے شہید کیا۔ ناسخ التواریخ، مجالس المتقین، تحفۂ حسینیہ، بحار الانوار، ابصار العین، دمعہ ساکبہ، تاریخ طبری اور حقائق المصیبت کے مطابق جب جناب عبداللہ کے مقابلہ پر ہانی ابن ثبیت حضرمی آیا، اس وقت آپ کافی زخمی ہو چکے تھے اور جسم کا خون مسلسل جاری تھا۔ اس وقت اس لعین نے آپ کے سر اقدس پر تلوار کا کاری وار کیا جس سے آپ شہید ہو گئے۔ ابوالفرج کی روایت کے مطابق بوقت شہادت جناب عبداللہ بن علیؑ کی عمر پچیس (۲۵) سال تھی۔

جناب عثمان بن علیؑ

جناب عثمان بن علی بن ابی طالبؑ اپنے بھائی جناب عبداللہ کی ولادت کے دو سال بعد پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ جناب ام البنین سلام اللہ علیہا تھیں۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے روایت ہے کہ میں نے اپنے بھائی عثمان بن مظعون کے نام پر اپنے بیٹے کا نام رکھا ہے۔ عثمان بن مظعون نے دونوں ہجرتیں حبشہ اور مدینہ کیں۔ آپ جنگ بدر میں بھی شریک تھے۔ جب ان کا انتقال ہوا تو خود جناب رسول خدا ان کے گھر تشریف لائے اور فرمایا۔ خدا تم پر رحمت نازل کرے۔ یہ کہہ جناب رسالت مآبؐ جھکے اور ان کی پیشانی پر بوسہ دیا اور جب سر اقدس اٹھایا تو اشک جاری تھے۔ آپ نے ان کو بقیع غرقد میں دفن کیا اور ایک پتھر بطور علامت ان کی قبر پر نصب فرمایا۔ آپؐ ہمیشہ ان کی قبر پر تشریف لاتے تھے۔ اسی بنا پر حضرت علیؑ نے ان کو بھائی کہا تھا۔ مقتل عوالم اور تحفۂ حسینیہ کے مطابق آپ کا اسم گرامی عثمان حضرت علیؑ نے رکھا تھا جنکے بارے میں فرماتے تھے میں نے ان کا نام عثمان اپنے بھائی عثمان بن مظعون کی یاد میں رکھا ہے۔

جناب عبداللہ بن علی کے بعد حضرت عباسؑ نے اپنے دوسرے بھائی جناب عثمان بن علیؑ سے فرمایا۔ "اے بھائی اب تم میدان میں جاؤ اپنے آقا پر جان نثار کرو۔" جب آپ میدان میں آئے تو تحفۂ حسینیہ، دمعہ ساکبہ اور بحار الانوار کے مطابق یہ رجز پڑھا۔ "اے ظالموں آگاہ ہو کہ میں عثمان بن علی ہوں، میں صاحب افتخار و بزرگی کا حامل ہوں۔ میرے پدر بزرگوار بہترین اعمال کے حامل اور جناب رسول خداؐ کے چچازاد بھائی ہیں، میرے برادر عالی مرتبت حضرت امام حسینؑ ہیں جو سید الابرار جناب مختار اور حیدر کرار کے بعد تمام چھوٹوں اور بڑوں کے سردار اور بہترین انسان ہیں۔" ناسخ التواریخ، ابصار العین اور مجالس المتقین میں یہ رجز مرقوم ہے۔ جب جناب عبداللہ بن علی کی شہادت کے بعد آپ میدان کارزار میں آئے تو آپ نے یہ رجز پڑھا۔ "اے دشمنان اسلام تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں عثمان بن علی ہوں، میرے آقا مولا بزرگ و برتر علی ہیں جو میرے والد گرامی ہیں۔ جن کی شجاعت کے کارنامے روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ وہ رسول اللہؐ طیب و طاہر کے ابن عم ہیں اور میرے برادر حسینؑ لاکھوں میں منتخب بھائیوں میں ایک ہیں۔ حسین وہ ہیں جو رسول اللہؐ اور ولی اللہ کے بعد تمام چھوٹے بڑوں سب کے سردار ہیں۔" آپ نے یہ رجز پڑھ کر بھرپور انداز میں شجاعت دکھائی۔ آپ کے دلیرانہ قتال کے دوران بروایت ضحاک خولی ابن یزید اصبحی نے آپ کی پیشانی انور پر ایسا تیر مارا کہ آپ گھوڑے سے پہلو کے بل زمین پر تشریف لائے۔ اس وقت اولاد ابان بن دارم میں سے ایک ظالم نے آپ کا سر مبارک تن سے جدا کیا۔ ابن قتیبہ دینوری کے مطابق یزید اصبحی نے آپ کی پیشانی کا نشانہ لیا، جس کے بعد آپ سنبھل نہ سکے۔ گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے تو بنی دارم سے ایک ملعون نے آگے بڑھ کر اس شہزادے کا سر قلم کر دیا۔ ابصار العین فی انصار الحسینؑ، تحفۂ حسینیہ، مجالس المتقین اور تاریخ طبری کے مطابق آپ جنگ کرنے میں مشغول تھے کہ ناگاہ خولی بن یزید اصبحی نے ایک ایسا تیر مارا جس سے آپ ایک پہلو کے بل زمین پر تشریف لائے۔ اتنے میں بنی ابان بن دارم کا ایک شخص آیا اور اس نے آپ کا سر قلم کر دیا۔ ابصار العین فی انصار الحسینؑ، صاحب ناسخ التواریخ، علامہ مجلسی، شیخ محمد بن شیخ طاہر سماوی نجفی اور ابوالفرج اصفہانی نے بوقت شہادت آپ کی عمر ۲۱ سال تحریر کی ہے۔ آپ نے اپنی عمر سے بڑھ کر جنگ کی، بزدل فوج یزید تیر اندازی کرنے کے باوجود آپ کے سامنے آنے کی جرأت نہیں کرتی تھی۔

جناب جعفر بن علیؑ

جناب جعفر بن علیؑ کی والدہ گرامی حضرت ام البنینؑ تھیں۔ آپ اپنے بھائی جناب عثمان سے دو سال

چھوٹے تھے۔ حضرت علیؑ کی شہادت کے وقت آپ کی عمر دو سال تھی۔ ابوالفرج نے عبداللہ بن حسن اور عبداللہ بن عثمان سے روایت کی ہے کہ بوقت شہادت ان کی عمر ۱۹ رسال تھی۔ جناب امیرالمومنینؑ نے آپ کا نام جعفر اپنے بھائی حضرت جعفر طیار کے نام پر رکھا تھا۔ علامہ شیخ محمد بن کمال الدین شافعی مطالب السئول میں تحریر فرماتے ہیں۔ ''حضرت علیؑ اپنے بھائی جناب جعفر طیار سے بہت زیادہ محبت فرماتے تھے۔ انوار الشہادت میں علامہ یزدی لکھتے ہیں کہ جب جنگ موتہ میں حضرت جعفر طیار شہید ہو گئے تو حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا۔ بھیا میری کمر ٹوٹ گئی۔ ابصار العین کی روایت کے مطابق حضرت علیؑ نے اپنے فرزند جناب جعفر کا نام اسی وجہ سے جعفر رکھا تھا کہ جناب جعفر طیار کی یاد باقی رہے۔ جناب جعفر بن علیؑ اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح نہایت شجاع تھے۔

جب جناب عبداللہ اور جناب عثمان حضرت عباس علیہ السلام کے یہ دونوں بھائی شہید ہو گئے تو اس وقت جناب عباسؑ نے اپنے تیسرے بھائی جناب جعفر سے فرمایا کہ اب تم میدان میں جا کر جس طرح سے جناب عبداللہ اور جناب عثمان نے اپنی جان حضرت امام حسینؑ پر فدا کی ہے تم بھی فدا ہو جاؤ۔ جناب جعفر بڑے بھائی کا ارشاد سن کر فوراً میدان میں تشریف لائے اور لشکر پر مثل شیر غضبناک حملے کیے۔ ابصار العین، تحفہ حسینیہ، بحار الانوار، دمعہ ساکبہ اور ناسخ التواریخ کے مطابق دوران جنگ آپ یہ رجز پڑھ رہے تھے۔ ''میں فرزند علیؑ ہوں۔ میں بلندی و سرفرازی پر فائز شاہ فضیلت ہوں۔ میں ان کا فرزند ہوں جو صاحب جود و سخا تھے۔ میرے چچا اور ماموں کی شرافت اور حسب نسب میری شرافت پر دلالت کرتی ہے۔ میں ان حسینؑ کی نصرت کر رہا ہوں جو بہت کریم اور صاحب عطا ہیں۔'' علامہ مجلسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ دوران جنگ آپ یہ رجز پڑھ رہے تھے۔ ''میرا نام جعفر ہے اور میں صاحب عزت و شرف ہوں، میں علیؑ کا فرزند ہوں جو صاحب فضائل اور صاحب جود و سخا تھے۔ میرے لیے اپنے محترم چچا اور ماموں کی شرافت کافی ہے، میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی حمایت کرتا ہوں جو صاحب فضل و عطا ہیں۔''

آپ نہایت جرأت سے جنگ کر رہے تھے کہ ابوالفراج کے موافق آپ کو خولی نے شہید کیا۔ ابو مخنف اور ابن طاؤس علیہ الرحمہ نے آپ کے قاتل کا نام ہانی بن ثبیت حضرمی لکھا ہے۔ یہ وہی ملعون تھا جس نے آپ کے بھائی جناب عبداللہ کو شہید کیا تھا۔ ابصار العین، تاریخ طبری اور تحفہ حسینیہ میں مرقوم ہے کہ آپ جنگ کرنے میں مشغول تھے کہ آپ کو شہید کیا۔ نصر بن مزاحم نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جناب جعفر بن علی کو خولی بن یزید اصبحی نے شہید کیا۔

برادرانِ جناب عباسؑ کی تدفین

شہدائے کربلا کے لاشے صحرائے کربلا میں تین دن تک بے گور وکفن رہے۔ ان لاشوں میں جناب عباس علمدار علیہ السلام کے تینوں بھائی جناب عبداللہ، جناب عثمان اور جناب جعفر کے لاشے بھی تھے جو حق وفا ادا کرتے ہوئے شہادت کے عظیم درجہ پر فائز ہوئے تھے۔ لاش حسینؑ مظلوم پر طائر اور دیگر مخلوق خدا گریہ کرتی رہی۔ علامہ نعمت اللہ جزائری نے عبداللہ اسدی سے روایت کی ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ اپنے بیٹوں، بھائیوں اور انصار واقربا کے ساتھ یوم عاشور خاک کربلا پر سو گئے اور ابن سعد لعین نے کوفہ جانے کا ارادہ کیا تو اس نے ابن زیاد کو لکھا کہ اب کیا کیا جائے؟ تو ابن زیاد نے ابن سعد کو جواب دیا کہ اپنی فوج کے مقتولین کو دفن کر دے اور مستورات کو رسن بستہ کر کے سرہائے شہدائے آل محمدؐ کو نیزوں پر بلند کر کے ذریت رسولؐ کے مقتولین کو زمین کربلا پر بے گور وکفن چھوڑ کر کوفہ چلا آ۔ ابن سعد نے جواب دیا تم کوفہ میں بیٹھ کر حکم دے رہے ہو تم کو یہ معلوم نہیں کہ ہمارے مقتولین کی تعداد کتنی زیادہ ہے اور ان کو دفن کرنا کتنا مشکل ہے۔ ایک لاکھ پچاس ہزار مقتولین کو کس طرح دفن کیا جائے۔

ابن زیاد نے جواب میں لکھا۔ ان مقتولین میں روساء اور سالار مقتولین کو دفن کر دے، باقی کو یونہی چھوڑ دے۔ ابن سعد نے جتنوں کو مناسب سمجھا دفن کر دیا اور مخدارات عصمت وطہارت کو رسن بستہ کر کے اپنے ساتھ شہداء کے سروں کو لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ ذریت رسولؐ کے طیب وطاہر پارہ پارہ لاش ہائے شہدا بے گور وکفن تین دن تک ریگ صحرا میں رہے۔

جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ کتاب ارشاد میں تحریر فرماتے ہیں۔ لشکر ابن سعد اہل بیت اطہار کو قید کر کے اور سب شہیدوں کے سروں کو لے کر کربلا سے کوفہ روانہ ہوا اور شہیدوں کے اجسام مطہر کو بلا غسل وکفن اور دفن زمین کربلا پر چھوڑ دیا۔ اس وقت قبیلہ بنی اسد کے لوگ جو موضع غاضریہ میں رہتے تھے اپنے اپنے گھروں سے نکلے اور قتل گاہ میں آئے اور سب شہیدوں کو کفن دیا، نماز پڑھی اور ان سب کو دفن کیا۔ جہاں اس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر مطہر ہے۔ اسی مقام پر ان لوگوں نے حضرتؑ کو دفن کیا۔ حضرت امام حسینؑ کے پاہائے مبارک کے قریب جناب علی اکبرؑ کو دفن کیا۔ اس کے بعد ایک بڑا گڑھا حضرت کے پاہائے مبارک سے ملا ہوا کھود کر سب شہیدوں کو دفن کیا۔ حضرت عباس علمدارؑ کو جہاں ان کی لاش مطہر تھی وہیں دفن کیا۔ جہاں اس وقت آپ کی قبر مطہر ہے۔ مقتل لہوف میں مرقوم ہے کہ جب عمر ابن سعد ملعون کربلا سے

دور چلا گیا تو قبیلہ بنی اسد کے لوگوں نے دو کام انجام دیے۔ شہدائے کربلا کی نماز جنازہ ادا کی اور جہاں ان کو شہید کیا گیا تھا وہیں ان کو دفن کیا۔ ابومخنف اور دیگر اہل مقاتل نے لکھا ہے کہ جناب عباس علمدار کو علیحدہ دفن کرنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی لاش مطہر اس قدر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی تھی کہ اٹھ نہیں سکتی تھی، یہی وجہ تھی کہ حضرت امام حسینؑ بھی حضرت عباسؑ کی لاش اس جگہ نہ لاسکے جہاں دوسرے شہیدوں کی لاش ہائے مقدس اپنے خیمے کے سامنے لاکر رکھی تھی۔ (روایت میں ملتا ہے کہ جناب عباسؑ کی لاش مطہر خیمہ گاہ تک نہ لانے کی وجہ یہ تھی کہ جناب عباس علمدارؑ نے حضرت امام حسینؑ سے وصیت کی تھی کہ آقا میری لاش خیمے میں نہیں لایئے گا۔ اس لیے کہ مجھے سکینہ سے شرمندگی ہوگی کہ پانی بھتیجی تک نہ پہنچا سکا) ارشاد مفید میں شیخ مفید علیہ الرحمہ شہیدان کربلا کے دفن کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عباس علیہ السلام کے بھائیوں کی قبریں نہیں ہیں۔ (اس لیے کہ انہیں دیگر شہداء کے ساتھ مشترکہ طور پر دفن کیا گیا تھا) شیخ مفید علیہ الرحمہ مزید تحریر فرماتے ہیں۔ ''اگر کوئی زائر جناب عباسؑ کے بھائیوں کی زیارت کرنا چاہے تو قبر حضرت امام حسین علیہ السلام کے قریب جاکر آپ کے پائنتی کی طرف اشارہ کرکے زیارت پڑھے۔

حضرت فضل بن عباسؑ

جب برادران جناب عباسؑ جام شہادت نوش کرچکے تو جناب عباس علمدار اپنے فرزند ارجمند جناب فضل کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے پاس بلاکر فرمایا۔ ''اے نور چشم آج اسلام کی حمایت میں انصار و اقربا اپنی جانوں کے نذرانے پیش کررہے ہیں اور میں بھی اپنی جان آقا حسینؑ پر قربان کردوں گا اور بہت جلد اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوکر سرخرو ہوں گا۔ اب تم موت کی طرف قدم بڑھاؤ'' جناب عباس علمدار نے اپنے فرزند جناب فضل کو تاکید و نصیحت کے بعد اپنے سینے سے لگایا اور پیشانی پر بوسہ دے کر فرمایا۔ ''اے میرے نور نظر گو کہ تمہاری جدائی انتہائی شاق ہے لیکن آقا حسینؑ کی زندگی کے آگے تمہاری کوئی ہستی نہیں، اب تمہاری قربانی ضروری ہے۔ بیٹا خدا حافظ، جاؤ اور فرزند رسولؐ پر قربان ہوجاؤ۔''

اپنے والد گرامی سے رخصت ہونے کے بعد اپنی والدہ محترمہ سے رخصت ہونے کے لیے خیمے کے اندر گئے اور رخصت ہوکر باہر آئے اور حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی۔ چچا جان مجھے جنگ کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ اجازت ملتے ہی آپ میدان کارزار میں نہایت جرأت مندانہ طور پر تشریف لائے اور نہایت جوش اور شجاعت سے رجز پڑھا۔ ''تم سب بڑی تعداد میں میرا خون بہانے پر آمادہ ہو، خدا کی قسم

میری نظر میں مدمقابل ایک ہو یا لاتعداد کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم زمین پر قیام کرنے والی بدترین قوم ہو۔ اے فساد کی آگ بھڑکانے والی شریر قوم یاد رکھو کہ میں عنقریب تمہاری ساری جمعیت کا شیرازہ بکھیر دوں گا اور تمہارے سروں کو تمہارے جسموں سے جدا کروں گا۔" یہ رجز پڑھنے کے بعد جگر گوشہ عباسؑ علمدار نے اپنے دادا شیر خدا علی مرتضیٰؑ کی موروثی شجاعت کے جوہر دکھائے اور ۲۵۰ لعینوں کو تہ تیغ کر کے فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ مسلم خولانی سے روایت ہے کہ فرزند جناب عباسؑ کمال جانفشانی سے جرأت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ دشمن کی فوج پر موت کے بادل چھائے ہوئے تھے اور جناب فضل بن عباسؑ کی تلوار کے آگے کسی میں مقابلے کی ہمت نہ تھی۔ ایک شخص جو جناب فضل بن عباسؑ کی جنگ کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ عین اس وقت جب آپ مشغول قتال تھے اس نے اچانک حملہ کیا، جس کے سبب آپ کے جسم کا سارا خون بہہ گیا۔ زخمی حالت میں آپ نے آواز دی۔ چچا جان میری خبر لیجئے۔ جب حضرت امام حسینؑ تشریف لائے تو دیکھا کہ آپ ایڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کی روح راہی جنت ہو گئی۔ جناب فضل کے سرہانے جناب امام حسینؑ نے گریہ کیا اور کہا۔ "اے میرے فرزند تیری موت سے مجھے بے حد صدمہ پہنچا ہے۔ آپؑ نے جناب فضل کی لاش اٹھا کر گنج شہیداں میں پہنچا دی۔

جناب قاسم ابن عباسؑ

جناب قاسم ابن عباسؑ کی شہادت کے شواہد نور العین فی شہداء الحسین، مائتین، خلاصۃ المصائب، چہل مجلس، توضیح العزاء اور امام اسفرائنی کی روایت سے ملتے ہیں۔ جب جناب قاسم بن عباسؑ نے اپنے حقیقی بھائی جناب فضل کو اپنی آنکھوں کے سامنے شہید ہوتے دیکھا تو بہت زیادہ رنجیدہ خاطر ہوئے اور کہا اے برادر عزیز تمہارے بعد میری زندگی دشوار ہے، یہ کہہ کر آپ میدان کارزار کی طرف روانہ ہوئے۔ ابو اسحاق اسفرائنی تحریر فرماتے ہیں کہ جب جناب قاسم بن عباسؑ میدان کی طرف روانہ ہو رہے تھے اس وقت آپکی عمر ۱۹ سال تھی۔

جب رزم گاہ پہنچے تو یہ رجز پڑھا۔ "اے لشکر اعداء، میں تم پر حضرت نبی مختار کے صدقہ میں ایسا حملہ کروں گا کہ تمہارا شیر خوار بچہ بھی خوف کے سبب بوڑھا ہو جائے گا۔ اے کفار! سنو میں تم سے ہر ایک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔" رجز پڑھنے کے بعد آپ نے نہایت دلیرانہ حملہ کیا اور مسلسل حملے کرتے رہے۔ یہاں تک آٹھ سو دشمنوں کو ہلاک کیا۔ زخموں کی شدت کے سبب تین دن کے بھوکے پیاسے جناب قاسم کی پیاس نے شدت اختیار کر لی۔ آپ خدمت حضرت امام حسینؑ میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ چچا جان میری آنکھیں پیاس کے سبب دھنسی جا رہی ہیں، مجھے تھوڑا سا پانی مہیا ہو جائے تو میں دشمنوں سے مزید لڑنے کے قابل ہو جاؤں۔ یہ

سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام نے نہایت شفقت سے فرمایا۔ بیٹا کچھ دیر اور صبر کرو تمہیں تمہارے جد نامدار حضرت محمد مصطفےٰؐ ایسے جام سے سیراب کریں گے کہ پھر تمہیں کبھی پیاس محسوس نہ ہوگی۔ یہ سن کر قاسم ابن عباسؑ دوبارہ میدان کارزار میں آئے اور دشمنوں پر ایسا حملہ کیا کہ بیس سواروں کو قتل کیا۔ آپ نے نہایت بہادری سے جنگ کرتے ہوئے شہادت پائی۔ جب حضرت امام حسینؑ کو آپ کی شہادت کی خبر ہوئی تو آپ میدان کی کی طرف تشریف لائے۔ بقول ابواسحاق اسفرائنی، مائتین، چہل مجالس، خلاصۃ المصائب اور توضیح العزاء دشمنوں نے حضرتؑ کے قریب پہنچنے پر مزاحمت کی۔ آپؑ چار سو دشمنوں کو قتل کر کے جناب قاسم بن عباسؑ کی لاش اٹھا لائے اور گنج شہیداں میں رکھ دی۔

جناب عبداللہ بن مسلم بن عقیلؑ

جناب عبداللہ بن مسلم بن عقیلؑ آپ بھانجے ہیں حضرت امام حسین علیہ السلام اور جناب عباس علمدار علیہ السلام کے۔ جناب عبداللہ بن مسلم بن عقیل بن ابی طالبؑ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی رقیہ تھا۔ جناب رقیہ کی مادر گرامی صہبا بنت عباد بن ربیعہ تھیں۔

ابوالفرج اصفہانی نے مدائنی اور حمید بن مسلم سے روایت کی ہے کہ مادر جناب عبداللہ رقیہ دختر امیر المومنین تھیں۔ علامہ محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ جب حضرت امام حسینؑ کے تمام اصحاب درجہ شہادت پر فائز ہو گئے اور صرف اہل بیت طاہرین رہ گئے تو اولاد جناب عقیل بن ابی طالب، اولاد حضرت امام حسنؑ اور اولاد حضرت امام حسینؑ نے ایک دوسرے کو وداع کیا اور عازم جنگ ہوئے، سب سے پہلے جناب عبداللہ بن مسلم بن عقیلؑ حضرت امام حسینؑ سے اجازت لے کر میدان کارزار میں آئے اور یہ رجز پڑھا۔ "اے قوم اشرار آج میری یہ تمنا ہے کہ میں اپنے والد گرامی جناب مسلم بن عقیل سے ملاقات کروں اور ان جوانوں سے جنہوں نے دین پیغمبرؐ پر قائم رہتے ہوئے وفات پائی جو بہترین فرد تھے، یہ بہترین صاحبان حسب ونسب اور سادات ہاشمی تھے، شرافت ان کے نسب میں تھی۔

محمد بن ابی طالب سے مروی ہے کہ جناب عبداللہ بن مسلم بن عقیل نے اعداء دین سے زبردست جنگ کی اور آپ نے تین حملوں میں اٹھانوے (۹۸) اشقیاء کو واصل جہنم کیا۔ آپ مصروف جنگ تھے کہ عمرو بن صبیح صیداوی اور اسد بن مالک لعین نے انہیں شہید کیا۔

مقتل ابی مخنف میں جناب عبداللہ بن مسلم بن عقیل کی شہادت کا حال یوں مرقوم ہے کہ جب جناب

عبداللہ بن مسلم بن عقیل نے حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں آ کر عرض کی مولا مجھے جنگ کی اجازت دیجئے تو حضرت امام حسینؑ نے فرمایا "اے فرزند مسلم کی شہادت تمہارے اور تمہارے خاندان کے لیے کافی ہے" یہ سن کر جناب عبداللہ نے عرض کی۔ "اگر میں نے آپ کی نصرت نہ کی تو میں اپنے جد امجد حضرت محمد مصطفیٰؐ کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ میرے آقا یہ ہرگز ممکن نہیں کہ میں شہادت سے محروم رہوں مجھے تو شہادت میں سکون ملے گا"۔

آخر جب آپ کو رن میں جانے کی اجازت ملی تو آپ نے میدان جنگ میں ہاتھوں کو بلند کر کے یہ رجز پڑھا۔ "ہم مرد شجاع بنی ہاشم کے فرزندوں اور رسول خدا کی بیٹی کے فرزندوں کے مرد شجاع بیٹے کی حفاظت کر رہے ہیں۔ میں تم لوگوں کو اپنی تلوار سے قتل کروں گا اور تم پر تیز نیزوں کے وار کروں گا تا کہ روز قیامت اپنے پروردگار سے اپنی مغفرت کی امید رکھوں۔" اس کے بعد آپ نے شدید جنگ کی اور نوے (۹۸) لعینوں کو ہلاک کیا۔ آپ زخمی ہو کر گر گئے، اس وقت آپ پکار رہے تھے۔ ہائے بابا میری کمر ٹوٹ گئی۔ جب حضرت امام حسینؑ نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا "اے خدا عقیل کے خاندان کے قاتل کو ہلاک کر" یہ کہہ کر آپ نے انا للہ و انا الیہ راجعون فرمایا۔

معالی السبطین میں مرقوم ہے کہ جب اس شہزادہ نے جنگ کی اجازت مانگی تو جناب سید الشہداؑ نے کافی دیر تک ان کو اجازت دینے میں تامل فرمایا۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ جناب مسلم کی شہادت کے بعد جواں سال شہزادہ ماں کے غم کا سبب بنے۔

سروی کے مطابق جناب عبداللہ بن مسلم میدان میں آئے تو یہ رجز پڑھ رہے تھے۔ "آج میں اپنے والد گرامی جناب مسلم اور ان لوگوں سے ملوں گا جو دین نبیؐ پر دنیا سے گئے۔" آپ نے لشکر شام پر تین حملے کیے اور اٹھانوے (۹۸) آدمیوں کو ہلاک کیا۔ آپ عمر بن صبیح صیداوی کے تیر سے شہید ہوئے۔

مسلم بن حمید نے روایت کی ہے کہ جب جناب عبداللہ بن مسلم بن عقیل عمرو بن صبیح پر حملہ کرنے چلے تو اس نے تیر کمان میں جوڑا اور ان صاحبزادے کی پیشانی پر نشانہ کیا تو انہوں نے اپنا ہاتھ پیشانی پر بغرض حفاظت رکھ لیا جب وہ تیر آپ کی پیشانی پر آیا تو ہاتھ سے نکلتا ہوا پیشانی میں ایسا پیوست ہوا کہ پھر پیشانی سے ہاتھ جدا نہ ہوا، پھر عمرو بن صبیح نے دوسرا تیر مارا، جو آپ کے دل پر لگا اس دوسرے تیر سے آپ زمین پر تشریف لائے۔ حمید بن مسلم سے روایت ہے کہ جناب عبداللہ کو عمرو بن صبیح نے شہید کیا۔

روضۃ الشہداء میں جناب عبداللہ بن مسلم کی شہادت کے باب میں مرقوم ہے کہ جب جناب عبداللہ بن مسلم نے حضرت امام حسینؑ سے رن میں جانے کی اجازت طلب کی تو حضرت نے انہیں محفوظ رہنے کا

مشورہ دیا تو جناب عبداللہ بن مسلم نے کہا" اس معبود پاک کی خاطر جس نے آپ کے جد کو مبعوث حق کیا مجھے میدان میں جانے کی اجازت دیجئے اور مجھے دشمنوں سے جنگ کرنے سے نہ روکیے، آپ مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں آپ کی خدمت گزاری میں اپنے باپ کے درجے پر پہنچوں، جس طرح اقربا میں پہلے میرے باپ نے آپ کی خیر خواہی میں اپنی جان فدا کی اسی طرح میں بھی اقربا میں سب سے پہلے آپ پر اپنا سر فدا کردوں گا۔ یہ سن کر حضرت امام حسینؑ نے جناب عبداللہ کا سر اپنے سینہ سے لگایا اور فرمایا" اے میرے چچا کے فرزند کی یادگار تم سے میری آنکھیں روشن اور دل خوش تھا اب یہ راحت مجھ سے جدا اور تمہاری ہم نشینی دنیا سے تمام ہو رہی ہے۔ اس کے بعد حضرت نے اجازت دی اور آپ میدان میں آئے۔

ابن سعد نے قدامہ بن اسد فرازی کو آپ سے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ جناب عبداللہ نے قدامہ پر نیزہ سے حملہ کیا تو قدامہ نے اپنے گھوڑے کا رخ پھیر دیا۔ جناب عبداللہ جب اس پر حملہ کرتے تھے تو قدامہ اپنا گھوڑا بھگا تا تھا اور جناب عبداللہ کا گھوڑا سبب بھوک و پیاس کے اس کا تعاقب نہ کرسکا تو آخر کار جناب عبداللہ نے نیزہ پھینک دیا اور تلوار نیام سے نکال لی۔ قدامہ نے یہ دیکھ کر نیزہ سے آپ پر حملہ کیا۔ جناب عبداللہ نے نیزے کے وار سے اپنے کو بچایا اور تلوار سے قدامہ کے سر پر کاری ضرب لگائی اور اس کا کمر بند پکڑ کر اسے گھوڑے سے گرادیا اور خود اس کے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ آپ کچھ دیر کے رہے کہ کوئی مقابلہ پر آئے۔ جب کوئی آپ کے مقابلے پر نہ آیا تو پیاس سے مضطرب جناب عبداللہ نے میمنہ کی طرف لشکر پر حملہ کیا اور حمیر بن حمیری کو جو خوارج نہروان میں سے تھا اسے قتل کیا اور اس کے لڑکے کامل بن حمیری کو بھی قتل کر کے اس کے باپ کے پاس روانہ کر دیا۔ اب قلب لشکر پر حملہ کیا اور صالح بن نصر اور دیگر بیس آدمیوں کو قتل کیا اور میسرہ لشکر کی طرف رخ کیا اور قدامہ حبشی کو جو عمر سعد کے لشکر کا پہلوان تھا اسے قتل کیا۔

حداس دمشقی نے پشت کی جانب سے آکر جناب عبداللہ کا گھوڑا پے کر دیا۔ جناب عبداللہ گھوڑے سے کود گئے، اسی اثنا نوفل بن مزحم حمیری نے نیزہ سے آپ کو گرادیا اور آپ شہید ہو گئے۔

جناب عون ومحمد بن عبداللہؑ

جناب عون ومحمد بھانجے ہیں، حضرت امام حسین علیہ السلام اور جناب عباس علمدار علیہ السلام کے۔

جب میدان کارزار میں ہر طرف موت کا منظر تھا۔ جناب زینبؑ نے دیکھا کہ انصار و اقربا مسلسل شہید ہو رہے ہیں تو اپنے دونوں فرزندوں جناب عون اور محمد کو حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں لائیں اور

فرمایا ماں جائے آج بہن کی لاج رکھ لیں اور بہن کا یہ ہدیہ قبول کرلیں۔ بھیا حسینؑ کہیں ایسا نہ ہو کہ اماں زہراؑ روز محشر یہ کہیں کہ زینبؑ! کیا تمہارے لاڈلے بچے میرے لعل حسینؑ سے زیادہ عزیز تھے، بھائی کہیں اس دن مجھے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ یہ سن کر حضرت امام حسینؑ نے آہ سرد بھری اور آسمان کی طرف نگاہ کی اور کہا بہن زینبؑ مجھ سے ان معصوم بچوں کا داغ اٹھایا نہ جائے گا یہ کہہ کر آپ خیمہ سے باہر تشریف لائے۔

بھائی کے جاتے ہی جناب زینبؑ بچوں کو اپنے خیمے میں لائیں اور تبرکات لاکر اپنے دونوں جگر گوشوں کو تیار کیا اور وفادار کنیز جناب فضہ سے فرمایا۔ "میری ماں کی کنیز خاص یہ دونوں تلواریں میرے بچوں کی کمر میں باندھ دیں۔" جناب فضہ نے حکم کی تعمیل کی۔ جب بچے تیار ہوگئے تو جناب زینبؑ نے فرمایا "اے موت انہیں قبر کے راستے سے لگادے اور زینبؑ کی امیدوں کے آج چراغ گل کردے۔" اس وقت جناب زینبؑ کبھی آسمان کو دیکھتی تھیں اور کبھی جناب عون و محمد پر حسرت بھری نگاہ ڈالتی تھیں، پھر نجف کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا۔ "بابا زینب کی کمائی اب تک کام نہ آئی"۔ پھر فرمایا۔ "اے جعفر طیار آپ آئیں اور اپنے پوتوں کی سفارش کریں اور بھیا حسینؑ سے کہیں کہ خیمہ میں جاکر دیکھیں کہ بہن صدقہ لیے بیٹھی ہے۔" پھر جناب زینبؑ نے حضرت فضہ سے فرمایا اے فضہ! آپ جاکر عباسؑ سے کہیں کہ وہ بھیا حسینؑ سے کہیں کہ خیمہ میں آجائیں۔

جناب فضہ نے جب یہ پیغام جناب عباسؑ کو سنایا تو حضرت عباس نے حضرت امام حسینؑ سے کہا آقا بہن زینبؑ نے آپ کو بلایا ہے۔ یہ سن کر حضرت امام حسینؑ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور دونوں بھائی طرف خیمہ روانہ ہوئے۔ دیکھا کہ جناب زینبؑ در خیمہ پر کھڑی ہیں۔ حضرت نے فرمایا "بہن آپ نے مجھے بلایا ہے۔ اے بہن میں نہیں چاہتا کہ یہ کمسن آپ کو داغ مفارقت دیں۔ یہ سن کر جناب زینب رونے لگیں اور کہا۔ "بھائی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی سائل آپ کے در پر آیا ہو اور محروم لوٹا ہو؟ بھائی میں آپ کی خدمت میں سائلہ بن کر آئی ہوں، بھیا میں یہ نہیں جانتی کہ سوال کا ادا کرنا کہاں تک جائز ہے۔ اس وقت حضرت امام حسینؑ فکر مند تھے کہ ہاتف غیبی نے ندا دی۔ حسینؑ انہیں بھی راہ خدا میں شہادت حاصل کرنے دیں اور انہیں جلد خلد کی راہ دکھادیں۔ اس کے ساتھ ہی جناب عون و محمد کو رن میں جانے کی اجازت مل گئی۔

سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ اور سروی کے مطابق جناب محمد بن عبداللہ جناب عون بن عبداللہ سے پہلے میدان میں آئے۔ بحار الانوار میں لکھا ہے کہ جب جناب محمد بن عبداللہ میدان میں آئے تو آپ نے یہ رجز پڑھا۔ "میں خدا سے شکایت کرتا ہوں ان اشقیاء کے ظلم و ستم کی جو گمراہ ہیں اور ان لوگوں نے چھوڑ دیا قرآن کی نشانیوں اور محکم تنزیل و تبیان کو اور ظاہر کیا ظلم و سرکشی کو۔" یہ رجز پڑھ کر آپ نے لعینوں پر حملہ کیا۔ سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ

اور سروی کی روایت کے مطابق آپ نے دس سواروں کو قتل کیا۔ جب لشکر یزید نے آپ کی یہ جرأت دیکھی کہ کوئی تنہا ان کے مقابلے پر نہیں آسکتا تو لشکر نے ہر طرف سے آپ کو گھیر لیا اور عامر بن نہشلی تمیمی نے شہید کیا۔

حضرت عون بن عبداللہ جب میدان میں تشریف لائے تو آپ نے یہ رجز پڑھا۔ ''میں جعفر طیار کا پوتا ہوں جو شہید راہ خدا ہیں جو بہشت میں زمرد کے پروں سے ہمراہ ملائکہ مقربین پرواز کرتے ہیں، اس سے زیادہ اور کیا شرف ہو سکتا ہے۔ یہ روز محشر کافی ہے۔ جناب عون کی زبان پر یہ رجز تھا اور آپ مصروف جنگ تھے۔ آپ نہایت دلیری سے لشکر اعدا کا مقابلہ کر رہے تھے۔ بحارالانوار کے موافق آپ نے تین سو اٹھارہ (۳۱۸) پیادوں کو واصل جہنم کیا۔ ابوالفرج اصفہانی نے کتاب مقاتل الطالبین میں لکھا ہے کہ جناب عون کو محمد بن قطبہ نبہانی نے شہید کیا۔ بحارالانوار کے موافق آپ کا قاتل عبداللہ بن بطہ طائی ہے۔ ابصار العین اور دیگر کئی کتب مقاتل میں جناب عون کے قاتل کا نام عبداللہ بن قطنہ نبہانی لکھا ہے لیکن یہ مختلف ردوبدل کے ساتھ لکھے جانے والے نام ایک ہی ملعون کے ہیں۔

جب جناب زینبؑ کے دلارے شہید ہو گئے تو عمر سعد نے آواز دی حسین! اپنے بھانجوں کی لاشیں بھی لے جاؤ۔ جب جناب زینبؑ نے یہ آواز سنی تو فرمایا۔ بارالہا شکر ہے کہ تو نے میرے بچوں کی قربانی قبول کرلی۔ جب جناب عون ومحمد کے لاشوں کو حضرت امام حسینؑ خیمہ میں لائے تو جناب زینبؑ نے بچوں کی لاشوں کو خاک وخون میں آلودہ دیکھا تو اپنی چادر سے چہروں کو صاف کرنے لگیں (بی بی زینبؑ ابھی آپ چاند سے چہروں سے گرد وغبار اپنی چادر سے صاف کرلیں جب شام غریباں ہوگی تو آپ کے سر پر چادر نہ ہوگی) اس کے بعد جناب زینبؑ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور کہا اے خالق کائنات! یہ ہے میری کمائی جو تیری راہ میں لٹادی یہ ہے وہ سہارا جو تیرے دین کی خاطر چھن گیا اس وقت خیمہ میں کہرام مچ گیا ہر طرف آہ وفغاں کی چیخیں بلند تھیں۔ حضرت امام حسینؑ اور حضرت عباسؑ نے حضرت عون ومحمدؑ کو ہاتھوں پر اٹھایا نہ غسل تھا نہ کفن جب دونوں بچوں کے لاشے خیمہ گاہ سے باہر روانہ ہوئے تو بیبیوں میں کہرام مچ گیا۔ جناب زینبؑ کو اپنے حلقے میں لیے تمام مخدرات عصمت وطہارت بین کر رہی تھیں۔

جب حضرت امام حسینؑ اور جناب عون ومحمدؑ کی شہادت کی خبر جناب عبداللہ کو ملی تو آپ نے فرمایا ''خدا کی قسم اگر میں کربلا میں ہوتا تو اپنی جان حضرت امام حسینؑ پر نثار کرتا۔ یہ کہہ کر جناب عبداللہ جو لوگ پرسے کے لیے آئے تھے، ان سے مخاطب ہوئے خدا کا شکر ہے کہ اگر میں خود اپنی جان حضرت امام حسینؑ پر فدا نہ کر سکا تو میرے دونوں بیٹے حضرت پر فدا ہو گئے۔''

جناب قاسم بن الحسنؑ

جناب قاسم بن الحسن علیہ السلام بھیجتے ہیں، حضرت امام حسین علیہ السلام اور جناب عباس علمدارؑ کے۔ حضرت قاسم بن الحسن بن علی ابن ابی طالبؑ کی والدہ گرامی قدر کا اسم گرامی صاحبان سیر و تاریخ نے ام فروہ لکھا ہے۔ جناب قاسمؑ کم عمری میں نہایت عبادت گزار اور صاحب تقویٰ تھے۔ آپ صورت اور سیرت میں حضرت امام حسنؑ کی تصویر تھے۔

کربلا میں آپ کا صبر و استقلال اور اپنے چچا حضرت امام حسینؑ کی اطاعت گزاری اور جذبہ ایثار و قربانی بے مثال تھی۔ آپؑ کا شوق شہادت دیکھ کر جب حضرت امام حسینؑ نے دریافت فرمایا۔ اے فرزند! موت کو تم کیسا محسوس کرتے ہو تو آپؑ نے عرض کیا۔ ''اے چچا موت کو میں شہد سے زیادہ شیریں تصور کرتا ہوں''۔ جب حضرت قاسم سے حضرت امام حسینؑ نے فرمایا۔ فرزند تم شہید کیے جاؤ گے اور میرا شیر خوار فرزند بھی شہید کیا جائے گا تو یہ سن کر حضرت قاسم نے عرض کیا۔ اے چچا! کیا یہ اشقیاء خیموں تک پہنچ جائیں گے۔ اس لیے کہ علی اصغرؑ تو اس قابل نہیں کہ میدان جنگ میں جائیں، حضرت امام حسینؑ نے فرمایا۔ اے فرزند! جب شدت پیاس سے علی اصغرؑ کا حال متغیر ہوگا، تو اس وقت ایک شقی سوال آب کے جواب میں ایک تیر ستم مارے گا جس کے صدمہ سے یہ میرے ہاتھوں پر شہادت پائیں گے۔ یہ خبر سن کر حضرت قاسمؑ کے دل پر گہرا صدمہ ہوا۔

جب انصار شہید ہو رہے تھے، حضرت قاسمؑ نے اپنے چچا سے ان کی تنہائی دیکھ کر بار بار اذن جہاد طلب کی لیکن بوجہ کمسنی بھائی کی نشانی کو حضرت امام حسینؑ نے اجازت نہ دی، جب حضرت قاسمؑ ماں کے پاس آئے تو ماں نے جناب قاسمؑ کو روتا دیکھ کر کہا یہ تعویذ جو تمہارے بند ھا ہے کھولو کیونکہ تمہارے بابا کی یہ وصیت تھی کہ جب حسینؑ پر کٹھن وقت ہو تو یہ تعویذ کھولنا بیٹا اس سے زیادہ اور کون سا مشکل وقت ہوگا کہ جناب رسول خدا کا پورا باغ اجڑ رہا ہے، جناب قاسمؑ یہ خط لے کر خدمت حضرت امام حسینؑ میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے بھائی حسنؑ کے خط کو آنکھوں سے لگایا اور جناب قاسمؑ کو سینے سے لگا لیا۔ اس وقت جناب قاسمؑ اپنے چچا کے دست و پا کے بوسے لینے لگے۔ اور اجازت چاہی، حضرت امام حسینؑ نے بھائی حسنؑ کا خط پڑھ کر بہت گریہ فرمایا، اس خط میں حضرت امام حسنؑ نے حضرت قاسمؑ کو وصیت فرمائی تھی۔ ریاض القدس میں یہ روایت مرقوم ہے کہ حضرت امام حسنؑ نے حضرت قاسمؑ کو وصیت فرمائی تھی۔ ''اے میرے فرزند جب تم اپنے چچا کو نرغہ اعدا میں دیکھنا تو دشمنان دین سے جہاد کرنا اور حضرت امام حسینؑ پر اپنی جان قربان کرنے میں بخل نہ کرنا، اگر حضرت

جہاد کرنے سے روکیں تو اصرار کرنا، یہاں تک کہ جہاد کی اجازت فرمائیں۔ صاحب ریاض القدس نے یہ روایت بھی لکھی ہے کہ شب عاشور خیمے کے باہر جناب علی اکبر اور جناب عباس کھڑے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ جناب عباسؑ نے جناب علی اکبرؑ سے کہا چچا جان میں آپ سے پہلے جاؤں گا۔ اس پر جناب عباسؑ نے کہا بیٹے مجھ سے تمہارا مرنا دیکھا نہیں جائے گا، لہٰذا میں تم سے پہلے جاؤں گا۔ اس طرح دونوں کا اصرار تھا کہ میں پہلے میدان میں جانا چاہتا ہوں۔ آخر جناب عباسؑ نے کہا اے بیٹے علی اکبرؑ اگر تم جاؤ گے تو آقا کا نور نظر چلا جائے گا۔ اس پر جناب علی اکبرؑ نے کہا چچا آپ جائیں گے تو بابا کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ راوی کہتا ہے جناب عباسؑ اور جناب علی اکبرؑ میں یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک ۱۴ سال کا نوجوان دونوں کے قریب آیا اور ہاتھ جوڑ کر جناب عباسؑ سے کہا چچا آپ نہ جائیں اور بھیا آپ بھی نہ جائیں۔ بھیا آپ جائیں گے تو بابا کا نور نظر جدا ہو جائے گا اور چچا جان اگر آپ جائیں گے تو میرے چچا حسینؑ کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ میرے بابا مر چکے ہیں میں یتیم ہوں۔ مجھے جانے دیجئے راوی کہتا ہے جناب قاسمؑ یہ گفتگو کر رہے تھے کہ خیمہ کا پردہ اٹھا اور حضرت امام حسینؑ تشریف لائے اور جناب قاسمؑ کو اپنی بانہوں میں لے کر فرمایا اے میرے قاسمؑ! میں تمہیں اکبر سے زیادہ چاہتا ہوں یہ تم نے کیا کہا؟ اس کے بعد حضرت قاسمؑ بڑھ کر اپنے چچا کے ہاتھ پیر چومنے لگے۔

بحار الانوار میں لکھا ہے جب حضرت قاسمؑ نے حضرت امام حسینؑ سے رخصت جہاد طلب کی اور حضرت کی نظر جناب قاسمؑ کے نورانی چہرہ پر پڑی تو اپنی آغوش میں لے لیا۔ اس وقت چچا اور بھتیجے اس قدر روئے کہ بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو دوبارہ اذن جہاد طلب کیا۔ لیکن اجازت نہ ملی لیکن حضرت قاسمؑ اصرار کرتے رہے، یہاں تک کہ حضرتؑ کے پاؤں میں گر پڑے اور حضرتؑ کے ہاتھ اور پاؤں کے بوسے لیے اور اس قدر روئے کہ حضرت نے جہاد کی اجازت دیدی۔

حضرت امام حسینؑ نے اپنے ہاتھوں سے جناب قاسمؑ کے سر پر عمامہ باندھا اور گود میں لے کر گھوڑے پر سوار کیا۔ جب آپ میدان میں آئے تو کوئی کہتا تھا سر پر سبز عمامہ کتنا اچھا لگ رہا ہے، کوئی کہتا ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے چاند کا ٹکڑا میدان کربلا میں اترا آیا۔ (جب دشمن حضرت قاسمؑ کے حسن سے اس قدر متاثر تھے تو اس ماں کا کیا حال ہوگا جس نے اپنے والی کی شہادت کے بعد بڑے ارمانوں سے اس بلند سیرت و کردار اور پیکر جمال کو پالا تھا لیکن کربلا میں ہر محبت حسینؑ کی محبت پر قربان تھی۔ لہٰذا مادر جناب قاسمؑ دعا گو تھیں۔ "بارالٰہا تو اس بیوہ کی قربانی قبول فرما۔")

بحار الانوار کے مطابق حضرت قاسمؑ میدان کارزار میں یہ رجز پڑھ رہے تھے۔ "اے قوم اشرار! اگر تم

میرے حسب ونسبت سے بے خبر ہو تو یہ جان لو کہ میں قاسم بن حسنؑ ہوں اور حسینؑ میرے عم بزرگوار ہیں۔ جو اس وقت گروہ اعدا میں مثل قیدیوں کے گرفتار دشت بلا ہیں۔ خدا کی ظالموں پر کبھی رحمت نہ ہوگی۔" ابن شہر آشوب نے لکھا ہے۔ حضرت قاسمؑ نے یہ رجز پڑھا۔" میرا نام قاسمؑ ہے اور میں نسل علی بن ابی طالبؑ سے ہوں ہم اور کعبہ رسول اکرمؐ سے نزدیک تر ہیں۔"

جناب قاسمؑ حیدری شان سے میدان میں تشریف لائے۔ اس کمسن مجاہد کا چہرہ میدان کارزار میں ان ظالم وجابر سیاہ کاروں کے سامنے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ حضرت امام حسنؑ کے نونہال نے پروقار انداز میں میدان میں قدم رکھا اور ایسی جنگ کی کہ دشمنوں کی ہمت پست ہوگئی۔ لشکر اعدا پر آپ کی جرأت سے ہیبت طاری ہوگئی اور ابن سعد گھبرا گیا۔ روضۃ الشہدا کے مواقف آپ نے ازرق شامی جو نامور پہلوان تھا اور اس کے چار بیٹے جو مقابلے میں آئے، ان کو واصل جہنم کیا، جب لشکر عمر سعد نے دیکھا کہ تنہا کوئی ان سے مقابلہ نہیں کرسکتا، تو سب کو ایک ساتھ حملہ کرنے کا حکم دیا۔ چاروں اطراف سے آپ پر حملے شروع ہوئے لیکن آپ جس طرف رخ کرتے جنگ کا نقشہ بدل دیتے تھے۔ اس کم سن مجاہد نے ستر (۷۰) دشمنوں کو قتل کر کے تاریخ کربلا میں جرأت کا ایک ایسا باب کھول دیا جو حق وصداقت کی راہ پر چلنے والوں کے لیے روشن مثال ہے۔

آپ تین دن کی بھوک وپیاس کے عالم میں لشکر کثیر سے مصروف جنگ تھے۔ یہاں تک کہ نرغہ اعدا میں گھر گئے اور عمر بن سعد عروہ بن نفیل ازدی کی تلوار سے شہید ہوئے۔ جب آپ گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے تو آواز دی یا عماہ ادرکنی۔ جو شہید بھی میدان کربلا میں گھوڑے سے گرا اس نے حضرت امام حسینؑ کو آواز دی۔ کسی نے کہا یا اماہ ادرکنی، کسی نے کہا یا اخاہ ادرکنی اور کسی نے کہا یا مولا ادرکنی گرنے والوں نے حضرت کو صرف ایک آواز دی لیکن جناب قاسمؑ وہ شہید ہیں کہ آپ نے تین بار حضرت امام حسینؑ کو آواز دی "یا عماہ ادرکنی" جناب امام حسنؑ کے دلارے نے پہلی آواز اس وقت دی جب آپ زخموں سے چور چور گھوڑے پر سنبھل نہ سکے اور زمین پر تشریف لارہے تھے تو با آواز بلند اپنے چچا کو آواز دی یا عماہ ادرکنی، دوسری آواز اس وقت دی جب لعین حضرت امام حسینؑ کی جناب قاسمؑ کی طرف آمد کو دیکھ کر گھبراہٹ میں گھوڑے دوڑا رہے تھے، جو جناب قاسمؑ کے قریب ہورہے تھے اور آخری آواز اس وقت دی جب گھوڑوں کے سم آپ کے بدن ناز نین پر پڑ رہے تھے۔

حضرت امام حسینؑ تیزی سے مدد کو پہنچنا چاہتے تھے کہ گھوڑ سوار خوف سے بھاگنے لگے۔ اس کشمکش میں آپ کا جسم مبارک زندگی ہی میں پامال سم اسپاں ہوگیا۔ جب حضرت امام حسینؑ لاش جناب قاسمؑ پر تشریف

لائے تو بے اختیار گریہ کیا اور فرمایا "اے خدا اس قوم کو اپنی رحمت سے محروم رکھ، جس نے قاسمؑ کا قتل کیا۔"

حمید بن مسلم سے روایت ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے لشکر سے ایک صاحبزادے جہاد کو نکلے، جن کا چہرہ مثل چاند کے تھا۔ میدان میں آتے ہی دشمنوں کو تلوار سے مارنا شروع کیا۔ آپ جنگ کر ہی رہے تھے کہ ایک پیر کے نعل کا تسمہ ٹوٹ گیا۔ آپ ٹھہر کر اسے باندھنے لگے یہ دیکھ کر عمر بن سعید بن نفیل ازدی نے مجھ سے کہا کہ اب میں اس صاحبزادے پر حملہ کرتا ہوں اور ان کو مارتا ہوں، میں نے کہا سبحان اللہ ارے تو کیا کہتا ہے تو نے یہ ارادہ کیوں کیا، جو لوگ صاحبزادے کو گھیرے ہوئے ہیں وہی کافی ہیں تو کیوں خون ناحق میں پڑتا ہے۔ اس نے جواب دیا قسم بخدا میں اسے مارے بغیر نہ رہوں گا۔ یہ کہہ کر اس شقی نے صاحبزادے کے سر پر تلوار لگائی اور یہ منہ کے بل زمین پر گر گئے اور اپنے چچا حضرت امام حسینؑ کو پکارا۔ حمید کہتا ہے۔ قسم بخدا میں نے دیکھا کہ حضرت امام حسینؑ مثل باز کے جھپٹتے ہوئے میدان میں آئے اور مثل شیر غضب ناک لشکر پر حملہ کیا۔ ابن نفیل نامی ایک شخص پر آپ نے تلوار لگائی اس نے ہاتھ پر تلوار روکی جس سے اس کا ہاتھ کہنی سے کٹ گیا۔ اس کی آواز سن کر لشکر اعدا نے حملہ کیا تا کہ اسے بچالیں۔ مقتل لہوف میں مرقوم ہے کہ روای کہتا ہے کہ جب گرد و غبار بیٹھ گیا تو میں نے دیکھا حضرت امام حسینؑ حضرت قاسمؑ کے سرہانے کھڑے ہیں اور وہ حالت نزع میں اپنے پاؤں زمین پر رگڑ رہے تھے۔ اس وقت حضرت نے فرمایا۔ "وہ لوگ خدا کی رحمت سے محروم ہیں اے قاسم! جنہوں نے تمہیں قتل کیا روز قیامت تمہارے قاتلوں کے دشمن تمہارے جد بزرگوار اور والد گرامی ہوں گے۔" اس وقت حضرت امام حسینؑ نہایت غم میں ڈوبے ہوئے تھے۔" آپؑ نے درد بھرے لہجے میں فرمایا۔ "اے قاسم خدا کی قسم یہ وقت تمہارے چچا پر بہت سخت ہے کہ تم نے آواز دی لیکن جب میں پہنچا تو تمہیں کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا۔ اے قاسم آج وہ دن ہے کہ تمہارے چچا کے دشمن بہت زیادہ ہیں اور مددگار بہت کم ہیں۔" یہ کہہ کر حضرت قاسمؑ کی لاش کو اپنے سینے سے لگالیا۔

مقتل لہوف کے مطابق جب حضرت امام حسینؑ نے حضرت قاسمؑ کی لاش کو اٹھانا چاہا تو لاش کے اٹھانے میں بڑی دقت پیش آئی۔ کیونکہ سارا بدن ٹکڑے ٹکڑے تھا۔ حمید کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ اس صاحبزادے کے دونوں پاؤں زمین سے رگڑتے تھے، میں نے لوگوں سے دریافت کیا یہ کون صاحبزادے ہیں؟ لوگوں نے کہا یہ قاسم بن الحسنؑ ہیں۔

اب تک جتنی لاشیں خیمے میں آئی تھیں سب زخموں سے چور تھیں لیکن حضرت قاسم کی لاش پر زخموں کے ساتھ گھوڑوں سے پامالی کے سبب لاش کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے تھے۔ لاش کے ٹکڑوں کو دیکھ کر آپ کی

مادر گرامی جناب ام فروہ کا دل پاش پاش ہو گیا۔ جناب زینبؑ کو بھائی حسنؑ کے جگر کے ٹکڑے یاد آئے۔ اس وقت جناب سکینہؑ بہت زیادہ مضطرب تھیں۔

علامہ طریحی علیہ الرحمہ نے منتخب طریحی میں علامہ ہاشم بحرانی نے مدینۃ المعاجز میں اور آقائے محمد مہدی مازندرانی نے معالی السبطین میں تفصیل سے تحریر فرمایا ہے کہ کربلا میں جب حضرت امام حسینؑ کی اولاد کی باری آئی تو حضرت شہزادہ قاسم حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی چچا مجھے بھی جنگ کی اجازت دیجئے۔ حضرت امام حسینؑ نے جناب قاسمؑ سے فرمایا۔ "بیٹے تم میرے بھائی کی اولادوں میں سے سب سے زیادہ ان سے مشابہ ہو، جب میں تمہیں دیکھتا ہوں تو مجھے سکون ملتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم زندہ رہو۔"

شہزادہ جناب قاسمؑ یہ سن کر بہت مغموم ہوئے۔ شدت غم سے اپنا سر گھٹنوں میں رکھا اور پریشانی کے عالم میں بیٹھ گئے، اچانک آپ کو خیال آیا کہ میرے بابا نے میرے بازو پر تعویذ باندھا تھا اور فرمایا تھا بیٹا جب مصائب ہر اطراف سے گھیر لیں تو اس تعویذ کو کھولنا۔ آپ نے فوراً یہ تعویذ کھولا تو دیکھا اس میں لکھا تھا۔ "بیٹا قاسم میری تم کو یہ وصیت ہے کہ جب اپنے چچا کو میدان کربلا میں گھرا ہوا دیکھنا تو اس وقت جنگ سے پیچھے نہ رہنا اور خدا اور رسولؐ کے لیے دشمنوں سے جنگ کرنا۔ اگر چچا ایک بار اجازت نہ دیں تو بار بار اجازت مانگنا اور دائمی شہادت حاصل کرنا۔"

جناب قاسمؑ چچا کے پاس آئے اور حضرت امام حسینؑ کی وصیت آپ کی خدمت میں پیش کر دی۔ حضرت امام حسینؑ نے یہ خط دیکھ کر آہ سرد بھری اور بے ساختہ گریہ کیا اور فرمایا۔ "ہاں بیٹے تمہارے پاس اپنے والد کی وصیت ہے۔ مجھے بھی بھائی کی وصیت ہے، تمہارے لیے ضروری ہے کہ اس پر عمل کرو اور میرے لیے بھی ضروری ہے کہ میں اپنے بھائی کی وصیت کو پورا کروں۔"

پھر حضرت امام حسینؑ شہزادہ قاسمؑ کا ہاتھ تھامے ہوئے خیمہ میں تشریف لائے۔ جناب عونؑ و محمدؑ اور حضرت عباسؑ کو بلایا، پھر جناب زینبؑ سے فرمایا مجھے تبرکات کا صندوق لا دیں بی بی تبرکات کا صندوق لے آئیں۔ حضرتؑ نے اسے کھولا اس میں سے حضرت امام حسنؑ کی قباء اور عمامہ نکال کر قباء پہنائی اور عمامہ سر پر رکھا۔ پھر جناب فاطمہ کبریٰؑ کو بلایا اور اس خیمہ میں دونوں کا عقد کیا، پھر بیٹی کا ہاتھ شہزادہ قاسمؑ کے ہاتھ میں دے کر فرمایا بیٹا! اب میں نے اپنے بھائی کی وصیت پر عمل کر دیا۔ اس کے بعد حضرت امام حسینؑ جناب عباس اور جناب عونؑ خیمے سے باہر تشریف لے گئے۔

جناب قاسمؑ نے ایک ہاتھ جناب زینبؑ کے ہاتھ میں اور دوسرا ہاتھ اپنی مادر گرامی کے ہاتھ پر رکھ کر عرض کی اے پھوپھی جان اور مادر گرامی میرے چچا نے اپنے بھائی کی وصیت پوری کر دی ہے، اب مجھے اپنے

بابا کی وصیت کو پورا کرنا ہے۔ آپ میری یہ امانت سنبھالیں پھر قیامت میں ملاقات ہوگی۔ خدا حافظ۔ اس وقت جناب فاطمہ کبریٰؑ نے عرض کی۔ "قاسمؑ آپ جانتے ہیں کہ شدید حالت جنگ میں آپ سے میری شادی ہوئی ہے جو تاریخ عالم کا انوکھا واقعہ ہے، اب آپ تشریف لیے جا رہے ہیں تو آپ کی لاش سے الوداع کرنے کے لیے میرے پاس بھی کوئی نشانی ہونا چاہئے۔

شہزادہ جناب قاسمؑ نے اپنی پھوپھی اور ماں کی موجودگی میں اپنے کرتے کا دامن چاک کیا اور فرمایا "اگر میرا لاشہ بچ گیا تو مجھے اس چاک دامن سے پہچان لینا اور اگر لاشہ سالم نہ رہا تو پھر میں تمام شہدا سے ممتاز ہوں گا، مجھے پہچاننا اس لیے آسان ہوگا کہ ہر رونے والے کو لاشہ ملے گا لیکن میرا لاشہ تلاش کرنے سے بھی نہ ملے گا۔"

اس کے بعد جناب قاسمؑ حضرت امام حسینؑ کے پاس آئے اور عرض کی چچا اب اجازت دیجئے۔

حضرت نے فرمایا "بیٹا پہلے میں نے تمہیں لباس عروسی پہنایا اب موت کا لباس پہنانا ہے۔"

حضرت نے شہزادہ قاسمؑ کے کرتے کے دامن دونوں طرف سے مثل کفن چاک کیے عمامہ کے دو ٹکڑے کیے ایک ٹکڑا سر پر باندھا دوسرا چہرے پر ڈال دیا تاکہ دھوپ کی شدت سے محفوظ رہیں، تلوار کمر سے باندھی اور گھوڑے پر سوار کیا۔ اسکے بعد جناب قاسمؑ عمر ابن سعد کے پاس آئے اور فرمایا "کیا تجھے خوف خدا نہیں ہے کہ اولاد رسولؐ پیاس سے جاں بلب ہے اور تو نے پانی بند کیا ہوا ہے۔" عمر سعد نے کہا ہمارے لیے اولاد رسولؐ سے بیعت یزید زیادہ ضروری ہے۔

جب جناب قاسمؑ میدان میں آئے تو ارزق شامی آپ کے مقابلے میں آیا اور واصل جہنم ہوا۔ اس کے بعد اس کے چار بیٹے مقابلہ پر آئے وہ بھی اپنے انجام کو پہنچے۔ شبیہ ابن سعد شامی نے چھپ کر وار کیا۔ شہزادہ زین پر نہ سنبھل پائے چاروں طرف سے نیزوں اور تلواروں سے وار ہونے لگے۔ آپ کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ حمید بن مسلم کہتا ہے بخدا میں وہ وقت نہیں بھول سکوں گا جب جناب قاسم ابن حسنؑ اپنی کمسنی کے باوجود فوج یزید کے کسی بہادر کو اپنے قریب آنے کا موقع نہیں دے رہے تھے۔ شبیہ نے چھپ کر نیزے کا وار کیا، پھر عمر ازدی نے سر پر تلوار سے وار کیا، مجھے آج بھی شہزادہ کا سر دو حصوں میں تقسیم نظر آ رہا ہے۔ جناب قاسمؑ سے شہادت کے وقت صرف یہی جملہ ادا ہو سکا "یا اماہ ادرکنی"۔ وہ منظر آج تک میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ جب ہر طرف سے گھوڑے دوڑائے گئے اور گھوڑوں نے شہزادہ قاسمؑ کے سر، سینہ اور پسلیوں کو اپنے سموں سے ریگزار کربلا پر بکھیر دیا۔

جب فرزند رسولؐ جناب قاسمؑ کا لاشہ لیے آئے تو انہیں کئی مقامات سے جسم کے ٹکڑے جمع کرنا

پڑے۔ حمید بن مسلم کہتا ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ مقتل سے روانہ ہوئے تو میں بھی ان کے پیچھے چل دیا کہ دیکھوں حضرت امام حسینؑ اپنے لال کے اعضائے بدن کے ٹکڑے کہاں رکھتے ہیں۔ میں نے دیکھا آپؑ آئے اور جہاں جناب علی اکبرؑ اور دیگر بنی ہاشم کے لاشے رکھے تھے حضرتؑ نے جناب قاسمؑ کی لاش کے ٹکڑوں کو جوڑ کر جناب علی اکبرؑ کے پہلو میں رکھا اور دونوں لاشوں کے درمیان بیٹھ گئے اور عرض کیا۔ "الاھمہ الشحد علی ھولاء القوم" پھر مدینہ کی طرف رخ کر کے فرمایا۔ "یا جدہ انظر ھذا شبیھک ابنی وھذا قاسم ابن الحسنؑ"۔

بیٹوں اور بھائیوں پر امامؑ کو ترجیح

پیکر وفا حضرت عباسؑ نے جب میدان کارزار میں یکے بعد دیگر مسلسل جانثاران حسینؑ کی شہادتوں کا مشاہدہ کیا تو آپؑ نے تینوں بھائیوں حضرت عبداللہؑ، جعفرؑ اور عثمانؑ سے فرمایا۔ آگے بڑھو اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی راہ پر چلتے ہوئے فرزند رسولؐ پر اپنی جانیں فدا کر دو۔ اخبار الطوال کے مطابق حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا۔ میں تم پر قربان! آگے بڑھو اور اپنے آقا و مولا کا دفاع کرو اور ان کے سامنے جام شہادت نوش کرو۔ اس فرمان کو سنتے ہی تینوں برادر عزیز میدان کارزار میں تشریف لائے اور نہایت جرأت سے جنگ کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔

جناب عباسؑ نے اپنی نظروں کے سامنے اپنے بھائیوں کو شہادت کے درجہ پر فائز ہوتے دیکھا۔ اس وقت آپ کے دل میں صرف ایک تمنا تھی کہ دنیا کی میں عزیز ترین شے اپنے آقا حسینؑ پر قربان کر دوں۔ فطرت انسانی ہے کہ سب سے زیادہ محبت اولاد سے ہوتی ہے۔ جناب عباس علمدار شہنشاہِ وفا ہیں۔ آپؑ نے اپنے دو فرزند ذی وقار حضرت فضل بن عباس اور جناب قاسم بن عباس کو حضرت امام حسین علیہ السلام پر قربان کر کے ایثار کی مثال قائم کی۔ آپؑ نے اپنے فرزندوں سے فرمایا۔ اب تمہاری قربانی ضروری ہے۔ جاؤ اور فرزند رسولؐ پر اسلام کے نام پر فدا ہو جاؤ۔ آقا حسینؑ کی زندگی کے سامنے تمہاری زندگی کی کوئی اہمیت نہیں۔ جناب عباسؑ نے بیٹوں کی شہادت پر افسوس کا اظہار نہیں کیا بلکہ اس امر پر مطمئن تھے کہ فرزندوں کو اپنے برادر عزیز پر قربان کر دیا۔ آپؑ کے اس جذبہ کی مثال اگر ملتی ہے تو جناب عصمت و طہارت جناب زینب سلام اللہ علیہا کے یہاں ملتی ہے اور بعد شہادت فرزندوں پر گریہ نہ کیا بلکہ اپنے برادر عزیز حضرت امام حسینؑ پر ہر موقع پر گریہ فرمایا۔ جناب عباس علمدارؑ نے اپنے بیٹوں کی شہادت پر کمال صبر کا اظہار کیا۔

باب:۱۰

لشکر عمر سعد کی آمد پر جناب عباسؑ کو روانہ فرمانا

تفسیر مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ شمر ملعون نے حضرت عباس علیہ السلام کو پیام امن دیا جس کے پس پردہ بیعت یزید مطلوب تھی۔ اس پیشکش کو حضرت عباسؑ نے ٹھکرا دیا، جس سے شمر ملعون کو بہت مایوسی ہوئی اور لشکر عمر سعد میں پہنچ کر اس نے اپنی اس بدترین خواہش پر اصرار کیا کہ حضرت امام حسین کے خیمہ پر فوری طور پر حملہ کیا جائے۔ یہ سنتے ہی عمر سعد نے اپنے لشکر کو مخاطب کیا کہ حسینؑ کو قتل کر کے جنت کا پروانہ لے لو۔ اس حکم کے ملتے ہی سواروں اور پیادوں نے پوری تیاری کے ساتھ خیمہ حسینؑ کی طرف رخ کیا۔

یہ وہ وقت تھا جب حضرت امام حسینؑ در خیمہ تشریف فرما تھے کہ ناگاہ غنودگی ظاہر ہوئی۔ جب لشکر کے شور و غل کی آوازیں جناب زینب سلام اللہ علیہا نے سنیں تو حضرت امام حسینؑ سے فرمایا۔ بھیا حسینؑ لشکر قریب آ پہنچا ہے۔ اس وقت حضرت امام حسینؑ نے فرمایا۔ اے بہن زینبؑ ابھی میں نے اپنے جد امجد، پدر بزرگوار، مادر گرامی اور برادر عالی مقام کو خواب میں دیکھا ہے کہ وہ فرما رہے ہیں۔ ''اے حسینؑ اب تم عنقریب ہم تک پہنچ جاؤ گے۔'' یہ خبر اس مصیبت کی گھڑی میں جناب زینب سلام اللہ علیہا کے لیے نہایت درد انگیز تھی۔ اس وقت شدت غم سے آپ نے منہ پیٹ لیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے سمجھا کر آپ کو خاموش کیا۔ اسی اثنا جناب عباسؑ تشریف لائے اور فرمایا۔ آقا حسینؑ اب لشکر قریب آ پہنچا ہے۔ تحفۂ حسینیہ اور مقتل عوالم کے مطابق حضرت امام حسینؑ یہ سنتے ہی اٹھے اور فرمایا۔ اے بھیا عباسؑ تم سوار ہو کر ان کی طرف جا کر دریافت کرو کہ یہ لوگ کس مقصد سے آئے ہیں۔ حضرت عباسؑ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بیس سواروں کے ہمراہ جن میں حضرت حبیب ابن مظاہر اور زہیر بن قین بھی شامل تھے، روانہ ہوئے اور لشکر اعدا کے قریب پہنچ کر بارعب آواز میں دریافت کیا تم اس طرف کیوں بڑھ رہے ہو۔ ان لوگوں نے کہا۔ ہم عبید اللہ ابن زیاد کی طرف سے اس بات پر مامور ہیں کہ اگر امام حسینؑ اور ان کے اصحاب یزید کی بیعت نہ کریں تو اسی وقت ان پر حملہ کر دیا جائے۔ جناب عباسؑ نے فرمایا۔ تم لوگ یہاں انتظار کرو، ہم اپنے آقا حضرت امام حسینؑ سے مشورہ کے بعد تمہیں اس کا جواب دیں گے۔ اس دوران حضرت عباسؑ کے ساتھی یہیں رکے رہے اور ان لعینوں کو نصیحت کرتے رہے لیکن ان بے راہ رو درندہ صفت لوگوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔

مقتل عوالم، تحفہ حسینیہ، ناسخ التواریخ اور اکسیر التواریخ کے مطابق حضرت عباس علیہ السلام نے تمام واقعات حضرت امام حسینؑ کے سامنے بیان فرمائے۔ حضرت امام حسینؑ نے ارشاد فرمایا۔ اے بھیا عباسؑ جا کر ان لوگوں کو کل تک اپنے ارادوں سے باز رہنے کی تاکید کرو تاکہ ہم رات عبادت میں بسر کریں۔ پروردگار عالم جانتا ہے کہ میں تلاوت قرآن مجید اور کثرت استغفار کو کس قدر دوست رکھتا ہوں۔ حضرت عباسؑ نے جب لشکر اعدا کے سامنے حضرت امام حسینؑ کا پیغام بیان فرمایا تو مقتل عوالم، تحفہ حسینیہ اور تاریخ اعثم کوفی کے مطابق عمر سعد نے ایک پیغامبر کے ذریعے کہلا بھیجا کہ اگر بیعت قبول ہو تو پھر اس کے پاس جیتے جی لے چلیں گے ورنہ تم کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔ یہ کہہ کر پیغام رساں لوٹ لیا۔ اس کے بعد دونوں فریقین اپنی منزل کی طرف واپس ہوئے۔ شام ہوتے ہی جملہ اصحاب واقرباء اپنے اپنے خیموں میں فروکش ہوئے اور شب عاشور مسافران بہشت نے عبادت میں بسر کی۔

طلب اذن جہاد

روز عاشور جناب عباس علیہ السلام نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے ہاتھ جوڑ کر فرمایا! آقا اپنے غلام کو اجازت دیجئے۔ اب تو شہزادہ علی اکبرؑ کے سوا کوئی باقی نہ رہا۔ حضرت امام حسینؑ نے بھائی پر نگاہ ڈالی اور کہا عباسؑ تم بھی حسینؑ کو تنہا چھوڑ کر جانا چاہتے ہو، اے عباسؑ تم سے اہل حرم کو دھارس ہے اور بچوں کے دل قوی ہیں، بھائی عباسؑ تم تو لشکر کے علمدار ہو۔ جناب عباسؑ نے کہا اب وہ لشکر کہاں۔ جس کا میں علمدار ہوں، آقا مجھے اجازت دیجئے۔ جناب عباسؑ کی جدائی کے تصور سے حضرت امام حسینؑ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔ مقتل عوالم، تحفہ حسینیہ، انوار الشہادۃ اور مجالس المتقین کے مطابق اس وقت حضرت امام حسینؑ نے اس قدر گریہ فرمایا کہ آپؑ کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ تحفہ حسینیہ، بحار الانوار اور مقتل عوالم کے مطابق جب جناب عباسؑ نے اذن جہاد طلب کیا تو حضرت امام حسینؑ نے فرمایا۔ اے عباسؑ تم ہمارے لشکر کی نشانی اور سہارا ہو، جب تم چلے جاؤ گے تو ہماری ساری جماعت بے سہارا ہو جائے گی۔ علامہ یزدی انوار الشہادۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔ جب حضرت عباسؑ نے اجازت طلب فرمائی تو حضرت امام حسینؑ نے فرمایا۔ اے بھائی اگر تم نہ ہو گے تو ہمارا لشکر بکھر جائے گا، تم سے بڑا سہارا ہے۔ علامہ بسطامی تحریر فرماتے ہیں۔ جب حضرت عباسؑ نے طلب رخصت چاہی تو حضرت امام حسینؑ نے فرمایا۔ بھیا عباسؑ ہمارے مرنے پر علم اسلام سرنگوں ہو جائے گا اور بے کس عورتوں کے بازو باندھے جائیں گے۔ اس وقت اگر تم بھی نہ ہو گے تو علم اسلام

کون بلند کرے گا اور عورتوں کی نگہبانی کون کرے گا۔ بھیا کوفہ وشام کے باشندے ہمارے قتل کے درپے ہیں تم سے انہیں کوئی غرض نہیں۔

جناب عباسؑ کا مسلسل اصرار تھا کہ آقا رزم گاہ میں جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ لیکن حضرت امام حسینؑ اذن جہاد دینے پر رضامند نہ تھے۔ اس لیے کہ آپ کو معلوم تھا کہ اگر جنگ کی اجازت دی تو نانا کی ساری امت تہہ تیغ ہو جائے گی۔ لہٰذا آپؑ نے ہر چند حضرت عباسؑ کے اصرار کے بعد فرمایا۔ بھیا تم کو صرف اتنی اجازت ہے کہ تم بچوں کی پیاس کی خاطر پانی لینے کی غرض سے فرات کی طرف روانہ ہو مگر دیکھو دشمنوں سے جنگ نہ کرنا۔

علامہ یزدی تحریر فرماتے ہیں کہ جب جناب عباسؑ کا اصرار حد سے سوا ہوا تو حضرت امام حسینؑ نے فرمایا۔ بھیا عباسؑ ہم پر پیاس کا غلبہ ہے اور ہمیں سب سے زیادہ چھوٹے بچوں اور اہل حرم کی پیاس کا خیال ہے۔ لہٰذا بچوں کے لیے پانی لانے کی سبیل کرو۔

خیمہ سے رخصت آخر

حمید بن مسلم کا بیان ہے کہ میں نے روز عاشور دیکھا کہ حضرت عونؑ ومحمدؑ خیمے سے رخصت ہوئے مگر کوئی بی بی باہر نہ آئی۔ حضرت قاسمؑ خیمے سے باہر تشریف لائے، یہاں تک کہ آپ کی لاش خیمے میں آئی لیکن کسی خیمے کا پردہ نہ اٹھا، حضرت علی اکبرؑ جب شہید ہوئے تو ایک بی بی خیمہ سے باہر آئیں لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام نے انہیں واپس کر دیا۔ اسکے بعد حمید بن مسلم قسم کھا کر کہتا ہے کہ جب حضرت عباسؑ کے رخصت ہونے کا وقت آیا تو سارے خیموں کے پردے اٹھ گئے اور ہر طرف سے یا عباسا ہ یا عباسا ہ کی آوازیں بلند تھیں۔

حضرت عباسؑ جب خیمہ سے مقتل کی طرف چلے تو بھتیجی کی دی ہوئی مشک دوش پر اور حضرت امام حسین کا عطا کیا ہوا علم آپ کے ہاتھ میں تھا۔ جب سقائے حسینی کو یہ علم ملا تھا تو آپ نے بڑھ کر حضرت امام حسین علیہ السلام کی قدم بوسی کی اور پرچم اسلام کو اپنی آنکھوں سے لگایا تھا۔ یہ وہی علم تھا جس پر حضرت حمزہ اور جعفر کو ناز تھا۔ یہ وہی علم تھا جو کبھی خیبر میں بلند ہوا اور کبھی خندق میں، فاتح خیبر کے فرزند نے اس علم کے ملنے پر پروردگار کا شکر ادا کیا اور جاہ وجلال کے ساتھ میدان میں تشریف لائے۔ جب حضرت امام حسینؑ نے جناب عباسؑ کو اس شان سے میدان کارزار کی طرف بڑھتے دیکھا تو دوش پر خشک مشکیزہ ہاتھ میں علم و نیزہ لیے ہوئے حیدر کرار کی شان سے گھوڑے پر سوار دریا کی جانب بڑھ رہے ہیں تو حسرت بھری نگاہ سے دل کی بے

قراری بڑھ گئی۔ در خیمہ سے پیاسے بچے سقائے سکینہ کی سواری دیکھ کر حسرت و یاس کی تصویر بن گئے۔ جناب زینب سلام اللہ علیہا کی آنکھوں میں اشک جاری تھے اور زوجہ جناب عباسؑ کے سر سے چادر گری جا رہی تھی اور خیمے میں کہرام برپا تھا۔ جناب سکینہ پیاسے بچوں کو دلاسہ دے رہی تھیں، اے بچوں صبر کرو میرے چچا عباسؑ دریا پر پانی لینے جا رہے ہیں۔ جناب سکینہؑ کے یہ الفاظ سن کر بچوں کو ڈھارس ہوئی اور ہر لمحہ اس انتظار میں گزر رہا تھا کہ کب پانی خیموں تک پہنچے اور تشنگی ختم ہو۔

حضرت امام حسینؑ کا حضرت عباسؑ کو رخصت فرمانا

انوار الشہادۃ میں علامہ یزدی تحریر فرماتے ہیں۔ جب حضرت عباس علیہ السلام دریا کی طرف روانہ ہوئے تو آپ نے محسوس کیا کہ کسی کے رونے کی آواز آ رہی ہے۔ جب آپؑ نے مڑ کر دیکھا تو حضرت امام حسینؑ گریہ وزاری کرتے ہوئے فرما رہے ہیں۔ اے عباسؑ ذرا ٹھہرو ہم تمہیں ایک نظر جی بھر کر دیکھ لیں۔ جناب عباس علمدارؑ یہ آواز سن کر بے ساختہ رونے لگے۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا۔ بھیا! میری کمر ٹوٹی جا رہی ہے۔ اس وقت حضرت امام حسینؑ نے بے حد گریہ کیا اور دونوں بھائی بغل گیر ہو کر اس قدر روئے کہ بے ہوشی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اس کے بعد جناب عباسؑ طلب آب کی غرض سے فرات کی طرف روانہ ہوئے۔ ریاض الشہادۃ میں علامہ قزوینی تحریر فرماتے ہیں۔ دونوں بھائی بغل گیر ہوئے اور آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی بہانے لگے۔ ان کے رونے کے سبب ملائکہ کے ہاتھوں سے دامن ضبط چھوٹ گیا اور عالم ملکوتی کے ذرہ ذرہ میں زلزلہ آنے لگا۔ حسینؑ کے گہوارے کو جنبش دینے والے جبرائیلؑ، قدسیاں علام اور جنوں کے جگر پاش پاش ہو گئے۔ نیز صحرائی جانور اور طیور کے دل غم سے نڈھال تھے۔

حضرت عباسؑ کی رجز خوانی

مقتل ابی مخنف میں مرقوم ہے کہ جب حضرت عباس علیہ السلام نہر کی طرف روانہ ہوئے اور دشمن دائیں بائیں بھاگ گئے تو اس وقت آپؑ نے یہ رجز پڑھا۔ ''میں موت سے ہرگز نہیں ڈرتا جو چاہے مقابلے پر آئے، موت سے ملاقات کے لیے میں خود چل کر آیا ہوں۔ میں نے اپنی جان پاکیزہ جان کے حوالے کر دی ہے۔ میں صبر کے ساتھ ثابت قدم رہتا ہوں تاکہ سر جدا اور جسموں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں، میں عباسؑ ہوں، جنگ میں سختی سے مد مقابل کا سامنا کرتا ہوں۔'' تحفہ حسینیہ، ناسخ التواریخ میں رجز خوانی ان الفاظ میں

تحریر فرمائی۔ ''اے قوم یاد رکھ میں اپنے ہدایت یافتہ قلب سے نواسہ رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمنوں سے دفاع کروں گا، تم کو ایسا قتل کروں گا کہ تم گھبرا کے ہمارے سید و آقا امام حسینؑ کی جنگ سے باز آؤ۔ یاد رکھو میں عباسؑ ہوں، صاحب شجاعت ومحبت میں شجر علوی کی ایک عدیم المثال شاخ ہوں۔

انوار الشہادت کی روایت کے مطابق جب حضرت عباس علیہ السلام نے ملاعین کی بے حیائی اور غداری کا جائزہ لیا کہ یہ لوگ ہرگز خیمہ حسینی تک پانی نہ پہنچنے دیں گے تو اتمام حجت کے لیے فرمایا۔ تم لوگ کافر ہو یا مسلمان کیا تمہارے دین میں یہ جائز ہے کہ نہر فرات سے حسینؑ اور ان کے بچوں کو پانی پینے سے روکو جبکہ نجس جانور تک اس سے سیراب ہوتے ہیں۔ آہ حسینؑ اور ان کے معصوم بچے پیاس سے جاں بلب ہیں۔

دریا کی طرف روانگی

جب حضرت عباس علیہ السلام نے دریا کا رخ کیا تو اعدا نے آپ پر ہجوم کیا۔ بروایت علامہ مجلسی چار ہزار تیروں کی شدید بارش شروع ہوگئی لیکن اللہ رے جانبازی کہ آپؑ نے اس کی بالکل پرواہ نہ کی۔ ناسخ التواریخ، ابصار العین، مقتل عوالم اور مناقب شہر آشوب کے مطابق اس وقت جناب عباس علیہ السلام لشکر اعدا سے مخاطب ہوئے۔ ''اے قوم جفا کار یہ بات اچھی طرح جان لو کہ میں وہ بہادر ہوں کہ جب موت ظاہر ہو تو اس سے نہیں ڈرتا اور شمشیر بے نیام سے روگردانی نہیں کرتا۔ میری جان حسینؑ پر فدا ہو جائے آپؑ مثل جان محمد مصطفیٰؐ ہیں، میں عباسؑ ہوں اور سقائے اہل بیتؑ، میں میدان کارزار میں جنگ کرنے سے ہرگز نہیں ڈرتا۔

جب جناب عباس علمدار علیہ السلام دریا کی طرف بڑھنے لگے تو اعداء ہجوم کیا۔ آپؑ نے نیزے سے جو قریب آیا اسے واصل جہنم کیا۔ آپ کو تنہا دو محاذوں کا سامنا تھا۔ اول میدان کارزار میں لشکر کثیر جو چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ دوسرے چھ ہزار سے زیادہ محافظین فرات لیکن آپ نے سب کو درہم برہم کر دیا۔ فوج کا ایک دستہ جو آپ کو نرغہ میں لینا چاہتا تھا، ان سب کو واصل جہنم کیا۔ یہاں تک کہ فوجوں کی آہنی دیوار ٹوٹی تو روح علی نے مرحبا کہا اور شیر نے گھاٹ پر قبضہ کیا۔ جب مشک دریا میں ڈالی تو اتنی خشک تھی کہ تین بار پانی میں ڈالا اور نکالا۔ آپؑ نے چلو میں پانی لے کر آواز دی۔ اے لشکر کوفہ وشام بتاؤ دریا تمہارے قبضے میں ہے یا ہمارے۔ اللہ رے محبت حسینؑ اور پیاسی بھتیجی کی پیاس کا احساس کہ جب مشک بھر کر چلے تو ہاتھوں کو عبا کے دامن سے خشک کیا تاکہ تری نہ پہنچے۔ انوار الشہادۃ اور تحفہ حسینیہ میں مرقوم ہے کہ آپ نے دریا سے چلو میں پانی بھر کر فوراً پھینک دیا اور فرمایا۔ خدا کی قسم جب تک حسینؑ اور ان کے اہل وعیال پیاسے ہیں اس وقت تک

یہ ناممکن ہے کہ میں پانی کا مزا چکھوں۔ حضرت عباسؑ نے اپنے نفس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ اے نفس پانی پینے کی طرف متوجہ نہ ہو کہ حسینؑ اور ان کے بچے اور مخدرات عصمت و طہارت سب بے حد پیاسے ہیں، خدا کی قسم میں ایک قطرہ نہیں پیوں گا جبکہ اس شہر میں ہمارے بھائی کی بے حرمتی ہو رہی ہے۔ اس کے بعد آپؑ نے فوراً اپنے ہاتھ سے فرات کا پانی پھینک دیا۔

آپؑ کی وفاداری حد کمال پر تھی کہ دریا قبضہ میں ہوتے ہوئے بھی تین دن کی بھوک و پیاس کے باوجود خشک ہونٹوں کے ساتھ دریا سے باہر آئے۔ آپؑ کی نظر میں حضرت علی اصغرؑ کی خشک زبان، کملایا ہوا چہرہ، جناب سکینہ کی پیاس اور بچوں کی صدائے العطش تھی۔ جب آپ نے مشک میں پانی بھر لیا تو گھوڑے سے کہا۔ ''اے اسپ وفادار سیراب ہو جا، لیکن اس نے پانی نہ پیا اور خیموں کی طرف حسرت و یاس سے نظر کی گویا یہ بے زبان کہہ رہا تھا میرے آقا حسینؑ اور ان کے معصوم بچے پیاسے ہیں میں کس طرح پانی پی سکتا ہوں۔

دریا سے خیمہ گاہ کی طرف روانگی

جب حضرت عباس علیہ السلام مشک سکینہ لے کر خیمہ گاہ کی طرف روانہ ہوئے تو بھاگی ہوئی فوج نے نرغہ کیا۔ جب چاروں طرف سے آپ کو لعینوں نے گھیر لیا تو آپؑ لشکر اعداء کو نیزے سے ہٹاتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے کہ اچانک حکیم بن طفیل طائی نے درخت کی آڑ سے داہنے ہاتھ پر آپ کے تلوار لگائی جس سے آپ کا ہاتھ کٹ کر زمین پر گر گیا۔ آپؑ نے علم بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ اس وقت آپؑ یہ شعر پڑھ رہے تھے۔ ''گو کہ تم نے میرا داہنا ہاتھ کاٹا مگر قسم بخدا جب تک میں زندہ ہوں اپنے دین کی حفاظت و حمایت کرتا رہوں گا۔'' آپ مسلسل آگے بڑھ رہے تھے کہ ناگاہ نوفل ابن ارزق شامی نے ایسا حملہ کیا کہ دست راست بدن اطہر سے جدا ہو گیا۔ علامہ اسفرائنی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عباسؑ کے داہنے ہاتھ کو بدن اطہر سے قلم کی طرح تراش دیا، اس ہاتھ کے کٹنے پر حضرت عباسؑ نے فوراً مشک و علم کو بائیں ہاتھ میں لیا۔ اس وقت آپؑ یہ رجز پڑھ رہے تھے۔ ''خدا کی قسم اگر تم نے میرا داہنا ہاتھ قلم کر دیا۔ لیکن میں اپنے سچے دین کی مدد کرتا رہوں گا اور اپنے اس امام کی مدد کرتا ہوں گا جو سبط رسول الثقلین ہیں۔'' داہنا ہاتھ قلم ہونے کے بعد آپ ابھی تھوڑی دور چلے تھے کہ زید بن ورقا جہنی شقی نے آپؑ کے بائیں ہاتھ پر تلوار لگائی، جس سے بائیاں ہاتھ بھی قلم ہو گیا۔ جب آپؑ کے دونوں ہاتھ کٹ گئے تو علم کو سینہ مبارک سے لگا لیا جس طرح آپ کے عم بزرگوار حضرت جعفر طیار نے جنگ موتہ میں دونوں ہاتھ کٹ جانے کے بعد علم کو سینے سے لگایا تھا۔

جب حضرت عباسؑ کا بائیاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو اس وقت جناب عباسؑ دلاور میدان کارزار میں فرمار ہے تھے۔ ''اے گروہ فجار تم نے میرا بائیاں ہاتھ بھی کاٹ دیا۔ بحارالانوار اور انوار الشہادۃ میں مرقوم ہے کہ حکیم ابن طفیل ملعون جو درخت خرمہ کی آڑ میں چھپا ہوا تھا۔ ایک ایسی ضرب لگائی کہ بائیاں ہاتھ کٹ گیا۔ بروایت نورالعین عبداللہ ابن شہاب کلبی نے آپ کا بائیاں ہاتھ قلم کیا۔

بحارالانوار اور تحفہ حسینیہ کے مطابق جب حضرت عباسؑ کا بائیاں ہاتھ بھی جدا ہو گیا تو آپؑ نے اپنے نفس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ ''اے نفس کفار سے خوف نہ کر اور اللہ کی رحمت اور خدمت رسولؐ میں پہنچنے کی سبیل کر، اے میرے رب ان لوگوں نے میرے بائیں ہاتھ کو بھی اپنی بغاوت سے قطع کر دیا ہے۔ لہٰذا تیری بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ ان کو واصل جہنم کر۔ نورالعین فی مشہد الحسین میں تحریر ہے کہ دونوں کٹے ہوئے ہاتھوں سے خون جاری تھا۔ آپؑ نے اس وقت ارشاد فرمایا۔ ''اے قوم جفا کار میں اسی حال میں اپنے جد محترم حضرت محمد مصطفیٰؐ اور والد بزرگوار حضرت علی مرتضیٰؑ سے ملاقات کروں گا۔'' اسرار الشہادت، ابصار العین اور نورالعین کے مطابق جب حضرت عباس علمدارؑ کے بازو قلم ہوئے اور قریب تھا کہ علم سرنگوں ہو تو آپؑ نے علم اپنے سینے سے لگالیا۔ ناسخ التواریخ، انوار الشہادۃ اور تحفہ حسینیہ طبع ایران کے مطابق جب شہنشاہ وفا حضرت عباس علمدارؑ کے دونوں ہاتھ کٹ گئے تو آپؑ نے حق وفا ادا کرتے ہوئے مشک کو دانتوں سے تھام لیا تا کہ کسی طرح پانی خیمہ حسینی تک پہنچ جائے۔

انوار الشہادۃ میں مرقوم ہے کہ تشنہ لب شیر جری مشک و علم اپنے سینہ انور سے لگائے زخموں سے چور سوئے خیمہ روانہ تھے۔ جب آپؑ کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ اب پانی کا خیمہ تک پہنچنا ممکن نہیں۔ لہٰذا ہاتھ تو اٹھا کر دعا کرنا ممکن نہ تھا کیونکہ یہ تو تن سے جدا ہو چکے تھے اس لیے سر کو بلند کر کے دعا اس طرح طلب فرمائی۔ ''اے پالنے والے حسینؑ کے معصوم بچے پیاسے ہیں، مجھے صرف اتنی مہلت دے کہ ان کے خشک لبوں کو تری پہنچ جائے۔'' آپؑ کی پوری کوشش تھی کہ کسی صورت پانی خیمہ اہل بیت تک پہنچ جائے۔ ناگاہ ایک تیر ستم مشک پر لگا اور پانی آپ کے لہو کے ساتھ شامل ہو کر بہہ گیا۔ انوار الشہادۃ، ناسخ التواریخ اور تحفہ حسینیہ کے مطابق پانی کے بہہ جانے کے سبب حضرت عباسؑ نے نہایت درد انگیز لہجہ میں فرمایا۔ اب میں تشنہ لب بچوں اور پیاسی عورتوں کو کیا جواب دوں گا۔ اسی اثنا میں ایک تیر آپؑ کے سینہ اطہر پر لگا اس تیر کو نکالنا ممکن نہ تھا کیونکہ دونوں ہاتھ قلم ہو چکے تھے۔ خون بہہ جانے کے سبب ضعف بڑھ گیا تھا۔ اتنے میں ایک شقی نے جو پسران ابان بن دارم قبیلہ تمیم سے تھا بڑھا اور سر مبارک پر گرز مارا۔

نور العین، تحفہ حسینیہ، انوار الشہادۃ، بحار الانوار اور ناسخ التواریخ کے مطابق "قریب تھا کہ آپ زخموں سے چور فرس زین سے زمین پر آئیں کہ اتنے میں ایک ملعون نے بڑھ کر سر اطہر پر گرز آہنی کی ایسی ضرب لگائی کہ سر شگافتہ ہوگیا۔ اس دوران جسم کا سارا لہو بہہ چکا تھا۔ لہٰذا اس صدمہ سے آپ گھوڑے سے سنبھل نہ سکے اور زمین پر تشریف لائے۔ علامہ اسفرائنی تحریر فرماتے ہیں۔" جناب عباسؑ کے سر اقدس پر ایک شخص نے آہنی گرز لگایا جس سے سر شگافتہ ہوگیا اور آپؑ زمین پر تشریف لائے۔"

ابو مخنف نے جناب عباس علمدارؑ کی شہادت کے باب میں لکھا ہے کہ جب آپ گھاٹ سے باہر آئے تو چاروں طرف سے دشمنوں نے تیروں کی بارش شروع کر دی۔ مبرص بن شیبان لعین نے حملہ کر کے آپ کا دائیاں ہاتھ کاٹ دیا تو حضرت عباسؑ نے فرمایا۔ خدا کی قسم اگر میرا بائیاں ہاتھ بھی تم لوگ جدا کر دو تو بھی میں اپنے آقا کی حمایت کرتا رہوں گا۔ جو سراپا ایمان اور فرزند فاطمہؑ ہیں۔ میرا اللہ اور اس کے پیغمبر پر ایمان ہے اور اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ آپ نے بہت سوں کو فی النار کیا اور مشک کاندھے پر رکھے ہوئے آگے بڑھے۔ اس وقت عمر سعد اپنے لشکر سے مخاطب ہوا۔ مشک کو تیروں سے چھلنی کر دو، خدا کی قسم اگر حسینؑ تک پانی پہنچ گیا تو ہم میں سے کوئی نہیں بچے گا۔ عمر سعد کے اس حکم کے ساتھ ہی دشمنوں نے آپ پر شدید حملہ کیا تو حضرت عباسؑ نے ایک سو اسی (۱۸۰) حملہ آوروں کو ہلاک کر دیا۔ اسی دوران عبداللہ بن یزید شیبانی نے بائیں بازو پر وار کر کے اسے بھی جدا کر دیا۔ آپ کے دونوں بازوؤں سے خون جاری تھا کہ اسی دوران آہنی گرز آپ کے سر اقدس پر اس قدر زور سے مارا کہ سر شگافتہ ہوگیا اور آپؑ فرس زین سے زمین پر آ گئے۔

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے جناب عباسؑ کی شہادت کے بارے میں لکھا ہے کہ جب حضرت عباسؑ پانی کے حصول کے لیے جانب فرات چلے تو اشقیاء نے آپؑ پر حملہ کر دیا۔ اس وقت آپ نے اس مضمون کا رجز پڑھا۔ "جب موت میرے سامنے ہو تو میں موت سے نہیں ڈرتا۔ یہاں تک کہ بہادروں کے کشتوں میں میری لاش بھی ڈال دی جائے، میں عباسؑ ہوں، میری جان فرزند رسولؐ پر فدا ہو، میں موت سے نہیں ڈرتا۔" آپؑ نے آگے بڑھتے ہوئے جمعیت اعدا کو منتشر کیا ناگاہ زید بن ورقا اور حکیم بن طفیل نے ایک درخت کے پیچھے سے ایسی تلوار لگائی کہ داہنا ہاتھ آپؑ کے جسم اطہر سے جدا ہوگیا۔ اس وقت آپؑ نے فرمایا۔ "اے قوم روسیاہ گو کہ تم نے دائیاں ہاتھ میرا قطع کر دیا ہے لیکن قسم بخدا میں حمایت دین اور حضرت امام حسینؑ سے دستبردار نہیں ہوں گا۔" ناگاہ حکیم بن طفیل ملعون نے عقب درخت خرما سے آپ پر تلوار لگائی اور آپؑ کا بائیاں ہاتھ بھی تن

سے جدا ہو گیا۔ اس وقت آپ نے فرمایا: ''اے میرے نفس، کفار کی جمعیت سے ڈرنا نہیں، تجھے اللہ کی رحمت کی بشارت ہو کہ عنقریب جناب رسالت مآبؐ کی خدمت میں پہنچنا ہے، ان لعینوں نے میرا بائیاں ہاتھ بھی کاٹ دیا۔ اے رب تعالیٰ ان کو واصل جہنم کر۔'' ناگاہ ایک لعین نے گرز مار کر حضرت عباسؑ کو شہید کر دیا۔ بروایت بحار الانوار جب حضرت عباسؑ کے ہاتھ تن سے جدا ہو گئے تو آپ نے مشک کے تسمہ کو دندان مبارک سے پکڑ لیا۔ ناگاہ ایک لعین نے ایسا تیر مارا جو مشک پر آ کر لگا اور مشک سے سارا پانی بہہ گیا۔

جناب عباس علمدارؑ نے راہ وفا میں جو مصائب اٹھائے وہ بوقت شہادت اپنی انتہا پر تھے۔ گھوڑے سے گرنے والا ہاتھوں کا سہارا لیتا ہے تا کہ چہرہ محفوظ رہے۔ جب جناب عباسؑ گھوڑے سے زمین کی طرف تشریف لائے تو تین باتیں نہایت درد انگیز تھیں، جس کا صاحبان سیر و تاریخ نے ذکر کیا ہے۔ اول یہ کہ سر گرز لگنے سے شگافتہ تھا، دوسرے یہ کہ جسم میں تیر پیوست تھے، تیسرے یہ کہ شانے قلم تھے۔ لہٰذا جس اذیت کا سامنا علیؑ کے اس شیر کو تھا اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ معالی السبطین میں محمد مہدی مازندرانی تحریر فرماتے ہیں کہ جب جناب عباسؑ زمین پر آئے تو ایسا لگتا تھا کہ دائیں طرف والے تیر بائیں جانب سے اور بائیں طرف کے تیر دائیں جانب نکل گئے۔

حضرت امام حسینؑ کا جناب عباسؑ تک پہنچنا

ناسخ التواریخ اور انوار الشہادۃ میں مرقوم ہے کہ جس شقی نے گرز آہنی لگایا اس کا نام حکیم بن طفیل ملعون تھا۔ اس کے بعد آپ گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے اور حضرت امام حسینؑ کو آواز دی یا ابن رسول اللہؐ میرا آپ کو آخری سلام ہو۔ اس آواز کے سنتے ہی حضرت امام حسینؑ کمر جھکائے جناب عباسؑ کی طرف بڑھے اور کہتے جاتے تھے۔ ہائے میری کمر ٹوٹ گئی۔ یہ ایک ایسی درد انگیز آواز تھی جس سے حضرت امام حسینؑ کی آنکھوں میں تاریکی چھا گئی تھی۔ اس وقت آپ نے شدت سے گریہ کیا اور کمر پر دونوں ہاتھوں کو رکھ کر درد بھری آواز میں فرمایا۔ ہائے بھیا عباسؑ میری کمر ٹوٹ گئی اور تمام تدابیر ختم ہو گئیں۔

محرق الفوائد اور مقتل ابن غزلی میں مرقوم ہے کہ جب قوت بازوئے حسینؑ جناب عباس علمدارؑ کے دونوں دست مبارک قطع ہو گئے اور آپ ریگزار گرم پر زخموں سے چور گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے تو اس وقت بسبب ضعف آپؑ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو آواز دی۔ آقا اپنے جاں بلب بھائی کی خبر کو پہنچیے۔ جسے سنتے ہی حضرت امام حسین نہایت رنج و کرب کے عالم میں قتل گاہ کی طرف روانہ ہوئے، حضرت

امام حسینؑ کے ہمراہ جناب علی اکبرؑ بھی روانہ ہوئے چلتے چلتے حضرت امام حسینؑ ایک مقام پر رک گئے اور جناب علی اکبرؑ کو آواز دی، اے علی اکبرؑ یہ میرے بھائی عباسؑ کا کٹا ہوا ہاتھ زمین پر ہے۔ جناب علی اکبرؑ نے جناب عباسؑ کے کٹے ہوئے ہاتھ کو اٹھالیا اور حضرت امام حسینؑ نے یہ ہاتھ جناب علی اکبرؑ سے لے کر اپنے کلیجے سے لگالیا۔ تھوڑی دور آگے چلے تھے کہ ایک مرتبہ پھر رک گئے، دوسرا ہاتھ بھی جناب علی اکبرؑ نے اٹھایا۔ حضرت امام حسینؑ دونوں ہاتھوں کو سینے سے لگائے ہوئے جناب عباسؑ تک پہنچے۔

روضۃ الشہداء علامہ حسین واعظ کاشفی اور انوار الشہادۃ میں روایت ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ حضرت عباسؑ کی طرف روانہ ہوئے تو آپ کا گھوڑا نہایت تیزی سے جا رہا تھا۔ ناگاہ تیز رو گھوڑے کے قدم رک گئے اور اس نے حضرت امام حسینؑ کی طرف دیکھ کر رونا شروع کر دیا اور بزبان فصیح عرض کی مولا ذرا آپ زمین کی طرف نگاہ فرمائیں۔ جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے زمین کی طرف نظر کی تو دیکھا کہ حضرت عباسؑ کے کٹے ہوئے ہاتھ زمین کی آغوش میں ریگ گرم کی چادر اوڑھے ہیں۔ حضرت امام حسینؑ نے یہ ہاتھ اٹھا کر اپنے سینے اور آنکھوں سے لگا کر بحالت گریہ فرمایا۔ بھیا عباسؑ اب میری کمر ٹوٹ گئی اور تمام تدبیریں ختم ہو گئیں۔ اس کے بعد تھوڑی دور کی مسافت طے کی تھی کہ گھوڑے کے پھر قدم رک گئے۔ حضرت امام حسینؑ نے جھک کر دیکھا کہ (تیروں سے) چھلنی مشکیزہ اور اس کا پانی حضرت عباسؑ کے خون کی طرح سیرابی کے عوض زمین سیراب کر رہا ہے۔ اس وقت حضرت امام حسینؑ نے ایک درد بھری آہ کھینچی اور فرمایا۔ دنیا تجھ پر وائے ہو، تیری کرشمہ سازیاں بھی دلخراش ہیں، چھوٹے چھوٹے بچے شدت پیاس سے بیتاب ہیں اور ان کو ایک قطرہ پانی بھی نصیب نہیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام جب جناب عباس علیہ السلام کے زخموں سے چور جسم اطہر پر تشریف لائے تو بے اختیار گریہ فرمایا اور آپ کا سر جو شگافتہ تھا، اپنے زانو پر رکھا اس وقت جناب عباسؑ بار بار زانو سے سر ہٹانے کی کوشش کر رہے تھے اور فرماتے تھے۔ ''آقا میں سوچتا ہوں کہ وقت شہادت آپ کا سر کس کے زانو پر ہوگا'' اس کے بعد عرض کی۔ مولا غلام سے کوئی تقصیر ہوئی ہو تو معاف فرمائیے۔ حضرت امام حسینؑ نے بحالت گریہ فرمایا۔ ''میرے وفادار بھائی تم یہ کیا کہہ رہے ہو، تم سا بھائی دنیا میں کہاں ملتا ہے۔'' بحار الانوار میں علامہ مجلسی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔ اس وقت حضرت امام حسینؑ نے فرمایا۔ ''اے عباسؑ دشمنوں نے تم کو قتل کر کے حسینؑ کی کمر توڑ دی اور حسینؑ کی کمر ٹوٹنے سے اسلام کے تمام اعضاء شکستہ نہ ہو گئے۔ تمہارے ہاتھ کاٹ کر حسینؑ کے ہاتھ کاٹ دیئے اور حسین کا ہاتھ کاٹنے سے سرور

کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہاتھ کاٹ دیا۔ گویا حضرت عباسؑ کا دست بریدگی رسول اکرمؐ کے ہاتھ کاٹنے کے مترادف ہے۔

جنگ موتہ میں حضرت رسول خداؐ کی نصرت میں حضرت جعفر بن ابی طالبؑ نے چار سو سواروں کو قتل کیا اور علم کی حفاظت میں آپ کے دونوں شانے قلم ہوئے۔ حضرت عباسؑ نے بھی حضرت امام حسینؑ کی نصرت میں جو مصائب اٹھائے اس کی مثال نہیں ملتی۔ جب امیر المومنینؑ نے حضرت جعفرؑ کی شہادت کی خبر سنی تو حضرت امیر المومنینؑ نے دریافت کیا، یارسول اللہ میرے بھائی جعفرؑ کی کیا خبر ہے۔ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا۔ ''اے علیؑ صبر کرو خدا تمہیں تمہارے بھائی جعفرؑ کی مصیبت میں صبر عطا فرمائے۔'' یہ سن کر حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا۔'' انا للہ و انا الیہ راجعون۔'' بعد اس کے شدت سے گریہ کیا لیکن حضرت امام حسینؑ جب اپنے بھائی جناب عباسؑ کی لاش اطہر پر آئے تو شدت غم سے نڈھال تھے اور فرما رہے تھے۔ ''اے بھائی عباسؑ تمہارے مرنے سے حسینؑ کی کمر ٹوٹ گئی، اے عباسؑ تمہارے مرنے کے بعد میرے لیے تدبیر کی راہیں بند ہو گئیں، میں تمہارے بعد ضعف محسوس کر رہا ہوں، اے میری قوت و طاقت عباسؑ تم کہاں ہو۔''

حضرت عباسؑ کی وصیت

جب حضرت امام حسین علیہ السلام، حضرت عباس علیہ السلام کے سرہانے تشریف فرما تھے تو بے اختیار گریہ فرما رہے تھے۔ بھائی کے دونوں بازو قلم تھے، جسم زخموں سے چور اور سر شگافتہ تھا۔ اس حالت میں جناب عباسؑ نے وصیت کی۔ '' آقا میری لاش خیمہ میں نہ لے جایئے گا، میں سکینہ سے بہت شرمندہ ہوں کہ پانی بچی تک نہ پہنچا سکا۔'' (جناب عباسؑ نے لاش خیمہ میں نہ لے جانے کی وصیت اس لیے بھی کی کہ آپ جانتے تھے کہ اب میرے آقا میں اتنی طاقت کہاں کہ میری لاش اٹھا سکیں) حضرت امام حسینؑ علیہ السلام نے جناب عباس علیہ السلام سے کہا۔ اے عباسؑ آج ہماری بھی ایک آرزو پوری کردو، وہ یہ کہ آج تک تم مجھے آقا کہتے رہے ہو، آج مجھے بھائی کہہ دو۔ جناب عباسؑ نے حضرت کو بھائی کہا اور سوئے جنت روانہ ہو گئے۔

انوار الشہادۃ میں علامہ ایزدی سے روایت ہے کہ ایک قول کی بنا پر حضرت امام حسین علیہ السلام جب حضرت عباس علیہ السلام کے نزدیک پہنچے اس وقت آپؑ میں کچھ زندگی کی رمق موجود تھی۔ حضرت امام حسینؑ نے جناب عباسؑ کے سر کو اپنے زانوئے اطہر پر رکھ کر فرمایا۔ بھیا! اگر کچھ وصیت کرنا چاہو تو بیان کرو۔ حضرت عباسؑ نے عرض کی۔ بھیا! میں چھوٹے بچوں سے پانی لانے کا وعدہ کر کے آیا تھا مگر اجل کو فرصت نے وعدہ وفا نہ کرنے

دیا، میرے دل کو شکستہ کر دیا اور پانی سے بھری مشک پر تیروں کی بارش کر کے پیاسوں کی شدت پیاس میں مزید اضافہ کر دیا، آپ میری لاش خیمہ میں لیکر نہیں جایئے گا۔ اس لیے کہ مجھے تشنہ لب بچوں سے حیا دامن گیر ہے۔

اسرار الشہادۃ میں علامہ دربندی نے تحریر فرمایا ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ نے چاہا کہ جناب عباسؑ کا لاشہ اٹھائیں تو حضرت عباسؑ نے پوچھا۔ آپ مجھے کہاں لیے جا رہے ہیں۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا۔ خیام میں دیگر بنی ہاشم کے پاس۔ تو جناب عباسؑ نے عرض کیا۔ مجھے خیام میں نہ لے جائیں، اس لیے کہ آپ نے مجھے پانی لانے کا حکم دیا تھا اور مشکیزہ دے کر جلد پانی لانے کو کہا تھا۔ اگر میں وہاں گیا اور سکینہؑ نے پانی کے بارے میں پوچھ لیا تو میں اپنی زندگی کی آخری سانسیں بھی شرم کے مارے مشکل سے پوری کر سکوں گا، دوسرے یہ کہ آپ بھی شدت پیاس اور بھوک سے نڈھال اور زخموں سے چور چور ہیں، میں نہیں چاہتا کہ آپ مجھے اٹھا کر تکلیف برداشت کریں، میں جہاں ہوں مجھے وہیں رہنے دیں۔ مقدر میں ہوا تو کہیں دفن کر دیا جاؤں گا۔ آقا میں آپ کے لشکر کا علمدار ہوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے اصحاب مجھے مقتول دیکھ کر اپنی ہمت ہار جائیں۔ حضرت امام حسینؑ نے یہ سن کر فرمایا۔ عباسؑ میری طرف سے اللہ تمہیں جزائے خیر دے تم نے زندگی اور موت دونوں حالتوں میں میری مدد کی۔

جناب عباس علیہ السلام نے عرض کی۔ مولا میں نے سنا تھا کہ جس وقت میں پیدا ہوا تھا اس وقت میں نے آپ کے چہرہ انور کی زیارت کی تھی، میں زندگی کے اختتام پر چاہتا ہوں کہ اس وقت بھی آپ کی زیارت سے مشرف ہوں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ پھر کیوں نہیں دیکھتے۔ آپ نے عرض کی آقا کیسے دیکھوں میری ایک آنکھ میں تیر لگا ہے اور دوسری میں سر کا خون ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے عبا کے دامن سے جناب عباسؑ کی آنکھوں سے خون صاف کیا اور جناب عباسؑ نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت حضرت امام حسینؑ کی زیارت کی، جس طرح بوقت ولادت سب سے پہلے اپنے شفیق و مہربان بھائی (حسینؑ) کو دیکھا اسی طرح وقت آخر بھی دیدار امام عالی مقام سے مشرف ہوئے۔

لاش عباس علمدارؑ خیمہ میں نہ لانے کی وجوہات

جناب عباس علیہ السلام کی وصیت کے پیش نظر حضرت امام حسین علیہ السلام نے آپ کی لاش اطہر دریا کے پاس رہنے دی اور خیمہ میں نہیں لائے۔ اس کی کئی وجوہات تھیں۔ (۱) حضرت امام حسین علیہ السلام کو حضرت عباس علمدار علیہ السلام نے قسم دی تھی کہ میرا لاشہ خیمہ گاہ تک نہ لے کر جائیں۔ الکبریت

احمر کے مطابق اس لیے کہ جناب عباسؑ نے سکینہؑ سے پانی کا وعدہ کیا تھا۔ لہٰذا فرمایا میں شرمندہ ہوں۔ اس سے شرم آتی ہے۔ (۲) جناب عباس علیہ السلام نے لاش کو خیمہ میں نہ لے جانے کی وصیت اس لیے بھی کی کہ آپ جانتے تھے کہ اب میرے آقا میں اتنی طاقت کہاں کہ میری لاش اٹھا سکیں۔ (۳) لاشہ جناب عباسؑ اس قدر پاش پاش تھا کہ اٹھانے کے قابل نہ رہا۔ (۴) جناب سید الشہدا حضرت امام حسینؑ جانتے تھے کہ مخدرات عصمت وطہارت اور پیاسے بچے لاش جناب عباس کو دیکھ کر یہ صدمہ برداشت نہ کرسکیں گے۔ (۵) حضرت امام حسین علیہ السلام کی نظر میں جناب عباس علمدار کا جو مقام تھا اس کے پیش نظر ضرورت اس امر کی تھی کہ آپ کے قبر اطہر کو مخصوص مقام حاصل ہوتا کہ تا قیامت حاجت مند آپ کے روضہ منور پر آ کر اپنی حاجت پیش کریں اور باب الحوائج اسے پورا کریں۔ یہی وجہ ہے صدیاں گزرنے کے باوجود آپ کا روضہ اقدس مرجع خلائق ہے۔ (۶) جناب عباس علمدار کا لاشہ ترائی سے خیمہ گاہ تک نہ پہنچا لیکن قدرت کو یہ منظور تھا کہ آپ کے روضہ اقدس سے معجزے وکرامات کا ظہور جاری رہے اور شہنشاہ وفا کی عظمت ہمیشہ آشکارہ ہوتی رہے اور رہتی دنیا تک دل آپ کی طرف کھنچتے چلے آئیں تاکہ کربلا دین کی روشن دلیل کے طور پر باقی رہے۔ آپ کے روضہ اقدس کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ جب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کربلا زیارت کے لیے تشریف لائے تو تمام شہدا کے لیے جو زیارت پڑھی اس میں جناب عباسؑ کی زیارت کو شامل نہیں فرمایا بلکہ جس طرح حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت علیحدہ پڑھی اسی طرح منبع وفا عباس علمدار کی زیارت بھی علیحدہ پڑھی۔

شہادت حضرت عباسؑ پر مخدرات عصمت وطہارت کا گریہ

جناب عباس علیہ السلام کی وصیت کے پیش نظر حضرت امام حسین علیہ السلام نے آپ کی لاش اطہر دریا کے پاس رہنے دی اور خیمہ میں نہیں لائے۔ مشک وعلم جو خون میں تر تھا لیے ہوئے جب خیمہ گاہ کی طرف بڑھے تو جناب سکینہؑ اور پیاس سے جاں بلب بچوں کی نظر پڑی تو مضطرب ہو گئے۔ جناب سکینہؑ نے جو مشک چچا کے حوالے کی تھی اس میں پانی تو نہ تھا بلکہ خون سے تر تھی۔ اسے دیکھ کر ہائے چچا عباسؑ، ہائے چچا عباسؑ کہتی ہوئی آگے بڑھیں اور مشک کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس وقت خیمہ میں قیامت کا منظر تھا۔ بیبیاں گریہ و ماتم میں مصروف تھیں اور چار سو رونے اور سسکیوں کی آوازیں بلند تھیں۔

اسرار الشہادۃ اور مقتل عوالم کے مطابق جب حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے کڑیل جوان بھائی کو

چھوڑ کر واپس ہوئے تو اس وقت آپ اپنی آستین سے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔ جب آپ خیمہ کی طرف روانہ ہوئے اس وقت آپ کے دل میں یہ خیال اضطراب پیدا کر رہا تھا کہ سکینہؑ نے اپنے چچا عباسؑ کے بارے میں سوال کیا تو کیا جواب دوں گا۔ اسی فکر میں خیمہ تک پہنچے۔ حضرت سکینہؑ نے بڑھ کر عنان فرس سے لپٹ کر عرض کی! اے بابا آپ کو ہمارے چچا کی کچھ خبر ہے۔ وہ پانی لینے گئے تھے۔ ان کے آنے میں کافی دیر ہوگئی۔ بابا میرے چچا کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتے، کیا ہمارے چچا نہر پر دشمنوں سے لڑ رہے ہیں؟ جناب سکینہؑ کے یہ درد بھرے الفاظ سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام میں ضبط کا یارا نہ رہا اور گریہ کرتے ہوئے فرمایا۔ بیٹی تمہارے چچا کو لعینوں نے قتل کر دیا اور ان کی روح مبارک سوئے جنت پہنچ گئی۔ حضرت امام حسینؑ کی زبان سے ان کلمات کے ادا ہوتے ہی جناب زینبؑ نے ایک چیخ بلند کی اور بے حد گریہ کیا اور فرمایا۔ اے عباسؑ تمہاری شہادت نے ہم سب کو برباد کر دیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے نہایت رنجیدہ لہجہ میں فرمایا۔ خدا کی قسم میری کمر ٹوٹ گئی اور اب زینبؑ کی اسیری کا یقین ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت امام حسینؑ اور جملہ مخدرات عصمت و طہارت نے شدت سے گریہ کیا۔ علامہ ابو اسحٰق اسفرائنی بحوالہ نور العین مرقوم ہے کہ جب جناب عباس علمدارؑ کی شہادت ہوئی تو آپ کی لاش اطہر گرم زمین پر تھی، حضرت امام حسین علیہ السلام گریہ کرتے ہوئے خیمہ گاہ تشریف لائے۔ اس وقت تمام بیبیوں نے حد سے سوا گریہ وزاری کی۔ جسے سن کر آسمان پر ملائکہ نے بھی گریہ کیا۔

جناب زینب سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں۔ ''میرے بابا جناب علی مرتضیٰؑ اور میری مادر گرامی جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا فرمایا کرتی تھیں کہ اے زینبؑ ایک دن ایسا آئے گا کہ بے ردا ہو جاؤ گی، تمہاری چادر چھن جائے گی، جب بھیا عباسؑ جوان ہوئے اور ان کی بہادری کی شہرت تمام عرب میں پھیل گئی تو میں سوچتی تھی کہ میرے بابا حضرت علیؑ اور مادر گرامی جناب فاطمہؑ تو صادق القول ہیں لیکن جس بہن کا عباسؑ جیسا بھائی ہو اس کے سر کی چادر کون چھین سکتا ہے۔ جب میرے بھائی حسینؑ نے مدینہ چھوڑا اور بھیا عباسؑ ساتھ چلے تو میں اس وقت بھی بے فکر تھی، میں بیبیوں سے کہتی تھی فکر نہ کرو میں پردے کی ضامن ہوں، یہاں تک کہ دسویں محرم نمودار ہوئی اس وقت بھی مجھے اپنی بے ردائی کا خوف نہ تھا لیکن جب میدان کربلا سے آواز آئی ''قد قتل العباس'' عباس شہید ہو گئے تو مجھے یقین ہو گیا کہ اب ہماری چادروں کا محافظ شہید ہو گیا۔

باب:۱۱

شہدائے کربلا کے سروں کی کوفہ روانگی

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد عمر بن سعد ملعون نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر اقدس کو خولی کی نگرانی میں ابن زیاد کے پاس روانہ کر دیا۔ اسکے بعد عمر سعد نے حکم دیا کہ باقی شہداء کے سروں کو تن سے جدا کر کے ان سروں کو شمر بن ذی الجوشن، قیس بن اشعث اور عمر بن حجاج کے ذریعے ابن زیاد کے پاس روانہ کیا جائے۔ مقتل لہوف کے مطابق اصحاب حسینی ے سروں کی تعداد ۷۸ تھی اور کربلا میں موجود قبائل نے ابن زیاد اور یزید بن معاویہ کی خوشنودی کے لیے شہیدوں کے سروں کو آپس میں تقسیم کر دیا تھا۔ تیرہ سر قبیلہ بن قیس بن اشعث کی نگرانی میں بارہ سر قبیلہ ہوازن کو شمر بن ذی الجوشن کی نگرانی میں سترہ سر قبیلہ بنی تمیم کی نگرانی میں سولہ سر بنی اسد کی نگرانی میں سات سر قبیلہ مذجج کی نگران میں روانہ ہوئے۔ باقی تیرہ سر دوسرے لوگ لے کر کوفہ روانہ ہوئے۔

اعلام الوریٰ، طبری، ابن اثیر، مقتل خوارزمی اور بدایہ ابن کثیر کے مطابق کربلا میں ۷۸ سر تھے۔ عمر سعد نے جن کے سر قلم کرنے کا حکم دیا تھا۔ یہ سارے سر سپاہ شام میں تقسیم ہوئے جن کی ترتیب یہ تھی۔ تیرہ سر عشیرہ ہوازن کو بارہ سر تمیم نے سترہ سر بنی اسد نے سولہ سر مذجج نے سات سر دیگر سپاہی تیرہ سر نیزوں پر لیے ہوئے ابن یادتک کوفہ پہنچے۔ اس ملعون نے سر حضرت امام حسین علیہ السلام اہل حرم کے ہمراہ شام روانہ کیا۔

بحار الانوار، ارشاد مفید کی روایت کے مطابق جس وقت سر حضرت امام حسین علیہ السلام کوفہ پہنچا ابن زیاد شقی نے کوفے کے کوچہ و بازار میں آپ کے سر اقدس کی تشہیر کا حکم دیا۔ جب آپ کا سر انور گزر رہا تھا، جناب زید بن ارقم بالا خانہ سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے، جب یہ سر آپ کے قریب سے گزرا حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر انور سورہ کہف کی اس آیت کی تلاوت کر رہا تھا۔ ”کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اصحاب کہف و رقیم ہماری نشانیوں میں عجیب و غریب نشانی تھے۔“

دفن شہدائے کربلا

شہداء کے لاشے صحرائے کربلا میں تین دن تک بے گور و کفن رہے۔ لاش حسین مظلوم پر طائر اور دیگر مخلوق خدا گریہ کرتی رہی۔ علامہ نعمت اللہ جزائری نے عبداللہ اسدی سے روایت کی ہے کہ جب حضرت امام

حسین علیہ السلام اپنے بیٹوں، بھائیوں اور انصار واقربا کے ساتھ یوم عاشور خاک کربلا پر سو گئے اور ابن سعد لعین نے کوفہ جانے کا ارادہ کیا تو اس ملعون نے ابن زیاد ملعون کو لکھا کہ اب کیا کیا جائے؟ تو ابن زیاد نے ابن سعد کو جواب دیا کہ اپنی فوج کے مقتولین کو دفن کر دے اور مستورات کو رسن بستہ کر کے سرہائے شہدائے آل محمدؐ کو نیزوں پر بلند کر کے ذریت رسولؐ کے مقتولین کو زمین کربلا پر بے گور و کفن چھوڑ کر کوفہ چلا آ۔

ابن سعد نے جواب دیا کہ تم کوفہ میں بیٹھ کر حکم دے رہے ہو تمہیں یہ معلوم نہیں کہ ہمارے مقتولین کی تعداد کتنی زیادہ ہے اور ان کو دفن کرنا کتنا مشکل ہے۔ ایک لاکھ پچاس ہزار مقتولین کو کس طرح دفن کیا جائے۔ ابن زیاد نے جواب میں لکھا۔ ان مقتولین میں روساء اور سالار مقتولین کو دفن کر دے باقی کو یونہی چھوڑ دے۔ ابن سعد نے جتنوں کو مناسب سمجھا دفن کر دیا اور مخدارت عصمت وطہارت کو رسن بستہ کر کے اپنے ساتھ شہداء کے سروں کو لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ ذریت رسولؐ کے طیب وطاہر پارہ پارہ لاشہائے مبارک بے گور و کفن تین دن تک ریگ صحرا پر رہے۔

نہر علقمہ کے کنارے بنی اسد کا قبیلہ آباد تھا۔ جب بنی اسد کی عورتیں آئیں تو میدان میں اولاد نبیؐ و فاطمہؑ کے بے گور و کفن لاشوں کو دیکھا جن کے زخموں سے تیسرے دن بھی خون تازہ جاری تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے یہ سب ابھی شہید ہوئے ہیں۔ شہداء کے لاشوں کو اس طرح دیکھ کر سب عورتیں حیران رہ گئیں۔ یہ سب تیزی سے اپنے قبیلہ میں واپس آئیں اور اپنے شوہروں اور عزیزوں کو حیرت انگیز حالات سے آگاہ کیا اور ان سے کہا تم مسلمان ہو روز محشر حضرت نبی اکرمؐ، علی مرتضیٰؑ اور حضرت فاطمۃ الزہراؑ کو کیا منہ دکھاؤ گے۔ تمہارے سامنے یہ سب پیاسے ذبح کیے گئے اور تم نے تلوار، نیزہ یا تیر سے ان کی کوئی مدد نہ کی۔ اب بے گور و کفن لاشے دیکھ رہے ہو انہیں دفن نہیں کرتے۔ یہ لوگ فرزند رسولؐ کی مدد نہ کرنے پر خود کو ملامت کر رہے تھے۔ عورتوں کا اصرار بڑھتا جا رہا تھا اور اپنے مردوں کے گرد گھیرا ڈال کر انہیں شہداء کو دفن پر آمادہ کر رہی تھی اور کہتی تھیں۔ شرم سے مر جانا چاہیے لعین ابن لعین نے اپنے کشتوں کو دفن کر دیا لیکن نبیؐ زادے ابھی تک خاک کربلا پر بے گور و کفن ہیں، اگر تم سے کوئی پوچھے کہ تمہارے ہمسائے میں تمہاری آنکھوں کے سامنے فرزند رسولؐ کی شہادت ہوئی لیکن تم نے نہ ان کی زندگی میں کوئی مدد کی نہ شہادت کے بعد دفن کیا تو تم کیا جواب دو گے اور اپنے اس داغ ملامت کو دھو ڈالو ورنہ یہ تمہاری موت تک تمہارے لیے ملامت کا سبب ہوگا۔

عورتوں کے اصرار اور ملامت سے ان لوگوں کی غیرت جاگ اٹھی اور میدان کربلا آ گئے۔ یہاں مشک وعنبر کی خوشبو سے صحرا مہک رہا تھا۔ یہاں یہ دردانگیز منظر دیکھا کہ شہدا کے لاشے بے گور و کفن ہیں اور گرد وغبار

اڑ رہا تھا، مظلوموں کے لاشے جا بجا خاک و خون میں غلطاں تھے اور شہدا کے سرتنوں سے جدا تھے۔ تیز دھوپ میں کچھ پرندے ان شہیدوں کے لاشوں پر سایہ کیے ہوئے تھے۔ ابھی دفن کا ارادہ کیا ہی تھا کہ فضا آہ و بکا سے گونج اٹھی جسے سن کر مرد و زن زار و قطار رونے لگے۔

ان سب نے فیصلہ کیا کہ پہلے فرزند رسولؐ کو دفن کریں لیکن یہ پریشان تھے کہ کسی لاش کے تن پر سر نہیں ہے۔ لہٰذا کس طرح پہچانیں کہ کون سا لاشہ کس شہید کا ہے۔ یہ لوگ اسی فکر میں تھے کہ دیکھا ایک سوار کوفہ کی طرف سے آتے نظر آئے، پہلے تو یہ لوگ گھبرا گئے کہ کہیں یہ ابن زیاد کی طرف سے بھیجا ہوا کوئی جاسوس تو نہیں ہے۔ لیکن ہمت سے اپنے مقام پر کھڑے رہے۔ جب یہ سوار قریب آئے تو ان لوگوں سے پوچھا تم لوگ یہاں کیا لینے آئے ہو؟ ان لوگوں نے کہا ہم اولاد رسولؐ کو دفن کرنے آئے ہیں لیکن سروں کے بغیر ہم یہ نہیں پہچان پا رہے ہیں کہ کون سا لاشہ کس شہید کا ہے۔ سوار نے جب ان لوگوں کی یہ بات سنی تو بے ساختہ فرمایا۔ ''وابتاہ و ابا عبداللہ یتک ترانی اسیرہ'' ہائے بابا ہائے ابا عبداللہ کاش آپ دیکھتے کہ آپؐ کا فرزند (سید سجادؑ) کس طرح قیدی بنا ہوا ہے۔ پھر ان لوگوں سے کہا کہ گھبراؤ نہیں میں تمہاری مدد کرتا ہوں۔ اس کے بعد آپ گھوڑے سے اتر کر لاشوں کے درمیان پھرنے لگے اور لاش حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس آ کر بیٹھ گئے اور آپ کی لاش انور کو گلے سے لگا لیا اور اپنا درد و غم بیان کرنے لگے۔ بابا آپ کی شہادت سے دشمن خوش ہو رہے ہیں اور بنی امیہ کے گھروں میں چراغاں ہو رہا ہے۔ بابا آپ کی شہادت کے بعد ہمارے دکھ طویل ہو گئے اور مصائب میں اضافہ ہو گیا، یہ کہہ کر دائیں بائیں نظر کی دائیں جانب کچھ فاصلہ پر ایک جگہ سے لاش حضرت امام حسینؑ اٹھائی اور قبر کے سپرد کر دی۔ حضرت امام زین العابدینؑ نے تن تنہا امام کے جسد اطہر کو لحد میں تارا۔ جب بنی اسد مدد کے لیے آگے بڑھے تو آپؑ نے انہیں یہ کہہ کر منع کر دیا کہ میرے ساتھ کوئی ہے جو میری معاونت کر رہا ہے۔ جب بابا کے جنازہ کو قبر میں اتار چکے تو ان کے کٹے ہوئے گلوئے انور پر رخسار رکھا اور فرمایا۔ ''کتنی باعظمت ہے وہ زمین جس نے آپؐ کے جسد انور کو اپنی آغوش میں لیا ہے۔ آپ کے بعد دنیا تاریک ہے اور آپ کے نور کے ساتھ آخرت منور ہے۔ ہماری راتیں بے خواب اور ہمارا دکھ دائمی ہے۔ اللہ آپ کے اہل بیتؑ کو بھی اس گھر میں پہنچائے جہاں اب آپ کا قیام ہے۔ یا ابن رسول اللہ! آپؐ پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔'' اس کے بعد آپ نے انگشت شہادت سے تحریر کیا۔ ''هٰذَا قَبْرُ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ اَبِي طَالِبِ الَّذِيْ قَتَلُوْهُ عَطْشَانًا غَرِيْبًا'' ''یہ حسین ابن علی ابن ابی طالب کی قبر ہے۔ جنہیں یزیدیوں نے پردیس میں پیاسا شہید کر دیا۔''

اس کے بعد بنی اسد کو بتاتے رہے یہ کس کس کا لاشہ ہے اور اسے کس جگہ دفن کرو۔ جب ان لاشوں کو دفن کر چکے۔ پھر حضرت امام زین العابدین علیہ السلام بنی اسد کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کیا تمام شہداء دفن ہو چکے؟ انہوں نے عرض کیا۔ مولا علقمہ کے نزدیک ایک مجاہد کی لاش ابھی دفن ہونا باقی ہے۔ وہ لاش یزیدی لشکر کی تلواروں سے اس قدر ٹکڑے ٹکڑے ہے کہ ہم ایک طرف سے اٹھاتے تھے تو دوسری طرف سے گر جاتی تھی۔ جب حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے یہ سنا تو آپ کی چیخیں بلند ہو گئیں اور فرمایا۔ اے بنی اسد تمہیں کیا خبر ہے کہ یہ لاشہ کس کا ہے؟ وہ لاشہ جناب عباسؑ کا ہے۔ اس کے بعد آپ جناب عباس علمدار علیہ السلام کے لاشہ پر آئے اور اپنے آپ کو چچا کی لاش پر گرا دیا ان کے گلوئے پارہ پر بوسہ دیا اور فرمایا۔ ''اے قمر بنی ہاشم! آپ کے بعد دنیا اندھیر ہو گئی۔ اے شہید راہ خدا! آپ پر میرا سلام۔ آپ پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔'' آپ نے آہ سرد بھرتے ہوئے فرمایا۔ چچا کاش آپ تاراجی خیام کا منظر دیکھتے جب تمام عورتیں آپ کو بلا رہی تھیں۔ نبیؐ کی ذریت کو بے ردا کیا گیا اور انہیں اسیر کیا گیا۔ آپ ہوتے تو بچوں کی صدائے العطش سنتے۔ پھر جناب عباس علیہ السلام کو دفن کیا گیا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں آج آپ کا مزار معلی ہے۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے دیگر شہدا کے اجساد طاہرہ کے دفن کرنے میں بنی اسد کی معاونت فرمائی لیکن حضرت امام حسینؑ اور جناب عباسؑ کے لاشوں کی تدفین خود انجام دی۔ یہ بات واضح رہے کہ معصوم کی تدفین معصوم ہی کے فرائض میں داخل ہے۔ جناب عباسؑ کے جنازے کو جناب زین العابدینؑ کا تنہا دفن کرنا اس بات کو واضح کرتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت امام زین العابدینؑ نے حضرت عباسؑ کو مثل امام انفرادیت دی۔ الشیخ محمد طہٰ نجفی الاتقان میں تحریر فرماتے ہیں۔ یہ مناسب ہے کہ حضرت عباس علی ابن ابی طالبؑ کا تذکرہ معصومین کے ساتھ کیا جائے۔

اس کے بعد انصار کے لاشوں پر آئے۔ جناب حبیب ابن مظاہر کا لاشہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے سرہانے دفن کر دیا جہاں اب ان کی قبر مطہر ہے۔ حضرت حبیب ابن مظاہر کا تعلق قبیلہ بنی اسد سے تھا۔ لہٰذا علیحدہ دفن کیا تا کہ ان کی قبر نمایاں رہے۔ اسکے علاوہ ایک وجہ یہ تھی کہ آپ حضرت امام حسینؑ کے بچپن کے جانثار دوست تھے۔ جناب حبیب ابن مظاہر کے علاوہ تمام شہداء کے لاشوں کو ایک ہی جگہ دفن کرنے کا حکم فرمایا۔ جب تمام شہداء کو دفن کرا دیا تو آپ نے بنی اسد سے فرمایا۔ آؤ اب حرؑ کو دفن کریں۔ جب آپ حضرت حرؑ کے لاشہ پر تشریف لائے تو فرمایا۔ ''اے حرؑ اللہ نے تمہاری توبہ قبول کر لی ہے اور فرزند رسول اللہ کے قدموں پر جان قربان کرنے کے عوض تمہاری عظمت میں اضافہ فرمایا ہے۔ جب یہ شہسوار روانہ ہونے

لگے تو تمام بنی اسد آپؑ کی رکاب سے چمٹ گئے اور کہنے لگے۔ آپ جناب کو ان لاشوں کا واسطہ ہمیں یہ بتائیں کہ آپ کون ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں تمہارے لیے حجت خدا علی ابن الحسینؑ ہوں۔ میں ابن زیاد کے قید خانہ سے نکل کر شہیدوں کو دفن کرنے آیا تھا، اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔ حضرت امام حسینؑ کے لاشہ کے دفن کے سلسلہ میں شیخ طوسی لکھتے ہیں کہ لاشہ مظلوم کربلا کو دفن کرتے وقت بنی اسد ایک چٹائی لے آئے۔ حضرت امام زین العابدینؑ نے اس چٹائی پر لاش مطہر کے بکھرے ہوئے ٹکڑے جمع کر کے دفن کیا۔ معالی السبطین میں دبرج سے روایت ہے کہ جب متوکل نے قبر جناب امام حسینؑ کھودنے کا حکم دیا اور اس نے قبر مظلوم کھودی تو میں نے چٹائی پر جسم حضرت امام حسینؑ کے ٹکڑے دیکھے۔

جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ کتاب ارشاد مفید میں تحریر فرماتے ہیں۔ لشکر ابن سعد اہل بیت اطہارؑ کو قید کر کے سب شہیدوں کے سروں کو لے کر کربلا سے کوفہ روانہ ہو گیا اور شہیدوں کے اجسام مطہر کو بلا غسل و کفن اور دفن زمین کربلا پر چھوڑ دیا۔ اس وقت قبیلہ بنی اسد کے لوگ جو موضع غاضریہ میں رہتے تھے، اپنے اپنے گھروں سے نکلے اور قتل گاہ میں آئے اور سب شہیدوں پر نماز پڑھی اور ان سب کو دفن کیا۔ جہاں اس وقت حضرت امام حسینؑ کی قبر مطہر ہے، اسی مقام پر ان لوگوں نے حضرت کو دفن کیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے پائے مبارک کے قریب جناب علی اکبرؑ کو دفن کیا۔ اس کے بعد ایک بڑا گڑھا حضرت کے پائے مبارک سے ملا ہوا کھود کر سب شہیدوں کو اس میں دفن کیا۔ حضرت عباس علمدارؑ کو جہاں ان کی لاش مطہر تھی وہیں دفن کیا، جہاں اس وقت آپؑ کی قبر منور ہے۔ بنو تمیم نے حضرت حرؑ کو حضرت امام حسینؑ کی قبر منور سے ایک میل کے فاصلے پر اس جگہ دفن کیا جہاں اس وقت ان کی قبر ہے۔ مقتل لہوف میں مرقوم ہے کہ جب عمر ابن سعد ملعون کربلا سے دور چلا گیا تو قبیلہ بنی اسد کے لوگوں نے دو کام انجام دیئے۔ شہدائے کربلا کی نماز ادا کی اور جہاں ان کو شہید کیا گیا تھا وہیں ان کو دفن کیا۔

مقام تصور ہے کہ یہ بات مخدرات عصمت و طہارت کے لیے کس قدر اذیت کا باعث تھی کہ لاش پارہ پارہ مظلوم کربلا تو تیسرے روز دفن ہوئی مگر سر مبارک اشقیاء جدا کر کے طرف کوفہ و شام لے گئے۔ یہ سر اقدس کبھی نیزہ پر بلند کیا، کبھی دیر راہب میں، کبھی خانہ خولی میں، کبھی شاخ درخت پر لٹکایا، کبھی ابن زیاد ملعون کے سامنے رکھا اور کبھی یزید ملعون کے دربار میں لایا گیا۔ یہ دونوں ملعون حضرت کے سر مبارک کے ساتھ گستاخی کے مرتکب ہوئے۔ صرف یہی نہیں بلکہ دندان مبارک پر چھڑی سے توہین کرتے رہے۔ مظلوم کربلا کے ساتھ ظلم کی انتہا یہ کی کہ کبھی صندوق میں بند کیا اور کبھی دروازہ مسجد جامع پر آویزاں کیا اور کبھی دروازہ یزید

پر لٹکایا۔ افسوس کے وہ چہرہ مبارک جسے رسول خدا بوسے دیا کرتے تھے۔ یزید ملعون نے اتنے مقدس سر کو طشت طلا میں رکھ کر چھڑی سے دندان مبارک پر گستاخی کی۔

حضرت عباسؑ کی قبر مطہر

ابصار العین، تحفہ حسینیہ اور نور العین کے مطابق بنی اسد نے جناب عباسؑ کو مقام قتل پر دفن کر دیا، جہاں زیارت کی غرض سے آنے والے اپنی دلی مرادیں، حاجت روائی کے لیے پیش کرتے ہیں جو مستجاب ہوتی ہیں۔ علامہ مجلسی اور ابن شہر آشوب کی روایت کے مطابق ''اہل غاضریہ کا بیان ہے کہ جب ہم شہدائے کربلا کے دفن کی غرض سے گئے تو قبریں تیار تھیں اور مرغان سفید پرواز کر رہے تھے۔ جناب عباس علمدار علیہ السلام کی قبر مطہر رابتدا سے اسی مقام پر واقع ہے جہاں آج بھی روضہ مبارک مرجع خلائق ہے۔

حضرت عباسؑ کی قبر مطہر کی جگہ میں کوئی اختلاف نہیں، اس کی تائید آئمہ اہل بیتؑ سے ہوتی ہے۔ کامل الزیارات میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جس وقت حضرت عباسؑ کی زیارت کا قصد کرنا تو حائر کے مقابل فرات کے کنارے دروازہ سقیفہ کے پہلو میں کھڑے ہو کر پڑھنا۔ بحار الانوار، انوار نعمانیہ، منتخب، عمدۃ المطالب اور اعلام الوریٰ میں موجودہ حرم کو مقام دفن قرار دیا ہے۔ شیخ مفید علیہ الرحمہ ارشاد مفید میں تحریر فرماتے ہیں تمام شہدا حضرت امام حسینؑ کے پائیں پا دفن ہیں لیکن عباس بن علی غاضریہ کے راستے میں فرات کے کنارے دفن ہیں لیکن حضرت عباسؑ کے بھائیوں کی قبر کے نشان معلوم نہیں۔ لہٰذا زائر کو قبر حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس کھڑے ہو کر پائے مبارک کی طرف اشارہ کر کے حضرت عباسؑ کے بھائیوں کی زیارت کرنا ہے۔ روایت ہے کہ سب سے زیادہ حضرت امام حسینؑ سے نزدیک جناب علی اکبرؑ کی قبر ہے اور دوسرے شہداء حائر حسینی میں دفن ہیں۔ صاحبان سیر و تاریخ اور محققین نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ حضرت عباسؑ فرات کے کنارے دفن ہوئے، جہاں آپ کا روضہ انور ہے۔ بحار الانوار، منتخب، عمدۃ الطالب، انوار نعمانیہ، ریاض الاحزان اور اعلام الوریٰ میں روایت ہے کہ جناب عباس کی مرقد فرات کے کنارے ہے۔

جناب عباسؑ کی قبر مطہر کی جسامت

ابو مخنف اور دیگر اہل مقاتل نے لکھا ہے کہ جناب عباس علمدارؑ کو علیحدہ دفن کرنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی لاش اس قدر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی کہ اٹھ نہیں سکتی تھی، یہی وجہ تھی کہ حضرت امام حسینؑ بھی حضرت

عباسؑ کی لاش اس جگہ نہ لا سکے، جہاں دوسرے شہیدوں کی لاشہائے مقدسہ خیمہ کے سامنے رکھی تھیں۔ لشکر بنوامیہ نے ظلم کی انتہا کر دی تھی کہ حضرت عباسؑ کی روح پرواز کرنے سے پہلے آپ کے اعضائے مبارک تن سے جدا کر کے شہید کیا اور آپ کے بدن اطہر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

ایک دفعہ حضرت عباسؑ کی ضریح مبارک کی زمین کچھ بیٹھ گئی، جس کی وجہ سے روضہ مبارک کی تعمیر نو کی ضرورت پیش آئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب علامہ سید محمد مہدی بحرالعلوم حیات تھے، آپ نے تیرہویں صدی ہجری کے اوائل میں وفات پائی۔ آپ کا شمار ان اکابر علمائے حق میں کیا جاتا ہے جنہیں اکثر امام زمانہ عجل اللہ فرجہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ جب علامہ سید محمد مہدی بحرالعلوم علیہ الرحمہ کو حضرت عباس علمدارؑ کے روضہ مبارک کی خبر دی گئی تو آپ نے ایک ماہر معمار کو بلایا اور اس معمار کے ہمراہ سرداب مقدسہ میں اترے جہاں حضرت عباس علمدار علیہ السلام کی قبر مبارک واقع ہے۔ جب معمار کی نظر قبر اطہر پر پڑی تو حیران ہوا کہ قبر منور کی جسامت متوسط لوگوں کی قبور سے بھی بہت چھوٹی ہے۔ معمار نے نہایت حیرت انگیز لہجہ میں آپ سے عرض کی اگر اجازت ہو تو میں آپ سے ایک سوال پوچھوں۔ آپ نے فرمایا۔ ضرور پوچھو۔ اس نے نہایت حیرت سے پوچھا کہ ہم نے سنا اور پڑھا ہے کہ حضرت ابوالفضل العباسؑ بڑے طویل القامت شہزادے تھے کہ جب آپ اپنے قوی الجثہ رہوار پر سوار ہوتے تھے تو آپ کے پائے مبارک زمین پر خط کھینچتے جاتے تھے لیکن آپ کی قبر منور تو عام قبروں سے بھی چھوٹی ہے۔ آپ یہ مسئلہ حل فرمائیں کہ جو کچھ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اس پر یقین کروں یا جو کچھ پڑھا اور سنا ہے اسے تسلیم کروں۔

معمار یہ سوال کر کے خاموش ہو گیا لیکن محمد مہدی علیہ الرحمہ یہ سوال سن کر غم سے نڈھال ہو گئے اور شدت سے گریہ کیا اور کچھ دیر بعد فرمایا۔ تم نے حضرت عباس علیہ السلام کی جسامت اور آپ کے قامت کے بارے میں جو کچھ پڑھا اور سنا ہے بالکل درست ہے۔ لیکن یہ قبر مطہر کا چھوٹا ہونا لشکر بنی امیہ کے ظلم و جور اور شقاوت قلبی کے سبب سے ہے۔ ان ظالموں نے جناب عباس علیہ السلام کے دونوں ہاتھ اور پاؤں قطع کر دیئے تھے اور تلواروں سے جسم اطہر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا، وقت دفن بڑے دکھ اور مصائب کے ساتھ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے چچا کے بدن کے بکھرے ہوئے اعضا کو جمع کر کے اپنے ہاتھوں سے کھودی ہوئی قبر میں اتارا تھا۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ قبر منور طویل قامت ہونے کے باوجود کیوں اس قدر چھوٹی ہے۔

مدفن سرہائے شہدا

ابن طاؤس علیہ الرحمہ نے روایت تحریر کی ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا سرانور کربلا بھیجا گیا اور آپ کا سرانور کربلا میں آپ کے جسم اطہر کے ساتھ دفن کیا گیا۔ ابن شہر آشوب نے لکھا ہے کہ سید مرتضیٰ علیہ الرحمہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا سرانور کربلا میں آپ کے جسم اطہر کے ساتھ دفن ہے۔ جناب شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ یزید نے تمام سرہائے شہداء جناب سید سجاد علیہ السلام کے حوالے کر دیئے تھے۔ آپ نے کربلا آ کر انہیں دفن کیا تھا۔

مناقب شہر آشوب، روضۃ الواعظین، لہوف، مثیر الحزان، مقتل عوالم، اعلام الوریٰ، ریاض المصائب شیخ طوسی اور سید مرتضیٰ سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر اطہر کربلا میں جسد مبارک کے ساتھ دفن ہوا۔

علامہ محسن الامین اعیان الشیعہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ انہوں نے ۱۳۲۱ھ ہجری میں دمشق میں مقبرہ باب الصغیر کے پہلو میں ایک پتھر کی چٹان دیکھی تھی، جس پر لکھا تھا "یہ مدفن سر مبارک، عباس بن علیؑ، علی اکبر بن حسینؑ اور حبیب ابن مظاہرؑ ہے، چند سال بعد اس مقبرہ کو منہدم کر دیا گیا۔ مرحوم محسن الامین مزید تحریر فرماتے ہیں کچھ عرصے کے بعد اس مقبرہ کی تعمیر نو ہوئی اور وہاں ایک ضریح رکھ دی گئی۔

سبط جوزی نے تذکرۃ الخواص میں لکھا ہے کہ سرہائے شہدائے کربلا کے بارے میں پانچ نظریات ہیں۔ (۱) پہلی روایت کے مطابق کربلا میں دفن ہوئے۔ (۲) دوسری روایت کے مطابق جنت البقیع میں جہاں جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی قبر مطہر ہے۔ مدینہ میں دفن ہوئے۔ (۳) تیسری روایت کے مطابق دمشق میں دفن ہوئے۔ (۴) چوتھی روایت کے مطابق مسجد رقہ میں دفن ہوئے۔ (۵) پانچویں روایت کے مطابق مصر کے دار الحکومت قاہرہ میں دفن ہوئے۔ لیکن تمام روایات میں معتبر اور مشہور روایت یہی ہے کہ اہل بیت کے ساتھ شام سے کربلا آئے اور وہیں دفن ہوئے۔ آخر میں لکھا ہے کہ سر حضرت امام حسین علیہ السلام مومن کے دل میں ہے۔

حضرت عباسؑ کے غم میں حضرت امام حسینؑ کے اشعار

اسرار الشہادت میں علامہ دربندی سے روایت ہے کہ حضرت عباسؑ کی شہادت پر حضرت امام حسین

علیہ السلام نے یہ شعر پڑھا۔ ''اے میری آنکھوں کے نور بھائی تم میرے لیے ایک مضبوط اور مستحکم رکن تھے۔'' ناسخ التواریخ کے مطابق حضرت امام حسینؑ نے یہ اشعار پڑھے۔ ''اے بدترین قوم تم نے اپنی بغاوت کے تحت بدترین دشمنی وعداوت دکھائی اور دین محمدی کی کھل کر مخالفت کی، کیا حضرت محمد مصطفیٰؐ نے ہمارے متعلق حسن سلوک کی وصیت نہیں کی تھی، کیا ہم نسل جناب محمد مصطفیٰؐ سے نہیں ہیں۔''

''غور کرو اور بتاؤ کیا، جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا تمہاری نظر میں میری مادر گرامی نہ تھیں، میرے نانا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہترین عالم تھے، آپ کو ہر چیز کا علم تھا، تم اپنے اعمال بد کی وجہ سے ملعون اور بدترین قرار پائے ہو، عنقریب تم اس آتش جہنم میں داخل ہو گے جسے تم اپنے لیے بھڑکا چکے ہو۔''

ناسخ التواریخ اور انوار الشہادت میں عبد محمد بن رضا الحسینی کے حوالے سے یہ اشعار تحریر کیے ہیں جو حضرت امام حسینؑ نے حضرت عباس علمدار کی شہادت کے موقع پر پڑھے تھے۔

''وہ جوان جری (عباسؑ) جس نے کربلا میں حسینؑ کو اپنے غم میں رلایا، میرا عباسؑ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس پر گریہ کیا جائے اور رلایا جائے۔'' ''ابوالفضل العباسؑ جو میدان کارزار میں (حق وفا ادا کرتے ہوئے) خون میں غلطاں ہوئے وہ میرے برادر اور میرے والد گرامی حضرت علیؑ کے فرزند تھے۔''

''ابوالفضل العباسؑ میری نہایت جرأت کے ساتھ معاونت کرنے والے ایسے مددگار تھے کہ کوئی انہیں اس عمل سے روک نہیں سکتا تھا، آپ ایسے جری تھے کہ انتہائی پیاس کے عالم میں اعدا سے نبرد آزمائی کی۔''

جناب عباسؑ کی شہادت کے موقع پر حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ ''اب میری کمر ٹوٹ گئی ہے اور میرے سہارے کم ہو گئے ہیں۔'' ''اے میرے بھائی عباسؑ خدا تمہیں جزائے خیر دے جیسا کہ جزائے خیر دینے کا حق ہے۔'' ''اے عباسؑ تم نے اپنے بھائی کی مدد کرتے ہوئے اپنی جان قربان کر دی، خدا تمہیں جنت کے چشموں سے سیراب کرے گا۔''

''اے چودہویں کے چاند عباسؑ تم میرے مددگار تھے، ہر مصیبت میں کام آنے والے اب تمہارے بغیر جینے کا کوئی فائدہ نہیں، کل ہم اللہ کی بارگاہ میں جمع ہوں گے۔ ہم پر جو مصائب گزرے اور جس طرح ہمیں پیاسا رکھا گیا، ہم نے اس وقت صبر کیا، ہم اس کا شکوہ بارگاہ الٰہی میں کریں گے۔''

تحفۂ حسینیہ اور انوار الشہادت میں یہ اشعار مرقوم ہیں جو حضرت امام حسینؑ نے حضرت عباس علمدار کی شہادت پر پڑھے۔ ''حضرت عباسؑ زمین کربلا پر مسلسل نبرد آزما ہوتے ہوئے زخموں سے چور چور زمین پر آئے، آپ نے نہایت دلیری کا اظہار کیا۔'' ''آہ دشمنوں نے تیروں سے سارا بدن پارہ پارہ کر دیا، آخر میں

مشکیزہ جو اطفال حسینؑ کے لیے نہایت کوشش کے بعد بھرا تھا اسے چھلنی کر دیا۔" جب جناب عباسؑ زمین پر تشریف لائے تو حضرت امام حسینؑ گریہ کرتے ہوئے فرماتے تھے۔ "اے بھیا عباسؑ ہمارے دل کی حسرت دل ہی میں رہ گئی، جب حضرت امام حسین علیہ السلام مقتل میں حضرت عباس علمدارؑ کے پاس تشریف لائے اس وقت آپ خاک و خون میں غلطاں تھے، اس وقت آپؑ نے فرمایا۔" ہائے میرے بھائی عباسؑ تم ہمارے تمام کاموں میں مددگار تھے، اے ابوالفضل تم نے مجھ پر جان فدا کر دی۔"

"ہائے یہ وقت حسینؑ کے لیے نہایت تکلیف دہ ہے کہ میں تمہیں اس طرح جدا ہوتے دیکھوں کہ چاند سا چہرہ خاک و خون میں غلطاں ہے۔"

اے بھائی اللہ کی طرف سے تم پر ہزاروں سلام، اے بھائی عباسؑ تمہاری وفا اور جانثاری سے میرے دل میں تمہاری قدر و منزلت میں بے حد اضافہ ہو گیا ہے۔"

حضرت سکینہؑ کے مصائب

جناب سکینہ بنت الحسینؑ کے مصائب نہایت پر درد ہیں، خاندان رسالت کی آپ ایسی چشم و چراغ تھیں کہ ماں باپ، بھائی، بہن، چچا اور پھوپھی سب کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور تھیں۔ آپ وہ مرکز محبت تھیں جن کی طرف پورا خاندان رسالت مائل تھا۔ آپ سے جناب علی اکبر کی محبت کا یہ عالم تھا کہ جب گھر میں داخل ہوتے تو جب تک اپنی بہن سکینہ کو نہ دیکھ لیتے بے قرار رہتے تھے۔ ایسے چاہنے والے بھائی کا جب ٹکڑے ٹکڑے لاشہ حضرت امام حسینؑ خیمہ میں لائے تو بی بی سکینہؑ شدید اضطراب کے عالم میں بین کر رہی تھیں۔ "بابا وہ بہن کس طرح صبر کرے جس کا علی اکبر جیسا محبت کرنے والا بھائی شہید ہو گیا۔" آپ جناب عباسؑ کی شہادت کی خبر سن کر زار و قطار رو رہی تھیں۔ حضرت امام حسینؑ جب خون میں تر مشک و علم لے کر خیمہ میں آئے تو آپ بین کرتی تھیں۔ "ہائے میرے چچا کو شہید کر دیا کاش میں اپنے چچا سے پانی کی فرمائش نہ کرتی۔ اے چچا! نہر سے واپس آجائیے میں پیاسی مرجاؤں گی مگر پانی نہ مانگوں گی۔"

جب چھوٹی شہزادی نے اپنے شیر خوار بھائی علی اصغرؑ کو دیکھا تو آپ نے تڑپ تڑپ کر گریہ و فریاد کی راوی کہتا ہے کہ جب بعد شہادت حضرت امام حسینؑ بعد تاراجی خیام جب پانی آیا تو جناب زینبؑ نے حضرت سکینہؑ کو پانی کا کوزہ دیا تو یہ بی بی مقتل کی طرف جانے لگیں تاکہ پہلے جناب علی اصغرؑ کو پلا دیں۔ جناب زینبؑ نے روکا اور کہا سکینہؑ یہ پانی پی لو لیکن آپ نے نہ پیا سب نے بہت کہا کہ سکینہؑ پانی پی لو لیکن

آپ نے پانی نہ پیا اور گریہ کرتی رہیں۔ پھر حضرت امام زین العابدینؑ نے کہا اے سکینہ میری دو انگلیوں کے درمیان آسمان کی طرف دیکھو بی بی نے نظر ڈالی تو دیکھا کہ رسول خداؐ کے سر پر عمامہ نہیں ہے، اور حضرت امام حسینؑ سے فرما رہے ہیں۔ ''اے حسین! پانی پی لو تو حضرت امام حسینؑ نے فرمایا نانا میں پانی اس وقت تک نہیں پیوں گا جب تک پیاسی سکینہ نہ پی لے۔

جناب سکینہ پر جو مصیبتیں پڑیں وہ بہت جاں گزیں تھیں جب تک حضرت امام حسینؑ موجود تھے آپ کو تسلی دیتے رہے لیکن وہ وقت آپ پر بہت سخت تھا جب بابا کی جدائی کا داغ اٹھانا پڑا۔ ابھی یتیمی کا صدمہ برداشت کرنے بھی نہ پائی تھیں کہ خیموں میں آگ لگائی گئی اور آپ کے دامن میں آگ لگ گئی۔ شمر نے طمانچے مارے اور کانوں سے گوشوارے اس طرح کھینچے کہ لوئیں پھٹ گئیں۔ جس کے سبب بے انتہا اذیت پہنچی۔ جب آپ بابا کے لاشہ پر آئیں تو کانوں پر ہاتھ رکھ کر بین کر رہی تھیں۔ میرے کانوں سے شمر نے بالیاں اس طرح کھینچیں کہ کانوں سے خون جاری ہوا بابا! کاش یہ مجھ سے مانگتا تو میں اتار کر دے دیتی۔

وہ کون سے مصائب تھے جو اس کم سنی میں آپ پر نہ گزرے قیدی بن کر کوفہ و شام کی منزلیں طے کرنا اونٹ سے زمین پر گرنا۔ دربار یزید میں جانا اور قید خانہ شام کی اذیتیں اٹھانا۔ قید خانہ شام کے تکلیف دہ ماحول سے آپ کا دم گھٹنے لگتا تھا۔ جب صبح پرندوں کو پرواز کرتے دیکھتیں تو جناب زینبؑ سے پوچھتیں پھوپھی اماں یہ کہاں جا رہے ہیں۔ تو بی بی فرماتیں اپنے آشیانوں سے باہر آ کر تلاش رزق میں پرواز کر رہے ہیں۔ جب شام کو یہ پرندے اپنے آشیانوں کی طرف پرواز کرتے تو جناب سکینہؑ اپنی پھوپھی زینبؑ سے دریافت کرتیں پھوپھی اماں اب یہ کہاں جا رہے ہیں۔ آپ فرماتیں اب یہ اپنے آشیانوں کی طرف جا رہے ہیں۔ یہ سن کر جناب سکینہؑ آہ سرد بھر کر کہتیں پھوپھی اماں ہم کب قید خانے سے رہا ہو کر اپنے نانا کے مدینہ جائیں گے۔ صاحبان شعور جو سینے میں حساس دل رکھتے ہیں اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس گفتگو کے پس پردہ کتنے مصائب و آلام تھے جو حضرت امام حسینؑ کی لاڈلی بیٹی جناب سکینہؑ کی اس کمسنی سے وابستہ تھے اور چھوٹی شہزادی کی اس گفتگو سے بیبیوں کے دل پر جو کیفیت طاری ہوتی تھی اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔

بعد شہادت سید الشہدا ایک شخص کا میدان کربلا سے گزر

راوی کہتا ہے کہ کربلا کے میدان کارزار میں بعد شہادت حضرت امام حسینؑ جب شام ہوئی تو مجھے اپنے خیمے سے نہر تک جانا تھا، مقتل کو عبور کر کے جب میں ایک مقام پر پہنچا تو میں نے دلخراش منظر دیکھا، بخدا

میں اسے کبھی نہیں بھلا سکتا۔ ایک بی بی پریشان حال آئیں جن کے بال کھلے ہوئے تھے، وہ کبھی ایک لاش پر جاتی تھیں اور کبھی دوسری لاش پر اور پھر کبھی دریا پر چلی جاتیں اور بار بار آسمان کی طرف نظر کرتیں اور کہتیں، اے پروردگار میں نے اپنے بچے کو کیا اسی دن کے لیے چکی پیس کر پالا تھا۔ راوی کہتا ہے کہ جب میں نے حضرت امام زین العابدینؑ سے پوچھا کہ وہ کون بی بی تھیں جو مقتل میں اس طرح پریشان حال لاشوں پر گریہ کناں تھیں تو آپؑ نے فرمایا: تم نے انہیں نہیں پہچانا وہ میری دادی جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا تھیں۔

زائرین اسیران کربلا

جب شب عاشور جو قیامت کی رات تھی، اپنے دامن میں ظلم و استبداد اور مصیبت و آلام کی آندھیوں کو سمیٹے تمام ہوئی تو دن کا آغاز اس طرح ہوا کہ جناب زین العابدین علیہ السلام کے گلے میں طوق خاردار پہنایا گیا، جب اس طوق کے اندرونی حصہ کی ابھری ہوئی فولادی کیلیں حضرت امام زین العابدینؑ گلوئے اقدس میں پیوست ہوئیں تو بیمار امام کو بہت اذیت اٹھانا پڑی۔ رسول خداؐ کی نواسیوں کو اس طرح رسن بستہ کیا گیا کہ ان عصمت و طہارت کی پروردہ بیبیوں کے ہاتھ پس گردن سے بندھے تھے۔ جب کوئی دائیں بائیں مونس و غمخوار نظر نہ آیا تو حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے مقتل کی طرف رخ کیا اور فرمایا۔ ''کہاں ہو میرے عباسؑ کہاں ہو علی اکبرؑ کہاں ہو، قاسمؑ کہاں ہو، عون و محمدؑ دیکھو ہم حالت غربت میں بے آسرا ہیں۔'' حضرت قائم آل محمدؑ زیارت ناحیہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔'' ایدیھن مغلوبۃ بالاعناق '' مخدرات عصمت و طہارت کے ہاتھ ان کی گردن سے باندھے گئے۔

شیخ جعفر شوشتری علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں کو گردن سے باندھنے کی وجہ یہ تھی کہ مخدرات عصمت و طہارت جو قید ہو کر جارہی تھیں۔ ان کے انصار و اقرباء کے سرہائے مبارک نیزوں پر ساتھ جارہے تھے۔ ان کے چہروں پر نظر انتہائی غم والم کا سبب تھی۔ لہٰذا عورتیں جذبہ غم سے متاثر ہو کر گریہ وزاری کر رہی تھیں۔ راوی کہتا ہے کہ جناب زینبؑ کا گریہ اتنا شدید تھا کہ آپ مسلسل سر اور سینہ پیٹ رہی تھیں۔ عمر سعد نے سوچا ان کا گریہ کس طرح روکا جائے تو مشورہ کے بعد ہاتھ پس گردن سے باندھ دیئے لیکن بی بی کے لبوں پر پھر بھی یا حسینؑ یا حسینؑ کی صدا تھی۔

اسرار الشہادۃ میں ہے کہ'' حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو اس وقت شمر ملعون نے تازیانے مارے۔ اس وقت حضرت امام زین العابدینؑ کا پشت ناقہ پر سنبھلنا مشکل تھا۔ دشمنان اسلام نے بیمار امام

کے پیروں کو ناقہ کی پشت سے باندھ دیا۔" افسوس کہ وہ بیبیاں جن کو بنی ہاشم کے جوانوں نے مدینہ سے رخصت ہوتے وقت سوار کیا تھا اب ان جوانوں کے لاشے کربلا کی تپتی ریت پر بے گور و کفن تھے۔

جب قافلہ روانہ ہوا تو اس کو اس مقصد سے مقتل سے گزارا گیا تا کہ اسیران کربلا کو زیادہ سے زیادہ اذیت پہنچے، اس وقت تمام بیبیاں رسن بستہ تھیں۔ جب ان مظلوموں کی نظر اپنے بے گور و کفن وارثوں کے بے سر لاشوں پر پڑی تو بیبیوں نے اپنے آپ کو بے کجاوا اونٹوں کی پشت سے گرا دیا۔ یہ اسیر بیبیاں جن کے ہاتھ پس گردن سے بندھے تھے، نہایت تکلیف کی حالت میں زمین پر آئیں۔ بحارالانوار کے مطابق جب قیدیوں کا قافلہ قتل گاہ میں آیا اور اہل بیت رسالتؐ کی نظر لاش ہائے شہدا پر پڑی تو سب چیخیں مار کر رونے لگے۔ اشک آنکھوں سے جاری ہوئے اور بیبیوں نے اپنے منہ پر طمانچے مارے۔ آج صاحبان مودت کروڑوں کی تعداد میں زیارت کی غرض سے کوفہ و کربلا و شام زیارت کی غرض سے حاضر ہوتے ہیں لیکن تمام سہولتوں کے ساتھ مقام تصور ہے کہ صاحبان عصمت و طہارت بیبیاں اپنے وارثوں کے لاشوں پر اس طرح آئیں کہ نہ کوئی مونس تھا نہ غمخوار ہر طرف غم کی گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ یہ صدمہ جناب زینب سلام اللہ علیہا اور جناب ام کلثوم اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے لیے حد سے سوا تھا۔ اسیران کربلا اس وقت نہایت اذیت سے گزر رہے تھے۔ جناب زینب سلام اللہ علیہا نے غم میں ڈوبی ہوئی آواز میں فریاد کی۔ "اے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ پر آسمان کے فرشتوں نے نماز پڑھی لیکن آپ کا حسینؑ خون میں تر، بدن ٹکڑے ٹکڑے زمین گرم پر پڑا ہے اور آپ کی نواسیاں قیدی بن کر جا رہی ہیں۔ اے اللہ تیری فریاد ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰؐ اور حضرت علی مرتضیٰؑ اور حضرت حمزہ سید الشہدا کی دہائی ہے۔ وامحمداہ آپ کا حسین قتل ہو گیا اور ان کا لاشہ صحرائے کربلا میں بے گور و کفن ہے۔ وامصیبتاہ گویا آج میرے بزرگوار محمد مصطفیٰؐ نے انتقال فرمایا ہے۔ اے اصحاب محمدؐ! ہم سب ذریت پیغمبرؐ، ان اہل جفا کے ہاتھوں اسیر ہیں اور آپ کے فرزند حسینؑ دل بند کا سر اقدس پس گردن سے جدا کیا گیا۔ ہائے افسوس حسینؑ خاک و خون میں غلطاں ہیں۔" اس کے بعد اپنا منہ سید الشہدا کی طرف کرتے ہوئے جگر خراش آہ بلند کی۔ "میں اس غریب پر فدا ہوں جس کا لشکر بروز شنبہ قتل کیا گیا اور خیموں کی طنابیں بہ ظلم و جور کاٹی گئیں، میں اس مظلوم پر فدا ہوں جو نظروں سے اس طرح پنہاں ہوا کہ اب ملنے کی امید نہیں، میں اس مظلوم پر فدا ہوں جو مغموم اور دل سوختہ اس دنیا سے روانہ ہوا۔ میں اس بے کس پر فدا ہوں جسے پیاسا شہید کیا گیا۔ میں فدا ہوں اس شہید راہ حق پر جس کی ریش مبارک سے خون کے قطرے ٹپکے۔" ناسخ التواریخ میں جناب زینبؑ کا نوحہ ان الفاظ میں

مرقوم ہے۔ ''اے محمد مصطفےٰؐ یہ آپ کی اولادیں ہیں جو قتل ہوگئیں۔ یہ آپ کا پیاسا حسینؑ ہے۔ جس کا سر اس کی گردن سے جدا کیا گیا، تمام اسلحہ اور لباس جسم سے اتار لیا، میرے ماں باپ ان پر فدا ہوں جن کا لشکر دو شنبہ کے روز غارت کیا گیا، میرے ماں باپ فدا ہوں اس پر جس کے خیمے جلائے گئے، میرے ماں باپ اس پر قربان ہوں جس کے آنے کی کوئی امید نہیں اور میرے ماں باپ اس مقتول و مذبوح پر فدا ہوں۔ جس کے زخموں کا کوئی علاج نہیں، میری جان اس پر فدا ہو جس کے سر کا خون اس کے منہ اور تمام بدن پر جاری تھا، میرے ماں باپ اس پر فدا ہوں۔ جس پر میں فدا ہونا چاہتی تھی، میرے ماں باپ اس پر فدا ہوں جو ہمیشہ رنج وغم میں زندگی بسر کرتا رہا۔ میرے ماں باپ اس پر قربان ہوں۔ جس کے نانا محمد مصطفےٰؐ تھے اور وہ فرزند نبی تھا، میری جان جناب محمد مصطفےٰؐ سید الانبیاء اور جناب علی مرتضیٰؑ، حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ و جناب فاطمۃ الزہرا سیدۃ النساء سلام اللہ علیہا پر فدا ہو، میرے ماں باپ اس پر فدا ہوں جس کے لیے آفتاب دوبارہ اپنے مقام پر آگیا۔ یہاں تک کہ نماز تمام کرلی۔'' ابو نصر کہتا ہے۔ جناب زینب سلام اللہ علیہا کا یہ مرثیہ اس قدر روح الخراش تھا کہ دوست تو دوست دشمن بھی دھاڑیں مار کر رو دیے۔

جناب زینبؑ، جناب ام کلثومؑ، جناب سکینہؑ، جناب رباب اور تمام بیبیاں اپنے اپنے وارثوں کے لاشوں پر گریہ کناں تھیں۔ مقتل میں سب بیبیاں لاشوں سے لپٹ گئیں۔ چاروں طرف نوحہ ماتم کی صدائیں بلند تھیں۔ شیخ جعفر شوشتری علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔ جب حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو مقتل سے گزارا جارہا تھا، اس وقت جب آپ کی نظر کشتگان راہ حق پر پڑی تو آپ پر جو غم کی کیفیت گزری اس سے قبل آپ پر یہ کیفیت کبھی طاری نہیں ہوئی تھی۔ اس کے بعد شہدائے کربلا کی زیارت کا سلسلہ اس وقت سے شروع ہوا جب بنی اسد واقعہ کربلا کے بعد تیسرے روز شہداء کی تدفین کی غرض سے آئے اس وقت حضرت امام زین العابدین علیہ السلام با اعجاز تشریف لائے اور تدفین کے فرائض انجام دیے۔ اس وقت جب تدفین کا عمل جاری تھا۔ چہار جانب سے سسکیوں اور آہوں کی آوازیں بلند تھیں۔ تدفین کے عمل کے بعد قبیلہ بنی اسد کے مرد اور عورتیں تسلسل کے ساتھ قبر مطہر پر بغرض زیارت آتے رہے۔ اس طرح یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ زیارت کی ابتدا بنی اسد کے قبیلے والوں سے شروع ہوئی۔ یہ شرف اس قبیلہ کے لیے مخصوص ہے۔

قید خانہ شام سے رہائی کے بعد ایک ہفتہ اہل بیت نے ایک مکان میں گریہ وزاری اور سوگ میں گزارا جہاں مخدرات عصمت وطہارت کو عورتیں پرسہ دینے آتی رہیں اور در و دیوار سے یاحسینؑ کی صدائیں بلند ہوتی تھیں۔ جناب زینبؑ اس مکان میں واقعات کربلا بیان فرماتیں۔ جب پرسہ دار عورتیں گھروں کو

لوٹتی تھیں تو یہ واقعات سب سے بیان کرتیں اس طرح ہر گھر میں شہادت امام حسینؑ کا ذکر ہونے لگا اور گھروں سے اکثر رونے کی آوازیں سنائی دیتیں۔

سات روز قیام کے بعد اہل بیت رسول کا قافلہ بشیر ابن جزلم کے ہمراہ کربلا روانہ ہوا۔ بشیر کو اہل بیت رسول کی عزت و احترام کا بہت خیال تھا۔ لہٰذا قافلہ سے ہٹ کر پیچھے پیچھے چلتا اور کبھی قافلے کے آگے چلا جاتا۔ یہ قافلہ جہاں قیام کرتا وہاں مجلس عزا برپا ہوتی۔ تمام بیبیاں بین کرتیں اور ماتم کی صدائیں بلند ہوتیں۔

ابن طاؤس علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ جب قافلہ عرب و عراق سے ملنے والی سرحد پر پہنچا تو جناب زینبؑ نے شتربان سے دریافت کیا یہ دائیں جانب جانے والا راستہ کس طرف جاتا ہے۔ اس نے کہا یہ راستہ کربلا کی طرف جاتا ہے۔ اس وقت بشیر بلحاظ ادب پیچھے رہ گیا تھا۔ جناب زینبؑ نے فرمایا ذرا انتظار کرو تاکہ بشیر پہنچ جائے۔ بشیر کے پہنچنے پر دکھیاری بہن نے بھائی اور اپنے ورثا کا غم منانے کے لیے پہلے کربلا جانے کو کہا تاکہ شہیدوں کا غم منا سکیں یہ سن کر بشیر نے عراق کا راستہ اختیار کیا۔

بھائی کی قتل گاہ جتنی قریب ہوتی جاتی تھی مظلوم بہن کے گریہ میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب زمین کربلا پر پہنچے تو زمین سے آسمان تک رونے کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں اور پورا ماحول غم میں ڈوبا ہوا تھا۔

دوسری طرف سے جناب جابر بن عبداللہ انصاری ایک قافلہ کے ساتھ جس میں بنی ہاشم اور اقربا امام حسینؑ تھے، بہ قصد زیارت مدینہ سے کربلا تشریف لا رہے تھے۔ دور سے نوحہ و ماتم کی صدائیں بلند تھیں۔ پوری فضا آہوں اور نالوں سے گونج رہی تھی۔ جناب جابر بن عبداللہ انصاری غم سے نڈھال تھے۔ ادھر تمام بیبیوں نے بے اختیار اپنے آپ کو اونٹوں سے نیچے گرا لیا۔ زمین کربلا کی خاک اٹھا کر سروں میں ڈالی۔ جناب جابر بن عبداللہ انصاری جناب زین العابدینؑ سے گلے مل کر دل ہلا دینے والے بین کرنے لگے۔ یہ آہ و فغاں سن کر علاقائی لوگ بے اختیار رونے لگے۔ ہر شخص حضرت امام زین العابدینؑ کو پرسہ دے رہا تھا اور شہداء کی قبروں کے سرہانے مخدرات عصمت و طہارت کا ماتم برپا تھا۔

لہوف اور دیگر کتب میں منقول ہے کہ جب اہل بیت اطہار کا قافلہ شام سے عراق کی طرف چلا تو اہل بیت نے قافلہ کے رہنما بشر بن جزلم سے کہا کہ ہمیں کربلا کی طرف سے لے کر چلو جب اہل بیت کربلا پہنچے تو وہاں ان کی ملاقات حضرت جابر بن عبداللہ انصاری اور چند بنی ہاشم کے افراد سے ہوئی جو یہاں زیارت کے لیے آئے تھے۔ سب لوگ گریہ و ماتم کرنے لگے اور منہ پر طمانچے مارنے لگے اور یہاں اس طرح عزاداری کی جس سے دل و جگر مجروح ہونے لگے۔ کربلا میں عرب عورتوں کی جو جماعت موجود تھی۔

وہ چند روز اسی طرح عزائے حسین کرتی رہی۔ ابی حباب کلبی نے ایک جماعت سے روایت کی ہے جس کا کہنا ہے کہ ہم رات کو مقام جبابہ پر جاتے تھے اور اپنے کانوں سے جناب امام حسینؑ پر جنوں کے رونے کی آوازیں اور ان کے نوحے سنتے تھے۔

جیسا کہ مختلف روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ اہل بیت اطہار ۲۰ صفر ۶۲ ہجری کو رہائی کے بعد کربلا پہنچے۔ جناب عطاء سے روایت ہے کہ میں ۲۰ صفر کو حضرت جابر بن عبداللہ انصاری کے ہمراہ غاضریہ پہنچا۔ یہاں پہنچ کر حضرت جابر نے دریا کے کنارے غسل کیا اور مجھ سے خوشبو طلب کی اور اسے اپنے سر اور بدن پر لگایا اور پابرہنہ قبر مبارک کے پاس پہنچ کر سرہانے کھڑے ہوئے اور تین بار اللہ اکبر کہا۔ آپ غم سے نڈھال ہو کر بیہوش ہو کر گر گئے۔ جب ہوش آیا تو تین بار یا حسینؑ کہا ابھی حضرت جابر قبر سے لپٹے ہوئے گریہ و زاری میں مصروف تھے کہ شام کی جانب سے گرد اٹھی اور کچھ دیر کے بعد جب گرد چھٹ گئی تو سیاہ علم نظر آئے یہ لٹے ہوئے اہل حرم کا قافلہ تھا جو جناب سید سجادؑ کی رہنمائی میں مدینہ جا رہا تھا اور حضرت زینبؑ کی خواہش پر کربلا پہنچا تھا۔ جناب زینبؑ جناب سید سجادؑ اور دوسرے بنی ہاشم اور انصار و اصحاب کے گریہ و ماتم سے زمین کربلا پر تلاطم برپا تھا۔ یہ کربلا میں اہل بیت کا پہلا چہلم تھا جس میں اہل بیت کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری نے شرکت کی اور حضرت امام زین العابدینؑ کو شہیدان راہ حق کا پرسہ دیا۔

بقول ابو اسحق اسفرائنی یہ قافلہ بیس صفر کو کربلا پہنچا، یہاں جابر بن عبداللہ انصاری سے ملاقات ہوئی جو زیارت قبر حسینؑ کے لیے آئے تھے۔ یہاں پہنچ کر قیام کیا اور گریہ و ماتم برپا کیا۔ لہوف کی روایت ہے کہ یہاں بنی ہاشم کے کچھ مرد بھی کئی روز اسی حالت میں رہے اور وہاں کی عورتیں بھی گریہ وزاری میں مصروف رہیں۔

روای کہتا ہے کہ یہاں رہا ہو کر مدینہ روانہ ہونے سے قبل پہلے کربلا آئیں۔ تین روز تک ہمہ وقت گریہ و ماتم میں مصروف رہیں۔ اس کے بعد جناب عابد بیمارؑ نے جناب زینبؑ سے کہا کہ پھوپھی اماں! اب وطن چلیے۔ جناب زینبؑ نے فرمایا بیٹا سید سجادؑ تم امام ہو اے حجت خدا جیسی تمہاری مرضی سواریاں قریب آئیں حضرت زینبؑ نے سب کو سوار کیا جب خود سوار ہونے لگیں تو مقتل کی طرف حسرت و یاس سے دیکھا اور آخری سلام کی غرض سے جب قبر حسینؑ پر نظر گئی تو دیکھا کوئی بی بی قبر سے لپٹی ہوئی ہیں۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا میرے ناقے کو بٹھا دو۔ آپ ناقے سے اتریں اور دوڑ کر قبر کے پاس آئیں اور کہا۔ اے بی بی تم کون ہو۔ اس بی بی نے سر کو بلند کرتے ہوئے کہا شہزادی میں حسینؑ کی کنیز ام رباب ہوں۔ جناب زینبؑ نے فرمایا بھابی آپ مدینہ نہیں چلیں گی۔ جناب ام رباب نے رو کر کہا شہزادی اب مدینے میں میرا کون ہے۔ اللہ نے

مجھے دو بچے عطا کیے تھے۔ سکینہ قید خانہ شام میں سوگئی۔ میرے شیر خوار علی اصغرؑ اور میرے والی وامام کی قبر یہاں ہے اب میں یہاں سے نہیں جاؤنگی۔ آخر حضرت زینبؑ کے حکم کی تعمیل میں یہاں سے روانہ ہوئیں۔

شعرائے عرب کی مرثیہ خوانی

بحار الانوار میں علامہ باقر مجلسی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ شیخ کشی نے زید شحام سے روایت کی ہے کہ میں اہل کوفہ کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر تھا اس اثنا جعفر بن عفان حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت نے ان کو عزت و اکرام کے ساتھ اپنے پاس بیٹھایا اور فرمایا ''اے جعفر ہم نے سنا ہے کہ تم مرثیہ میں بہت عمدہ اشعار کہتے ہو۔ میں نے عرض کی جی ہاں۔ ابن رسول اللہؐ میں آپ پر فدا ہو جاؤں۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا۔ کوئی شعر حضرت امام حسینؑ کے مرثیہ کا سناؤ۔ حضرت جعفر بن عفان کا کہنا ہے جب میں نے مرثیہ پڑھا تو حضرت اتنا روئے کہ آنسوؤں سے آپ کی ریش مبارک تر ہوگئی۔ جو لوگ وہاں موجود تھے سب رونے لگے۔ حضرت نے فرمایا۔ ''اے جعفر! خدا کی قسم جب تم نے مرثیہ کے اشعار پڑھے تو ملائکہ مقربین یہاں حاضر ہوئے اور سب نے یہ اشعار سنے اور بہت گریہ کیا حق تعالیٰ نے تمہارے لیے اسی وقت بہشت کو واجب کیا اور گناہوں کو معاف کیا۔ پھر حضرت نے ارشاد فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ اس ثواب سے زیادہ اس کا اجر بیان کروں۔ میں نے عرض کیا جی مولا تب حضرتؑ نے فرمایا۔ جو شخص مرثیہ حسینؑ میں ایک شعر کہے روئے اور رلائے حق تعالیٰ اس کے لیے بہشت واجب قرار دیتا ہے اور اس کے گناہ بخش دیتا ہے۔

شاعر ابو عمارہ سے روایت ہے کہ جس وقت حضرت امام جعفر صادقؑ کے سامنے ذکر حسینؑ ہوتا تھا تو آپ کو شام تک کوئی ہنستے نہ دیکھتا تھا۔ خصائص حسینہ میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں جعفر بن عفان، عباداللہ بن غالب، ابو ہارون اور ملفوف وغیرہ مرثیہ پڑھتے تھے۔ حضرت اس بات کا اہتمام فرماتے تھے کہ اہل حرم بھی سنیں۔ جب مرثیہ پڑھا جاتا تھا تو پس پردہ سے یا ابتاہ کی صدائیں آتی تھیں۔

ناسخ التواریخ کے موافق امیر سیف الملک اور قاضی موتمن حضرت امام حسینؑ کی مرقد منورہ کی زیارت کرتے تھے۔ مجلس کا اہتمام ہوتا، داہنے بائیں قاضی ہوتے تھے۔ مرثیہ خوان ایک دوسرے کے بعد پڑھتے تھے اور لوگ مرثیہ سن کر گریہ کرتے تھے۔ اس کے بعد دسترخوان بچھایا جاتا تھا۔ زوال کے وقت لوگ گریہ وزاری کیا کرتے تھے۔ اس وقت دکاندار اپنی دکانیں بند رکھتے تھے۔

دعبل خزاعی کا مرثیہ

بحارالانوار میں دعبل خزاعی سے روایت ہے کہ میں حضرت امام رضاؑ کی خدمت میں عشرہ محرم میں حاضر ہوا اس وقت حضرت بہت غمگین تھے اور آپ کے اصحاب آپ کے گرد جمع تھے۔ حضرت نے مجھے دیکھ کر فرمایا۔ "اے دعبل مرحبا! اے دست و زبان سے ہماری مدد کرنے والے مرحبا۔ پھر مجھے اپنی مجلس میں کشادہ جگہ مرحمت فرمائی اور اپنے پہلو میں بیٹھا کر فرمایا! اے دعبل میری خواہش ہے کہ تم کچھ اشعار پڑھو کیونکہ یہ دن اہل بیت کے لیے غم کے ہیں اور ہمارے دشمنوں خصوصاً بنی امیہ کے لیے مسرت کے ہیں۔ اے دعبل جو بھی ہماری مصیبت پر روئے اور رلائے چاہے ایک ہی شخص کو رلائے اس کا اجر و ثواب پروردگار عالم پر ہے۔ اے دعبل جس کی آنکھ سے ہماری مصیبت پر آنسو بہیں حق تعالیٰ اسے ہمارے گروہ میں محشور کرے گا۔ اے دعبل جو شخص ہمارے بزرگوار حضرت امام حسینؑ پر گریہ کرے گا خداوند عالم اس کے گناہ ضرور بخشے گا۔

دعبل کہتے ہیں اس کے بعد حضرت نے ایک پردہ باندھا اور مخدرات عصمت و طہارت کو پس پردہ بیٹھایا تاکہ حضرت امام حسینؑ کے مصائب پر گریہ کریں۔ پھر مجھ سے فرمایا۔ "اے دعبل تم حضرت امام حسینؑ کا مرثیہ پڑھو کیوں کہ تم ہمارے مداح و مددگار ہو۔ جب تک تم زندہ ہو ہماری نصرت میں کمی نہ کرنا۔ دعبل کہتے ہیں یہ سن کر میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے پھر میں نے یہ اشعار خدمت امام میں پیش کیے۔

"اے فاطمہؑ اگر آپ حضرت امام حسینؑ کو فرات کے کنارے پیاسا قتل ہوتے دیکھتیں تو آپ اپنا منہ پیٹتیں اور اس قدر گریہ کرتیں کہ آپ کے رخسار اشکوں سے تر ہو جاتے، اے دختر خیر البشر فاطمہؑ اٹھئے اور نوحہ کیجئے کہ آسمان کے ستارے خاک صحرا پر پڑے ہیں۔ اہل بیت اطہار کی تمام قبریں ایک دوسرے سے متفرق ہیں کوئی کوفہ میں، کوئی مدینہ میں اور کوئی مقام طف یعنی کربلا میں۔ ان میں سے کئی قبریں کربلا میں دریا کے کنارے ہیں، ان کے مزارات دریائے فرات کے کنارے ہیں۔ جو بزرگ لب فرات شہید ہوئے کاش کہ میں ان سے پہلے مرجاتا۔ ذکر شہیدان حق پر جو لوگ مجھے جام ذلت پلاتے ہیں میں اس کی تلخی کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں۔ ہم ان بزرگوں کا فخر کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ جناب رسالت مآبؐ، جبرائیل امین سورہ ہائے قرآن، صاحب مناقب علی و فاطمہ، حمزہ و عباس صاحبان دین و تقویٰ ہیں اور حضرت جعفر طیار جو بہشت میں پرواز کرتے ہیں۔ جب تک حجاج زیارت کعبہ سے اور جب تک قمریاں درختوں پر نوحہ خواں ہیں میں ان ہستیوں پر گریہ کرتا رہوں گا اے آنکھ ان پر آنسو بہا کہ یہ وقت گریہ و زاری کا ہے۔ افسوس کہ زیاد

کی بیٹیاں تو محلوں میں محفوظ تھیں اور آلِ رسولؐ بے پردہ تھی اولادِ زیاد تو بلند قلعوں میں اور آلِ رسول جنگلوں میں سرگرداں پھرائی گئی۔ رسول اللہ کا گھر ویران ہو گیا اور آلِ زیاد اپنے گھروں میں عیش کرتی رہی۔ رسول اللہ کی آل کو کمزور اور ضعیف کیا اور خود آلِ زیاد ظلم کر کے قوی بن گئی۔ آلِ رسول اللہ کے گلوں سے خون جاری ہے۔ آلِ زیاد بے فکر و بے خوف و خطر ہے۔ آلِ رسول کو اسیر کیا اور آلِ زیاد حجرہ نشین ہے۔ میں شہیدانِ کربلا پر اس وقت تک گریہ کروں گا جب تک سورج میں روشنی ہے۔ منادی کار خیر اور صلوٰۃ کے لیے ندا دیتا رہے گا اور جب تک سورج طلوع و غروب ہو میں ان پر صبح و شام روتا رہوں گا۔

مرثیہ ابن حماد

بحار الانوار میں ابن حماد کا یہ مرثیہ مرقوم ہے۔ ''شہدا کے مصائب نے میرے بدن کو ناتواں اور عیش و عشرت کو مکدر کر دیا۔ ہلال عاشور کے نمایاں ہوتے ہی میرے دل کے تمام رنج و الم تازہ ہو گئے اور میں گرفتار رنج و بلا ہو گیا۔ میں اپنے آقا حسینؑ کو یاد کرتا ہوں اور جو کچھ قوم نابکار سے ان پر رنج و الم گزرے۔ قسم بخدا میں امام مظلوم کا وہ کلام جو صحرائے کربلا میں آپ نے اپنے اہل بیت کے سامنے کیا نہیں بھولتا۔ آپ فرماتے تھے۔ ''اترو اس زمین پر کہ یہاں کی خوں خوار زمین میں خاک و خون میں تڑپوں گا اور زمین کربلا پر شربت موت تشنگی کے عالم میں پیوں گا۔ یہاں میرے جسم کے لہو سے غسل ہوگا۔'' افسوس صد افسوس کہ حضرت فریاد کرتے تھے کہ میرے کلام میں فکر کرو اے بدترین قوم تامل کرو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ میں رسول خداؐ کی بیٹی کا فرزند ہوں اور میرے والد گرامی حیدر کرار ہیں آپ نے دین کو مکمل کیا۔ کیا میں نے سنت نبوی اور شریعت محمدی کو مسخ کیا یا متغیر کیا ہے۔ یا میں نے دین خدا کو تبدیل کیا ہے۔ یا جسے رسول خداؐ نے حلال قرار دیا تھا اسے میں نے حرام قرار دیا ہے۔ ان ظالموں نے حضرت سے کہا ان باتوں کو جانے دیں ہم بہت جلد تمہیں موت کا جام پلائیں گے جیسا کے تمہارے باپ علی مرتضیٰؑ نے ہمارے بزرگوں کے ساتھ سلوک کیا تھا۔ ہم بھی اس کا انتقام لے کر اپنے سینوں کو تسکین دیں گے جو بغض و حسد سے بھرے ہیں۔ جب حضرت نے اپنے گھوڑے کی باگ خیمہ اہل بیت اطہار کی طرف پھیری اس وقت آپ کا دل غم و الم سے بھرا ہوا تھا۔ آپ آواز دیتے تھے اے میرے اہل بیت صبر کرو ان مصیبتوں پر جو میرے بعد تمہیں پہنچیں۔ میں بحالت مجبوری تم سے جدا ہو رہا ہوں نہ رنجیدہ ہو کر نہ تم سے ناراض ہو کر۔ پس اے میرے اہل بیت اٹھو اور جلد آؤ تا کہ آنسوؤں کے ساتھ تم کو وداع کروں اس وقت حضرت کے آنسو رخسار مبارک

سے جاری تھے۔ صبر جمیل اور پرہیز گاری مدنظر رکھو، پروردگار تمہیں بہت جلد جزائے خیر عطا فرمائے گا۔ یہ فرمانے کے بعد آپ اہل عناد کے مقابلہ پر آئے اور مثل شیر جری اس قوم پر حملہ کیا۔ قوم جفا کار نے آپ پر ہر طرف سے حملہ کیا اور آپ کو گھوڑے سے گرا دیا۔ آپ گھوڑے کی پشت سے زمین کربلا پر گرے، آپ کے گرنے سے دین خدا معطل ہوا، زلزلہ آیا اور آپ پر جنوں اور صحرا کے وحشی جانوروں نے اس وقت گریہ کیا اور آپ کا اسپ وفادار خیمہ اہل بیت کی طرف نوحہ کرتا ہوا روانہ ہوا جو تشنہ لب اور خاک و خوں آلودہ کی خبر شہادت دیتا تھا۔ اس وقت جناب فاطمہؑ کی بیٹیاں کھلے سر باہر نکل آئیں اور جب ذوالجناح کو خالی زین دیکھا اس وقت یہ مخدرات عصمت و طہارت اپنے رخساروں پر طمانچے مارتی تھیں اور سوزش غم سے آنسو بہاتی تھیں۔ ان کے علاوہ کوئی اور اس سوزش میں جلنے والا نہ تھا۔ مجھے زینبؑ سوختہ جگر کے نالے نہیں بھولتے جو بین و فریاد کر رہی تھیں۔ اے بھائی آپ ہمارے لیے ایک قلعہ کی طرح جائے پناہ تھے۔ میرے بھائی میری یہ آرزو تھی کہ میں آپ پر قربان ہو جاؤں گی۔ افسوس کہ میری یہ تمنا پوری نہ ہوئی، اے بھائی گروہ ولدنا جائز کے ہاتھوں آپ کی شہادت نے مجھے تباہ کر دیا اور کبھی نہ ختم ہونے والا غم ان لوگوں نے مجھے دیا کاش میں نابینا ہو جاتی اور آپ کی پیشانی اور روئے مبارک خاک و خوں آلودہ نہ دیکھتی۔ جناب زینبؑ حضرت فاطمہؑ سے مخاطب ہو کر فرماتی تھیں۔ اے مادر گرامی مہربان میرا استون محکم خم ہو گیا اور تزلزل میں آ گیا اے مادر گرامی آپ کے فرزند کو دشت کربلا میں ذبح کر دیا گیا اور ان کا بدن نازنین خاک و خوں میں غلطاں ہے۔ اے مادر مہربان نوحہ کیجئے کہ آپ کے فرزند کا سر نیزہ پر ہے۔ اور مثل ماہ تاباں چمکتا ہے اور نوحہ کیجئے حلق بریدہ پر جس کے چہرہ کا خضاب خون سے ہوا اور گریہ کیجئے رخسار و خاک و خوں آلودہ پر۔ نوحہ کیجئے اس جسم خاک آلودہ پر جس کو بنی سفیان کے گھوڑے زمین کربلا میں پامال کر رہے تھے اور نوحہ کیجئے جناب سید سجاد پر جن کو قیدی بنا کر اور طوق و زنجیر پہنا کر ناپاک لعین کے روبرو پیش کیا۔ رنج و غم ان کی مصیبت پر اس وقت تک ختم نہ ہوگا جب تک کہ ہم یہ دیکھیں کہ مہدی و ہادی صاحب العصرؑ مدد کو تشریف لائیں۔ یہ وہ امام ہیں جو دین خدا پوشیدہ ہونے کے بعد قائم رہیں گے۔ آپ کو خداوند عالم نے جو زمین و آسمان کا مالک ہے اس نے بزرگی عطا فرمائی ہے۔ اے آل طٰہٰ اے میری امید کے مرکز اور پناہ گاہ اور مددگار۔ اے اہل فخر و بزرگی قسم بخدا میں آپ کی مصیبتوں کو نہیں بھولتا، تمام رات مصیبت و بے قراری میں بسر کرتا ہوں۔ آپ کا رنج و غم مرتے دم تک میرے دل میں رہیگا۔ آپ کا یہ کم ترین غلام حزیں و غمگین ہے اور اس کو آپ پر بھروسہ اور اعتماد ہے۔ اے میرے سردار! یوم حساب میری شفاعت کرنا۔ روز قیامت جب

میں عرصہ محشر میں آؤں گا تو آپ کے سوا کسی سے امید شفاعت نہیں کروں گا۔ یہ وہ وقت ہوگا کہ مجھ سے میرے ماں باپ اور دوست فریاد کریں گے اور میں ان اعمالوں کو دیکھوں گا جو گزشتہ زمانہ میں بجالایا ہوں اور آپ روز قیامت حاضرین مجلس پر بھی احسان کیجئے اس لیے کہ آپ کی دوستی کے سبب ان کا مرتبہ بلند ہوا۔ اے آل محمد آپ پر سلام ہو، آپ زمانہ طویل تک قائم ہیں۔

امام شافعی کا نوحہ

میرا دل جتلائے آہ ہے کون ہے جو میرا پیغام حضرت امام حسینؑ تک پہنچائے حسینؑ کو بے گناہ ذبح کیا گیا اوران کا کرتہ خون سے رنگین ہوا یہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ رسول ہاشمیؐ پر صلوات بھیجی جائے اور ان کی اولاد سے جنگ کی جائے۔ جس غم نے میری نیند اڑادی اور میرے بالوں کو سفید کردیا وہ زمانہ کی شدید گردش اور مصائب ہیں یہ وہ مصائب ہیں جن کے سبب میرا غم بڑھ گیا ہے اور میرا دل غمگین ہوگیا، اس غم کے سبب میری آنکھوں کی نینداڑ گئی میں اس غم کے سبب جاگتا ہوں دنیا آل محمدؐ کے غم سے لرز گئی اور قریب ہے کہ سخت پہاڑ بھی اس شدت غم سے پگھل جائیں۔

بوصیری کا نوحہ

دونوں شہید جن کی یاد کنارہ فرات اور زمین کربلا سے ہمیشہ تازہ ہے، نہ رعایا نے ان کے بارے میں حقوق کا لحاظ کیا اور نہ حکام نے آپ کے عہد و پیمان کا پاس کیا۔ انہوں نے آپ کے قرابت داروں کی محبت کے بدلے میں کینہ و عداوت کو اختیار کیا۔ جس کے آثار نمایاں ہوگئے۔ ان کے دل سخت ہوگئے، ان لوگوں کے لیے جن پر زمین و آسمان تک نے گریہ کیا، جب تک میرے دم میں دم ہے روتا رہوں گا۔ اس لیے کہ ان کی مصیبت کے مقابلے میں گریہ بہت کم ہے۔ ہر دن ان کے غم میں مجھے روز عاشور اور ہر زمین زمین کربلا ہے، اے اہل بیت نبیؐ میرے دل سے کوئی چیز آپ کا خیال دور نہیں کرسکتی۔ سوائے اس کے کہ میں ان مظالم کو خدا کے سپرد کروں اور اس کے بعد بری الذمہ ہو جاؤں۔ کتنے مجرم ہیں کہ زمین کربلا کی زیارت ان کے گناہوں میں تخفیف کردیتی ہے۔ اے اہل بیت نبی آپ پاکیزہ ہیں اور آپ کی شان میں مدح نظم ہو اور مرثیہ کہا جائے وہ بھی پاکیزہ ہے۔ میں آپ کی مدح میں حسان کا درجہ رکھتا ہوں اور جب نوحہ پڑھنے لگوں تو خنسا (مشہور مرثیہ گوشاعر) ہوں آپ نے دنیا پر تقویٰ و پرہیزگاری کے ذریعے سے حکومت کی جبکہ آپ کے

سو اودسرے لوگوں نے سنہرے روپہلے سکوں سے اپنی حکومت قائم کی۔

علامہ شہاب الدین احمد بن عبدالقادر بن بکری العجیلی الحنفظی الشافعی اپنی کتاب ذخیرۃ المال فی شرح عقد جواہر الالال میں تحریر فرماتے ہیں۔ خدا بھلا کرے بوصیری کا جنہوں نے حضرت امام حسینؑ کے مرثیہ میں کیا خوب کہا ہے اور میں بھی یہی کہتا ہوں کہ اے اہل بیت نبی آپ پاکیزہ اور آپ کی شان میں جو مدح نظم ہو اور مرثیہ کہا جائے وہ بھی پاکیزہ ہے میں آپ کی مدح میں حسان کا درجہ رکھتا ہوں اور جب نوحہ پڑھنے لگوں تو خنسا ہوں اور حقیقت تو یہ ہے۔ کہ جو شخص اس مصیبت عظمیٰ پر نہ روئے اس کو چاہیئے کہ اپنے کو بہ تکلف رونے والا بنائے۔ یہ کیونکر نہ ہو اس لیے کہ اس مصیبت کی وجہ سے رسول اللہؐ روئے، اے شخص جب تک کہ دم میں دم ہے تو بھی روتا رہ اس لیے کہ اس مصیبت کے مقابلے میں رونا بہت کم چیز ہے اور یہ گریہ وزاری کرنا صرف روز عاشور یا زمین کربلا ہی کے لیے مخصوص نہیں ہے۔ جیسا کہ علامہ کبیر بوصیری نے کہا ہے کہ ہر دن ان کے غم میں مجھے عاشورا اور ہر زمین کربلا ہے یعنی برابر روتا رہتا ہوں۔

عبداللہ ابن غالب اور ابو ہارون کے اشعار

بعد واقعہ کربلا اکثر شعرا خدمت آئمہ اہل بیت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور شہیدان کربلا کو نذرانہ عقیدت پیش کرتے تھے۔ ابن قولویہ نے کتاب کامل الزیارت میں عبداللہ ابن غالب سے روایت کی ہے کہ ایک دن میں حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور چند اشعار حضرت امام حسینؑ کے مرثیہ میں پڑھے اثنائے مرثیہ میں نے سنا کہ ایک عورت نے حرم حضرت سے صدائے گریہ بلند کی اور فرمایا۔ یا ابتاہ یعنی اے پدر بزرگوار۔ کتاب کامل الزیارت میں ابو ہارون سے روایت ہے کہ ایک دن میں حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ اے ابو ہارون کوئی شعر حضرت امام حسینؑ کے مرثیہ کا پڑھو۔ جب میں نے پڑھنا شروع کیا تو حضرت نے ارشاد فرمایا۔ اس طرح نہ پڑھو بلکہ جس طرح اپنی مجلس میں اور حضرت کی قبر مطہر پر پڑھتے ہو اسی طرح پڑھو تب میں نے یہ شعر پڑھا۔ یعنی گزر کر قبر حسینؑ پر اور عرض کر ان کے جسد پاک و پاکیزہ سے۔ یہ شعر سن کر حضرت بہت روئے میں خاموش رہا۔ حضرت نے مجھ سے فرمایا مصیبت حسینؑ کو اور زیادہ بیان کرو۔ تب میں نے اس بیت کو پڑھا۔ یعنی اے مریم مادر عیسیٰؑ اپنی قبر سے اٹھئے اور اپنے سید مولا پر نوحہ اور ندبہ کیجئے اور ماتم حسینؑ مظلوم میں گریہ وزاری کیجئے۔ راوی کہتا ہے یہ بیت سن کر حضرت بہت روئے اور مخدرات عصمت وطہارت نے پس پردہ سے صدائے گریہ وزاری بلند کی۔

حضرت امام حسینؑ پر پہلا مرثیہ

شہادت حضرت امام حسینؑ کے بعد سے تاحال مختلف زبانوں میں اشعار و مرثیے لکھے گئے۔ عربی شاعری میں پہلا مرثیہ جو منظر عام پر آیا۔ عقبہ بن عمرو سہمی کا ہے۔ امالی میں شیخ مفید علیہ الرحمہ نے ابراہیم بن راحہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے حال میں سب سے پہلا مرثیہ عقبہ بن عمرو سہمی نے کہا۔ (اس کا اردو متن یہ ہے) اگر زندگی میں آنکھوں کو ٹھنڈک میسر ہو۔ لیکن اے آل رسول اگر آپ ستائے جائیں تو ان آنکھوں میں ٹھنڈک کے بجائے اندھیرا چھا جاتا ہے۔ جب میں کربلا میں قبر حضرت امام حسینؑ کی طرف سے گزرا تو میری آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب رواں ہوا اب میں ہمیشہ ان کا مرثیہ پڑھوں گا اور گریہ کرتا رہوں گا۔ میری آنکھ اشکوں کو روانی دینے میں معاون رہے گی۔ حضرت امام حسینؑ پر گریہ کرنے کے بعد اس جماعت پر گریہ کروں گا جن کی قبریں حضرت امام حسینؑ کی قبر اطہر کے دونوں جانب ہیں۔ میرا اسلام ہو کربلا کے اہل قبور پر اور میرا اسلام ان تک پہنچے جو ان کے مراتب کے اعتبار سے بہت کم ہے۔ میرا اسلام ان تک شام وسحر باد مخالف اور غبار اڑانے والی ہوا پہنچاتی ہے۔ اس قبر پر ہمیشہ زائرین کا اجتماع رہے گا اور وہ اس پر مشک وعنبر چھڑکتے رہیں گے۔

مدینہ میں اہل بیت کی واپسی پر ہر گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ ہر سمت سے یاحسینؑ کی صدائیں بلند تھیں۔ ابومخنف نے لکھا ہے کہ عقبہ بن عروہ نے حضرت امام حسینؑ پر یہ مرثیہ پڑھا۔ ''جب میں کربلا میں حضرت امام حسینؑ کی قبر پر گیا تو بہت آہ وزاری کی۔ میں حضرت کی مصیبت پر نوحہ پڑھ رہا ہوں اور یہ مصیبت وہ ہے کہ جس پر میں ہمیشہ روتا رہوں گا۔ میری آنکھیں، میرے آنسوؤں اور نالہ وفریاد کا ساتھ دے رہی ہیں۔ اے میری آنکھ حسینؑ اور ان کے گرد قبروں میں مدفون شہداء پر اشک بہا میرا اسلام ہو کربلا میں دفن ہونے والوں پر میرا اسلام ہو ان قبروں کے زائرین پر یہ اپنے نفس کو اس بات پر آمادہ کر کے کھانا پینا چھوڑ دیں کیونکہ ان کے ناصر وحامی رخصت ہو گے جو لوگ دنیا سے چلے گئے ہیں۔ ان میں سے عظیم ہستی حضرت امام حسینؑ کی ہے کہ ہم ان کی قبر کی زیارت کرتے ہیں۔ وہ حسینؑ جو تمام لوگوں کے امیر ہیں اور ان کے پدر بزرگوار بھی۔ اے دشمنان حسینؑ تم حسینؑ کے قتل پر جمع ہو کر خوش ہو رہے ہو۔ تم سب جلد ہی جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالے جاؤ گے۔ حسینؑ کی قبر سے مشک وعنبر کی خوشبو آتی رہے گی اور حضرت کی قبر مطہر کی زیارت کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔

باب:۱۲

روضوں کی تعمیر وتزئین

روضوں کی تعمیر اوران کی تزین کا سلسلہ نہایت احترام وخلوص سے شروع ہوا۔ سب سے پہلے جناب محمد ابن ابراہیم بن مالک اشترؒ نے حضرت امام حسینؑ کی قبر اطہر پر ایک حجرا تعمیر کرایا۔ لیکن حالات کی ستم ظریفی کہ وہ حجرہ اور نشان قبر مطہر تھوڑے عرصہ بعد مٹادیا گیا۔ اس کے بعد اہل بیت کے عقیدت مندوں نے ایک بیری کا درخت لگا کر حضرت امام حسینؑ کی قبر منور کا نشان باقی رکھا، یہ واقعہ پہلی سن ہجری کا ہے۔ عباسی خلیفہ ہارون رشید نے اپنے دور حکومت میں وہ بیری کا درخت کٹوا کر قبر مطہر پر ہل چلوادیے۔ جہاں مومنین نے ایک مخفی نشان قبر بنادیا۔ علامہ شیخ علی قرنی کا بیان ہے کہ اس درخت کے کٹوانے سے عوام الناس میں کافی ناراضگی پیدا ہوئی۔ جیسا کہ یحیٰی بن مغتر کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اسی کے زمانے میں جب بیری کا درخت ہارون رشید نے کٹوایا، ایک شخص عراق سے آیا، جب اس سے حالات دریافت کیے تو اس نے بتایا۔ ہارون رشید نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے نشان قبر کو مٹانے کی غرض سے اس بیری کے درخت کو کٹوایا ہے۔ یہ خبر سن کر ایک شخص جس کا نام جریر تھا جو یہاں بیٹھا تھا۔ اس نے با آواز بلند اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور کہا جناب رسول اللہؐ نے ایک دن اپنے خطبہ میں تین بار فرمایا تھا۔ **لعنت اللہ قاطع السدرة** ۔ ''خدا بیری کے درخت کاٹنے والے پر لعنت کرے۔'' اس وقت اصحاب اس جملے کا مطلب نہ سمجھے لیکن اب معلوم ہوا کہ یہ بیری کا درخت اس زمانے میں کاٹنے والے پر لعنت کی تھی۔

بعض روایات کے مطابق ۲۳۶، ۲۳۷ ہجری میں متوکل عباسی نے اپنے دور حکومت میں دیرج نامی یہودی کو قبر حضرت امام حسینؑ کے نشان کو مٹانے کے لیے آمادہ کیا اور یہاں حل چلوائے اور نہر فرات بھی کاٹ کر قبر مطہر حضرت امام حسینؑ کو ختم کرنا چاہا۔ لیکن عظمت امام عالی مقام کی قبر کے معجزات کے ظہور کے پیش نظر دیرج نے اس گستاخانہ فعل کو بجالانے سے گریز کیا۔ متوکل نے قبر مطہر حضرت امام حسینؑ کو کھدوانے کی کوشش کی لیکن اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب نہ ہوا۔

اسی زمانے میں زائرین کرام پر طرح طرح کے ظلم روا کیے گئے اور سخت سزائیں تجویز کی گئیں۔ متوکل کی سرپرستی میں حاکم کوفہ موسیٰ بن ہارون نے ہزاروں زائرین کو شہید کیا۔ اس کے باوجود زیارت کا سلسلہ قائم

رہا۔ قبر انور کو مٹانے کی کئی بار کوشش کی گئی۔ یہاں تک کہ ۲۴۷ ہجری میں مستنصر باللہ نے اپنے باپ متوکل کو قتل کر دیا، حکمرانوں کے آپس کے خلفشار کے سبب کچھ عرصہ کے لیے ظالمانہ رویہ ختم گیا اور روضوں کی تعمیر و تزئین پر جانثاران حسینؑ نے توجہ فرمائی۔

۲۴۷ ہجری میں متوکل اپنے بیٹے مستنصر باللہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ متوکل کی موت کے بعد حکمرانوں میں آپس کی خلفشار کے سبب کچھ عرصہ کے لیے محبان اہل بیت کو ظالمانہ رویوں سے نجات ملی۔ روضہ اقدس پر زائرین نے نشان قبر کی طرف توجہ دی۔ یہاں تک کہ ۳۵۲ ہجری میں معز الدولہ نے عزائے سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی عام اجازت دی۔ اسی دور میں حضرت کے نوحہ و ماتم اور عزائے حسینؑ کو کافی فروغ حاصل ہوا۔ ایام عزا میں بازار بند رہنے لگے۔ یہ سلسلہ حکومت آل ایوب تک فروغ پاتا رہا۔ بعد میں آل ایوب نے سیرت مروانی کی پیروی کرتے ہوئے عزائے حسینی پر دوبارہ سخت پابندیاں عائد کیں۔ معز الدولہ رکن الدولہ اور عضد الدولہ نے روضوں کی از سر نو تعمیر کی اور ان کی تزئین و آرائش پر توجہ دی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے نام سے خزانہ کا قیام عمل میں آیا اور مومنین نے کربلا معلیٰ کی مجاورت اختیار کی۔ بنی ہاشم میں سب سے پہلے اولاد جناب عباسؑ اور اولاد حضرت امام موسیٰ کاظمؑ اور اولاد جناب جعفر طیارؑ نے کربلا کی مجاورت اختیار کی۔ زائرین کرام کی دور دور سے آمد کا سلسلہ شروع ہوا تو کربلا کی سر زمین جو غیر آباد تھی، یہاں کی آبادی میں روز بروز اضافہ ہونے لگا اور ایام عزا میں روضہ مقدسہ کروڑوں زائرین کی آمد سے مرجع خلائق نظر آتے ہیں۔

جب دشمنان اہل بیت نے کربلا پر فوج کشی کی تو سیف الدولہ نے حلہ سے فوج بھیج کر مفسدوں کو قتل کیا۔ ۵۲۸ ہجری میں مسترشد خلیفہ عباسی کربلا کا خزانہ جو حضرت امام حسینؑ کے نام سے منسوب تھا اسے لوٹ لیا اور اسے لشکر میں بانٹ دیا۔ بعد میں مسترشد مع اپنے بیٹے کے واپسی پر قتل ہوا۔

سلطان محمد خدابندہ نے اپنے دور میں خداموں کے وظائف مقرر کیے۔ اس کے بعد ۷۹۵ ہجری میں سلطان احمد والی عراق نے عراق میں لوٹ مار شروع کی تو امیر تیمور نے اپنی فوج کے ذریعے والی عراق کو شکست دے کر لوٹا ہوا مال واپس لیا۔ حالات نے ۹۱۴ ہجری میں رخ بدلا اور شاہ اسماعیل صفوی نے نہایت عقیدت سے روضہ منور حضرت امام حسین علیہ السلام اور روضہ انور حضرت عباس علیہ السلام کی تعمیر و تزئین کی اور یہاں طلائی قندیلیں آویزاں کیں۔ ساتھ ہی ضریحیں بنوائیں اور ۹۵۷ ہجری میں نہر کربلا معلیٰ کی تعمیر کی۔ شاہ طہماسپ نے ۱۰۳۲ ہجری میں حضرت عباسؑ کے روضہ اقدس پر گنبد مطہر کی کاشی کاری کرائی،

صندوق قبر پر ضریح مبارک رکھی، صحن وایوان تعمیر کرائے۔ پہلے دروازے کے سامنے مہمان سرا تعمیر کرایا، اور ہاتھ سے بنے ہوئے قالینوں سے فرش کو مزین کیا۔

۱۱۵۵ھ ہجری میں نادر شاہ نے گراں قیمت ہدیے حرم مطہر کے لیے ارسال کیے اور حرم کی آئینہ بندی کی اس کے بعد ۱۱۵۷ھ ہجری میں نادر شاہ کا وزیر مشرف ہوا تو اس نے حضرت عباسؑ کے صندوق قبر کو تبدیل کرایا اور ایوان تعمیر کرائے، روشنی کے لیے شمع آویزاں کرائی جس سے حرم بقعہ نور ہو گیا۔ ۱۲۱۶ھ ہجری میں جب دشمنان اہل بیت نے کربلا معلی کو لوٹا تو حرم امام حسینؑ اور حرم حضرت عباسؑ میں جو کچھ تھا اس کو بھی لے گئے۔ حرم کی تعمیر جدید کے لیے فتح علی شاہ نے سونے کے ٹکڑوں سے حرم امام حسینؑ کے گنبد مبارک کو مزین کیا اور حضرت عباسؑ کے حرم کو کاشی و مینہ کاری سے آراستہ کیا، قبلہ کی طرف ایوان بنوائے اور نہایت نفیس لکڑی سے تعویز قبر حضرت امام حسینؑ بنوائی اور چاندی کی ضریح نصب کی۔

وقت گزرنے کے ساتھ حالات بدلتے رہے اور دشمنان اہل بیت کو جب بھی موقع ملا سادات کشی کی اور محبان اہل بیت پر ظلم وجور روا رکھا۔ عبدالوہاب نجدی نے کربلا معلی پر حملہ کر کے ضریح اقدس کو توڑ دیا اور قتل عام شروع کیا۔ جب یہ خبر عام ہوئی تو سلطان روم اور خدیو مصر نے اپنی افواج روانہ کیں اور عبدالوہاب نجدی کو شکست دی۔ اس کے بعد ۱۲۶۳ھ ہجری میں سید العلماء علیین جناب سید حسین علیہ الرحمہ نے ایک لاکھ پچاس ہزار کی رقم (جو آج کے اربوں روپے کے مساوی بنتی ہے) آقائے شیخ محمد حسن نجفی علیہ الرحملہ جو مصنف جواہر الکلام ہیں کو بھیج کر نہر آصفی تعمیر کرائی اور دیوار نجف اشرف دوبارہ تعمیر کرائی۔ پندرہ ہزار کی گراں قدر رقم بھیج کر روضہ حضرت مسلم وحضرت ہانی کی تعمیرات میں حصہ لیا اور نجف اشرف میں قناتی کنوئیں بنوائے اور مبلغ تیس ہزار حجۃ الاسلام آقائے سید ابراہیم قزوینی کو بھیجے۔ مزید تعمیر ایوان طلائی حضرت عباسؑ کے لیے ایک لاکھ پچاس ہزار واسطے تعمیر نہر حسینی کے مختص کیے۔ مختلف ادوار میں روضوں کی تزئین وتعمیر کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ ۱۲۸۲ھ ہجری میں ناصر الدین شاہ قاچار خدا رحمت نازل کرے نے روضہ اقدس کی مزید تزئین اور آرائش کی ۱۲۹۵ھ ہجری میں در قبلہ حضرت امام حسین علیہ السلام پر سونا چڑھایا اور روضہ کی معماروں سے درستگی کرائی، کانسی کی اینٹیں لگائی گئیں اور آئینہ بندی کی گئی۔ علامہ عبدالرزاق موسوی کی روایت کے مطابق شاہ طہماسب نے حضرت عباسؑ کے قبر مبارکہ کو کاشانی اینٹوں سے زینت دی اور قبر منور کے صندوق پر جالیاں بنوائیں، رواق اور صحن کو درست کرایا اور بچھانے کے لیے فرش بھیجے۔ نادر شاہ درانی نے روضہ منور کے لیے تحائف بھیجے اور بلور (صاف وشفاف پتھر کی ایک قسم) سے آرائش وتعمیر کے کام انجام پائے۔

۱۲۳۶ھ ہجری میں محمد شاہ قاچار نے حضرت عباس علمدار علیہ السلام کی ضریح مبارک کی جالیاں چاندی کی بنوائیں، ۱۲۵۹ھ ہجری میں شاہ اودھ محمد علی شاہ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے حرم مبارک کا قبہ تعمیر کرایا۔ اسی صدی میں حاجی شکر اللہ بن بدل بک انشاری نے اپنا تمام مال لگا کر ایوان ابوالفضل پر باہتمام فخر المجتہدین شیخ زین العابدین مازندرانی سونا چڑھوایا۔ اسی صدی میں نصیر الدولہ نے حضرت عباسؑ کے مینار پر سونا چڑھایا۔ حاکم اودھ شاہ ہندی نے روضہ جناب عباسؑ کے سامنے دروازے کے ایوان طلائی درست کرایا اور سلطان عبدالحمید کے حکم سے رواق بہترین لکڑی کی چھت کے ساتھ بنوایا۔ محمد صادق اصفہانی وشیرازی الاصل نے دوبارہ گنبد کی کاشی کاری و مینا کاری کرائی، موجودہ صحن اسی وقت کا ہے۔ زیادہ تر وسعت مغربی سمت تھی، خود صادق اصفہانی مرحوم علیہ الرحمہ جو قبلہ کی طرف والے دروازے کے پہلو میں دفن ہیں۔ ایوان طلا کے مقابل چاندی کا در ہے وہ حرم مطہر کے خادم مرحوم سید مرتضی نے ۱۳۵۵ھ ہجری میں بنوایا تھا۔ اسی ایوان طلا میں استاد سخن شیخ محمد علی یعقوبی کا قصیدہ کندہ ہے۔ جب نصیر الدولہ نے منارہ جناب ابوالفضل عباسؑ پر طلا کاری کرائی تو جو معمار کام پر مامور تھا۔ اس نے سونے میں ملاوٹ کر دی۔ جب یہ خبر عام ہوئی تو اس کو بغداد سے کربلا لایا گیا اور جب یہ حرم میں داخل ہوا تو یہ اس قدر بے چین ہوا کہ حالت بگڑنے لگی اور اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ دوسرے دن ہلاک ہو گیا۔ جناب عباس علمدار باب الحوائج ہیں۔ آپ کا روضہ مبارک اپنی شوکت روحانی کے سبب انفرادیت کا حامل ہے۔ اس کا وسیع وعریض حرم آپ کے وسیع القلبی اور وفائے بے کراں پر شاہد ہے۔ صاحب اقلیم سخن میر انیس اعلی اللہ مقامہٗ نے حضرت عباس علمدار علیہ السلام کے روضہ منور کی منظر کشی ان اشعار میں فرمائی ہے۔

کیا انس ہے کیا عشق ہے کیا پیار ہے کیا چاہ — مر کر بھی ہیں پروانۂ شمع لحد شاہ
جب قافلہ نزدیک پہنچتا ہے تو ناگاہ — عباسؑ کو ہوتا ہے یہ حکم شہ ذی جاہ
آج آتے ہیں غم خوار شہنشاہ امم کے
لاؤ میرے زوّاروں کو سائے میں علم کے

تربت سے نکل آتا ہے یوں عاشق شبیرؑ — کاندھے پہ محمدؐ کا علم ہاتھ میں شمشیر
حیرت سے ملک دیکھتے ہیں چاندسی تصویر — ہوتے ہیں جلو میں شہداء صاحب توقیر
واں رحمتِ خالق کی طرح آتے ہیں عباسؑ
کس دھوم سے زوّاروں کو لے جاتے ہیں عباسؑ

روضے ہیں کہ دو عرش زمیں پر ہیں نمودار
اُردو ہے ادھر شہ کا اُدھر آپ کا بازار
دربار یہ حضرت کا وہ عباسؑ کی سرکار
دونوں در رحمت ہیں جدھر رخ کرے زوار

دل کھل گئے پہونچے جو رواقِ شہِ دیں میں
فردوس سے نکلے تو چلے خلد بریں میں

یاں زحمت غربت ہے وہاں دبدبہ و جاہ
روضے پہ ہے یہ رعب کہ العظمۃ للہ
شیروں کا یہ نقشہ ہے کہ بن جاتے ہیں روباہ
سر رکھتے ہیں چوکھٹ پہ فقیروں کی طرح شاہ

بے اذن بشر کیا کہ ملک جا نہیں سکتا
جھوٹی کوئی روضے پہ قسم کھا نہیں سکتا

رشکِ درِ فردوس ہے وہ روضہ پر نور
پہونچے نہ کبھی جس کی بلندی کو سر طور
دروازۂ رحمت وہ ملائک میں ہے مشہور
زنجیر ہے یا سلسلہ زلف سرِ حور

رضواں کی طرح خادم درگاہ کھڑے ہیں
کیلیں نہیں اس در پہ ستارے سے جڑے ہیں

ساتوں فلک اس در کی بلندی سے ہیں ششدر
زیبا ہے اسے کہئے اگر عرش منور
کرتے ہیں طواف اس کا ملک فخر سمجھ کر
حقا کہ در خانہ ایماں ہے وہی گھر

کس در کے لیے خلق ہیں یہ عزو شرف ہے
دنیا میں جواب اس کا اگر ہے تو نجف ہے

شبیر کے زوّاروں کی الفت کا جو ہے جوش
دروازہ بھی ہے شوق میں کھولے ہوئے آغوش
ہے ذات علمدارؑ عطا پاش و خطا پوش
روتے ہیں جو زائر تو ملک کہتے ہیں خاموش

یہ کون سی جا ہے رہے دھیان ادب کا
آرام میں ہے لعل شہنشاہِ عرب کا

دریا کی طرح صحنِ مقدس ہے کشادہ
روشن ہے زمیں وادیٔ ایمن سے زیادہ
دیندار کریں کیوں نہ زیارت کا ارادہ
مل جاتا ہے واں سے درِ فردوس کا جادہ

ہاتھ آیا شرف جب قدم اس فرش پہ پہنچا
کرسی پہ رکھا پاؤں تو سر عرش پہ پہنچا

اس گنبد آبی کی زہے آب زہے تاب ہوتے دل پژدہ جسے دیکھ کے شاداب
کیا سطوتِ شاہانہ ہے کیا رعب ہے کیا داب جھک جھک کے مَلک کرتے ہیں سجدہ بصد آداب

یہ قصرِ فلک قالب افتادہ ہے اس کا
کہتے ہیں جسے کاہ کشاں جادہ ہے اس کا

ضو دیتا ہے کیا قبۂ ایوانِ عملدار ہے مہبط انوار خدا ہر در و دیوار
شمسے پہ نظر کرتا ہے جب گنبدِ دوّار گر پڑتی ہے بالائے زمیں مہر کی دستار

ہو جاتا ہے دھوکا فلک نیلو فری پر
فیروزے کا ہے ایک نگیں تاج زری پر

رتبہ میں ہے وہ سقف کہیں چرخ سے عالی پایا نہ لطافت سے کسی طاق کو خالی
بے حسن نہ دیکھا کوئی روزن کوئی جالی معمار نے بھی اس کی بنا نور کی ڈالی

منہ ملتا ہے خورشید ہر اک خشت پہ آکر
گچ واں کی بنائی ہے ستاروں کو ملا کر

فولادی ضریح ایک جو مرقد پہ دھری ہے ہے نور کا گھر بوئے بہشت اس میں بھری ہے
حلقوں میں ستاروں کی طرح جلوہ گری ہے جو اس کا شکیہ ہے وہ اکِ چشم پری ہے

ہے زانوئے حور اس کے رخ پاک کے نیچے
سوتا ہے زرہ پوش جواں خاک کے نیچے

محروم پھرا واں سے نہ جا کر کوئی مخلوق پاتے ہیں شفا کو روشل و ابرص و مدقوق
اس طرح بہم ہے وہ ضریح اور وہ صندوق آغوش میں عاشق کے ہو جس طرح سے معشوق

رحمت کا سفینہ اسے کہیے تو بجا ہے
تابوتِ سکینہ اسے کہیے تو بجا ہے

کرتے ہیں طواف اس کا سدا فخر سے افلاک تابوت نہیں عرش بریں ہے بسرِ خاک
پلکوں سے مَلک جھاڑتے ہیں واں خس و خاشاک روضہ ہے اگر رحل تو قرآں لحد پاک

کیا قدرِ ارم جب یہ مکیں اس میں نہیں ہے
خاتم تو ہے نادر پہ نگیں اس میں نہیں ہے

قندیلوں میں ہے روضۂ اقدس کے عجب نور | پروانہ ہے شمعوں پہ تجلی ہے سر طور
رنگِ رخ مہتاب فلک ہوتا ہے کافور | ہو جاتا ہے خورشید فلک شام سے مستور

بخشے ہیں خدا نے دل بیدار ذروں کو
حوریں ہیں کہ غرفوں سے نکالے ہیں سروں کو

قندیلوں میں خاکے ہیں کہ پھولا ہوا گلشن | خاکے ہیں کہ بر میں مہ کنعاں کی ہے جوشن
نور اس میں ہے یوں جیسے میں جیسے دل روشن | جلوے سے ہے ظاہر کہ تجلی کا ہے مسکن

ہر وقت نیا حسن نئی جلوہ گری ہے
کھنچنے میں ہے طاؤس اُبھرنے میں پری ہے

عباسؑ علمدار کی درگاہ کے صدقے | شوکت کے تصدق حشم و جاہ کے صدقے
کیا شیر ہے ابن اسد اللہ کے صدقے | جس راہ سے سب جاتے ہیں اس راہ کے صدقے

بھلے نہ بہشت اور نہ رخ حور دکھا دے
اللہ ان آنکھوں کو وہی نور دکھا دے

روضہ جناب عباسؑ کے خدام

مقدس مقامات کے لیے خدام کا ہونا ضروری ہے تاکہ انتظامات حسن وخوبی سے انجام پائیں اور تحائف ونذرانے محفوظ ہاتھوں میں پہنچیں۔ محافظت کا یہ شرف نہایت باعظمت اور صاحبان تقویٰ کو حاصل ہوتا ہے۔ حرم قمر بنی ہاشم کی خدمت گزاری شریف ومحترم نسل میں عرصہ دراز سے جاری ہے۔ یہ سعادت سید مصطفےٰ علیہ الرحمۃ کے بعد آپ کے فرزند سید مرتضیٰ علیہ الرحمہ تک پہنچی جو نہایت اعلیٰ ظرف اور متقی عالم تھے۔ سید مرتضیٰ نے حرم کی زیارت وزیبائش کے لیے اپنی خدمات نہایت اچھے انداز میں انجام دیں۔ سید مرتضیٰ علیہ الرحمہ کے بعد آپ کے فرزند ارجمند سید محمد حسن تک یہ سعادت پہنچی۔

وہ عظیم المرتبت خدام جنہیں حضرت عباس علمدار علیہ السلام کے روضہ اقدس پر خدمت کا شرف حاصل ہوا ان کے اسمائے گرامی علامہ عبدالرزاق موسوی نے اپنی کتاب قمر بنی ہاشم میں تحریر فرمائے ہیں۔

۱......	جناب محمد بن نعمت اللہ	۱۰۲۵ء	تا	۱۰۹۱ء
۲......	جناب شیخ حمزہ	۱۰۹۱ء	تا	۱۱۰۸ء

۳......	جناب شیخ احمد	۱۱۰۸	تا	۱۱۷۸ء
۴......	جناب شیخ عبدالرسول	۱۱۸۷ء	تا	۱۲۲۲ء
۵......	جناب عبدالجلیل	۱۲۲۲ء	تا	۱۲۲۳ء
۶......	جناب سید محمد علی بن درویش	۱۲۲۳ء	تا	۱۲۲۹ء
۷......	جناب سید ثابت علی ابن درویش	۱۲۲۹ء	تا	۱۲۳۸ء

۸...... جناب سید وہاب ابن سید محمد علی حضرت امام حسینؑ کے روضے اور جناب عباسؑ کے روضے کے خادم کے شرف سے مزین تھے۔

۹......	جناب سید محمد بن جعفر بن مصطفیٰ	۱۲۵۰ء	تا	۱۲۵۱ء
۱۰......	جناب سید حسین بن حسن بن محمد	۱۲۵۱ء	تا	۱۲۶۵ء
۱۱......	جناب سید سعید بن ثابت	۱۲۶۵ء	تا	......
۱۲......	جناب سید حسین عرف نائب التوالیہ			
۱۳......	جناب سید حسین بن محمد بن مصطفیٰ	۱۲۸۶ء	تا	۱۲۸۸ء
۱۴......	جناب سید مصطفیٰ بنیرہ سید حسین	۱۲۸۹ء	تا	۱۲۹۷ء
۱۵......	جناب سید محمد مہدی بن محمد کاظم	۱۲۹۷ء	تا	۱۲۹۸ء
۱۶......	جناب سید مرتضیٰ بنیرہ سید مصطفیٰ	۱۲۹۸ء	تا	۱۳۵۷ء
۱۷......	جناب سید محمد حسن ابن سید مرتضیٰ	۱۳۵۷ء	تا	

جناب عباس علمدارؑ کے حرم مقدس میں وہ خوش نصیب علمائے اعلام جو مدفون ہیں ان میں سید محمد حسن کا انتقال ۱۳۵۵ھ ہجری میں بمقام زنجان ہوا۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے جنازہ کو کربلا لایا گیا۔ شیخ علی حائری صحن حرم میں دفن ہیں، شیخ علی زیدی جو شاگرد رشید تھے، عالم پارسا اردکانی کے حرم کے مقابل والے حجرے میں دفن ہیں، سید کاظم بہبانی شاگرد مرحوم آیت اللہ ہاشم قزوینی رواق میں دفن ہیں، علامہ سید عبدالکریم کشمیری شاگرد اردکانی جنوب شرقی سمت کے چوتھے کمرے میں دفن ہیں، شیخ ملا عباس مشہور بہ سیبویہ اور ان کے بھائی ملا علی معروف بہ آخمش در صاحب الزمانؑ کے پہلو کے حجرے میں دفن ہیں۔ یہ دونوں برادر نہایت مستند استاد تھے، شمالی مشرقی حجروں کے آخر میں صاحب شرف وکمال شیخ کاظم الہر مدفون ہیں۔ آپ شیخ صادق بن علام شیخ خلف عسکر تھے۔

حضرت عباسؑ کا اسپ وفادار

جناب عباس علمدار علیہ السلام نے کربلا میں جو حق وفا ادا کیا اس کی مثال قیامت تک ملنا ممکن نہیں۔ آپ سیرت و کردار میں نہایت اعلیٰ منزلت کے حامل تھے، عبادت، ریاضت، قناعت، شجاعت اور صبر و استقلال میں آپ یکتائے زمانہ تھے۔ سیرت کے ساتھ صورت ایسی کہ قمر بنی ہاشم کے لقب سے معمور ہوئے۔ آپ کا شمار شجاعان عرب میں اعلیٰ ترین تھا۔ صفین کے معرکہ سے ابتداء ہوئی اور کربلا میں شجاعت کی انتہا ہوئی۔ ایسے عظیم شجاع کے اسپ وفادار کے بارے میں علامہ احسان تہرانی تحریر فرماتے ہیں کہ جناب عبدالمطلب ایک دن شاہ یمن سیف بن ذی یزنی سے ملاقات کے لیے تشریف لائے اور چند روز وہاں قیام فرمایا۔ شاہ سیف نے ایک دن جب پر بہار موسم تھا۔ جناب عبدالمطلب سے عرض کی کہ میں آپ کو ایک راز سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں مگر جب تک میں حیات ہوں آپ کسی سے اس کا تذکرہ نہیں فرمائے گا۔ جناب عبدالمطلب نے فرمایا۔ آپ بیان فرمائیں میں اس کا امین رہوں گا۔

سیف نے دل کی بات زبان پر لاتے ہوئے کہا۔ میں نے توریت اور زبور میں پڑھا ہے کہ عرب میں ایک ایسے بچے کی ولادت باسعادت ہوگی جس کی مثال سارے عالم میں نہیں ملے گی۔ وہ بچہ حسن جمال اور اعلیٰ اخلاق کا پیکر ہوگا۔ اس کے شانے پر مہر نبوت ہوگی اور یہ نبی برحق ہوگا۔ جب وہ آفتاب کی روشنی میں ہوگا تو بادل اس پر سایہ فگن ہوگا۔ یہ عظیم بچہ اپنی امت کی شفاعت کرے گا۔ اسکی علامتوں میں سے ایک علامت یہ بھی ہوگی کہ بچپن میں اسکے سر سے والدین کا سایہ اٹھ جائیگا اور اسکی پرورش اسکے دادا اور چچا کے سپرد ہوگی۔

جناب عبدالمطلب آپ مجھے آگاہ فرمائیں کہ ان صفات کے حامل فرزند کا ابھی دنیا میں ظہور ہوا ہے یا نہیں۔ جناب عبدالمطلب نے بتایا۔ وہ فرزند دنیا میں آچکا ہے، اس کا اسم گرامی محمدؐ ہے۔ اور میں اس کا دادا اور ابوطالب اس کے چچا ہیں۔ ابھی میں اس کی پرورش کر رہا ہوں، میرے بعد اس کے محافظ اور نگراں ابو طالب ہوں گے۔ اس وقت اس فرزند عزیز کی عمر چھ سال ہے۔ سیف بن ذی یزنی نے یہ سن کر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے عرض کی کہ میں ان کی خدمت میں کچھ ہدیہ پیش کرنا چاہتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ آپ یہ تحائف اپنے ہمراہ لے جا کر ان فرزند کو میرا اسلام عرض کریں اور یہ چیزیں ان کے حوالے کر دیں۔

جناب عبدالمطلب نے ان تحائف کو پہنچانے کا وعدہ کیا اور شاہ سیف کچھ نوادرات، آلات حرب کی صورت میں، اعلیٰ نسل کے اونٹ اور گھوڑے، ان میں ایک ایسا اعلیٰ نسل کا گھوڑا بھی دیا جس کا شجرہ نسب بھی

دیا۔ یہ وہ گھوڑا تھا جسے یہ خود بھی بہت چاہتا تھا۔ جناب عبدالمطلب یہ تحائف لے کر مکہ معظمہ پہنچے تاکہ حضرت محمدؐ کے حوالے کردیں۔ جناب رسالت مآبؐ نے اس گھوڑے کا نام "عقاب" رکھا۔ جناب رسالت مآبؐ کے بعد یہ حضرت علیؑ کی خدمت میں رہا۔ جناب رسالت مآبؐ کے بعد حضرت علیؑ کو جتنی جنگیں پیش آئیں سب میں یہی گھوڑا (عقاب) آپؑ کے پاس رہا۔ حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے بعد عقاب حضرت عباس علیہ السلام کے زیر استعمال رہا۔

جب دس محرم کو جناب عباس علمدارؑ مشک سکینہؑ اور علم لے کر سوئے فرات روانہ ہوئے تو اسی گھوڑے پر سوار تھے۔ اس کی وفاداری کا یہ عالم تھا کہ تین دن کی پیاس اور جانفشانی کے باوجود اپنے آقا کی پیروی کرتے ہوئے دریا سے پیاسا چلا اور جناب عباسؑ کی شہادت تک حق وفا ادا کرتا رہا۔

حضرت عباسؑ اور حضرت جعفر طیارؑ

جنگ موتہ میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت میں حضرت جعفر بن ابی طالب نے چار سو سواروں کو قتل کیا اور علم کی حفاظت میں آپ کے دونوں شانے قلم ہوئے۔ حضرت عباس علیہ السلام نے بھی حضرت امام حسین علیہ السلام کی نصرت میں جو مصائب اٹھائے اس کی مثال نہیں ملتی۔ حضرت عباسؑ پر جو مصائب گزرے ان کی تفصیل نہایت دردانگیز ہے۔ دشمنان اسلام نے ظلم کی انتہا کردی، پہلے آپ کے بازو قلم کیے اس کے بعد آپ کے پاؤں اور اعضائے بدن کو قطع کیا اور سارا بدن تیروں سے چھلنی کردیا اور سر اقدس پر آہنی گرز مارا جس نے پیشانی انور کو شگافتہ کردیا اور رہوار سے زمین پر آنے کے بعد آپ کے جسم اطہر کو تلواروں سے ٹکڑوں میں تقسیم کردیا۔

جنگ موتہ میں حضرت جعفر بن ابی طالب کی شہادت کی خبر حضرت امیرالمومنینؑ نے سنی تو آپؑ نے دریافت کیا۔ یارسول اللہؐ میرے بھائی جعفر کی کیا خبر ہے۔ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا! اے علی صبر کرو خدا تمہیں تمہارے بھائی جعفر کی مصیبت میں صبر عطا فرمائے۔ یہ سن کر حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون" بعد اس کے شدت سے گریہ کیا لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام جب اپنے بھائی جناب عباس علیہ السلام کی لاش پر آئے تو شدت غم سے نڈھال تھے اور فرمارہے تھے۔ "اے بھائی عباسؑ تمہارے مرنے سے حسینؑ کی کمر ٹوٹ گئی، اے عباسؑ تمہارے بعد میرے لیے تدبیر کی راہیں بند ہوگئیں، میں تمہارے بعد ضعف محسوس کررہا ہوں، اے میری قوت وطاقت عباسؑ تم کہاں ہو۔"

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے کہ جب وہ دن آیا جب جنگ موتہ کا آغاز ہوا تو جناب رسالت مآبؐ نے ہمارے ساتھ نماز فجر ادا کی اور اس کے بعد میدان جنگ کا منظر دیکھتے ہوئے فرمایا۔ آپؐ کے بھائی مشرکین کے ساتھ نبرد آزما ہو چکے ہیں، اس کے بعد حملے کا احوال بیان فرمایا اور بتایا۔ اب جعفر بن ابی طالبؑ نے علم اٹھایا اور جنگ کے لیے روانہ ہوئے اس کے بعد گریہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اب جعفرؑ کا ایک ہاتھ قلم ہو گیا اور انہوں نے علم دوسرے ہاتھ میں اٹھا لیا۔ پھر فرمایا۔ اب ان کا دوسرا ہاتھ بھی شہید ہو گیا اور علم اپنے سینے سے لگا لیا۔ پھر آپؐ نے حضرت جعفرؑ کی شہادت کی خبر سنائی اور بہت گریہ کیا اور وہاں موجود مسلمانوں نے بھی گریہ کیا۔ حضرت علیؑ اس وقت مسجد میں داخل ہوئے تو حضورؐ نے فرمایا علیؑ کے لیے یہ خبر بہت دردانگیز ہو گی۔ لہٰذا اب چپ ہو جاؤ لہٰذا سب خاموش ہو گئے۔ سب کو خاموش دیکھ کر حضرت علیؑ نے فرمایا۔ یارسول اللہ! آپؐ کے پاس میرے بھائی جعفرؑ کی کیا خبر ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اے ابوالحسنؑ! اللہ تم کو جعفرؑ کی شہادت پر صبر دے، وہ شہادت پا چکے ہیں۔ یہ سن کر حضرت امیر المومنینؑ نے گریہ کیا اور انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھ کر آہ کی اور فرمایا میرا زور کمر بھائی مجھ سے جدا ہو گیا۔ علامہ بستانی تحفۂ حسینیہ میں تحریر فرماتے ہیں جناب جعفرؑ کی شہادت پر جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا۔ "جعفر جیسے شخص پر رونے والوں کو رونا چاہیے۔" جناب عباس علمدارؑ کی شہادت پر حضرت امام حسین علیہ السلام کے یہ الفاظ کہ "اے بھائی تمہارے جانے کے بعد میری کمر ٹوٹ گئی۔" اس غم کی عکاسی کرتے ہیں جس سے حضرت امام حسین علیہ السلام گزر رہے تھے۔ حضرت جعفرؑ کی شہادت اور حضرت عباسؑ کی شہادت کا مطالعہ کیا جائے تو جناب عباسؑ کی شہادت کے کئی انفرادی پہلو نظر آتے ہیں۔ حضرت جعفر بن ابی طالب علیہ السلام جب میدان کارزار میں تشریف لائے تو (۱) آپ تین دن کے بھوکے پیاسے نہ تھے جبکہ جناب عباسؑ جب خیمے سے باہر تشریف لائے تو آپ پر تین دن کی بھوک و پیاس کا عالم تھا۔ (۲) جناب جعفرؑ پر اپنے عزیز و اقرباء کی محافظت کی ذمہ داری نہ تھی جبکہ جناب عباسؑ اہل حرم کے خیموں اور پردے کے محافظ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب آپ مشک سکینہؑ اور علم کے ساتھ نہر کی طرف روانہ ہوئے تو اہل حرم اور خیموں میں موجود تمام بیبیوں میں کہرام مچ گیا اور ہر طرف یا عباساہ کی صدائیں بلند تھیں۔ (۳) جناب جعفرؑ کو میدان جنگ میں بہادری کے جوہر دکھانے اور تلوار زنی کی آزادی تھی جبکہ جناب عباس علمدارؑ میدان کربلا کے ایسے مجاہد تھے جنہیں اذن جنگ نہ تھی۔ (۴) جناب جعفرؑ کے ساتھ معین و مددگار شامل حال تھے جبکہ جناب عباسؑ یک و تنہا تھے۔ (۵) جناب جعفرؑ کی نظروں کے سامنے ان کے عزیز و اقرباء کے شہیدوں کے بے گور و کفن لاشے نہ تھے جبکہ

جناب عباسؑ کے سامنے کربلا کا خونی منظر تھا، گنج شہیداں میں چاہنے والوں کے لاشے تھے۔(۶) جناب جعفر کے اعزاء کے سر نوک نیزہ پر بلند نہیں ہوئے جبکہ جناب عباسؑ کی شہادت کے بعد دنیا نے دیکھا کہ شہدائے کربلا کے سروں کو نوک نیزہ پر بلند کیا گیا۔(۷) حضرت جعفرؑ کی لاش اور ان کے ساتھ شہید ہونے والوں پر گھوڑے نہیں دوڑائے گئے جبکہ کربلا کے شہیدان راہ حق کے لاشے پامال ہوئے۔(۸) جناب عباسؑ کی لاش اطہر سوئے دریا ٹکڑے ٹکڑے بے گور و کفن تھی جبکہ جناب جعفر طیار کے کفن و دفن کا انتظام کرنے والے موجود تھے۔ (۹) بعد شہادت جناب جعفرؑ کے خاندان کی عورتوں کو قید و بند کی صعوبتوں کا سامنا نہ تھا جبکہ جناب عباسؑ کی شہادت کے بعد اسیران کربلا کو کوفہ و شام کے بازاروں میں بے مقنعہ و چادر پھرایا گیا، درباروں میں حالت اسیری میں لایا گیا اور قید خانہ کوفہ و شام میں اسیر کیا گیا۔

جناب عباس علیہ السلام کی قربانی شجاعت، عزم و حوصلہ، صبر و استقلال اور وفاداری پر مبنی ایک لازوال باب ہے۔ تحفہ حسینیہ، اسرار الشہادۃ، ابصار العین اور مجالس المواعظ میں علامہ جعفر شوشتری علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ اللہ تعالیٰ عباس بن علیؑ پر رحمت نازل کرے کہ انہوں نے اپنے کو حسینؑ پر اس طرح فدا کیا کہ آپ کے دونوں ہاتھ قلم ہوگئے۔ آپ کی اس قربانی کے عوض اللہ تعالیٰ نے آپ کو مثل جعفر بن ابی طالبؑ جنت کے فضا میں پرواز کی غرض سے دو پر عطا فرمائے۔ پروردگار عالم کے نزدیک آپ کا وہ عظیم الشان مرتبہ ہے کہ تمام شہدا آپ کی شہادت پر فخر اور آرزو کریں گے کہ کاش ایسی جلیل القدر فضیلت سے ہم بھی آراستہ ہوتے۔

مصائب جناب ام البنین

جناب ام البنین کو بحیثیت زوجہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب اور والدہ گرامی جناب عباس علیہ السلام شرف خاص حاصل ہے۔ آپ کے چار فرزندار جمند کربلا میں شہادت سے سرفراز ہوئے لیکن آپ بہ سبب تیمارداری جناب صغریٰ مدینہ سے کربلا نہ جاسکیں۔ مستند کی روایت کے مطابق جناب فاطمہ صغریٰ شدید علیل تھیں اور ان کے بچنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ لہٰذا ان کی نگہداشت اور تیمارداری کی غرض سے مدینہ منورہ میں رک گئیں، ورنہ یہ ناممکن تھا کہ آپ حضرت امام حسینؑ اور جناب زینبؑ کے ساتھ روانہ نہ ہوتیں۔

جناب ام البنین پر واقعات کربلا کا بہت اثر ہوا۔ آپ ہمہ وقت حضرت امام حسینؑ پر گریہ فرمایا کرتی تھیں۔ اپنے فرزندوں کی شہادت سے زیادہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو یاد کر کے گریہ و نوحہ فرماتی تھیں۔

جس طرح جناب فاطمہ حضرت رسالت مآبؐ پر جنت البقیع میں گریہ فرمایا کرتی تھیں، اسی طرح حضرت ام البنین روزانہ جنت البقیع میں جا کر شہیدان کربلا پر گریہ فرماتی تھیں۔ آپ روزانہ اپنے پوتے، فرزند جناب عباسؑ جناب عبیداللہ کو اپنے ہمراہ جنت البقیع لے جاتی تھیں اور ایسا نوحہ وبکا اور نالہ وزاری کرتی تھیں کہ اہل مدینہ وہاں ان بی بی کا نوحہ سننے جایا کرتے تھے۔ آپ کے نوحہ وماتم میں ایسا درد تھا کہ دوست تو دوست دشمن بھی یہ سن کر رو دیتے تھے۔ یہاں تک کہ مروان جیسا شقی القلب بھی رو پڑتا تھا۔

جناب ام البنین کے شب وروز شہیدان کربلا کے غم میں بسر ہوتے تھے۔ ابصار العین، اسرار الشہادۃ، ناسخ التواریخ، تحفہ حسینیہ، جلاء العیون، مقتل عوالم، مفاتیح الجنان اور مجالس المتقین کے مطابق جناب ام البنین حضرت عباسؑ کے بیٹے جناب عبیداللہ کو لے کر روزانہ جنت البقیع میں جا کر اس قدر درد انگیز لہجہ میں نوحہ کرتی تھیں کہ تمام اہل مدینہ اس کے سننے کے لیے جمع ہو کر بے پناہ گریہ کرتے تھے۔

آپ کا معمول تھا کہ جنت البقیع میں جا کر زمین پر بیٹھ جاتیں، اپنے ہاتھوں سے پانچ نشان لحد بناتیں، چار نشانات اپنے بیٹوں جناب عبداللہ، جناب عثمان، جناب جعفر اور جناب عباس علیہ السلام کے ناموں سے منسوب فرماتیں اور ان پر اپنے فرزندوں کے نام تحریر کرتیں، پانچویں نشان لحد کو حضرت امام حسین علیہ السلام کے نام سے منسوب کرتیں اور اس پر نام حسین تحریر کرتیں۔ جب جناب عبداللہ کے نشان لحد کو دیکھتیں دل تڑپتا لیکن یہ نشان مٹا دیتیں اور فرماتیں اے عبداللہ میں تمہیں نہیں روؤں گی، اسی طرح جناب جعفر وعثمان کے نشان لحد کو دیکھ کر دل میں درد اٹھتا لیکن یہ نشان لحد بھی مٹا دیتیں اور کہتیں۔ اے جعفر، اے عثمان، اے عبداللہ میں تمہیں نہیں روؤں گی۔ جناب عباسؑ کے نشان لحد کو دیکھتیں تو کہتیں بیٹا عباسؑ لعینوں نے دھوکے اور فریب ودغا سے تمہارے بازو قلم کیے، کوئی سامنے آکر تم سے مقابلہ کرتا تو اسے معلوم ہوتا کہ میرا عباسؑ کتنا جری ہے۔ کاش میرے عباسؑ کے بازو قلم نہ ہوتے تو کس کی مجال تھی جو اہل حرم کے سروں سے چادر اتارتا پھر فرماتیں بیٹا تمہیں بھی نہ روؤں گی، آخر میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے نشان لحد کو دیکھتیں اور ایک چیخ مار کر نشان لحد سے لپٹ جاتیں اور ہائے حسینؑ ہائے حسینؑ کے دلخراش نالے بلند کرتیں۔

جناب اُم البنین کا مرثیہ

ابصار العین فی انصار الحسینؑ، مفاتیح الجنان اور ابوالحسن اخفش کے مطابق جناب عباس علمدار علیہ السلام کی مادر گرامی نے بعد شہادت حضرت عباسؑ جو مرثیہ پڑھا اسکے یہ اشعار تھے۔ جن کا اردو متن یہ ہے۔

''اے وہ شخص جس نے میرے بیٹے عباسؑ دلاور کو (یزیدی لشکر کے) منتخب کیے ہوئے ٹڈی دل فوجی دستوں پر دفاع کرتے دیکھا ہے۔'' (وہ گواہ ہیں کہ میرا عباسؑ کیسا دلیر تھا)

''اور میرے عباسؑ کے علاوہ شیرِ خدا کے ایسے بیٹے جو کچھار سے نکلے ہوئے شیر شجاعت تھے ان کو (چنیدہ لشکر پر) حملہ کرتے دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ کیسے شجاع تھے۔'' مجھے بتاؤ (افسوس کیا یہ سچ ہے) جو مجھے یہ خبر دی ہے کہ میرا عزیز فرزند جو مجھے اپنی رگِ جاں سے زیادہ پیارا تھا اس عباسؑ کا سر دونوں ہاتھوں کے ساتھ کاٹا گیا۔''

''آہ (صد) آہ میرے شیر کا سر گرز آہنی کی ضرب سے جھک گیا تھا۔'' ''اے میرے بہادر بیٹے مجھے یہ یقین ہے کہ اگر تیرے ہاتھ میں تلوار ہوتی (اور جنگ کی اجازت ہوتی) تو تیرے سامنے آنے کی کسی میں جرأت نہ ہوتی۔'' ایک اور مرثیے میں سابقہ حوالہ جات کے ساتھ یہ اشعار مرقوم ہیں۔ ''ہائے افسوس، اے مدینہ کی سرزمین پر بسنے والیوں اب مجھے تم ام البنین کہہ کر نہ پکارو کیونکہ تمہارے اس طرح مخاطب کرنے سے مجھے اپنے (نوجوان شہید فرزند) یاد آتے ہیں۔''

''اے مدینہ کی عورتو! آہ جب تک میرے بیٹے موجود تھے اس وقت تک میں اس نام (ام البنین) سے پکارے جانے کی مستحق تھی، آہ آج ان میں سے کوئی بھی میرا فرزند زندہ نہ رہا۔''

''میرے چار جلیل القدر بیٹے تھے جو (نصرت حسینؑ) میں رگِ گردنِ جاں کٹا کر موت کی آغوش سے ہمکنار ہو کر (انصاران حسینؑ) میں شامل ہو گئے۔''

''میرے ان (چاروں) بیٹوں کی شہادت اس عالم میں ہوئی کہ بھوک و پیاس کی شدت سے ان کے جسم کے جوڑ بند خشک ہو گئے تھے۔''

''آہ کاش کوئی مجھے اس (خبر) سے صحیح طور پر آگاہ کر دیتا کیا یہ سچ ہے کہ میرے عباسؑ کے ہاتھ شمشیر ستم سے قطع کیے گئے۔''

حضرت عباسؑ کے پوتے فضل بن محمد کا مرثیہ

حضرت عباس علیہ السلام کے پوتے جناب فضل بن محمد بن فضل بن حسن بن عبید اللہ بن عباس بن علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے حضرت عباسؑ کے فضائل ومناقب بیان کرتے ہوئے مرثیہ کے یہ اشعار کہے۔

''آج میں اپنے (محترم وشجاع) دادا جناب عباسؑ کے وہ کارنامے یاد کرتا ہوں جو کربلا میں پیش

آئے، یہ وہ وقت تھا جب لوگوں کی کھوپڑیاں اڑ رہی تھیں، آپ نے نہایت صبر و شجاعت کا اظہار کیا۔''

''وہ (جناب عباسؑ) روز عاشور فرزند رسول الثقلین حضرت امام حسین علیہ السلام کی عالم عطش میں نہایت چستی اور بلا خوف و خطر بے مثال جاں بازی سے نصرت کر رہے تھے۔''

''(میرے دادا) حضرت عباسؑ نے کربلا کے میدان کارزار میں جس طرح حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شہادت نوش فرمائی، میں نے اس طرح کسی اور کو شہید ہوتے نہیں دیکھا، حقیقت میں یہ آپ کے لیے بہت بڑی فضیلت ہے۔''

''آپ نے جس طور سے شہادت پائی یہ شہادت کی وہ بہترین منزل ہے جو اپنے دامن میں فضائل کی ایک زبردست دنیا بسائے ہوئے ہے، اور آپکے کارہائے نمایاں کو آپ کے بعد والوں نے ضائع نہیں ہونے دیا کیونکہ جناب عباسؑ میرے محترم دادا تھے۔ لہٰذا ان کا تذکرہ میرے نزدیک ایک فریضہ سے کم نہیں ہے۔''

مزید برآں علامہ مرزا عبدالحسین الامینی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عباسؑ کے پوتے فضل ابن حسن بن عبیداللہ بن عباس بن علی ابن ابی طالبؑ نے اپنے جد نامدار حضرت عباسؑ کا مرثیہ ان الفاظ میں فرمایا۔

''وہ شخص اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس پر گریہ کیا جائے جس نے اپنے مصائب میں حضرت امام حسین علیہ السلام جیسے صابر کو کربلا میں رولا دیا۔ وہ عظیم المرتبت حضرت امام حسین علیہ السلام کے برادر عزیز (جناب عباسؑ) تھے۔ آپ حضرت امام حسینؑ کی نصرت کرتے ہوئے زخموں سے چور چور خون میں غلطاں دنیا سے رخصت ہوئے۔ آپ نے ہر طرح سے جانثاری کی اور (تین دن کی بھوک و پیاس میں) عالم عطش میں میدان کارزار میں آئے اور دنیا سے رخصت ہوئے۔

خواب میں مصائب کی تاکید

جناب عباس علمدار علیہ السلام کے مصائب اس قدر شدید ہیں کہ ان کی کوئی حد نہیں۔ سید عبدالرزاق موسوی المقرم اپنی تالیف صحیفہ وفا میں تحریر فرماتے ہیں۔ سید محمد ابراہیم قزوینی جو حرم حضرت کے معروف خطیب شیخ محمد علی خراسانی کی مجلس میں تشریف لے گئے۔ خطیب نے مصائب بیان کرتے ہوئے پڑھا کہ حضرت عباس علیہ السلام کی آنکھ میں تیر پیوست ہوگیا تھا۔ اس بیان سے سید محمد ابراہیم نے شدید گریہ کیا اور بعد مجلس ذاکر سے کہا کہ اتنے سخت مصائب جس کی سند بھی نہیں ہے کیوں پڑھتے ہو؟ اسی شب سید محمد ابراہیم قزوینی نے خواب میں حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں۔

''سید محمد ابراہیم کیا تم کربلا میں تھے جو تمہیں خبر ہوئی کہ مجھ پر کیا گزری، سنو! جس وقت میرے دونوں بازو قلم ہو گئے، دشمن نے مجھ پر تیروں کی بارش کر دی ایک تیر میری آنکھ میں پیوست ہوا، میں نے سر کو کئی بار جھٹکا دیا لیکن وہ تیر نہ نکلا عمامہ سر سے گر گیا، سوچا کہ سر کو جھکاؤں اور دونوں رانوں سے دبا کر تیر کو نکال لوں کہ اسی وقت گرز گراں سر پر لگا۔''

آیت اللہ شیخ محمد ابراہیم کلباسی اپنی عربی تالیف الخائص العباسیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ جناب مقرم کی کتاب مقتل الحسین میں مرقوم ہے کہ ایک عالم فاضل خطیب الشیخ السبتی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ میرے پاس ایک باوثوق بزرگ عالم تشریف لائے اور فرمایا۔ میں حضرت عباسؑ کا پیغام آپ کے پاس لایا ہوں۔ میں نے خواب میں آپؑ کی زیارت کی ہے۔ وہ آپ پر ناراض ہو رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ شیخ کاظم سبتی میری مصیبت کا ذکر نہیں کرتا، میں نے عرض کیا۔ مولا! میں نے اکثر ان کی زبانی آپ کے مصائب سنے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ باقی واقعات کو پڑھتا ہے لیکن میری عرض ہے کہ میری یہ عظیم مصیبت بھی لوگوں کے سامنے بیان کیا کرے اور میرے مصائب اس طرح بیان کرے۔ ''جب کوئی سوار اپنے رہوار سے گرتا ہے تو اپنے ہاتھوں کا سہارا لے کر زمین پر گرتا ہے لیکن جب کسی سوار کے سینے میں تیر پیوست ہوں اور اس کے دونوں ہاتھ کٹ چکے ہوں تو وہ کیسے زمین پر آئے گا۔''

جناب عبید اللہ بن عباسؑ کو دیکھ کر جناب زین العابدینؑ کا گریہ

ایک دن حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے مدینہ میں بعد واقعہ کربلا جناب عبید اللہ فرزند جناب عباس علیہ السلام کو دیکھا تو آنکھوں سے اشک جاری ہوئے اور فرمایا کہ جناب رسول اللہؐ پر دو دن تمام عمر میں بہت سخت تھے، ایک تو جنگ احد کا دن جس میں آنحضرتؐ کے عم بزرگوار حضرت حمزہ شہید ہوئے اور دوسرا دن وہ تھا جس دن آپؐ کے چچازاد بھائی جعفر طیار شہید ہوئے، مگر یہ دونوں دن ویسے نہ تھے جیسا کہ یوم عاشور تھا جو کربلا میں میرے والد بزرگوار حضرت حسین علیہ السلام پر تھا۔ لشکر کثیر نے جو اپنے آپ کو امتی کہتے تھے، میرے بابا کو گھیر لیا تھا۔ یہ سب آپ کے خون کے پیاسے تھے اور سب کا یہ موقف تھا کہ ان کا خون بہانا موجب ثواب اور قرب الٰہی ہے۔ حضرتؑ نے ان سب کو وعظ و نصیحت فرمائی لیکن کسی نے کچھ نہ سنا، یہاں تک کہ شہید کر دیا۔ یہ بیان کرنے کے بعد حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا۔ خدا رحمت نازل کرے میرے چچا عباسؑ پر جنہوں نے اپنی جان میرے والد ماجد حضرت امام حسین علیہ السلام پر فدا کی

اور شدید مصائب اٹھائے۔ آپ کے دونوں ہاتھ کاٹے گئے اور اس کے عوض میں خداوند عالم نے دو پر آپ کو عطا فرمائے۔ آپ بہشت میں فرشتوں کے ساتھ پرواز کرتے ہیں جیسے کہ جناب جعفرؑ کو اللہ تعالیٰ نے پر عطا فرمائے ہیں۔ جناب عباسؑ کا بارگاہ خداوند عزوجل میں وہ مرتبہ ہے کہ جملہ شہدا روز قیامت اس درجہ پر رشک کریں گے کہ کاش ایسا ہی درجہ ہم کو ملا ہوتا۔

علامہ مجلسی اور شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے ابوحمزہ ثمالی سے روایت کی ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے عبیداللہ ابن عباس علمدار کو دیکھ کر رونا شروع کیا، اس کے بعد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے یوم الاحد جس میں حضرت حمزہؑ اور جنگ موتہ جس میں جعفر طیارؑ شہید ہوئے اس سے زیادہ تکلیف دہ کوئی دن نہیں گزرا، یعنی جس دن جناب حمزہ نے شہادت پائی وہ دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نہایت سخت اور دشوار تھا اور جس دن حضرت جعفر طیار نے شہادت پائی وہ بھی جناب سرور کائنات کے لیے نہایت اہم تھا۔ اس کے بعد حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے عموں کو یاد کرتے ہوئے ان الفاظ میں اپنے درددل کی ترجمانی فرمائی۔ ''قسم بخدا! وہ دن حسینؑ پر بڑا گراں تھا جس دن آپ پر اعدا نے ہجوم کیا جن کا دعویٰ تھا کہ وہ سب رسول اللہؐ کے امتی ہیں اور خون حسینؑ بہا کر اللہ کا قرب حاصل ہوگا۔ بالآخران لعینوں نے آپ کو مع اعزا واقربا شہید کیا، اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ خدا عباسؑ بن علیؑ پر رحم کرے کہ انہوں نے اپنی جان آفریں کو اپنے بھائی پر اس بے جگری سے نثار کیا کہ جس کی نظیر تاریخ کے صفحات پر نہیں ملتی۔

ابصار العین، تحفہ حسینیہ، جلاء العیون، اسرار الشہادۃ اور مفاتیح الجنان میں مرقوم ہے کہ جناب عباسؑ کا مرتبہ اتنا عظیم ہے کہ اسے نہایت گہری نظر سے دیکھا جائے۔ آپ کی قربانی اور ایثار کی نظیر نہیں ملتی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا آپ پر بے انتہا اعتماد تھا، اپنے لشکر کا علمدار مقرر فرمانا، آپ کی شہادت پر شدید رنج کا اظہار کرنا اور فرمانا۔ بھیا عباسؑ تمہارے جانے سے میری کمر ٹوٹ گئی۔ مزید یہ کہ حضرت امام زین العابدینؑ کا آپ کو دعا دینا، خدا کے نزدیک آپ کی منزلت کا بالاتر ہونا یہ وہ خصوصی فضائل ہیں جس کے سبب جناب عباسؑ کو تمام شہدا پر فضیلت واعلیٰ مرتبہ حاصل ہے گو کہ کربلا کے تمام شہدا اپنی نظیر آپ ہیں۔

مجاہدین اسلام اور حضرت عباسؑ

حکم جہاد ۲ ر ہجری میں نافذ ہوا۔ جناب رسول اکرمؐ نے ۱۳ ر سال تک مکہ میں نہایت دشوار دن گزارے۔ اسلام میں جہاد کا مقصد کسی غیر قوم یا قبیلہ پر حملہ آور ہونا نہیں بلکہ تحفظ دین ہے۔ دراصل جہاد کا

حکم قیام امن کے دوام کی خاطر دیا گیا تا کہ مظلوموں و ناتواں لوگوں کو ظلم سے نجات دلائی جائے، یہی جہاد فی سبیل اللہ کہلاتا ہے۔ جس کے پیش نظر عدل وانصاف ہوتا ہے۔

اسلام میں مجاہدین کو جو احکام رحمت اللعالمینؐ نے صادر فرمائے، ان میں یہ بات واضح فرمائی کہ مجاہد کا نفس پاکیزہ ہو، کینہ وحسد کی بنیاد پر شمشیر نہ اٹھائے اور نہ طمع دنیا اور حرص میں مبتلا ہو۔ دوران جہاد عورتوں، بچوں، ضعیفوں اور بیماروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے۔ سورہ بقرہ میں حکم ہے۔ لا اکراہ فی الدین۔ ''دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔'' دوران جہاد اس حکم کی جناب رسالت مآبؐ نے مجاہدین اسلام کو سختی سے پابندی کی تاکید فرمائی۔

اسلام میں شہداء ومجاہدین کا بڑا مقام ہے لیکن ان مراتب و درجات کی بلندی وسرفرازی کا تعلق خلوص نیت اور جذبہ ایثار پر مبنی ہے۔ شہداء کا مقام یہ ہے کہ بارگاہ الٰہی میں حیات ابدی حاصل کر کے رزق پاتے ہیں، اسلام میں جو جنگیں پیش آئیں ان میں شہادت سے سرفراز ہونے والوں میں سید الشہداء حضرت حمزہؓ اور حضرت جعفر طیار کا مقام بہت بلند ہے۔ اسی طرح شہدائے کربلا کا مقام اس قدر بلند ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے اصحاب کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔ ''خدا کی قسم جیسے اصحاب مجھے ملے ایسے نہ میرے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کو ملے نہ میرے بابا کو، نہ بھائی حسنؑ کو۔'' شہیدان کربلا کی فضیلت کے بارے میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ ''اے شہیدان کربلا! تم دنیا وآخرت میں تمام شہدائے عالم کے سردار ہو، تمہارے جیسے بلند درجہ کے شہداء نہ پہلے گزرے اور نہ آئندہ گزریں گے۔''

راہ خدا میں شہید ہونے والوں کی ایک طویل فہرست ہے، جنہیں نہایت اذیت سے شہید کیا گیا۔ لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام کے جانثاروں میں جو عزم وحوصلہ اور یک جہتی کے ساتھ تین دن کی بھوک و پیاس کی شدت کے باوجود جذبہ جہاد سے معمور ہونا جبکہ اس گروہ راہ حق میں جوان، بوڑھے اور بچے جن میں ششماہے علی اصغر بھی شامل تھے اور یکساں جذبہ شہادت سے معمور تھے۔ جناب قاسمؑ سے جب حضرت امام حسینؑ نے دریافت کیا۔ بیٹا تمہارے نزدیک موت کیسی ہے؟ تو جناب قاسمؑ نے عرض کی چچا جان! موت میرے نزدیک شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ اگرچہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو یہ کہہ کر لوٹ جانے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی کہ تم رات کی تاریکی میں اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔ یہ لعین میری جان کے دشمن ہیں میں تم سے کوئی شکوہ نہیں کروں گا۔

دنیا میں کتنے ہی حادثات اور المیے رونما ہوئے لیکن وقت کے گزرنے کے ساتھ انکے تبصرے اور یادیں کم ہوتی گئیں لیکن شہیدان کربلا کا غم وہ ہے جو وقت کے ساتھ بڑھتا جا رہا ہے، ان واقعات کو نہ بیان کرنے

والوں کے دل سیر ہوتے ہیں نہ سننے والوں کے جبکہ مختلف ادوار میں پابندیاں عائد کی جاتی رہیں لیکن یہ ایک ایسا لازوال، بحربیکراں ہے جو مسلسل بڑھتا جارہا ہے۔ یہ وہ غم نہیں جو زوال پذیر ہو یہ سینہ بہ سینہ ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ یہ عزائے حسینؑ جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

شہدائے کربلا میں جناب عباس علمدار علیہ السلام کو بحیثیت شہید ایک خاص مقام حاصل ہے۔ آپ حضرت علی علیہ السلام کی دعاؤں اور تمناؤں کا نتیجہ تھے۔ یہی سبب تھا کہ کربلا میں جس طرح آپ نے حق وفا ادا کیا اسکی دوسری کوئی مثال تا قیامت ملنا محال ہے۔ آپ عالم غیر معلم اور باب مدینۃ العلم کے پروردہ تھے، آپ ہر گناہ سے پاک تھے، آپ فقیہ کامل، عبد صالح، باب الحوائج، قمر بنی ہاشم اور باب الحسین جیسے القاب کے حامل تھے، آپ رئیس الشجعان تھے کوئی بہادر شجاعت میں آپ کا ہم سر نہیں، آپ سید الفرسان تھے، آپ جیسا شہسوار کوئی نہ تھا، آپ نہایت بلند قامت تھے، جب آپ گھوڑے پر سوار ہوتے تو آپ کے قدم مبارک زمین پر خط کھینچتے جاتے تھے۔ آپ کو بحیثیت علمدار حسینی ایک خاص فضیلت حاصل ہے۔ آپ اپنی شجاعت، صبرو استقلال اور وفاداری کا حق ادا فرماتے ہوئے شہید ہوئے، اسی لیے آپ کو افضل الشہدا یعنی تمام شہدا میں افضل شمار کیا جاتا ہے۔ معالم الزلفی کے مطابق اگرچہ یہ لقب حضرت امام حسین علیہ السلام کے لیے مخصوص تھا بعد میں آپ نے اس لقب کو حضرت عباسؑ کو تفویض فرمادیا۔ جامع الاخبار، دفینۃ الطالبین، شیخ عبدالقادر جیلانی کے مطابق ربیع بن فضیل ابن سنان کا بیان ہے کہ میں نے حضرت صادق آل محمدؐ سے زیارت کے سلسلہ میں پوچھا کہ آپ کے نزدیک قبور شہداء میں کس قبر کو فضیلت حاصل ہے۔ فرمایا: "افضل الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر کو جس پر چالیس ہزار ملک قیامت تک اپنے غم کا اظہار کرتے رہیں گے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: "اے افضل الشہدا عباس بن علی مرتضیٰؑ تم پر خدا ہر وقت رحمت نازل فرمائے۔"

جناب عباسؑ نے شہادت سے قبل اہل بیت حسینؑ کے لیے پانی فراہم کرنے کی سعی کی۔ متعدد کنویں بھی کھودے۔ یہاں تک کہ پانی لانے کی کوشش میں آپ کے شانے قلم ہوئے، اس کوشش وسعی کی بناء پر آپ کو دیگر شہداء سے ایک انفرادی حیثیت حاصل ہے۔ دراصل آپ مبشر بالشجاعت تھے، آپ کو جناب رسول اکرمؐ نے آپ کی ولادت سے قبل شجاعت کی بشارت دی تھی۔ آپ کی ہر صلاحیت کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے لیے وقف تھی، جس کا اظہار آپ کے عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔ علامہ کنتوری تحریر فرماتے ہیں۔ "میں یقین سے کہتا ہوں کہ ایسی روایتوں میں کوئی شک وشبہ نہیں جن میں حضرت عباسؑ ان لوگوں کو سزا دینے کی قدرت رکھتے تھے جو آپ کے ساتھ یا حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ برائی کریں۔ آپ کو یہ قدرت

بھی عطا کی گئی تھی کہ آپ اپنے قاتل کو ساری زندگی روزانہ عذاب میں مبتلا رکھیں۔ جیسا کہ آپ نے اپنے قاتل ابان بن وارم کے ساتھ کیا، وہ زندگی بھر روزانہ عذاب جہنم میں مبتلا رہا۔ اس پر یہ عذاب اس کی زندگی بھر رہا کہ رات بھر چیختا چلاتا رہتا تھا۔ آخر کار روسیاہ ہو کر مر گیا۔" علامہ کنتوری جناب عباسؑ کی فضیلت ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں۔ "ساری دنیا کے جان فدا کرنے والوں میں شہیدان اسلام کو اور تمام شہدائے کربلا کو اور شہدائے کربلا میں بنی ہاشمی کو اور بنی ہاشم میں حضرت امام حسینؑ کے بعد حضرت عباسؑ کو فضیلت حاصل ہے۔"

جناب عباس علیہ السلام شہداء کی صف میں وہ واحد شہید ہیں جن کا پرچم تا قیامت بلند رہے گا۔

تحریر ہے پھریرے پہ عباسؑ باوفا
یہ آخری ورق ہے وفا کی کتاب کا
اونچا رہے گا پرچم عباس حشر تک
جھکتا ہے اس کے سامنے سر آفتاب کا

(مرزا صابر شکیب)

حضرت عباسؑ کے امتیازات

فرزند ابوتراب حضرت عباس علمدار کی ذات اقدس میں بیک وقت جملہ صفات حسنہ موجود تھیں۔ صبر و استقلال، علم و فضل، اعلیٰ اخلاق و بلند کردار، عبادت و ریاضت، سخاوت و ایثار، فصاحت و بلاغت، عصمت و طہارت، وفا و خودداری، سخاوت، عزت نفس، بزرگی، کرم، رحمدلی اور اعلیٰ اخلاق سے آپ مزین و سرفراز تھے۔ ان جملہ صفات کے ساتھ حسن و جمال ایسا کہ قمر بنی ہاشم کے لقب سے مشہور و معروف تھے۔ اگر یہ کہا جائے تو بجا ہوگا کہ آپؑ اپنے حسن میں فخر یوسفؑ تھے۔ جناب عباس علیہ السلام اس قدر دیدہ زیب اور جاذب نظر تھے کہ جب اپنے راہوار پر سوار ہوتے تو ہر سوار آپ کے سامنے پستہ قد نظر آتا۔ آپ کے پیر زمین پر خط کھینچتے نظر آتے اور لوگ پیکر حسن و جمال کو دیکھ کر کہتے یہ قمر بنی ہاشم ہیں۔ آپ کی پیشانی منور پر سجدہ کا نشان تھا جو مثل ماہ کامل نظر آتا تھا۔ آپؑ کی شخصیت اس قدر پرکشش اور باوقار تھی کہ جس بزم میں تشریف لے جاتے لوگ آپ کے وقار سے دم بخود ہو جاتے۔ آپؑ کے حسن و جمال سے نظریں خیرہ ہو جاتیں اور جب آپ گفتگو فرماتے تو الفاظ فصاحت و بلاغت کے سبب گوہر نایاب کی صورت اختیار کرتے اور سننے والے آپ کی بصیرت آمیز گفتگو سے بہت متاثر ہوتے۔ یہ صفت آپؑ کو صاحب منبر سلونی امیر الکلام عرب کے

لقب سے مزین اپنے والد گرامی حضرت امیر المومنینؑ سے ورثہ میں عطا ہوئی تھی۔ جناب عباس علیہ السلام نے اپنی ذاتی و ذہنی استعداد کی بناء پر معارف الٰہیہ کے اعلیٰ ترین مدارج طے کیے تھے۔ حقیقت شناس محقق اور صاحبان علم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ جناب عباسؑ اپنے والد ماجد کے کردار و صفات کا آئینہ دار تھے۔ یہی سبب ہے کہ آپ خدا کی تجلیات اور اسرار عالم سے باخبر تھے۔ مولائے کائنات علی علیہ السلام تمام انبیاء کی میراث اور علم کے وارث تھے۔ جناب عباسؑ حضرت امیر المومنینؑ کے وہ نور نظر ہیں جن کی بصیرت اور صفات حسنہ کی دنیا معترف ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ''چچا عباسؑ عمیق و دقیق بصیرت اور کامل ایمان رکھتے تھے۔ آپ کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ دوسرے کے مقابلے میں آپؑ کا خاندان زیادہ کریم ہے۔ مزید یہ کہ آپؑ کا خانہ ولادت مرکز شرافت و نجابت تھا، جہاں ملائکہ کی آمد تھی اور یہ گھر مرکز دین و ایمان تھا، اس گھر کی منزلت پر نص قرآنی کافی ہے۔ سورہ نور آیت ۳۵/تا ۳۶/ میں ارشاد رب العزت ہے۔ ''اور ان گھروں میں جن کا ادب و احترام (واجب) ہے اور اللہ تعالیٰ کا وہاں نام لینے کا حکم ہے اور وہاں صبح و شام اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں، ایسے لوگ جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتے۔'' آپ کے خانوادہ کے جملہ افراد نیک و صالح اور اخلاق حمیدہ کے پیکر تھے۔ ایک بڑی فضیلت یہ بھی ہے کہ خانہ عباسؑ ابن علیؑ خانہ رسولؐ سے متصل تھا اور اس گھر میں رہنے والوں خصوصاً حضرت علی ابن ابی طالبؑ عم زاد جناب رسالت مآبؐ کے اخلاق کا عملی نمونہ تھے، یہ گھر اس لحاظ سے قابل قدر اور بافضیلت تھا کہ یہاں نوجوانان جنت اس گھر کے مکین تھے، اس گھر سے زیادہ مقدس گھر روئے زمین پر موجود نہ تھا۔ آپؑ کے خاندان کے سرپرست اعلیٰ حضرت علی ابن ابو طالبؑ تھے اور اس گھر کی مالکہ حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا تھیں جن کو تمام مومنات اور جنت کی عورتوں کی سرداری کا شرف حاصل تھا۔

حضرت عباس علیہ السلام تمام خصائل حمیدہ اور فضائل کے مالک ہیں۔ جمیع صفات حسنہ مثل معصومین علیہم السلام آپ کی شخصیت کا حصہ ہیں۔ آپ علم و آگہی کا بحر بے کراں ہیں جس کا ساحل سخاوت ہے۔ آپ کا در ہر حاجت مند کے لیے کھلا ہے۔ آپ باب الحوائج (حاجتوں کا دروازہ) ہیں۔ اس در پر آنے والا کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ آپ باب الحسینؑ ہیں یعنی حسینؑ کا دروازہ آپ کے در پر پناہ لینے والوں کی کبھی امید نہیں ٹوٹتی۔ یہاں انسان کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں۔ جس طرح ولایت علی کے عقیدہ کے بغیر کوئی باب علم سے شہر علم میں داخل نہیں ہو سکتا، اسی طرح طرح باب الحوائج تک پہنچنے کے لیے مودت اہل بیت اور ولایت کا

اقرار ضروری ہے۔ جب اس عقیدت کے ساتھ حاجت طلب کی جائے تو دعا مستجاب ہوتی ہے۔ سرکار وفا جناب عباس علمدار علیہ السلام باب الحوائج ہیں۔ لہٰذا جو آپ کے در پر حاضر ہو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اہل بیت اطہار علیہم السلام کا عقیدت مند اور وفادار ہو۔ آپ کے در پر سائل بن کر جو خلوص دل سے حاجت روائی کا متمنی ہو وہ یہاں سے دامن مراد بھر کر لوٹتا ہے۔ جناب عباسؑ کے جملہ القاب امتیازی مقام و منزلت پر مبنی ہیں جو بلحاظ عمل بے مثال اور انفرادیت رکھتے ہیں۔

ا...... باب الحسینؑ (حسینؑ کا دروازہ) یہ ایک ایسی فضیلت ہے جس کو سمجھنے کے لیے جناب رسالت مآبؐ کی یہ حدیث کہ میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں، سمجھنا ضروری ہے۔ مطلب واضح ہوا کہ جس طرح حضرت امیر المومنینؑ در علم ہیں اسی طرح حضرت عباسؑ در حسینؑ ہیں۔

۲...... باب الحوائج (حاجتوں کا دروازہ) حضرت عباس علمدار باب الحوائج ہیں۔ آپ کے در سے کوئی مایوس نہیں لوٹتا جس طرح در آئمہ سے کوئی سائل کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹتا اسی طرح جناب عباس علمدار کا در بلا تفریق سب کے لیے کھلا ہے جہاں حاجات مستجاب ہوتی ہیں۔

۳...... السقاء (پانی پلانے والے) آپؑ ساقی اہل حرم ہیں۔ آپؑ نے کربلا میں جس طرح سقایت کا حق ادا فرمایا اس کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔

۴...... ساقی عطاشا کربلا (کربلا کے پیاسوں کا ساقی) آپ ایسے ساقی کربلا ہیں کہ تین دن کی بھوک و پیاس میں تشنہ لبی کے عالم میں تشنہ لبوں کے لیے پانی کی فراہمی کی کوشش کرتے رہے، یہاں تک کہ اس سعی میں آپ کے دونوں بازو قلم ہوئے اور آپ نے حق وفاداری ادا کیا۔

۵...... قمر بنی ہاشم (بنی ہاشم کا چاند) آپ اپنے حسن و جمال میں یکتائے زمانہ تھے، دوست تو دوست دشمن بھی آپ کے حسن نورانی کے معترف تھے۔

۶...... قمر العشیرۃ (خاندان کا چاند) جناب عباس علمدارؑ کی جب ولادت ہوئی تو خاندان کے جملہ افراد آپ کے حسن و جمال سے بہت متاثر تھے۔ جب آپ کو کوئی آغوش میں لیتا تو آپ کے چہرہ انور سے ایسا نور ساطع ہوتا کہ دیکھنے والے ششدر رہ جاتے اور کہتے۔ یہ چاند کا ٹکڑا ہے جس کو دیکھنے کا تاب نظارہ انسان کے بس کی بات نہیں تھی۔ بچپن تا جوانی یہ نورانی کیفیت یکساں نظر آتی تھی۔

۷...... حامل اللواء (علم دار) علمداری جناب عباسؑ کا مخصوص شرف تھا اور جس طرح آپ نے علمداری کے فرائض انجام دیے وہ اپنی مثال آپ تھے۔ آپ میں علمداری کی جملہ صفات موجود تھیں اور جس طرح حق

علمداری ادا کیا اس پر تا قیامت صاحبان مودت کو فخر رہے گا۔ آپ نے علم کی حفاظت آخری دم تک فرمائی۔

۸...... بطل العلقمی (نہر علقمہ کے بہادر) آپ نہر علقمہ پر نہایت شجاعانہ شان سے تشریف لائے دشمنان اہل بیت نے راستہ روکنے کی لاکھ کوشش کی لیکن جناب عباسؑ علمدار کا راستہ روکنے میں ناکام رہے۔ یہاں تک آپ پانی میں داخل ہوئے، مشک بھری لیکن پیاسے خیمہ گاہ حسینی کا رخ کیا اور حق وفا ادا کرتے ہوئے اپنی جان نثار کر دی۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام جب نہر علقمہ کے کنارے پر آئے تو یہاں ان الفاظ میں خطاب فرمایا۔ ''اے علقمہ میرے جد بزرگوار پر تیرا پانی بند کیا گیا اور تو اب تک بہہ رہی ہے۔'' معالی السبطین میں ہے کہ جناب سید سجاد علیہ السلام جب شام سے واپس لوٹے تو علقمہ کو مخاطب کیا۔ ''اے علقمہ تو نے ابو عبداللہ کو پانی نہ دیا مگر اب بھی بہہ رہی ہے۔'' حضرت آئمہ اطہار کے گریہ و نوحہ کے بعد شہیدان کربلا کے غم میں نہر علقمہ کا پانی گہرائی میں اتر گیا اور وہ خشک ہو گئی۔

۹...... کبش الکتیبۃ (سالار لشکر) لغت میں کبش کے معنی ایسے شجاع کے ہیں جس کا اس وقت کے جری اور بہادر ترین لوگ سامنا کرنے سے عاجز ہوں۔ یہ لقب حضرت ابوالفضل عباس سے قبل حضرت امیر المومنینؑ کے صحابی خاص حضرت مالک اشتر کے سوا کسی کے لیے استعمال نہیں ہوا۔ کبش الکتیبۃ کا لقب جناب عباسؑ کو آپ کی شجاعت کی بناء پر حضرت امام حسینؑ نے عطا فرمایا۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا۔ ''عباسؑ میرا سالار لشکر اور میرا ترکش ہے، یہ میری قوم کا سخی سردار اور مضبوط ترین قلعہ ہے۔

۱۰...... حامی الظعینۃ (مستورات کی محمل کا محافظ) ظعینہ اس مستور کو کہتے ہیں جو کجاوے محمل میں بیٹھی ہو۔ آپ اہل حرم کے خیموں اور پردے کے محافظ تھے۔ جناب ام البنین جنت البقیع میں بین کرتے ہوئے فرماتی تھیں۔ اگر میرے عباسؑ کے بازو قلم نہ ہوتے تو کسی کی مجال نہ تھی جو سیدانیوں کے سر سے چادر اتارتا۔ آپ ناموس آل رسولؐ کے محافظ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب کربلا میں اہل بیت اطہار کے خیمے نصب ہوئے تو سب سے آگے جناب عباسؑ کا خیمہ تھا تا کہ دشمن کو صاحبان عصمت وطہارت بیبیوں کے خیموں تک نہ پہنچنے دیں۔

۱۱...... سبع القنطرۃ (وہ مرد شجاع جو حفاظتی پل پر دشمن کو روکے) سبع کے معنی شیر اور قنطر کے معنی پل کے ہیں۔ لہٰذا سبع القنطرہ کے معنی اس مرد شجاع و مرد میداں کے ہیں جو پل کا محافظ ہو اور دشمن کو یہاں سے گزرنے نہ دے۔ یہ وہ لقب ہے جو جناب عباسؑ نے جنگ نہروان میں اپنی شجاعت کے سبب حاصل کیا۔ لشکر خوارج نے جنگ نہروان میں ایک پل جس کی دفاع کے لحاظ سے بڑی اہمیت تھی، جناب عباسؑ نے یہاں خوارج کو گزرنے نہ دیا جب بھی یہ یہاں سے گزرنے کی کوشش کرتے جناب عباسؑ کی حیدری شجاعت

سدراہ ہوجاتی۔ آپ کے رعب وجلال کے سبب خوارج کو اپنا ارادہ ملتوی کرنا پڑتا۔

۱۲......الضیغم (شیرِ جری، بہادر) جناب عباسؑ اپنی بے مثل شجاعت کے سبب ضیغم کے لقب سے مشہور ہوئے۔ سید جعفر حلی علیہ الرحمہ نے جناب عباسؑ کی شجاعت کو ایک قصیدے میں بیان کیا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ ''کوئی بھی بڑے سے بڑا نامور جنگجو آپ کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ جو بھی آپ کے مدمقابل ہوتا وہ راہ فرار میں اپنی عافیت جانتا اور راہ فرار اختیار کرتا لیکن اس کا سر اس کے جسم سے بھی آگے نکل جاتا تھا۔'' کتاب کبریت احمر میں ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام جنگ صفین میں اپنے بابا کے ساتھ شریک ہوئے اور آپ نے اس زمانے کے مشہور سورماؤں کو اپنی تلوار سے گھائل کیا اس جرأت کے سبب ضیغم کے لقب سے مشہور ہوئے۔ جنگ صفین میں آپ کے کارنامے قابل ذکر ہیں۔ اس جنگ میں کمسنی کے عالم میں آپ کا اندازِ جنگ اور تلوار کی کاٹ مثل امیر المومنینؑ نظر آتی تھی۔ معالی السبطین میں محمد مہدی مازندرانی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔ ''اگر لوح محفوظ میں روز عاشورہ حضرت عباسؑ کی شہادت نہ لکھی ہوتی تو آپ اپنی شرربار تلوار سے پورے اموی اور یزیدی لشکر کو موت کے گھاٹ اتار دیتے۔

۱۳......العبد الصالح (صالح بندہ) یہ لقب نہایت پُروقار ہے۔ یہ لقب چھٹے امام حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے عطا فرمایا۔ ابوحمزہ ثمالی سے مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنی ایک زیارت میں فرمایا۔ ''اے عبد صالح، اے اللہ، رسولؐ، امیر المومنینؑ، حسن مجتبیٰؑ اور حسینؑ شہید کربلا صلوات اللہ علیہم کے سچے اطاعت گزار۔ آپ پر میرا اسلام ہو۔'' قرآن مجید میں سورہ انبیاء کی آیت ۱۰۵ار میں صالحین کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔ ''اور ہم نے تو نصیحت کے بعد زبور میں یقیناً لکھ دیا کہ روئے زمین کے وارث ہمارے صالحین (نیک بندے) ہوں گے۔'' شرح الآیات الباہرہ میں حضرت جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے وہ نیک بندے آل محمدؐ ہیں۔ نماز میں دن میں پانچ بار تشہد کے بعد اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلیٰ عِبَادِاللہِ الصَّالِحِیْنَ پڑھا جاتا ہے تو یہ حضرت عباسؑ کے لیے ہدیہ سلام ہے کہ وہ محمدؐ وآل محمدؐ کے ساتھ حضرت عباسؑ کی ذات گرامی اس فضیلت میں شریک ہے۔

۱۴......العابد (عبادت گزار) جناب عباس علمدار اللہ کے محب اور عبادت گزار تھے۔ آپ کی پیشانی انوار پر سجدوں کی کثرت کے سبب نشان نمایاں تھے۔ کربلا میں اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کے ساتھ ساتھ آپ کی عبادت میں یکسوئی اور خضوع وخشوع پوری طرح نمایاں تھا۔ شیخ مفید علیہ الرحمہ ''ارشاد شیخ مفید'' میں تحریر فرماتے ہیں۔ ''شب عاشور حضرت امام حسین علیہ السلام نے پوری رات عبادت میں بسر کی اسی طرح

آپ کے اصحاب نے بھی نماز، دعا اور استغفار میں شب گزاری اور ہر خیر کی منزل میں جناب عباسؑ تمام اصحاب و انصار میں پیش پیش تھے اور ساتھ ہی خیام حسینیؑ کی محافظت اور پاسبانی کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔'' سید ابن طاؤس مقتل لہوف میں تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت امام حسین علیہ اور آپ کے اصحاب نے آخری تمام رات رکوع، سجود اور قیام میں گزاری۔ ان اصحاب باوفا کی آواز مناجات میں ایک قوی ترین اور متاثر کن آواز حضرت عباسؑ کی تھی جس نے ان افراد کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا تھا اور انہیں اس وقت بیدار کر دیا جب موت کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے۔ جناب عباس علیہ السلام کی عبادت و ریاضت کو دیکھتے ہوئے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے زیارت میں آپ کو نہایت پر وقار انداز میں سلام پیش کیا اور۔ ''السلام علیک ایھا العبد الصالح '''' (اے) عبد صالح آپ پر سلام ہو۔'' جناب عباس علمدارؑ نے عبادت میں کمال حاصل کر کے عبودیت کی منزل بحیثیت عبد صالح حاصل فرمائی۔

۱۵......الطیار (پرواز کرنے والے) جناب جعفر طیار ابن ابی طالب علیہ السلام جناب رسالت مآبؐ کے چچازاد اور حضرت علی علیہ السلام کے حقیقی بھائی تھے۔ آپ نہایت عابد و زاہد اور دیندار تھے، آپ کی شخصیت نہایت متاثر کن تھی، ہجرت حبشہ میں آپ نے یہاں کے بادشاہ نجاشی کو اپنی بصیرت سے اسلام کی طرف راغب کیا اس طرح حبشہ مسلمانوں کے لیے پناہ گاہ ثابت ہوا، جہاں تبلیغ دین کے بہتر مواقع فراہم ہوئے۔

جب حضرت رسول اکرمؐ نے بادشاہ روم ہرقل کے ساتھ جنگ کی غرض سے موتہ روانہ کیا۔ یہاں سخت معرکہ پیش آیا اور جب آپ علمداری کے شرف سے مشرف ہوئے تو بہادری کے بے مثل جوہر دکھائے اور دوران جنگ آپ کے دونوں بازو قلم ہو گئے۔ جس کے عوض پروردگار عالم نے آپ کو پر عنایت فرمائے۔ حدیث جناب رسالت مآبؐ ہے کہ جناب جعفر ان پروں سے جنت میں پرواز کرتے ہیں۔ اسی بنا پر آپ کو جعفر طیار کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

کربلا میں حضرت عباس علمدار علیہ السلام کے حق وفا ادا کرتے ہوئے دونوں شانے قلم ہوئے لیکن علم و مشک کو بچانے کی آخری دم تک سعی فرمائی۔ آخر جب زمین پر تشریف لائے تو جسم تیروں سے چھلنی، بازو جسم سے جدا اور سر انور شگافتہ تھا۔ آپ کا مقام فضیلت یہ ہے کہ آپ کو جانثاران حسینؑ میں سب سے زیادہ فضیلت حاصل ہے اور آپ جنت میں پرواز کرتے ہیں۔ حضرت جعفر طیار کے جنگ موتہ میں بازو قلم ہوئے لیکن اس وقت آپ کی نصرت کے لیے مجاہدین موجود تھے لیکن جب حضرت عباسؑ گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے تو اس وقت میدان کارزار میں تنہا تھے، آپ پر پیاس کا شدید غلبہ تھا اور خیموں میں موجود تشنہ

لب بچوں کی پیاس کا اس وقت بھی آپ کو خیال تھا۔

۱۶...... الشہید (راہ حق میں جان فدا کرنے والے) راہ خدا میں جو قتل ہو یا مارا جائے اسے شہید کہتے ہیں۔ شہید کا مرتبہ بہت بلند ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں پروردگار عالم نے شہدا کو بڑی فضیلت عطا فرمائی ہے۔ سورہ آل عمران میں ارشاد رب العزت ہے۔ ''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوئے ہیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں اور پروردگار کی بارگاہ سے رزق پاتے ہیں اور اللہ نے جو فضل ان پر کیا ہے اس کے سبب وہ شاد ہیں اور جو لوگ ان سے پیچھے رہ گئے اور ان میں آ کر شامل نہیں ہوئے ان کی نسبت یہ (خیال کر کے) مطمئن ہوتے ہیں کہ (یہ بھی شہید ہوں تو) ان پر نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ آزردہ خاطر ہوں گے۔ اللہ کی نعمت اور فضل اور اس بات کی خوش خبری پا کر اللہ مومنین کے ثواب کو برباد نہیں کرتا، وہ تو نہال ہو رہے ہیں۔''

حضرت عباس علمدار وہ شہید راہ وفا جن کی فضیلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت امام زمانہ نے زیارت ناحیہ میں آپ پر سلام کرتے ہوئے فرمایا۔ سلام جناب ابو الفضل العباس علیہ السلام فرزند امیر المومنینؑ پر جو بہ جان و دل اپنے بھائی حسینؑ کی غم خواری کر رہے تھے اور فرداء قیامت میں اپنے درجات کی بلندی کا اپنی زندگی میں سامان کر رہے تھے۔ آپ امام پر اپنی جان فدا کر رہے تھے اور ان کو دشمنوں سے بچا رہے تھے اور بہت تیزی سے اپنی مشک کا پانی ان تک پہنچانے کی کوشش کر رہے تھے ان کے دونوں شانے قلم ہو گئے۔ خدا لعنت کرے ان کے قاتل یزید بن رقاد اور حکیم بن طفیل طائی پر۔

۱۷...... الصدیق (دوست) صدیق اسے کہتے ہیں جو ہمیشہ سچ بولے اور اپنے عمل سے اپنے قول کی تصدیق کرے۔ جناب عباس علمدار علیہ السلام ایسے صدیق تھے کہ آپ نے لاکھوں کے لشکر کے درمیان حضرت امام حسین علیہ السلام کی اطاعت کی تصدیق فرمائی۔ علامہ اسفرائنی تحریر فرماتے ہیں۔ جب حضرت عباس علمدارؑ دریا سے مشک بھر کر سوئے خیمہ روانہ ہوئے اور آپ کا دائیاں ہاتھ قلم ہو گیا تو آپ نے مشک و علم کو بائیں ہاتھ میں لیا اس وقت آپ نے فرمایا۔ ''خدا کی قسم اگرچہ تم نے میرا دائیاں ہاتھ قلم کر دیا لیکن میں اپنے سچے دین کی مدد کرتا رہوں گا اور اپنے اس امام کی مدد کرتا رہوں گا جو سبط رسول الثقلین ہیں۔'' بحار الانوار میں علامہ مجلسی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔ جب جناب عباس علیہ السلام کا بائیاں ہاتھ قلم ہو گیا تو آپ نے فرمایا۔ ''اے قوم روسیاہ گو کہ تم نے میرا دائیاں ہاتھ قلم کر دیا لیکن بخدا میں حمایت دین اور حضرت امام حسینؑ سے دستبردار نہیں ہوگا۔'' ابو مخنف نے جناب عباس علمدارؑ کی شہادت کے باب میں لکھا ہے جب آپ گھاٹ سے باہر آئے تو چاروں طرف سے دشمنوں نے تیروں کی بارش شروع کر دی۔ میرمص بن شیبان۔ لعین

نے حملہ کر کے آپ کا دائیاں ہاتھ قلم کر دیا تو آپ نے فرمایا۔ خدا کی قسم اگر میرا دائیاں ہاتھ بھی تم لوگ جدا کر دو تو بھی میں اپنے آقا کی حمایت کرتا رہوں گا جو سراپا ایمان اور فرزند فاطمہ ہیں۔" جناب عباس علمدارؑ ایسے صدیق تھے کہ شدید ترین حالات میں بھی زخموں سے چور چور بدن اور بازو قلم ہونے کے باوجود راہ حق پر چلتے ہوئے امام کی حمایت فرماتے رہے، جب آپ کا بائیاں ہاتھ بھی تن سے جدا ہو گیا تو آپ نے فرمایا۔

"اے میرے نفس، کفار کی جمعیت سے نہ ڈرنا۔"

مزار ابن قولیہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زیارت میں مرقوم ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا الْوَلِیُّ الصَّالِحُ النَّاصِحُ الصِّدِّیْقُ ۔" اے صالح ولی خدا اور پاک دل مخلص صدیق آپ پر میرا سلام ہو۔" ایک اور زیارت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے جناب عباسؑ کی صداقت کی تصدیق فرمائی۔ اَشْھَدُ لَکَ بِالتَّسْلِیْمِ وَ التَّصْدِیْقِ ۔

۱۸......الفادی (حضرت امام حسینؑ کا فدیہ) حضرت عباس علیہ السلام نے حضرت امام حسین علیہ السلام پر اپنی جان فدا کر دی۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں۔" اللہ تعالیٰ میرے چچا عباسؑ پر رحم فرمائے کہ آپ نے میدان کربلا میں کمال جرأت اور ایثار کا مظاہرہ فرمایا اور اپنے آپ کو اپنے محترم بھائی پر قربان کر دیا۔ حضرت عباس علیہ السلام حضرت امام حسین علیہ السلام پر جان و دل سے فدا تھے۔ یہی وہ جذبہ تھا کہ آپ نے اپنے تینوں حقیقی بھائی جناب عبداللہ بن علیؑ، جناب عثمان بن علیؑ اور حضرت جعفر بن علیؑ کو حضرت امام حسینؑ پر قربان کر دیا۔ جب برادران جناب عباسؑ جام شہادت نوش فرما چکے تو حضرت عباسؑ نے اپنے فرزند جناب فضل بن عباسؑ اور جناب قاسم بن عباسؑ کو حضرت امام حسینؑ کا فدایا بنا کر بارگاہ الٰہی میں شہادت کے لیے پیش کیا۔ جناب عباس کے بھائیوں اور فرزندو کی شہادت کے بعد جناب عباسؑ کے بھانجے جناب عبداللہ بن مسلم بن عقیلؑ اور جناب عون و محمد بن عبداللہ کے بعد بھتیجے جناب قاسم بن الحسنؑ نے حضرت امام حسینؑ پر اپنی جان فدا کی۔

۱۹......المدثر (ایثار کرنے والے) اپنی ضروریات کو نظر انداز کرتے ہوئے دوسروں کی ضروریات کو مقدم جاننا ایثار کہلاتا ہے۔ حضرت عباس علیہ السلام نے بچپن تا جوانی ہمیشہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی ضروریات کو مقدم جانا۔ حضرت امیر المومنینؑ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔" عزیز فرزند! اپنی ذات کو اپنے اور دوسروں کے درمیان میزان (ترازو) بنا لو۔ دوسروں کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو۔" ایثار ایک ایسا جذبہ ہے جس کا تعلق قلبی لگاؤ اور جذبہ و ہمدردی سے

ہے۔ یہ جذبہ جس قدر بلحاظ تعلق گہرا ہوگا اسی قدر قربانی کا جذبہ پایا جائے گا۔ جناب عباسؑ میں جذبہ ایثار اپنی انتہا پر تھا۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے حضرت عباسؑ کے ایثار کے بارے میں فرمایا۔ ''اللہ میرے چچا عباسؑ پر رحم کرے کہ آپ نے ایثار سے کام لیا۔'' حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے حضرت عباسؑ کے ایثار کا ذکر ایک زیارت میں ان الفاظ میں فرمایا۔ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ نے آخری دم تک حضرت امام حسینؑ کی خیر خواہی کی اور اس کے لیے بھرپور کوشش کی۔''

حضرت عباس علیہ السلام پیکر ایثار وفا تھے۔ جب تک آپ حضرت امام حسین علیہ السلام سے اجازت طلب نہ فرماتے اس وقت تک آپؑ کے سامنے نہیں بیٹھتے تھے اور جب اجازت ملتی تو اس انداز میں بیٹھتے جیسے ایک تابعدار اپنے آقا کے سامنے بیٹھتا ہے۔ جناب عباسؑ حضرت امام حسینؑ کو ہمیشہ یا سیدی، یا مولائی اور یا ابن رسول اللہ کہہ کر خطاب فرماتے تھے۔ آپ نے ساری عمر حضرت کو آقا کہا صرف وقتِ شہادت جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ اے عباس تم نے ساری زندگی مجھے آقا کہا آج بھائی کہہ دو تو آپ نے نزع کے عالم میں حضرت کو بھائی کہہ کر مخاطب فرمایا۔ حضرت عباسؑ کے ایثار کا یہ عالم تھا کہ جب ساتویں محرم سے بندش آب ہوئی تو آپ نے اپنے حصہ کا پانی معصوم بچوں میں تقسیم کیا۔ آپ کے ایثار کی ایک بڑی مثال ہے کہ آپ نے ابن زیاد کی طرف سے وہ امان نامہ جو آپ کے لیے اور آپ کے بھائیوں کے لیے لکھا تھا آپ نے اسے چاک کر دیا اور فرمایا۔ ابن زیاد اور اس کے امان نامہ پر لعنت ہو کہ فرزند رسولؐ کی جان لینے کے درپے ہے اور ہمیں امان نامہ لکھ رہا ہے۔ آپ نے اپنے بھائی اور بیٹے حضرت امام حسینؑ پر قربان کر دیے۔ کربلا میں یہ ایثار کی انتہا تھی۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ''اللہ میرے چچا عباسؑ پر رحم فرمائے کہ آپ نے ایثار سے کام لیا اور آزمائشوں کا مقابلہ کیا اور بھائی پر اپنی جان نثار کر دی۔'' جناب عباس علمدار کا دریا پر قبضہ ہونے کے باوجود پیاسا لوٹنا ایثار کی بہت بڑی مثال ہے۔

۲۰......المواسی (مددگار، تسلی دینے والا) جناب عباس علمدار علیہ السلام ہر حاجت مند کے حاجت روا اور مددگار ہیں۔ آپ باب الحوائج ہیں۔ کربلا میں آپ اہل حرم کی ڈھارس تھے۔ صاحبان عصمت و طہارت کے دلوں کو اطمینان تھا کہ آپ کے ہوتے ہوئے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا۔ کربلا میں تمام بیبیوں کو یہ یقین تھا کہ جناب عباسؑ کے ہوتے ہوئے کوئی خیموں میں داخل ہونے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ آپ اہل حرم کے پردے کے محافظ تھے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے حضرت عباسؑ کی زیارت میں ارشاد فرمایا۔ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ جناب عباسؑ نے اللہ اور اس کے رسولؐ اور اپنے بھائی کی خیر خواہی کی تھی۔

آپ بہترین ہمدرد اور غم خوار بھائی تھے۔ حضرت امام ہادیؑ جناب عباسؑ کی زیارت میں یہ الفاظ ادا فرمائے۔ ''ابوالفضل العباسؑ پر سلام ہو، جنہوں نے اپنی جان دیکر اپنے بھائی سے ہمدردی کی تھی۔ جس نے آنے والے کل کے لیے گزشتہ دن سے زادہ راہ حاصل کیا تھا اور جو اس کے محافظ تھے آپؑ نے امام تک پانی پہنچانے کی کوشش کی تھی اور اس کوشش میں ان کے بازو قلم ہوئے تھے۔'' حضرت علی علیہ السلام کے سامنے واقعات کربلا نمایاں تھے۔ لہٰذا آپ نے جناب ابوالفضل العباسؑ کو حضرت امام حسینؑ کی حفاظت کی وصیت کی تھی اور آپؑ اپنے والد ماجد حضرت علی علیہ السلام کی وصیت پر عمل پیرا ہوئے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے اپنی زیارت میں فرمایا۔ ''اے عبد صالح! آپؑ پر سلام، اللہ و رسولؐ اور امیرالمومنینؑ کے اطاعت گزار آپؑ پر سلام۔ میں گواہی دیتا ہوں اور اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ آپ نے اسی راستے کا انتخاب کیا جس پر اہل بدر اور راہ خدا کے مجاہدین اور دشمنان خدا سے جہاد کرنے والے اولیائے الٰہی کی بھرپور مدد کرنے والے اور خدا کے پیاروں کا دفاع کرنے والے چلے تھے۔'' حضرت امام علی نقی الہادی علیہ السلام نے آپ پر سلام کرتے ہوئے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ ''ابوالفضل العباسؑ پر سلام ہو کہ آپ نے اپنی جان قربان کر کے اپنے بھائی سے ہمدردی کی تھی۔'' جب حضرت عباسؑ کے سرہانے حضرت امام حسینؑ تشریف لائے تو نزع کے عالم میں حضرت امام حسین علیہ السلام سے وصیت فرمائی کہ ''آقا میرا لاشہ خیموں میں لے کر نہ جائیں میں سکینہؑ سے شرمندہ ہوں، میں نے پانی کا وعدہ کیا تھا جو پورا نہ ہوسکا۔''

۲۱...... الحامی والمحامی (دشمنوں سے دفاع کرنے والے) حامی ومحامی اس ہمدرد کو کہتے ہیں جو کسی انسان سے دشمن کو دور کرے اور اس کے دفاع کی بھرپور کوشش کرے۔ جناب عباسؑ حضرت امام حسینؑ کے حقیقی حامی و محامی تھے۔ آپ نے آخری دم تک حضرت امام حسینؑ اور اہل حرم کے خیام کا دفاع فرمایا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ ''جناب عباسؑ نہایت صابر و مجاہد اور حامی و یاور تھے۔ آپ اپنے بھائی کا دفاع کرنے والے بہترین بھائی تھے۔'' جب ولید نے دارالامارہ میں حضرت امام حسین علیہ السلام سے بیعت یزید کرنے پر اصرار کیا اور آپ کے انکار پر جب مروان بن حکم نے ولید کو اشارہ کیا کہ حضرت امام حسینؑ کو گرفتار کرلو۔ اگر بیعت نہ کریں تو قتل کردو اس موقع پر جناب عباسؑ دلاور بنی ہاشم کے جوانوں کے ساتھ دارالامارہ میں داخل ہوئے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کو حصار میں لے کر گھر تشریف لائے۔ شب عاشور اور روز عاشور کے واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر موقع پر آپ ایک مضبوط حصار کی حیثیت رکھتے تھے۔

۲۲...... ظہر الولایۃ (ولایت امام کے پشت پناہ) حضرت عباسؑ نے ہمیشہ ولایت علیؑ کا دفاع

فرمایا۔ جنگ صفین میں منکرین ولایت و امامت پر کاری ضرب لگائی۔ جس طرح حضرت ابوطالبؑ جناب رسالت مآبؐ کے پشت پناہ تھے اسی طرح حضرت عباس علیہ السلام کربلا میں خانوادہ رسالت کے پشت پناہ تھے۔ جناب عباس علمدارؑ نے اپنے والد گرامی قدر حضرت علی علیہ السلام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے جس طرح حضرت علی علیہ السلام رسول اکرمؐ کی حمایت میں مصروف عمل تھے اسی طرح جناب عباسؑ ہمہ وقت حضرت امام حسینؑ کی نصرت کے لیے تیار و آمادہ رہا کرتے تھے۔ ولایت کی سرفرازی کا معترف ہونا دین کی بنیادی شرط ہے اور یہ بھی لازم ہے کہ اس عقیدے پر قائم رہنے کے لیے امام کی حمایت میں کسی بھی طور پر کمی نہ آئے ہر مومن پر واجب ہے کہ نصرت امام کے لیے ہمہ وقت آمادہ رہے۔ حضرت عباس علیہ السلام نے یہ فرض نہایت عمدگی سے ادا فرمایا اور ساتھ ہی انصار حسینی میں یہ جذبہ پوری طرح اجاگر فرمایا۔

۲۳..... قائد الجیش (قایدِ قافلہ) حضرت عباسؑ قائد قافلہ حسینی کی حیثیت سے اپنے فرائض کی انجام دہی میں اس وقت سے مصروف عمل تھے جب قافلہ مدینہ سے چلا تھا تو تمام تر ذمہ داریاں حضرت امام حسین علیہ السلام نے آپؑ کے سپرد فرمائی تھیں اور مدینہ سے روانہ ہوتے وقت قافلہ کا علم بھی جناب عباسؑ کے حوالے کیا تھا۔ لہٰذا ۲۸/رجب المرجب تا صبح عاشور تک آپ قافلہ کے علم دار تھے اور صبح عاشور نماز فجر کے بعد آپ لشکر حسینی کے سالار اور علم دار مقرر ہوئے۔ کتاب ''فقہ الزہرا'' میں مرقوم ہے۔ ''قائد وہ ہونا چاہیے جو اپنے پیروکاروں کو سعادت اور رضائے الٰہی کی طرف مائل کرے۔'' جناب عباسؑ حسینی لشکر کے قائد تھے۔ آپ نے لشکر میں اطاعتِ حضرت امام حسینؑ کا جذبہ اجاگر کیا اور اصحاب کو دین کی سعادت اور نصرت امام سے پوری طرح آمادہ و تیار کیا۔ حضرت امام حسینؑ نے آپ کو اپنے لشکر کا علم دار مقرر کیا۔ آپ نے سالاری کا فن اپنے والد گرامی قدر شیر خدا حضرت علی علیہ السلام سے سیکھا۔ حضرت عباسؑ جیسا قائد و سالار دنیا کی نظر میں نہیں گزرا جو اپنے لشکر کو دشمن سے بچانے کی سعی کرتا رہے اور تین دن کی بھوک و پیاس کے عالم میں ایک نیزے کے ساتھ دشمن کی صفوں کو چیرتا ہوا دریا تک پہنچے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کو اپنے سالار لشکر جناب عباسؑ پر فخر تھا کہ جب تک علم حضرت عباسؑ کے ہاتھوں میں بلند رہے گا دشمن کے حوصلے پست رہیں گے اور رسول اللہؐ کی صاحبان عصمت و طہارت بہو بیٹیوں کو یہ اطمینان رہے گا کہ کوئی انہیں گزند نہیں پہنچا سکتا۔

۲۴..... المستجار (فریاد سننے والے، مددگار، پناہ گاہ) تمام لشکر حسینی آپؑ کی پناہ میں تھا اور ہر ایک کی مصیبت اور پریشانی کو آپؑ محسوس کرتے تھے اور فریاد کو سننے والے تھے۔ یہ شرف آپؑ کے لیے مخصوص ہے

کہ آج بھی لوگ آپ کے روضۂ اقدس پر فریادی بن کر آتے ہیں اور آپ کی بارگاہ میں اپنی حاجتیں پیش کرتے ہیں جو مستجاب ہوتی ہیں۔ یہ سلسلہ آپ کی شہادت کے بعد سے اب تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہیگا۔

آپ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے جو نوحہ پڑھا اس میں آپ کو مضبوط سہارا قرار دیا جیسا کہ آپ کا ارشاد ہے۔ ''اے میرے نور چشم بھائی! آپ میرے لیے مضبوط سہارا تھے۔ اے میرے برادر عزیز آپ نے جام کوثر پینے تک اپنے بھائی سے وفاداری کی۔ اے روشن چاند! آپ تمام مصائب میں میرے مددگار تھے۔ آپ کے بعد زندگی میں کوئی مزہ باقی نہیں رہا۔ کل قیامت کے دن ہم جمع ہوں گے۔ میں اپنی پیاس اور مصیبت پر صبر کرتا ہوں اور خدا سے شکایت کرتا ہوں۔'' پروردگار عالم نے حضرت ابوالفضل العباسؑ کو اتنا بڑا درجہ دیا ہے کہ وہ دین کے والی وسلطان کے لیے پناہ بنے تھے اور امام عالی مقامؑ نے آپ کو ''مستجار'' پناہ گاہ کا لقب عنایت فرمایا۔ آپ کے روضہ منور پر حاجت مندوں کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں اور آئے دن معجزات رونما ہوتے ہیں۔ صالح حلی ایک نظم میں جناب عباس علمدار کی مدح میں تحریر فرماتے ہیں۔ ''ہم نے حضرت عباس علیہ السلام سے پناہ طلب کی تو آپ نے ہم پر کرم فرمایا، ہم نے دل کی تکلیف اور اس کے زخموں کی دوا کی التجا کی تو بیماری کے بعد اللہ نے ''سعید'' کو عافیت کا لباس پہنایا۔ اللہ نے دل کے زخموں کو راحت میں تبدیل کر دیا۔'' جناب عباس علمدارؑ بیکسوں کا آسرا، مظلوموں کا سہارا اور مجبوروں کی فریاد سننے والے ہیں۔ آپ کا در وہ در ہے کہ جب انسان ہر طرف سے مایوس ہو جائے تو آپ ہی حاجت مندوں اور مایوسیوں میں گھرے افراد کا سہارا ہیں۔

۲۵......الواقی (بچانے والے، مددگار) اسلام میں دوسروں کی مدد کرنا اور کسی شخص کو مصائب سے نکالنے کا بڑا اجر ہے۔ جناب رسالت مآبؐ کا ارشاد ہے کہ ''جو مومن اپنے برادر مومن کی مدد کرے اور اسے پریشانی اور تکلیف سے نجات دلائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس نیکیاں تحریر فرماتا ہے، اس کے درجات بلند کرتا ہے، اسے دس غلاموں کے آزاد کرنے کا ثواب عطا کرتا ہے اور اس سے دس مصیبتیں دور کرتا ہے اور قیامت کے دن اسے دس افراد کی شفاعت کا حق عطا کرے گا۔'' حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ''جو مشکل کے وقت اپنے پریشان حال مومن کی مدد کرے اور اس سے اس کی پریشانی دور کرے یا اس کی حاجت روائی کی غرض سے مدد کرے تو روز قیامت کی پریشانیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے خدا اسے بہترین رحمتوں سے نوازے گا۔''

جناب عباس علیہ السلام ٹوٹے دلوں کا سہارا اور بے بسوں اور مجبوروں کے حاجت روا ہیں۔ حضرت

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ''جب ہمارے وفادار چچا کی قبر اطہر پر جاؤ تو آپ کو اس طرح سلام کرو۔ اے ولی صالح اور خیر خواہ صدیق آپ پر سلام ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے فرزند رسول کی مدد کی اور راہ خدا کی دعوت دی اور اپنی جان فدا کر کے ہمدردی کی مثال قائم کی۔ اللہ کی طرف سے آپ پر سلامِ کامل ہو۔'' جناب عباسؑ نے تشنہ لب بچوں کی پیاس بجھانے میں سعی فرمائی۔ اصول کافی میں حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ ''زمین پر اللہ کے کچھ ایسے بندے موجود ہیں جو لوگوں کی حاجات پوری کرنے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔ ایسے لوگ قیامت کے دن امن میں ہوں گے، جس نے مومن کو خوشی دی روز قیامت اللہ تعالیٰ اس کے دل کو خوش کرے گا۔'' جناب عباس علیہ السلام منبع جود و سخا ہیں، آپ نے کربلا میں قیام کے دوران حضرت امام حسین علیہ السلام کے اصحاب کے ساتھ نہایت ہمدردی کا اظہار فرمایا۔ بحیثیت سالار لشکر اپنے ساتھیوں کا حوصلہ بلند کیا اور راہ حق میں مستقل مزاجی سے قائم رہنے کی تاکید فرمائی تاکہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی نصرت کا حق ادا ہو سکے۔

۳۶.....الساعی (مستقل مزاجی سے کوشش کرنے والے) ساعی کے معنی کسی کے لیے کوشش کرنا، عربی زبان میں محنت و مشقت کرنے والے کو ساعی کہتے ہیں۔ جناب عباس علمدارؑ نے فراہمی آب کے لیے بہت مشقت کی اور کوشش فرمائی، آپ کا مقصد حیات اطاعت امام اور آپؑ کی خدمت گزاری میں زندگی بسر کرنا تھا۔ ہر کام کو انجام دینے سے قبل حضرت امام حسین علیہ السلام سے اجازت طلب کرتے تھے اور رضا امام کو فوقیت دیتے تھے۔ خدمت امام حسینؑ میں اطاعت گزاری کا حق ادا فرمایا اور اہل حرم کیلئے فراہمی آب کے لیے کنوئیں کھودے جو لشکر عمر سعد نے جب پانی نکلنے کے آثار ہوئے تو لشکر کشی کر کے بند کرا دیئے۔ آپ نے فراہمی آب کی بھرپور کوشش کرتے ہوئے شہادت پائی۔ آپ کی بے مثل قربانی کی یاد ہمیشہ دلوں پر نقش رہے گی۔ آپ نے نصرت امام حسین کرتے ہوئے بہت زیادہ جدوجہد کی اور تکلیفیں برداشت کیں۔ اسی سبب سے آپ کو زیارت ناحیہ میں ''الساعی'' کے لقب سے یاد کیا گیا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ''الساعی'' کی صفت کے پیش نظر جناب عباسؑ کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کی۔ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے کسی طرح کی کمزوری نہیں دکھائی اور آپ نے بصیرت سے کام لیتے ہوئے عمل کیا۔''

اصول کافی میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا ارشاد مرقوم ہے کہ ''زمین پر اللہ کے کچھ ایسے بندے ہیں جو لوگوں کی حاجات پوری کرنے کی غرض سے جدوجہد کرتے ہیں۔ ایسے لوگ روز قیامت امن میں ہوں گے، جس نے مومن کو خوشی دی روز قیامت اللہ اس کے دل کو خوشی عطا فرمائے گا۔'' الکافی میں

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ قول منقول ہے۔ ''اگر میں اپنے ایک برادر مسلم کی حاجت پوری کرنے کے لیے چلوں تو یہ عمل مجھے ایک ہزار غلام آزاد کرنے اور ایک ہزار شاہ سواروں کے مقابلہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔''

۲۷...... **المعجل** (تیزی سے، جلد مدد کو پہنچنے والے) حضرت عباس علمدارؑ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو ہمیشہ آقا کہہ کر مخاطب کیا اور آپ کے حکم کی تعمیل میں کبھی دیر نہ کی اور آپ اس انتظار میں رہتے تھے کہ حکم امام ہو اور وہ اسے فوری طور پر بجا لائیں۔ مدینہ روانگی کے وقت قافلہ کی تیاری کے جملہ امور آپ نے رضائے امام حسینؑ کے مطابق انجام دیے۔ اسی طرح جب لشکر حر کو سیراب کرنے کا حکم ملا تو آپ نے لشکر حر کو سیراب کیا۔ اسی طرح کربلا پہنچ کر خیام حسینی کا انتظام اور لشکر کی تنظیم کے فرائض آپ نے رضائے امام کے مطابق انجام فرمائے۔ جناب عباس علیہ السلام ہر ضرورت مند کی بہت جلد مدد فرماتے ہیں۔ آپ کی بارگاہ میں شدید مرض میں مبتلا اور معذوروں کو ایک لمحہ میں شفایاب ہوتے دیکھا گیا ہے۔ جہاں امیدیں دم توڑ جاتی ہیں وہاں حضرت عباس علیہ السلام کی مشکل کشائی کام آتی ہے۔ جب ہر دوا بے اثر ہو وہاں آپ کے علم کے پھریرے کی ہوا مریض لا دوا کو شفائے کامل عطا کرتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ دنیا کے دور دراز علاقوں سے لوگ آکر آپ کے در اقدس پر حاجات پیش کرتے ہیں اور باب الحوائج کے در سے شفایاب لوٹتے ہیں۔ لاکھوں سلام ہو آپ کی اس عظمت پر کہ راہ وفا میں بازو تو قلم ہو گئے لیکن دست شفاء کے فیضان جاری ہیں۔

۲۸...... **المصفیٰ** (صاحب خلوص، حق و باطل کا فیصلہ کرنے والے) جناب عباس علمدار علیہ السلام کی اطاعت اور وفا دونوں میں خلوص اپنی انتہا پر نظر آتا ہے۔ آپ حق و باطل کو ظاہر کرنے والے اور جامع فیصلہ کرنے والے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی شخص آپ کے روضہ اطہر کے سامنے جھوٹی قسم کھانے کی جرأت نہیں کرتا۔ جب کسی مجرم کو لوگ یہاں لا کر حضرت عباسؑ کی قسم کھانے کو کہتے ہیں تو وہ خوف سے لرزنے لگتا ہے اور اعتراف جرم کر لیتا ہے۔ اگر کوئی منافق جھوٹی قسم اٹھالے تو اسے یہاں فوری سزا ملتی ہے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے لیے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''اقضیٰ امتی علیؑ'' ''امت کے سب سے بڑے قاضی علیؑ ہیں۔'' فرزند امیر المومنینؑ کو جلد فیصلہ کرنے کی عظمت و توقیر اپنے والد بزرگوار سے وراثت میں ملی۔ لہٰذا جو تنازعات عدالتوں میں حل ہونے میں ایک مدت درکار ہوتی ہے اس کے باوجود اکثر فیصلے انصاف کے تقاضوں کو پورا کیے بغیر سامنے آتے ہیں لیکن سرکار حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کے روضہ اقدس پر تنازعات کے فیصلے چند لمحوں میں ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ صفت

ہے۔ جس کی بناء پر آپ کا لقب مصفّی ہے۔

جناب عباس علیہ السلام کے امتیازات میں ایک اہم امتیاز سفارت کاری کے فرائض انجام دینا ہیں۔ جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے جناب عباسؑ سے فرمایا لشکر یزید سے ایک شب کے لیے جنگ ملتوی کرائیں تاکہ ہم یہ رات تسبیح وتہلیل اور عبادت میں بسر کریں۔ جناب عباسؑ نے اپنی بہترین حکمت عملی سے جنگ کو ایک رات کے لیے ملتوی کرا کے بہترین سفارت کاری کے فرائض انجام دیے۔ اس طرح حضرت امام حسینؑ اور آپؑ کے انصار واقرباء نے ساری رات پروردگار عالم کی عبادت میں بسر کی۔

جناب عباسؑ ہر طرح کی معصیت سے دور تھے۔ آپ معرفت کے بلند ترین مرتبہ پر فائز تھے۔ صاحبان فکر ونظر نے ''عصمت'' کی جو شرائط تحریر فرمائی ہیں۔ جناب عباسؑ ان میں کامل واکمل نظر آتے ہیں۔ آپ عالم، فاضل اور فقیہ کامل کے درجہ پر فائز تھے۔ علم وفضل اور معرفت میں آپ حد کمال پر تھے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے تین آئمہ معصومین، حضرت علی علیہ السلام، حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام سے فیض حاصل کیا۔ فصاحت وبلاغت آپ نے حضرت امیر المومنینؑ سے میراث میں پائی، آپ کی رجز خوانی اور خطبات اس امر پر دلالت کرتے ہیں۔ آپ عالم باعمل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ پروردگار عالم، سرور عالم اور آئمہ اہل بیتؑ کی نظر میں آپ نہایت محترم تھے۔ جس کا ذکر اس کتاب کے تیرہویں باب میں تفصیل سے کیا گیا ہے۔ حضرت عباسؑ کے امتیازات کی فہرست بہت طویل ہے جو فضائل و مناقب پر مشتمل ہے۔ دراصل آپ کو جو مراتب حاصل ہوئے ان کی بناء آپ کی عبادت، علم وتدبر اور وفا ہے۔ آپ نے کربلا میں علمداری کے منصب کو آخری دم تک نبھایا۔ آپ نے اطاعت امام میں ہر سختی کو برداشت کیا۔ یہاں تک کہ پانی کی فراہمی کی سعی میں بازو قلم ہوئے اور عباس باوفا کہلائے۔ یہ وہ اعزاز ہے کہ ہمیشہ باقی رہے گا، وفا آپ کے نام کا حصہ ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ نے لفظ وفا کی لاج رکھ لی۔

شہدائے کربلا کے مراتب

شہدائے کربلا کے فضائل ومناقب کی کوئی انتہا نہیں۔ زہد وتقویٰ، رشد وہدایت، صبر واستقلال اور شجاعت میں یہ بے مثل تھے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے انصار واقربا کا کوئی ثانی نہ تھا۔ ابن خلدون کا بیان ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے شب عاشور اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے یہ خطبہ دیا۔ ''میں پروردگار عالم کی حمد وثناء کرتا ہوں اور اس کی تعریف ظاہر اور پوشیدہ کرتا ہوں۔ اے اللہ میں تیری حمد بجالاتا

ہوں کہ تو نے ہمارے جد کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور ہم کو گوش وچشم وقلوب عطا کیا۔ قرآن کی تعلیم اور سمجھ عطا فرمائی۔ پس ہم تیرے شکر گزار ہیں۔ اما بعد میں اپنے ہمراہیوں سے زیادہ نہ کسی کو باوفا سمجھتا ہوں اور نہ کسی کو ان سے بہتر جانتا ہوں اور میرے اہل بیت سے زیادہ کوئی نیک اور نہ ان سے کوئی شخص زیادہ رشتہ کا لحاظ رکھنے والا ہے۔ پس تم سب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔ آگاہ ہو جاؤ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ کل یہ اعدا مجھ سے ضرور جنگ کریں گے۔ میں تم کو خوشی سے اجازت دیتا ہوں جس کا جس طرف جی چاہے چلا جائے۔ میرا کچھ حق اس پر نہیں ہے۔ لیکن مناسب ہے کہ تم میں سے ہر شخص میرے اہل بیت میں سے ایک ایک فرد کو اپنے ہمراہ لے جائے۔ تم سب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے اور اپنے اپنے شہروں اور ملکوں کی طرف منتشر ہو کر چلے جاؤ۔ اللہ رب العزت تم کو اس تکلیف سے بچائے۔ کیونکہ شامی میرے خون کے پیاسے ہیں، اگر یہ مجھے پالیں گے تو دوسروں کی جستجو نہیں کریں گے۔" بقول طبری، مقتل خوارزمی، کامل ابن اثیر، ارشاد مفید، لہوف اور مثیر الاحزان شب عاشور حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: "یہ لوگ صرف میری جان کے دشمن ہیں، لہٰذا تم لوگ رات کی تاریکی میں یہاں سے چلے جاؤ۔" لیکن جانثاران حسینؑ میں سے سب نے اس عزم کا اظہار کیا کہ ہماری جانیں آپؑ پر قربان ہوں ہم آپ کو تنہا چھوڑ کر چلے جائیں یہ کسی طرح ممکن نہیں۔ جناب عباس علمدار علیہ السلام نے فرمایا کہ "اے فرزند رسولؐ! ہم ایسا کس طرح کر سکتے ہیں کہ آپ کو تنہا چھوڑ کر چلے جائیں یہ کسی صورت ممکن نہیں۔ کیا ہم آپؑ کو اس لیے تنہا چھوڑ جائیں کہ ہم آپ کے بعد زندہ رہیں؟ خدا ہمیں وہ دن کبھی نہ دکھائے۔" جناب عباسؑ کے اس خطاب کے بعد جملہ اصحاب باوفا اور اقرباء نے اس بات کا عزم کیا کہ وہ کسی صورت سے جدا نہیں ہو سکتے۔ بلکہ واپس جانے پر شہادت کو ترجیح دیں گے۔ فرزندان جناب مسلم بن عقیل، جناب مسلم بن عوسجہ، حضرت زہیر بن قین اور حضرت سعد بن عبداللہ سب نے فرمایا۔ "ایسی زندگی پر لعنت ہے، جو آپؑ کے بعد باقی رہے۔"

مصیبت و آلام میں ساتھ دینا انسان کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ کربلا میں یہ صفت آپؑ کے انصار و اقرباء میں حد انتہا پر تھی۔ تحفہ حسینیہ، مقتل عوالم، ناسخ التواریخ، اعثم کوفی اور نور العین کے مطابق اپنے اصحاب باوفا کے جذبات کو دیکھتے ہوئے فرمایا۔ "خدا کی قسم! میں نے اپنے اصحاب سے بہتر اور زیادہ وفادار کسی کے اصحاب کو نہیں دیکھا اور میں نے اپنے اہل بیت سے بڑھ کر بھلائی کرنے والا اور صلہ رحم کے تقاضوں کو پورا کرنے والا کوئی خاندان نہیں دیکھا۔" وسائل مظفری کے مطابق "اس موقع پر حضرت امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کو جنت دکھا دی۔" حضرت امام حسین علیہ السلام کے ارشادات سے شہدائے کربلا کے بلند درجات اور مراتب کی سربلندی کا

اظہار ہوتا ہے۔ پروردگار عالم نے شہیدان کربلا کو انبیائے سابقین اور صالحین کے اصحاب پر خصوصی امتیاز اور بلندی عطا فرمائی ہے۔ حضرت عباس علمدار علیہ السلام کیونکہ تمام انصار حسینؑ کے سالار تھے لہذا آپؑ کو خصوصی امتیاز حاصل ہے۔ جناب عباسؑ کو بحیثیت سالار حسینی تمام عالم کے سالاروں پر فضیلت حاصل ہے۔

انبیاء کرام اور اوصیائے عظام کے ساتھ حضرت امام حسین علیہ السلام کے اصحاب کو خصوصی امتیاز حاصل ہے۔ شرح آیات باہرہ میں روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ سورہ فجر کی آیت یاایتھا النفس المطمئنۃ کے مصداق حضرت امام حسین علیہ السلام ہیں اور نفس مطمئنہ اور راضیہ و مرضیہ نفس کے حامل ہیں اور آپؑ کے اصحاب باوفا کو بھی یہ شرف حاصل ہے کہ وہ پروردگار عالم سے راضی ہیں اور پروردگار عالم ان سے راضی ہے۔ لہذا نص قرآن سے شہدائے کربلا کے مراتب و سربلندی ثابت ہوتی ہے۔ شیخ مفید علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا۔ ''حضرت امام حسین علیہ السلام نے شب عاشور اپنے اصحاب سے فرمایا۔ میں نے تمہاری گردن سے اپنی بیعت اٹھالی اب تم میں سے جو بھی واپس جانا چاہے میری طرف سے اسے جانے کی اجازت ہے۔'' اصحاب نے واپس جانے سے انکار کیا، سب سے پہلے جناب عباس علمدار علیہ السلام نے عرض کیا کیا ہم اس لیے آپؑ کو چھوڑ جائیں کہ ہم آپؑ کے بعد زندہ رہیں۔'' اس کے بعد تمام اصحاب نے آپؑ کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ جب اصحاب واقرباء اظہار خیال کر چکے تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ ''میں نے اپنے اصحاب سے زیادہ وفادار کسی کے اصحاب کو نہیں پایا۔''

اس جہان فانی میں جتنے بھی لوگوں نے دین خدا اور انبیاء کی نصرت کی شہدائے کربلا کا مقام سب سے بلند و افضل ہے۔ زیارت ناحیہ میں حضرت امام زمانہ علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ''اے تمام انصار سے بہتر افراد! تم پر سلام ہو، صبر کرنے والوں! تم پر سلام ہو، آخرت کا گھر بہترین گھر ہے۔'' حضرت امام زمانہ علیہ السلام کا یہ ارشاد ظاہر کرتا ہے کہ شہدان کربلا فضائل و مناقب کی انتہا پر تھے۔ اصحاب حضرت امام حسین علیہ السلام جانتے تھے کہ کل بہتر کے مقابلے میں لاکھوں کا لشکر جملہ آلات حرب اور آسائش دنیاوی سے معمور ہوگا جبکہ انصار حسینی کو کئی امتحانات سے گزرنا پڑ رہا ہے۔ بندش آب، وسائل کی کمی اور عورتوں و بچوں کی موجودگی۔ اس کے باوجود ان کے عزم پختہ تھے، یہ صبر و استقلال کا پیکر تھے اور مقصد حسینؑ سے زیادہ ان کو کوئی امر عزیز نہ تھا، یہ تمام حق پر جان نثار کرنے پر فخر محسوس کرتے تھے۔ عام طور پر مجاہدین کا حوصلہ اس وقت بلند ہوتا ہے جب انہیں اپنی فتح کی امید ہو لیکن جانثاران حسینؑ جانتے تھے کہ شہادت لازم ہے اور ان کو اس بات کا بھی

یقین تھا کہ دائمی فتح حضرت امام حسینؑ کو حاصل ہوگی۔ لہٰذا یہ صاحبان صبر و رضا نہایت پختہ عزم و جذبہ کے حامل تھے۔ ان کے عزم کی پختگی کی اصل وجہ یہ تھی کہ ان مقدس ہستیوں کے اسمائے گرامی اور ان کی تعداد کے متعلق پہلے سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آگاہ فرما دیا تھا۔ لہٰذا یہ حضرات باوصف جانتے تھے کہ ان کی تعداد قدرت نے متعین فرما دی ہے، جو شہادت عظمیٰ کے اہم منصب پر فائز ہوں گے۔ بعد واقعہ کربلا کسی نے حضرت ابن عباس سے طنزاً کہا کہ آپ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی مدد کیوں نہ کی؟ تو آپ نے جواب دیا۔ "اللہ تعالیٰ نے اصحاب حسینؑ کا پہلے سے فیصلہ کر دیا تھا۔ لہٰذا ان کی تعداد میں نہ کمی ہو سکتی تھی نہ زیادتی۔ حضرت امام حسینؑ کے اصحاب کے اسم گرامی اور ان کی ولدیت ہمارے پاس پہلے سے تحریر تھی۔ اسی روایت کو محدث قمی نے نفس المہموم میں تحریر فرمایا ہے کہ محمد بن حنفیہ نے بیان کیا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے اصحاب کے نام ہمارے پاس ولدیت کے ساتھ لکھے ہوئے تھے۔

شہدائے کربلا کے درجات کی بلندی تک کسی اور قوم یا گروہ کا پہنچنا محال ہے۔ "تہذیب" میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا کربلا سے گزر ہوا تو آپ نے فرمایا۔ یہاں ان کی (حضرت امام حسینؑ کے انصار و اقرباء) سواریاں بیٹھیں گی اور یہاں اس قافلہ کے مرد قتل ہوں گے۔ وہ ایسے شہید ہوں گے کہ ان سے پہلے کے شہدا ان سے سبقت حاصل نہیں کر سکیں گے اور ان کے بعد کے شہدا ان سے سبقت حاصل نہیں کر سکیں گے۔" اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شہیدان کربلا کی شہادت سے متعلق اہل بیت رسول آگاہ تھے۔ بحار الانوار میں علامہ مجلسی علیہ الرحمہ بحوالہ راوندی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ "حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے کربلا سے گزرتے ہوئے فرمایا۔ "یہاں ان کی سواریاں بیٹھیں گی اور یہاں ان کے چاہنے والے قتل ہوں گے۔ ان سے پہلے کے شہدا ان سے سبقت حاصل نہ کر سکیں گے اور ان کے بعد کے شہدا بھی ان سے سبقت حاصل نہیں کر سکیں گے۔" ان روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شہیدان کربلا کے مراتب نہایت بلند ہیں۔ بحار الانوار میں امالی کے حوالے سے مرقوم ہے کہ حضرت میثم تمار نے جبلہ مکیہ سے کہا تھا۔ اے جبلہ! یہ معلوم ہونا چاہیے کہ قیامت کے دن حضرت امام حسینؑ بن علیؑ تمام شہدا کے سردار ہوں گے اور آپؑ کے اصحاب کو دوسرے شہدا پر بلند درجہ حاصل ہوگا۔ حدیث جناب رسول اکرمؐ ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ نوجوانان بہشت کے سردار ہیں۔ لہٰذا آپ کے اصحاب کا شمار خصوصیت سے آپ کے زیر سرداری شمار ہوتا ہے۔ اسی لیے آپ نے اپنے اصحاب کو شہادت سے قبل جنت کی بشارت دی تھی۔

آپ کے اصحاب نہایت متقی و پرہیزگار اور عبادت گزار تھے، سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔ ''حسینی اصحاب نے دس محرم کی شب رکوع وسجود میں بسر کی تھی اور ان کے خیام سے تسبیح وتہلیل کی آوازیں بلند تھیں۔'' حضرت امام حسینؑ سب سے زیادہ عابد تھے اور آپ کے اصحاب عبادت میں آپ کی پیروی کر رہے تھے۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ ''میرے والد گرامی قدر حضرت امام حسینؑ روزانہ ایک ہزار رکعت نماز ادا فرماتے تھے۔ شیخ مفید اپنی کتاب ارشاد میں تحریر فرماتے ہیں کہ'' دس محرم کی رات حضرت امام حسین علیہ السلام نے نماز، استغفار، دعا اور تضرع میں بسر کی تھی۔''

شہدائے کربلا نہایت پرہیزگار تھے۔ یہ پابندی سے نماز ادا کرتے اور تسبیح وتہلیل میں مصروف نظر آتے اور ساتھ ہی ہمہ وقت امامؑ کے حکم کے تابع نظر آتے۔ نظم وضبط کا یہ عالم تھا کہ حضرت امام حسینؑ کی اجازت کے بغیر کسی نے میدان کارزار میں قدم نہیں رکھا۔ حالانکہ ہر فرد شوق شہادت سے معمور تھا جملہ اصحاب واقرباء کے حوصلے بلند تھے، یہ سب ایسے صبر واستقلال کے حامل جری تین دن کی بھوک وپیاس کے عالم میں بھی امام کے سچے محب اور وفادار تھے، ایسے باہمت مردمیداں اصحاب حضرت امام حسینؑ کے علاوہ کبھی کسی صف میں نظر نہ آئے۔ اس مختصر لشکر کے علمدار جناب عباسؑ تھے جن کی جرأت پر سب کو ناز تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان بندگان خدا سے زیادہ دلیر آج تک چشم فلک نے نہیں دیکھے۔ شب عاشور ان سب کو یقین محکم تھا کہ یہ ان کی زندگی کی آخری شب ہے اور آنے والی شب یہ حوض کوثر سے سیراب ہوں گے۔ لیکن موت کے یقین کے باوجود نہ ان پر کسی طرح کا خوف طاری تھا اور نہ یہ کسی طرح کے اضطراب میں تھے بلکہ رضائے الٰہی پر رضامند تھے۔ ان عظیم انسانوں کی اطاعت کا یہ عالم تھا کہ جب حضرت امام حسینؑ نے شب عاشور انہیں حکم دیا کہ خیام اہل بیت اور لشکر گاہ کے گرد خندق کھودی جائے اور اسے لکڑیوں سے بھر دیا جائے اور جب صبح نمودار ہو تو لکڑیوں کو آگ لگا دی جائے تاکہ دشمن خیام حسینی میں داخل نہ ہو سکے۔ ان محبان حسینؑ نے شدید بھوک وپیاس کے عالم میں حکم امام کی تعمیل کی اور نہایت جانفشانی سے خندق کھودی، یہ عزم وحوصلہ سارے عالم میں آپؑ کے اصحاب کے لیے مخصوص تھا۔

شہدائے کربلا کا مقام نہایت بلند ہے، ان کے درجات تک کسی اور انسان کا پہنچنا محال ہے۔ مروج الذہب میں مسعودی نے تحریر فرمایا۔ ''پروردگار عالم نے اپنے دین کی مدد ایک ہزار افراد سے کرائی طالوت کی مدد تین سو تیرہ مجاہدین سے کرائی، جنگ بدر میں رسول اللہؐ کے اصحاب کی تعداد بھی تین سو تیرہ تھی۔ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے اصحاب کی تعداد بھی تین سو تیرہ افراد پر مشتمل ہوگی اور اکسٹھ افراد وہ ہوں گے جو

حضرت امام حسینؑ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔" کربلا میں شہدائے کی یہ تعداد مسعودی نے تحریر کی۔ علامہ نوری تحریر فرماتے کہ کربلا میں شہداء کی تعداد کم از کم بہتر افراد پر مشتمل تھی۔ البتہ مسعودی کے قول کی یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ اس سے بنی ہاشم کے علاوہ دوسرے اصحاب مراد ہوں۔ اس روایت سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ ظالم گروہ کے مقابلے میں آنے والوں کی تعداد ہمیشہ مختصر رہی ہے اور فتح و کامرانی کا دارمدار تعداد پر نہیں بلکہ عزم وحوصلہ پر ہوتا ہے۔

شہدائے کربلا کے مراتب اس قدر بلند واعلیٰ ہیں کہ ان کے جذبہ اخلاص کی بنا پر حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے انہیں "احبہ" کے نام سے موسوم فرمایا تھا۔ تہذیب کی روایت کے مطابق حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام اپنے دو ساتھیوں سمیت کربلا سے گزرے تو آپؑ نے گریہ کیا اور فرمایا۔ "یہاں ان کے خون بہائے جائیں گے۔ اے زمین کربلا! یہاں ہمارے دوستوں کا خون بہایا جائے گا۔" کربلا شہدا کا دائمی مسکن ہے۔ کامل الزیارات میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ "زمین کے مختلف ٹکڑوں نے ایک دوسرے پر فخر کیا تو زمین کربلا نے نہایت انکساری سے عرض کیا: میں خدا کی مقدس زمین ہوں، میں ایسی بابرکت ہوں کہ میری مٹی میں شفاء ہے، اس کے باوجود میں اپنے خدا کے سامنے عاجزی اختیار کرتی ہوں۔ میں اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تواضع کا یہ ثمر عطا فرمایا کہ حضرت امام حسینؑ اور آپؑ کے اصحاب کا یہ زمین مسکن قرار پائی۔"

شہدائے کربلا کی یہ سرفرازی ہے کہ جناب سلمان فارسی نے ان شہداء کو اپنا بھائی کہا تھا۔ نفس الرحمٰن میں رجال کشی کے حوالہ سے یہ روایت مرقوم ہے کہ صہیب بن نجبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی جب تشریف لائے تو ہم نے ان کا استقبال کیا، وہ ہمیں اپنے ساتھ کربلا لے گئے، جب ہم کربلا پہنچے تو حضرت سلمان فارسی نے کہا۔ "یہ میرے بھائیوں کی شہادت گاہ ہے، یہاں ان کا قافلہ اترے گا اور یہاں ان کی سواریاں بیٹھیں گی اور یہاں ان کا خون بہایا جائے گا، یہاں خیر الانبیاء کا فرزند شہید کیا جائے گا اور خیر الآخرین ان کے ساتھ شہادت پائیں گے۔"

نفس المہموم میں شیخ ابن نما سے منقول ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا۔ "امت میرے بیٹے حسینؑ سے جو سلوک کرے گی میں اس سلوک کو گویا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، وہ میرے حرم اور میری قبر پر پناہ لے گا لیکن اسے پناہ نہیں ملے گی۔ پھر وہ اپنی قتل گاہ کربلا کی طرف سفر کرے گا، مسلمانوں کا ایک گروہ اس کی مدد کرے گا وہ قیامت کے دن میری امت کے شہیدوں کے سردار ہوں گے۔ ابن نما نے مثیر الاحزان

میں، بحارالانوار، صاحب دررشمین، روضۃ الشہداء، سرالشہادتین، البدایہ والنہایہ، کشف الانوار، حسب السیر ج، جامع التواریخ، مشکوۃ شریف، صواعق محرقہ اور صاحبان سیر وتاریخ نے جناب رسالت مآبؐ، حضرت امیرالمومنینؑ، جناب فاطمہ الزہراؑ، آئمہ اہل بیتؑ علاوہ ازیں جناب آدمؑ، جناب نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت زکریاؑ اور حضرت موسیٰؑ کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ ان مقدس ہستیوں نے مختلف مواقع پر شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کے واقعات پر گریہ کیا۔

جس طرح حضرت امام حسین علیہ السلام کے گلئے مبارک کا جناب رسالت مآبؐ بوسہ لیتے تھے اسی طرح حضرت علیؑ نے جناب عباسؑ کی ولادت کے موقع پر جناب عباسؑ کے بازوؤں کا بوسہ لیا اور واقعہ کربلا میں پیش آنے والے واقعات ومصائب پر گریہ فرمایا۔

ایک دن جناب زینبؑ حضرت عباسؑ کو اپنی آغوش مبارک میں لیے ہوئے اپنے والد گرامی حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی باباجان میں عباسؑ سے بہت گہرا تعلق محسوس کرتی ہوں اور اپنی روح کو اس سے وابستہ محسوس کرتی ہوں۔ حضرت امیرالمومنینؑ نے نہایت شفقت سے فرمایا۔ اے زینبؑ ایک وقت آئے گا کہ یہ تم سے جدا ہو جائے گا۔ یہ سن کر آپ بہت رنجیدہ ہوئیں اور عرض کی باباجان! کیا میرا بھائی مجھ سے جدا ہو جائے گا اور میں اس سے محروم ہو جاؤں گی۔ جناب امیرالمومنینؑ نے گریہ فرماتے ہوئے یہ خبر دی کہ اے زینبؑ یہ حق وفا ادا کرتے ہوئے بحالت سرشگافتہ بازو قلم ہونے کی صورت میں فرات کے کنارے کربلا کے ریت پر ہوگا۔ یہ سنتا تھا کہ جناب زینبؑ نے آہ وبکا کے عالم میں کہا! ہائے میرا بھائی! ہائے میرا بھائی۔ ایک دن حضرت ام البنین نے حضرت امیرالمومنینؑ کو زانوائے اقدس پر جناب عباسؑ کو بٹھائے کلائیوں کا بوسہ لیتے دیکھا، اس دوران حضرت امیرالمومنینؑ گریہ فرماتے جاتے تھے، یہ دیکھ کر حضرت ام البنین کا دل بہت مضطرب ہوا اور عرض کی! اے میرے والی اس موقع پر اس قدر گریہ کیوں فرما رہے ہیں تو حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا۔ اے ام البنین نصرت حسینؑ میں عباسؑ کے بازو قلم کیے جائیں گے، یہ خبر سن کر جناب ام البنین نے شدت سے گریہ کیا، اس وقت وہاں موجود تمام اہل خانہ نے گریہ کیا۔ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعات کربلا سے اہل بیت علیہم السلام آگاہ تھے۔

پروردگار عالم نے اولین وآخرین اور مہاجرین وانصار کے لیے جو اجر مقرر فرمایا ہے شہدائے کربلا اپنی عظیم قربانی کے سبب اس اجر کے حقدار ہیں۔ شہدائے کربلا کو شہیدوں کے سردار ہونے کا شرف حاصل ہے۔ تحفۃ الزائر میں شہدائے کربلا کی زیارت میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ ” آپ حضرات (شہدائے کربلا) دنیا و

آخرت میں شہدا کے سردار ہیں اور یہ سبقت حاصل کرنے والے، مہاجرین وانصار ہیں۔'' غیبت نعمانی میں مرقوم ہے کہ روز عاشور حضرت امام حسینؑ اپنے شہداء کی لاشوں کو اٹھا کر ایک خیمہ میں رکھتے تھے اور یہ الفاظ ادا فرماتے تھے۔'' یہ شہداء انبیاء اور آل انبیاء کے شہداء کے مانند ہیں۔'' شہدائے کربلا کا مقام اس قدر بلند ہے کہ ان کے قاتلوں پر انبیاء اور فرشتوں نے لعنت کی جیسا کہ حدیث ہے کہ قاتل حضرت امام حسین علیہ السلام پر سب سے پہلے اللہ نے لعنت کی پھر فرشتوں نے لعنت کی۔ مزید برآں دیگر انبیاء نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں پر لعنت کی اور انہوں نے اپنی آل اولاد اور پیروی کرنے والوں کو وصیت فرمائی تھی کہ قاتلان حسینؑ پر لعنت کریں۔ حضرت داؤدؑ نے قاتلان حسینؑ پر لعنت کی تھی اور بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ بھی اس پر لعنت کریں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قاتل حسینؑ پر لعنت کی اور آپؑ نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم بھی حضرت امام حسینؑ کے قاتل پر لعنت بھیجو۔ جب حضرت امام حسینؑ کا زمانہ پاؤ تو ان کی نصرت کرنا کیونکہ یہ نصرت ان کی نصرت میں شہید ہونے پر انبیاء کے ساتھ شہید ہونے والوں کا درجہ ملے گا۔ ایک مرتبہ حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا حضرت امام حسینؑ کو لیے ہوئے جناب رسالت مآب کی خدمت میں آئیں۔ جناب رسالت مآبؐ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو اپنے سینے سے لگا کر فرمایا۔'' اللہ تیرے قاتل پر لعنت کرے اور تیرا سامان لوٹنے والے پر لعنت کرے اور اللہ تیرے خلاف اجتماع کرنے والوں پر لعنت کرے اللہ میرے اور تیرے مخالفین کے درمیان فیصلہ فرمائے۔'' زمانہ ظہور میں شہدائے کربلا حضرت امام حسینؑ کے ساتھ دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔ کتاب'' نفثۃ المصدور '' میں ثم رددنالکم الکرۃ علیهم ۝ (سورہ بنی اسرائیل ۶) کی تفسیر میں مرقوم ہے کہ زمانہ ظہور میں حضرت امام حسین اپنے ستر ہزار ساتھیوں کے ہمراہ دوبارہ تشریف لائیں گے، اس وقت آپؑ کے اصحاب اعلان کریں گے لوگو! حضرت امام حسین علیہ السلام تشریف لائے ہیں۔ اس کے بعد کوئی بھی حضرت امام زمانہ علیہ السلام کے ظہور میں شک نہیں کرے گا۔

شہیدان کربلا کو اوصیاء، اصفیاء اور احباء کے القاب فضیلت سے یاد کیا گیا ہے۔ تحفۃ الزائر میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے صفوان جمال کو زیارت کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا۔ شہدائے کربلا کی طرف متوجہ ہو کر ان پر ان الفاظ میں زیارت پڑھو۔'' اے اللہ کے اولیاء، احباء، اصفاء، اوداء! تم پر سلام! اے دین خداوندی کے مددگارو! تم پر سلام، میرے ماں باپ تم پر قربان تم خود بھی پاک ہو اور تمہاری وجہ سے وہ زمین بھی پاک ہے جہاں تم دفن ہوئے۔ خدا کی قسم! تم نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی۔ اے کاش! میں تمہارے ساتھ ہوتا تو میں بھی یہ فضیلت حاصل کرتا۔'' شہدائے کربلا کی فضیلت کے پیش نظر

جناب رسالت مآبؐ کے جان نثار صحابی حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ نے شہدائے کربلا کو اللہ، رسولؐ، امیرالمومنینؑ، حسنؑ وحسینؑ کے شیعوں کو طاہر، ہدایت یافتہ اور نیک اعمال افراد کا خطاب دیا تھا۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ آپ کا شمار زائرین اول میں ہوتا ہے۔ بقول ابواسحق اسفرائنی ۲۰ رصفرالمظفر ۶۲ رہجری رہائی کے بعد اہل بیت اطہار کا قافلہ کربلا پہنچا، یہاں جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے اہل بیت رسولؐ کی ملاقات ہوئی۔ جناب عطاء سے روایت ہے کہ میں ۲۰ رصفر کو حضرت جابر بن عبداللہ انصاری کے ہمراہ غاضریہ پہنچا یہاں پہنچ کر حضرت جابر نے غسل کیا اور مجھ سے خوشبو طلب کی اور اسے اپنے سراور بدن پر لگایا اور برہنہ پا قبر مبارک کے پاس پہنچ کر سرہانے کھڑے ہوگئے اور تین بار اللہ اکبر کہا۔ آپ غم سے نڈھال ہوکر بیہوش ہوکر گر گئے۔ جب ہوش آیا تو تین بار یا حسینؑ کہا۔ ابھی آپ قبر مطہر سے لپٹے ہوئے گریہ وزاری میں مصروف تھے کہ شام کی جانب سے گرد اٹھی، جب گرد چھٹ گئی تو سیاہ علم نظر آئے، یہ لئے ہوئے اہل حرم کا قافلہ تھا اس وقت زمین کربلا پر گریہ و ماتم سے تلاطم برپا تھا۔ یہ کربلا میں اہل بیت کا چہلم تھا، جس میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ نے شرکت کی اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو شہیدان راہ حق کا پرسہ دیا۔ جناب رسالت مآبؐ نے حضرت جابر سے فرمایا تھا کہ جب ان کی ملاقات حضرت امام باقرؑ سے ہو تو میرا سلام پہنچائیں۔ حضرت جابر نے حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد جب اہل بیت اطہار کو قید خانہ شام سے رہائی ملی اور اس کے بعد مدینہ روانہ ہوتے وقت جب کربلا آئے تو وہاں حضرت جابر بھی تشریف لائے اور شہدائے کربلا کا حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو پرسہ دیتے وقت حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو آپؑ کے نانا جناب رسول اکرمؐ کا سلام پہنچایا۔ شہدائے کربلا کے بارے میں جناب رسالت مآبؐ نے نہایت شفقت ومہربانی کے الفاظ ادا فرمائے۔ بحارالانوار میں تفسیر ثعلبی کے حوالے سے مرقوم ہے کہ جب ربیع بن خثیم کو حضرت امام حسینؑ اور ان کے جانثاروں کی شہادت کی خبر ملی تو انہوں نے کہا۔ ''تم نے پاکیزہ سیرت افراد کو قتل کیا ہے۔ اگر رسول اللہ انہیں پاتے تو ان کی عزت واحترام کرتے اور ان پر شفقت فرماتے اور ان پر کرم نوازی فرماتے۔'' یہ شہیدان کربلا تھے جو حضرت امام حسین علیہ السلام پر جان ودل سے فدا تھے اور تیروں وتلواروں کے زخموں کو بصد اشتیاق مودت برداشت کررہے تھے۔ راوندی نے خرائج میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا۔ ''میرے نانا جان نے مجھ سے فرمایا تھا۔ پیارے فرزند! تمہیں عنقریب عراق جانا ہوگا۔ یہ وہ زمین ہے جہاں انبیاء واوصیاء آئے تھے اور یہ وہ زمین ہے جسے ''عمورا'' کہا جاتا ہے، وہاں تمہیں شہید کیا جائے گا اور

تمہارے ساتھ اصحاب کی ایک جماعت کو بھی شہید کیا جائے گا جو لوہے کی ضرب کو محسوس نہیں کریں گے۔'' مزید فرمایا۔'' جناب ابراہیم علیہ السلام کی طرح سے ان (اصحاب) پر اور تم پر جنگ ٹھنڈک اور سلامتی میں بدل جائے گی۔'' پھر آیت تلاوت فرمائی۔ قلنا ینار کونی بردا و سلما علیٰ ابراھیم۔

شہدائے کربلا راہ حق میں اس قدر محکم تھے کہ یہ موت سے بالکل خوفزدہ نہ تھے۔ رجال کشی میں حضرت حبیب ابن مظاہر کے حالات میں تحریر ہے کہ حضرت حبیب ابن مظاہر کا تعلق اس جماعت سے تھا جنہوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی نصرت کی اور تیروں وتلواروں کے زخم کھائے اور یہ اتنے مضبوط عقیدے کے تھے کہ انہیں امان اور دولت کی پیش کش ہوئی لیکن وہ جواب میں کہتے تھے ہم رسول خدا کو کیا منہ دکھائیں گے۔ دراصل یہ پیکر وفا جناب عباس علمدار کی پیروی کر رہے تھے کہ عباس علمدارؑ نے ابن زیاد کے امان نامہ کو چاک کر کے اپنے پیروں تلے روند دیا تھا اور فرمایا تھا کہ لعنت ہو ابن زیاد ملعون پر اور اس کے امان نامہ پر کہ میرے نام امان نامہ لکھ رہا ہے اور میرے آقا حسینؑ کے قتل کے درپے ہے۔ شہدائے کربلا نہایت غیور اور خوددار تھے۔ ابن الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں تحریر کیا ہے کہ حضرت حسین بن علیؑ کائنات کے بڑے غیور اور خودار انسان تھے۔ انہوں نے لوگوں کو غیرت کا سبق دیا اور لوگوں سے کہا کہ'' ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔'' حضرت امام حسین علیہ السلام کے اصحاب نے اپنے آقا کی سیرت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے دنیا کے تمام عہدوں اور منصب کو ٹھکرا کر اپنی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیا۔ بحار الانوار میں کامل الزیارات کے حوالے سے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا۔'' مجھ سے میری پھوپھی شہزادی زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ام ایمن سے یہ روایت کی کہ حضرت رسالت مآبؐ نے جبرائیلؑ امین سے سنا کہ جب اہل حق کا یہ کارواں اپنی قتل گاہ جائے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے دست قدرت سے ان کی ارواح قبض کرے گا اور ساتویں آسمان سے ملائکہ کو حکم ہوگا کہ وہ یاقوت و زمرد کے برتنوں میں آب حیات بھریں اور جنت کی پوشاک لے جائیں اور جنت کی خوشبو لے کر شہداء کو غسل دیں اور وہ پوشاک پہنائیں اور اس خوشبو سے انہیں حنوط کریں۔ ملائکہ صف در صف ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔'' شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے امالی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ'' دس محرم کے دن حضرت ام سلمہ گھر میں سو رہی تھیں اچانک پریشان ہو کر اٹھیں اور گریہ کیا جب آپ سے رونے کا سبب معلوم کیا تو آپ نے کہا کہ جب سے جناب رسالت مآبؐ کی وفات ہوئی ہے اس کے بعد آج مجھے آپؐ کی زیارت ہوئی ہے۔ میں نے ابھی خواب میں جناب رسول اکرمؐ کو خواب میں دیکھا ہے کہ آپ کی

زلفیں بکھری ہوئی غبار آلود ہیں۔ میں نے آپؐ سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ کی یہ کیا حالت ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ میرا فرزند حسین قتل ہو گیا ہے، میں اب تک حسینؑ اور اس کے ساتھیوں کی قبر کھودنے میں مصروف تھا۔

ابن شہر آشوب مناقب میں تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے بتایا کہ میں اپنے گھر میں بیٹھا تھا کہ حضرت ام سلمہؓ کے گھر سے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں میں نے غور سے سنا تو بی بی فرما رہی تھیں۔ اے دختران عبد المطلبؓ! نوحے پڑھنے میں میری مدد کرو، اور رونے میں میرا ساتھ دو تمہارے آقا و مولا حضرت امام حسین علیہ السلام شہید ہو گئے ہیں۔ جب بی بی سے پوچھا گیا کہ آپ کو یہ بات کس نے بتائی؟ تو آپؓ نے فرمایا۔ میں سو رہی تھی کہ میں نے خواب میں جناب رسالت مآب کو دیکھا آپ کی زلفیں بکھری ہوئی غبار آلود تھیں۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ کی زلفیں کیوں بکھری ہوئی غبار آلود ہیں؟ جناب رسالت مآبؐ نے نہایت رنج و الم کے عالم میں فرمایا۔ میرا فرزند حسین مارا گیا ہے، میں اب تک اس کے اور اس کے اصحاب کی قبریں کھودتا رہا ہوں۔ بعد ازاں جناب ام سلمہؓ اس شیشی کی طرف متوجہ ہوئیں جس میں کربلا کی خاک تھی جو جناب رسالت مآبؐ نے انہیں دی تھی اور فرمایا تھا جب یہ خاک خون میں تبدیل ہو جائے تو سمجھ لینا کہ میرا بیٹا حسین شہید ہو گیا جب جناب ام سلمہؓ نے شیشی کو دیکھا تو وہ خاک خون میں تبدیل ہو چکی تھی۔

علل الشرائع میں مرقوم ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا مولا! یہ بتائیں کہ اصحاب حسینؑ اس قدر موت کے مشتاق کیوں تھے؟ جواب دیا۔ ان کے سامنے سے پردے ہٹا دیئے گئے تھے اور انہوں نے جنت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا لہٰذا سب کی یہ خواہش تھی کہ وہ جلد شہادت سے سرفراز ہوں اور جنت میں داخل ہوں۔ نفس المہموم میں قطب راوندی کے حوالے سے ابو حمزہ ثمالی سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ ”میرے والد حضرت امام حسین علیہ السلام نے شب عاشور اپنے اصحاب کو جمع کر کے خطبہ دیا کہ یہ لوگ صرف مجھے مارنے کے خواہشمند ہیں ان کو تم سے کوئی سروکار نہیں لہٰذا تم لوگ میری طرف سے آزاد ہو رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاؤ اور یہاں سے چلے جاؤ۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے اصحاب باوفا نے عرض کیا۔ ہم آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گے۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا۔ آگاہ ہو کہ کل تم میں سے سب شہید ہو جائیں گے اور کوئی زندہ نہیں بچے گا۔ اصحاب نے یہ سن کر کہا۔ حمد ہے اس ذات کی جس نے ہمیں آپؑ کے ساتھ قتل ہونے کا شرف عطا فرمایا۔ اس کے بعد آپؑ نے ہاتھ دعا کے لیے بلند کیے اور فرمایا۔ سر بلند کرو اور دیکھو جب اصحاب نے سر اٹھا کر دیکھا تو انہیں جنت میں اپنے مکانات نظر آئے۔ زیارت ناحیہ میں مرقوم ہے کہ پروردگار عالم

نے ان کے سامنے سے پردے اٹھادیئے تھے۔

امالی میں سالم سے یہ روایت منقول ہے کہ ایک شخص نے کہا میں نے کعب الاحبار سے سنا کہ ہماری کتاب میں لکھا ہے کہ اولاد محمدؐ میں سے ایک شخص قتل ہوگا اور اس کے ساتھ اس کے اصحاب بھی قتل ہوں گے۔ ابھی ان کے گھوڑوں کا پسینہ خشک نہیں ہوگا کہ وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اتنے میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا وہاں سے گزر ہوا ہم نے ان کی طرف اشارہ کیا۔ کعب الاحبار نے کہا جی ہاں یہی وہ ہیں۔ شہدائے کربلا کو اللہ رب العزت نے یہ اعزاز عطا فرمایا ہے کہ روز قیامت وہ کسی حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے۔ امالی میں ہرثمہ بن مسلم سے منقول ہے کہ ہم جنگ صفین میں امیر المومنینؑ کے ہمراہ تھے کہ واپسی پر آپؑ کربلا سے گزرے اور وہاں فجر کی نماز ادا کی۔ پھر آپؑ نے کربلا کی مٹی اٹھا کر سونگھی اور زمین کربلا سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ اے خاک! تیرا مقام بلند ہے۔ تجھ سے کئی تو میں محشور ہوں گی جو حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گی۔ امالی شیخ طوسی میں سدی سے منقول ہے کہ ہم نے ایک شخص کو دیکھا جس سے تارکول کی بدبو آتی تھی۔ ہم نے اس سے دریافت کیا کیا تو تارکول فروخت کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں میں یہ کاروبار نہیں کرتا۔ پھر اس سے پوچھا تیرے جسم سے تارکول کی بدبو کیوں آتی ہے؟ اس شخص نے بتایا کہ وہ تیل فروش ہے اور کربلا میں جا کر ابن سعد کے لشکر کو تیل فروخت کرتا تھا۔ اس نے بتایا کہ واقعہ کربلا کے بعد ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ جناب رسول خدا اور حضرت امیر المومنینؑ شہدائے کربلا کو پانی پلا رہے ہیں۔ مجھے بھی پیاس محسوس ہوئی میں نے حضرت امیر المومنینؑ سے پانی طلب کیا لیکن آپؑ نے مجھے پانی نہ دیا اس کے بعد جب میں نے جناب رسول خدا سے پانی کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا۔ کیا تو وہ نہیں جس نے میرے فرزند کے خلاف دشمنوں کی مدد کی تھی؟ پھر آپؐ نے حکم دیا کہ اسے تارکول پلایا جائے۔ چنانچہ مجھے تارکول پلایا گیا اس وقت سے آج تک میرے وجود سے تارکول کی بدبو آتی ہے۔ جن لوگوں نے بھی حضرت امام حسین علیہ السلام کے خلاف جنگ کی ان سب کا انجام برا ہوا۔

شہدائے کربلا شجاعت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ ان کی دلیری کا اعتراف دشمن بھی کرتے تھے۔ ابوفراش شرح شافیہ میں لکھتے ہیں کہ ایک شخص جو کہ ابن سعد کے ساتھ کربلا میں موجود تھا جب اس سے کہا گیا کہ تو ہلاک ہو، کیا تو نے بھی ذریت رسول کو قتل کیا تھا۔ یہ سن کر اس نے جواب دیا کہ تم نے بڑی مشکل بات پوچھی ہے، اگر تم ہمارے ساتھ ہوتے تو تم بھی وہی کچھ کرتے جو ہم نے کیا تھا، ہم کرتے تو کیا کرتے، حسینؑ کے ساتھیوں نے غضب ناک شیروں کی مانند حملہ کیا وہ جدھر بھی رخ کرتے صفوں کی صفیں آن واحد میں ختم

کر دیتے تھے۔ انہیں موت کا کوئی خوف نہ تھا۔ اگر ہم خاموش رہتے تو وہ سارے لشکر کو موت کے گھاٹ اتار دیتے۔ شہدائے کربلا دنیا کی غلامی اور خواہشات نفسانی سے آزاد تھے۔ النازعات میں پروردگار عالم کا ارشاد ہے۔ "اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہشات سے روکا تو جنت اس کا ٹھکانہ ہے۔" کربلا کے حالات و واقعات کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شہدائے کربلا مقام تسلیم پر فائز تھے اور عبودیت کے حقیقی رتبہ پر پہنچے ہوئے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ عبدیت کے آثار اور اس کا نتیجہ سربلندی سے ظاہر ہوتا ہے۔ جناب رسالت مآب کی فضیلت شان عبدیت و شان رسالتؑ ہے جیسا کہ نماز میں پڑھتے ہیں۔ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ۔ "میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے عبد اور رسول ہیں۔" جناب رسالت مآبؑ مقام عبدیت کی معراج پر ہیں۔ عبدیت کے شرف کے پیش نظر حضرت علیؑ نے فرمایا۔ "میری عزت کے لیے یہی کافی ہے کہ (اے خدا) میں تیرا عبد ہوں۔" شہدائے کربلا حقیقی طور پر عبدیت کی معراج پر تھے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا تھا کہ تمہارے نزدیک "فتیٰ" کیا ہے۔ اصحاب نے عرض کیا فتیٰ نوجوان کو کہتے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا۔ اصحاب کہف تو بوڑھے تھے لیکن ان کے دل قوی تھے۔ شہدائے کربلا کو اپنی قربانی کے سبب ابدی زندگی حاصل ہوئی۔ آل عمران کی آیت ۱۶۹ تا ۱۷۱ میں ارشاد رب العزت ہے۔ "جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے انہیں مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں، اپنے رب کی طرف سے رزق حاصل کرتے ہیں، جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں عنایت فرمایا ہے وہ اس پر خوش ہیں (راضی ہیں) اور وہ اہل ایمان کے لیے بشارت طلب ہیں جو ان کے پیچھے دنیا میں رہ گئے ہیں اور ابھی ان سے نہیں ملے ان کے لیے کسی طرح کا کوئی خوف نہیں ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔ وہ اللہ کے انعام اور اس کے فضل سے خوش و مطمئن ہیں اللہ اہل ایمان کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔" ان آیات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شہدائے راہ حق کی بہت زیادہ فضیلت ہے اور وہ شہدا جو حضرت امام حسینؑ کے حکم کے تابع تھے اور دین کو بچانے میں حضرت امام حسینؑ کے ہمراہ پورے خلوص اور مودت کے ساتھ شامل تھے، ان کی فضیلت اپنی حد انتہا پر تھی۔ کربلا میں جملہ اصحاب و اقربا حضرت امام حسین علیہ السلام کے حکم کے تابع تھے اور حضرت عباس علیہ السلام لشکر کے علمدار تھے لہذا پوری کمان آپ کے ہاتھ میں تھی اور آپ علمداری کے منصب کی لاج رکھنے والے تھے۔ آپ نے علم اسلام کی بازو قلم ہونے کے باوجود سینے سے لگا کر حرمت کا خیال رکھا اور اپنی وفا کو معراج تک پہنچایا۔ یہاں تک کے لفظ وفا آپ کے نام کا حصہ قرار پایا اور عباس باوفا کہلائے۔ یہ شرف آپ کے لیے مخصوص ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ نے "وفا" کی لاج

رکھی اور یہ بات واضح فرمائی کہ باوفا ہونا بہت بڑی فضیلت ہے، اگر انسان وفادار نہ ہو تو وہ ہر منزل پر ناکام نظر آتا ہے۔ خصوصاً اللہ اس کے رسولؐ اور آئمہ اہل بیت سے وفاداری کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوتا۔ یہ شہیدان کربلا کو اعزاز حاصل تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام سے نہایت دشوار اور سخت ترین حالات کے باوجود آپؑ کے اصحاب باصفاء اس قدر وفادار تھے کہ تمام مصائب اٹھانے کے باوجود ان کی زبان پر کبھی کوئی شکوہ نہ تھا بلکہ ہمہ وقت اطاعت گزاری میں مصروف تھے، وہ جانتے تھے اطاعت امام کے بغیر کوئی عمل بارگاہ خداوندی میں مقبول نہیں ہوتا۔ ان کی شان فضیلت کے لیے یہی کافی ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ ''جیسے اصحاب مجھے ملے ایسے کسی اور کو نہ ملے۔''

شہادت حسینؑ کے اثرات

جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں ابو اسحٰق اسفرائنی نے نور العین میں اور ابی مخنف و روضۃ الصفا میں مذکور ہے کہ شہادت حضرت امام حسینؑ کے بعد ایک شدید طوفان آیا جو سرخی مائل تھا۔ اس وقت ہر طرف تاریکی چھا گئی اکثر لوگوں نے یہ سمجھا کہ خدا نے اپنا عذاب نازل کیا ہے۔

ابن جوزی نے ابن سیرین سے نقل کیا ہے کہ بعد شہادت حضرت امام حسینؑ تین دن تک ساری دنیا تاریکی میں ڈوبی رہی اور آسمان میں سرخی ظاہر ہوئی۔ ابو سعید کہتے ہیں کہ دنیا میں جہاں کہیں بھی کوئی پتھر اٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے سے خون تازہ ابلتا تھا۔ آسمان سے اتنا خون برسا کہ اس کے اثرات کافی عرصہ تک کپڑوں پر باقی رہے۔ یہاں تک کہ کپڑے پھٹ گئے مگر خون کے نشان نہ گئے۔

صواعق محرقہ میں مروی ہے کہ خراسان، شام اور کوفہ کے مکانات اور دیواروں پر خون کی بارش ہوئی اور جب حضرت امام حسینؑ کا سر مبارک ابن زیاد کے دارالامارہ میں لایا گیا تو اس کی دیواروں سے خون ابل پڑا۔ ثعلبی نے روایت کی ہے غم حسینؑ میں آسمان رویا آسمان کا رونا اس کا سرخ ہونا ہے۔

صواعق محرقہ میں ابن اثیر کا بیان ہے کہ ''مجھے بتایا گیا کہ آسمان پر شفق کی سرخی حضرت امام حسینؑ کی شہادت سے پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی تھی۔'' ابن جوزی کے قول کے موافق آسمان کے سرخ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ غصہ کے وقت ہمارا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے، آسمان حضرت امام حسینؑ کے قتل ہو جانے پر یقیناً غضبناک تھا کیونکہ وہ جسم نہیں رکھتا اس لیے اس کا غصہ اس پر سرخی کی صورت میں ظاہر ہوتا تاکہ ظاہر ہو جائے کہ وہ قاتلان حسینؑ کے اس عظیم ارتکاب جرم پر غضبناک ہے۔

کامل الزیارت میں زہری سے منقول ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ شہید ہوئے تو کوئی سنگ ریزہ بیت المقدس میں ایسا نہ تھا کہ اس کے نیچے خون تازہ نہ پایا گیا ہو۔ کامل الزیارت میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ انس وجن، چرند و پرند سب حضرت امام حسینؑ پر زار و قطار روئے کامل الزیارت میں زرارہ سے روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔ ''اے زرارہ! آسمان چالیس دن حضرت امام حسینؑ پر خون رویا، زمین چالیس دن سیاہ اشکوں سے روئی، آفتاب اس طرح رویا کہ چالیس دن گہن میں رہا اور اس کا رنگ سرخ ہو گیا۔ اس غم سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گئے۔ دریا جوش میں آئے فرشتوں نے چالیس دن تک گریہ کیا اور ہماری عورتوں میں سے کسی نے اس وقت تک نہ سر میں خضاب کیا نہ تیل ڈالا نہ کنگھی کی اور نہ سرمہ لگایا۔ جب تک عبید اللہ بن زیاد کا سر نہ آیا۔ اس کے بعد بھی ہم حضرتؑ پر گریہ و بکا کرتے رہے۔ ہمارے جد حضرت امام زین العابدینؑ اتنا گریہ کرتے تھے کہ آپ کی ریش مبارک اشکوں سے تر ہو جاتی تھی۔ جو شخص بھی آپ کو گریہ کرتے دیکھتا وہ بھی رونے لگتا۔ اور جو فرشتے حضرت امام حسینؑ کی ضریح مبارک کے قریب ہیں حضرت پر گریہ کرتے ہیں۔ ان کے رونے سے آسمان اور زمین کے تمام فرشتے بھی روتے ہیں۔ کتاب مناقب میں نضرہ ازدیہ سے مروی ہے کہ وقت شہادت حضرت امام حسینؑ آسمان سے اتنا خون برسا کہ کپڑے رنگین ہو گئے اور ہمارے برتن خون سے لبریز ہو گئے۔

قرطہ بن عبداللہ کہتا ہے کہ ''ایک دن دوپہر میں بارش ہوئی جس سے کپڑے سرخ ہو گئے میں نے جب دیکھا تو وہ خون تھا۔ جب اونٹ پانی پینے کے لیے گئے تو سب پانی خون ہو گیا تھا۔ معلوم ہوا یہ یوم شہادت حضرت امام حسینؑ تھا۔''

مولانا جامی لکھتے ہیں کہ راوی کہتا ہے کہ ''جب حضرت امام حسینؑ شہید ہوئے تو آسمان سے خون برسنے لگا اور ہماری ہر چیز خون آلود ہو گئی نیز آسمان کئی روز تک خون آلود نظر آتا تھا۔''

روایت ہے کہ کوفیوں کے پاس جو زرد رنگ کی گھاس کا ذخیرہ تھا وہ سب مٹی میں تبدیل ہو گیا، ستارے سات یوم تک ٹوٹتے رہے، آسمان کے کنارے سرخ ہو گئے تھے۔ رفتہ رفتہ اس میں کمی آئی جو شفق میں سرخی ہے شہادت حضرت امام حسینؑ سے قبل نہ تھی۔

صواعق محرقہ میں ابن عینیہ سے روایت ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی وجہ سے آسمان سرخ ہو گیا تھا اور سورج کو گہن لگ گیا تھا۔ یہاں تک کہ ستارے دوپہر کو دکھائی دینے لگے لوگ سمجھے قیامت آ گئی۔ ملک شام میں جہاں کہیں بھی پتھر اٹھایا گیا اس کے نیچے سے خون ابلتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔

صحیح مسلم میں اس آیت ''ان لوگوں پر آسمان اور زمین کو بھی رونا آیا اور نہ ہی انہیں مہلت دی گئی'' (الدخان: ۲۹)۔ کی تفسیر میں مرقوم ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ شہید ہوئے تو آپؑ کی مصیبت پر آسمان رویا۔ آسمان کا رونا اس کا سرخ ہونا ہے۔

تفسیر صافی میں حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ اور حضرت امام جعفر صادقؑ نے آسمان اور زمین کے گریہ سے متعلق فرمایا۔ ''آسمان اور زمین صرف حضرت یحییٰ ابن ذکریا اور حضرت امام حسینؑ پر روئے''۔ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا۔ ''آسمان چالیس دن تک حضرت یحییٰ بن ذکریاؑ اور حضرت امام حسینؑ پر رویا۔'' یہ حدیث سن کر لوگوں نے پوچھا آسمان کے رونے کا کیا مطلب ہے؟ حضرت نے فرمایا آسمان کے رونے سے مراد اس کا سرخ ہونا ہے، اسی لیے سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کے وقت اس کا رنگ سرخ رہتا ہے۔

شہادت حضرت امام حسینؑ کے اثرات زمین تا آسمان نمایاں تھے۔ لشکر اعدا کے سپاہی جب اونٹوں کو ذبح کر کے گوشت پکاتے تو وہ گوشت آگ کے انگارے بن جاتا تھا اور جب یہ لعین صبح اٹھتے تو ان کے تمام برتن خون سے بھرے ہوتے تھے۔

ثعلبی نے روایت کی ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ شہید ہوئے تو آپ پر آسمان رویا اور اس کا رونا آسمان کی سرخی ہے۔ ابن سیرین کہتے ہیں کہ آسمان کی سرخی قبل شہادت حضرت امام حسینؑ نہیں دکھائی دیتی تھی۔ قاضی سلیم کہتے ہیں کہ شہادت حضرت امام حسینؑ کے ایام میں آسمان سے خون برسا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ زمین اور آسمان سوائے حضرت یحییٰؑ اور میرے فرزند حسین کسی پر نہیں روئیں گے۔ کثیر بن شہاب الحارثی بیان کرتے ہیں کہ مقام رحبہ میں ہم لوگ حضرت علیؑ کے پاس بیٹھے تھے کہ اتنے میں حضرت امام حسینؑ پر نظر پڑی تو حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ خداوند عالم نے اس آیت میں فما بکت علیھم السماء والارض میں کچھ لوگوں کا ذکر کیا ہے۔ قسم ہے اس کی جس نے دانوں کو شگافتہ کیا میرا یہ فرزند شہید کیا جائے گا۔ اور اس پر آسمان اور زمین روئیں گے۔

ینابیع المودۃ قندوزی کے موافق ابن عباس سے روایت ہے کہ جس دن حضرت امام حسینؑ شہید ہوئے آسمان سے خون ٹپکا اور آسمان کی سرخی اس دن سے ظاہر ہوئی اس سے پہلے یہ نظر نہیں آتی تھی۔ جس دن سے حضرت شہید ہوئے زمین سے جو پتھر اٹھایا جاتا اس کے نیچے تازہ خون ہوتا تھا۔

الازدیہ کہتی ہیں جب حضرت امام حسین شہید ہوئے تو آسمان سے خون برسا ہم لوگوں نے اس حالت میں صبح کی تھی کہ ہمارے تمام گھڑے (مٹکے) خون سے بھر گئے تھے اور شہادت کے دن بہت سی نشانیاں ظاہر

ہوئیں۔ آسمان بالکل سیاہ ہو گیا گھٹا ٹوپ اندھیرے کی وجہ سے زمین پر تارے دکھائی دیئے ہر پتھر کے نیچے سے خون تازہ ملتا تھا، آسمان حضرت کی شہادت کی وجہ سے سرخ ہو گیا اور سورج کو گہن لگ گیا۔ یہاں تک کے دن میں دوپہر کے وقت تارے دکھائی دیئے اور آسمان سات روز تک سرخ رہا دیواروں پر دھوپ کی تیزی ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے گہری رنگی ہوئی چادریں، ستارے آپس میں ٹکراتے تھے۔ علامہ ابن جوزی ابن سیریں سے روایت کرتے ہیں کہ بعد شہادت دنیا تین دن تک اندھیرے میں رہی اس کے بعد آسمان سرخ ہوا۔ ابوسعید کہتے ہیں کہ دنیا میں جو بھی پتھر اٹھایا گیا اس کے نیچے تازہ خون تھا اور آسمان سے خون کی بارش ہوئی۔ یہاں تک کہ سرخی کا اثر کپڑوں پر مدت تک باقی رہا اور سرخی نہ چھوٹی سوائے اس کے کہ کپڑا کاٹ دیا گیا۔

امام ثعلبی نے روایت کی ہے کہ آسمان کے کنارے چھ ماہ تک بعد شہادت سرخ رہے اس کے بعد بھی سرخی مٹی نہیں بلکہ بعد میں بھی دکھائی دیتی رہی۔

زمین کربلا کی فضیلت

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ "خلقت زمین کعبہ سے چوبیس ہزار سال قبل زمین کربلا کی تخلیق ہوئی۔" زمین کربلا کی فضیلت پر کئی احادیث مرقوم ہیں۔ علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ یہ زمین متبرک ہے، بیماری کی حالت میں بغرض علاج خاک کربلا یعنی خاک شفاء کھانے کی اجازت ہے۔ اس زمین کے علاوہ کسی نبی یا امام کی تربت کی خاک کھانا جائز نہیں۔

بحار الانوار میں شیخ طوسی کے حوالہ سے علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے اس روایت کو بیان فرمایا ہے اور علامہ محمد مہدی مازندرانی علیہ الرحمہ نے معالی السبطین میں یہ روایت تحریر فرمائی ہے کہ ایک شخص نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ کیا تجھے یہ علم نہیں کہ خاک کربلا میں بڑی شفاء ہے۔ مجھے ایک مرتبہ ایک بیماری نے آگھیرا میں نے اپنی حیثیت سے بڑھ کر ہر قسم کا علاج کیا لیکن مجھے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ میرے پڑوس میں ایک بڑھیا رہتی تھی اس نے جب ایک دن مجھے تڑپتا دیکھا تو مجھ سے پوچھا کہ اگر تو اجازت دے میں تیرا علاج کروں۔ میں نے کہا ماں اگر ہو سکے تو برائے مہربانی کچھ کر میں تو ہلاک ہو چکا ہوں۔ وہ واپس اپنے گھر گئی تھوڑی دیر کے بعد پانی کا ایک گلاس لائی مجھے پینے کو کہا۔ میں نے پانی پی لیا۔ اسی وقت میں شفاء یاب ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مجھے بیماری کبھی تھی ہی نہیں۔ چند دنوں کے بعد وہی بڑھیا آئی تو میں نے اس سے قسم دے کر پوچھا تم نے میرا علاج کس دوا سے کیا تھا۔ اس نے اپنی جیب سے خاک شفاء کی تسبیح نکال کر دکھائی اور کہا۔

بیٹا اسی تسبیح سے ایک دانہ میں نے پانی میں ملا کر تمہیں پلایا تھا۔ جب میں نے خاک کربلا کو دیکھا تو غصہ سے بھڑک گیا اور کہا اے رافضیہ تو نے کربلا کی مٹی پلا دی وہ بھی غصہ کرتی ہوئی واپس چلی گئی اور میری بیماری بھی واپس آگئی اور اب تو مجھے جان کا بھی خطرہ ہے۔

علامہ محمد بن مرتضیٰ ملقب محسن، خاک شفاء کھانے کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ قبر حسینؑ کے گرد ستر ہاتھ یا چار فرسخ تک اس کا کھانا جائز ہے۔ علامہ ابو الفضل شرح زیارت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔ اگرچہ حضرت ابو الفضل العباسؑ کی قبر حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر سے فاصلے پر ہے لیکن داخل رحل وفناء ساحت ہے۔ فضیلت کربلا کے باب میں علامہ سید حسین اعلی اللہ مقامہ تحریر فرماتے ہیں کہ جب سفر کا ارادہ کرو تو حفظ جان و مال کے لیے خاک شفاء اپنے ہمراہ رکھو اور خاک شفاء رکھتے وقت یہ دعا پڑھو۔ اللھم انی اخذ تھامن تبرو لیک اتخذ تھا حوزا ۔ مولانا سید عدیل اختر اعلیٰ اللہ مقامہ پرنسپل مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کا کہنا ہے کہ جس مال میں خاک تربت ہو وہ چوری نہیں ہوتا۔

معالی السبطین میں مرقوم ہے کہ خاک کربلا کی تسبیح اگر کسی کے ہاتھ میں ہو خواہ وہ کچھ بھی نہ پڑھے اس کے اعمال میں تسبیح پڑھنے کا ثواب لکھا جاتا رہے گا۔ جب ملائکہ عرش سے زمین پر آتے ہیں تو حوریں ان سے درخواست کرتی ہیں کہ تھوڑی سی خاک شفاء لے کر آنا۔

زمین کربلا کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ یہ زمین اپنے مدفون مُردوں سمیت جنت میں اٹھالی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ مومنین اپنے مُردوں کو زمین کربلا میں دفن کرنے پر ترجیح دیتے ہیں۔ کتاب من لا یحضرہ الفقیہ میں ہے کہ زمین کربلا جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ علامہ شیخ بہاء الدین عاملی فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک یہودی رمال سے ملاقات ہوئی میں نے خاک شفاء کی تسبیح کو مٹھی میں دبا کر پوچھا بتاؤ میرے ہاتھ میں کیا ہے، اس نے کافی غور وفکر کے بعد بتایا کہ تمہارے ہاتھ میں جنت کی مٹی معلوم ہوتی ہے۔

حضرت امام باقر علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ خلاق عالم نے خلق زمین کعبہ سے ۲۴ ہزار سال قبل زمین کربلا کو پیدا کیا اور اسے برکتوں سے معمور کیا، یہ زمین ہمیشہ سے مقدس، مبارک اور طیب وطاہر ہے۔ جب قیامت کا منظر ہوگا اور زمینوں کو زلزلے آئیں گے اس وقت یہ زمین مجسم اٹھا کر جنت میں پہنچا دی جائے گی اور جنت کا بہترین طبقہ قرار پائے گی۔ اس میں انبیاء مرسلین اور اولوالعزم پیغمبر فروکش ہوں گے اور وہ پورا طبقہ کوکب دری کی مانند روشن ہوگا۔ وہ زمین فخر ومباحات کرتی ہوگی اور گویا ہوگی کہ میں وہ مقدس پاک اور مبارک زمین ہوں جس کی آغوش میں سید الشھداء اور سید الشباب اہل الجنۃ ابوعبداللہ الحسینؑ کا جسد

مبارک جلوہ افروز ہے مجھے زمین کعبہ پر فخر حاصل ہے۔

صاحب خصائص حسینیہ لکھتے ہیں کہ زمین کربلا زمین کعبہ سے نسبتاً افضل و برتر ہے۔ ایک تو خدا نے اس زمین کو چار ہزار سال قبل خلقت کعبہ پیدا کیا، دوسرے یہ زمین مسکن و مدفن اولیاء اللہ ہے۔ اس میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے قبل دو سو انبیاء اور دو سو اوصیاء اور دو سو اسباط انبیاء مدفون ہیں۔ اس زمین کی یہ فضیلت ہے کہ یہ مقام نزول ملائکہ ہے، یہ جنت کے چمن زاروں میں سے ایک چمن ہے۔

زمین کربلا کی فضیلت میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب زلزلہ قیامت ہوگا تو قبر حضرت امام حسین علیہ السلام مع زمین کربلا بحکم خدا بلند ہوگی اور باغ جنت میں پہنچ جائے گی۔ اس کا نور مثل ستاروں کے درخشاں ہوگا اور زمین با آواز بلند اعلان کرے گی کہ میں وہ طیب و طاہر زمین ہوں جو جناب سید الشہداء کا جسم اطہر اپنے دامن میں لیے ہے اور زلزلہ قیامت سے محفوظ ہوں، اسی لیے زیارت حضرت امام حسین علیہ السلام کا ثواب حج سے افضل ہے۔ حدیث قدسی میں پروردگار عالم فرماتا ہے کہ میری گنجائش نہ زمین میں ہے نہ آسمان میں ہے۔ ہاں اگر ہے تو قلب مومن میں ہے جب مومن کا دل بیت اللہ ہے تو قلب حضرت امام حسین علیہ السلام بدرجہ اولی بیت اللہ ہوگا اور قبر حضرت امام حسینؑ زیارت خانہ حقیقی کی عبادت ہے جبکہ خانہ کعبہ کی زیارت خانہ ظاہری کی عبادت ہے۔

معالی السبطین میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے کہ اللہ نے زمین مکہ کو حرم بنانے سے چوبیس ہزار سال پہلے کربلا کو حرم بنایا۔ جناب سید الشہداء کے زمین کربلا پر خیمہ زن ہونے سے ایک ہزار سال قبل ذات احدیت کی طرف سے زمین کربلا کو ملائکہ کی زیارت گاہ بنا دیا تھا۔ خصائص کے مطابق حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ ''ایک مرتبہ زمین مکہ نے اپنے فضائل کا تذکرہ کیا اور کہا میری برابری کون کرسکتا ہے، بیت اللہ میری پشت پر ہے اور ہر سال کرہ ارض کے ہر گوشے سے میری عقیدت میں لوگ آتے ہیں۔ اللہ نے زمین مکہ کو وحی کی اور فرمایا۔ اپنے فضائل ضرور بیان کر لیکن ذرا آرام سے تجھے علم ہونا چاہیے کہ جتنے فضائل تجھے دیئے گئے ہیں اگر ان کا مقابلہ کربلا سے کرے تو تجھے پتہ چلے کہ تیرے تمام تر فضائل کی زمین کربلا کے فضائل کے مقابلے میں وہی نسبت ہے جو ایک قطرہ کو سمندر سے ہوتی ہے۔ زمین کربلا کے جہاں بیشمار فضائل ہیں ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ یہ ذرہ کو آفتاب بنا دیتی ہے۔ یہاں جو محبّ حسینؑ دفن ہوتا ہے اور اس زمین میں آلودہ خاک ہوتا ہے تو اس کی سجدہ گاہ اور تسبیح بنتی ہے لہٰذا اس پر سجدے ادا ہوتے ہیں اور تسبیح و تہلیل ہوتی ہے اس طرح مومن کو دائمی عظمت عطا ہوتی ہے۔

زمین کربلا کی فضیلت بیان کرتے ہوئے محمد مہدی مازندرانی علیہ الرحمہ معالی السبطین میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنی اولاد کی ولادت کے فوراً بعد ان کے گلے پر خاک شفاء کا خط کھینچو بچے کے لیے ہر حیثیت میں امان ہے۔ جو شخص خاک کربلا کی تسبیح کے ہر دانے پر ایک مرتبہ سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الہ اللہ و اللہ اکبر پڑھے تو اللہ تعالیٰ ہر ایک مرتبہ کے عوض اس کے نامہ اعمال میں چھ ہزار نیکیوں کا اضافہ کرے گا، اس کے نامہ اعمال میں چھ ہزار گناہ مٹا دے گا، اس کے مرتبہ میں چھ ہزار درجات کا اضافہ ہوگا اور یوم حشر چھ ہزار گناہ گاروں کی شفاعت کرے گا۔

معالی السبطین میں یہ روایت بھی مرقوم ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا۔ حضرت میرے پاس خاک شفاء ہے لیکن آج تک میں نے اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا خاک شفاء سے مستفید ہونے کیلئے ایک دعا ہے اگر اس دعا کے بغیر اسے استعمال کیا جائے تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا اس نے عرض کیا حضرت وہ کونسی دعا ہے۔ آپ نے فرمایا خاک شفاء لینے کے بعد اسے آنکھوں سے لگایا جائے پھر اسکا بوسہ لیا جائے۔ خاک شفاء ایک چنے کی مقدار سے زیادہ مت لینا۔ یاد رکھنا اگر اس سے زیادہ لی تو یہ سمجھنا کہ ہمارا گوشت کھا رہے ہو۔ ایک چنے کے برابر لیکر یہ دعا پڑھنا اللّٰھمہ انی اسئلک بحق الملک الذی قبضھا والسّالک بحق انبی الذی حزن و اسالک بحق الوصی الذی حل فیھا ان تعلی علی محمد و آل محمد و ان تجسلہ شفاء من کل داء و اماناً من کل خوف و حفظاً من کل سوء۔ ترجمہ "اے اللہ میں تجھ سے اس فرشتہ کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں جس نے اس خاک شفاء کو ذخیرہ کیا تھا۔ میں اس وصی کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں جو اس مٹی میں سو رہا ہے۔ محمدؐ و آل محمدؐ پر درود بھیج اور اس خاک شفاء کو میرے لیے ہر بیماری میں شفاء قرار دے ہر خوف سے باعث امن بنا اور ہر تکلیف سے محافظ بنا۔

پانی پلانے کا اجر و ثواب

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ بہترین صدقہ سرد کرنا ہے، اس جگر کا جو سبب شدت پیاس کے گرم ہو۔ اس حدیث پر عمل کرنا فرض ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس حدیث پر اس وقت بھی عمل کیا جب آپ کا قافلہ کربلا کی طرف رواں تھا کہ راہ میں لشکر حر سے سامنا ہوا۔ لشکر حر کی حالت یہ تھی کہ سورج کی تمازت اور آہنی ہتھیاروں کے بوجھ سے جگر کباب ہو رہے تھے۔ اس وقت لشکر ہلاکت کے قریب تھا۔ اس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام نے حکم دیا کہ حر اور ان کے لشکر اور گھوڑوں کو پانی پلاؤ۔

بحار الانوار میں تحریر ہے کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس قیامت کی گرمی میں لشکر مخالف پر شدت پیاس کے آثار دیکھے تو آپ نے اصحاب کو حکم دیا کہ حر اور ان کے لشکر کو اور گھوڑوں کو پانی پلاؤ۔ حضرت عباس علیہ السلام اور اصحاب نے بہشت کے سردار کے حکم کی تعمیل کی۔ جناب عباسؑ، شہزادہ علی اکبرؑ، حضرت قاسمؑ، حضرت عون و محمدؑ اور انصار پانی پلانے پر متوجہ ہوئے اور اہل لشکر کو پانی پلانا شروع کیا، گھوڑوں کے سامنے پانی کے برتن رکھ دیئے یہاں تک کہ ایک ایک گھوڑا جب چار پانچ بار پانی سے منہ اٹھالیتا اور اچھی طرح سیراب ہو جاتا تو کاسہ آب سامنے سے ہٹاتے تھے۔

علی ابن طعان محارابی کہتا ہے۔ میں حرؑ کے ساتھ تھا اور سب کے بعد پہنچا، شدت پیاس سے نڈھال تھا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ اپنا اونٹ بیٹھا دے۔ جب میں نے اونٹ بیٹھا دیا اور پانی پینے کا ارادہ کیا تو حالت اضطراب میں پانی مشک سے گر جاتا تھا۔ حضرت نے فرمایا۔ دہانہ مشک کا ترچھا کر لیکن میں بدحواسی کے سبب یہ نہ سمجھ سکا کہ کس طرح مشک کے دہانے سے پانی پیئوں۔ تب حضرت نے خود اٹھ کر مشک کا دہانہ میری طرف کر دیا اور میں نے پانی پیا اور اپنے جانور کو بھی پلایا۔

حضرت عباس علیہ السلام کو سقایت وراثت میں ملی تھی۔ ”دراصل آپ نے ایک ساقی گھرانے میں آنکھ کھولی۔ آپ کے آباء اجداد طیب و طاہر والد گرامی حضرت علی علیہ السلام اور برادر عزیز حسنینؑ امامین دنیاد آخرت کے ساقی تھے لیکن حضرت عباس علیہ السلام نے سقایت کا اعزاز نہایت مشکل حالت میں اپنے نام کے ساتھ مخصوص کیا۔ یزید لعین اور ابن سعد ملعون کے حکم سے عمر ابن سعد لعین نے حضرت امام حسینؑ اور آپ کے اہل بیت و اصحاب پر پانی بند کر دیا، یہ گرمیوں کے شدید ترین ایام تھے۔ یہ بندش آب سات محرم الحرام ۶۱ ہجری سے یوم عاشور کی شام تک برقرار رہی، اس دوران جناب عباسؑ نے نہایت جانفشانی سے کنویں کھودے جو لشکر یزید نے حملہ کر کے فوری بند کر دیئے اور خیموں سے بدستور بچوں کی العطش کی صدائیں بلند ہوتی رہیں۔ جناب عباسؑ نے راہ سقایت میں حق وفا ادا کرتے ہوئے شہادت پائی۔

کتاب کامل الزیارات میں داؤد الرقی سے روایت ہے کہ میں حضرت ابوعبداللہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا، جب پانی طلب کر کے پیا تو آپ رو دیئے، آنکھوں سے آنسو جاری تھے کہ فرمایا۔ اے داؤد! اللہ تعالیٰ قاتل حسینؑ پر لعنت کرے۔ جو شخص پانی پی کر امام حسینؑ کو یاد کرے اور ان کے قاتل پر لعنت بھیجے تو اللہ اس کے لیے ایک لاکھ نیکیاں لکھ دیتا ہے۔ ایک لاکھ گناہ معاف کر دیتا ہے اور ایک لاکھ درجات بڑھا دیتا ہے۔ وہ ایسے شخص کی مثل ہوتا ہے جو ایک لاکھ غلام آزاد کرے اور قیامت کے

دن اللہ اسے یوں محشور کرے گا کہ اس کا دل بہ سبب اطمینان و مسرت ٹھنڈا ہوگا۔ یہ بھی مروی ہے کہ جو شخص عاشور کے دن کربلا میں مرقد امامؑ کے پاس ہو اور پیاسوں کو پانی پلائے تو گویا اس نے یوم عاشور امام حسینؑ کے اصحاب کو پانی پلایا اور جیسے وہ اس دن نصرت امام کرتے ہوئے کربلا میں موجود تھا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا۔ "جب روز قیامت اعمال خیر کا اجر و ثواب عطا ہوگا تو ابتدا اس کی ان لوگوں سے ہوگی جن لوگوں نے دنیا میں کسی پیاسے کو پانی پلایا ہوگا۔" جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا۔ "بہترین صدقہ سرد کرنا ہے، اس جگر کا جو بہ سبب شدت پیاس کے گرم ہو۔" آپؐ نے فرمایا۔ جس شخص نے کسی پیاسے کو پانی پلایا ہو اس جگہ جہاں پانی میسر نہ ہو تو حق سبحانہ تعالیٰ اسے ثواب عطا کرے گا، برابر اس شخص کے جس نے ایک بندہ راہ حق میں آزاد کیا ہو اور جس کسی نے پیاسے کو پانی پلایا ہو ایسی جگہ جہاں پانی میسر نہ ہو اس شخص نے گویا زندہ کیا ایک بندہ خدا کو اور جس نے ایک بندہ خدا کو زندہ کیا یعنی اس کی جان بچائی گویا اس نے تمام بندگان خدا کو زندہ کیا۔

ایک مرتبہ ایک شخص بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ وہ عمل بتائیں جو جنت سے قریب تر کر دے تو زبان وحی ترجمان نے اسے یہ تلقین کی کہ ایک نئی مشک خریدو اور مشک سے پانی پلاتے رہو۔ یہاں تک کہ وہ بوسیدہ ہو جائے۔ یہ عمل تمہیں جنت سے قریب کر دے گا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ "جو شخص ایسے مقام پر پانی پلائے جہاں پہلے سے پانی موجود نہ ہو تو گویا اس نے ایک نفس کو زندہ کیا۔"

مصادف سے منقول ہے۔ ایک مرتبہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ درمیان مکہ اور مدینہ کے ہم سفر تھا، اثنائے راہ میں نے دیکھا کہ ایک شخص درخت کی جڑ میں پڑا ہے اور اس کا حال متغیر ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ اے مصادف میرے ساتھ اس شخص کے پاس چلو مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ شخص پیاس سے جاں بلب نہ ہو جائے۔ ہم اس کے پاس گئے تو حضرت نے اس سے پوچھا کیا تم پیاسے ہو، اس نے عرض کیا ہاں۔ حضرت کو اس پر رحم آیا اور ارشاد فرمایا۔ "اے مصادف گھوڑے سے اتر کر اسے پانی پلاؤ، مصادف گھوڑے سے اترے اور اسے پانی پلایا۔ اس کے بعد حضرت روانہ ہوئے تو مصادف نے عرض کی یا ابن رسول اللہ یہ شخص نصرانی تھا، کیا نصاریٰ کے ساتھ نیکی جائز ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ ہاں اے مصادف جب یہ لوگ ایسے حال میں مبتلا ہوں تو ان سے نیکی کرنی چاہیے۔ وائے ہو اشقیاء پر کہ حضرت امام حسینؑ کو مع ان کے اصحاب اور اعزا کے روز عاشور تین دن کا بھوکا پیاسا شہید کیا۔ انتہاء ظلم یہ کہ جب حضرت نے ششماہے علی اصغرؑ کو پانی پلانے کو کہا تو تیر سہ شعبہ سے شہید کیا۔

نذرِ جنابِ عباسؑ

میت کے گھر کھانا پہنچانا سنت ہے۔ یہ عمل انسانی ہمدردی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے کہ جس گھر میں کسی کا انتقال ہوتا ہے وہاں ہر شخص حالت سوگ میں ہوتا ہے اور یہ صدمہ اتنا شدید ہوتا ہے کہ کسی کو کھانے پینے کا ہوش نہیں ہوتا۔ ایسی صورت حال میں عزیز و اقربا کا فرض ہے کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ کوئی شخص لواحقین میں بھوکا نہ رہ جائے۔ لہٰذا اس جذبہ خیر کے تحت میت کے گھروں میں کھانا بھیجا جاتا ہے۔ جناب رسالت مآبؐ نے جناب جعفر طیارؓ کی شہادت کے موقع پر کئی روز تک ان کے گھر کھانا پہنچایا، کیونکہ حضرت جعفر طیارؓ اور حضرت عباس علمدارؑ کی شہادت میں کافی مماثلت ہے لہٰذا آپ کی نذر جس طرح دیگر آئمہؑ کی دلائی جاتی ہے، اسی طرح جناب عباسؑ کی نذر کی جاتی ہے۔ جناب عباسؑ کی نذر کی اس لیے بھی بہت اہمیت ہے کہ بعد شہادت کوئی اس کا اہتمام کرنے والا نہ تھا۔ اس لیے کہ اہل بیتؑ پر یزیدی فوج نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی تھی۔ حضرت عباس علیہ السلام کی شہادت کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام یقیناً اسی طرح کھانے پینے کا اہتمام فرماتے جس طرح جناب رسالت مآبؐ نے جناب جعفر طیارؓ کے گھر کھانا بھیجا تھا لیکن اس وقت حالات ایسے تھے کہ خیمہ میں ایک قطرہ پانی بھی نہ تھا۔ بعد شہادت حضرت عباسؑ صاحبان مودت اسی اہمیت کے پیش نظر کھانے پر نہایت احترام سے آپ کی نذر دلاتے ہیں اس نذر کے اہتمام کے لیے خصوصاً آٹھ محرم کا دن مخصوص ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سات محرم سے بندش آب ہوئی اور آٹھویں محرم سے جناب عباسؑ کی جانفشانی حد سے بڑھ گئی تھی، بھوک اور پیاس کی شدت کے باوجود آپ نے کئی بار کنوئیں کھودنے کی سعی فرمائی۔ مزید یہ کہ کربلا کے پیاسے شہیدوں کے نام پر سبیلیں لگائی جاتی ہیں۔ فراہمی آب میں سب سے زیادہ کوشش جناب عباسؑ نے فرمائی۔ یہاں تک کہ اس کوشش میں آپ کے شانے قلم ہوئے، جسم تیروں سے چھلنی تھا۔ اسی حالت میں مشک کو بچانے کی کوشش فرماتے رہے یہاں تک کہ تیر ستم نے مشک کو چھید دیا اور اسی وقت ایک گرزگراں آپ کے سر اطہر پر لگا جس کے سبب حق وفا ادا کرتے ہوئے آپ کا خون مشک کے بہتے ہوئے پانی میں شامل ہوا جس کی وجہ سے مشکیزہ کا بہتا ہوا پانی سرخ ہو گیا۔

آقائے اصفہانی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''جس طرح دیگر آئمہؑ کی نذر کا ادا کرنا ضروری ہے، اسی طرح حضرت عباسؑ کی نذر بھی ادا کرنا ضروری ہے۔'' مولانا سید آغا مہندی قبلہ تحریر فرماتے ہیں۔ کھانے پر حضرت عباس علیہ السلام کی نذر دی جاتی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اس رسم کی بنیاد قائم کرنے والے قمر بنی ہاشمؑ کی جانفشانی کی مخصوص یادگار کا قیام چاہتے ہیں۔''

روز محشر جناب فاطمہؑ کا تشریف لانا

زہرۃ المصائب میں ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام جب روز محشر تشریف لائیں گے تو آپ کے بدن اقدس پر سر انور نہ ہوگا اور خون رگہائے انور سے جاری ہوگا۔ آپ کا جسم اقدس زخموں سے چور چور ہوگا۔ جب جناب فاطمہؑ اپنے فرزند کو اس حال میں دیکھیں گی تو ایک چیخ بلند کریں گی۔ اس وقت جناب رسالت مآبؐ، حضرت علی مرتضیٰ، آئمہؑ ہدیٰ، تمام انبیاء و اوصیاء، ملائکہ اور مومنین سب شدت سے گریہ کریں گے۔ اس وقت جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا اللہ کی بارگاہ میں فریاد کریں گی۔ بارالہا میرے اور میرے فرزند کے تمام قاتلوں کے درمیان انصاف فرما۔ اس وقت قاتلان حضرت امام حسینؑ کو جہنم گھیرے ہوگا اور یہ شقی جہنم کے طرح طرح کے عذابوں میں گرفتار ہوں گے۔

ابن بابویہ نے عقاب الاعمال میں اور ابن طاؤس علیہ الرحمہ نے مقتل لہوف میں یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت رسول اللہؐ نے فرمایا روز قیامت حضرت فاطمہؑ چند خواتین کے ہمراہ تشریف لائیں گی تو ان سے خطاب ہوگا، بہشت میں داخل ہو جائیں تو آپ فرمائیں گی۔ میں جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہوں گی جب تک کہ وہ ظلم جو میرے بعد میرے حسینؑ پر ہوا اسے نہ دیکھ لوں۔ اس وقت خطاب ہوگا۔ میدان حشر کے درمیان دیکھئے جناب فاطمہؑ اسطرف دیکھیں گی، کہ حضرت امام حسینؑ اس طرح کھڑے ہیں کہ آپ کے بدن پر سر نہیں ہے۔ یہ منظر دیکھ کر با آواز بلند گریہ فرمائیں گی۔ آپ کے گریہ کے سبب فرشتے بھی گریہ کریں گے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں۔ حضرت فاطمہؑ ساق عرش پکڑ کر قیامت کے دن واقعہ کربلا کا فیصلہ چاہیں گی، اس دن آپ کے ہاتھ میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا خون بھرا پیراہن ہوگا۔ آپ اس وقت تک جنت میں داخل نہ ہوں گی جب تک ان کے لال پر رونے والے بخش نہ دیئے جائیں۔

امالی شیخ صدوق علیہ الرحمہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث میں جناب فاطمہؑ کی روز محشر آمد کی تفصیل لکھی ہے۔ اس حدیث کے ذیل میں لکھا ہے کہ جب جناب فاطمہؑ میدان محشر میں تشریف لائیں گی تو حضرت جبرائیلؑ کے ہاتھوں میں ان کے ناقہ کی مہار ہوگی اور آپ با آواز بلند ندا کریں گے۔ ''اے اہل محشر اپنی آنکھیں بند کر لو تا کہ فاطمہ بنت محمدؐ میدان محشر عبور کر لیں۔'' اس دن کوئی نبی، مرسل، صدیق اور شہید ایسا نہ ہوگا جو آنکھیں بند نہ کرے۔ حتیٰ کہ وہ مخدرہ عرش الٰہی کے برابر پہنچ جائیں گی۔ آپ اپنے ناقہ سے اترنے کے بعد آواز دیں گے۔ ''اے میرے مولا و آقا! میرے اور ان لوگوں کے درمیان حکم

فرما جنہوں نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ اے اللہ حکم کر میرے اور ان لوگوں کے درمیان جن لوگوں نے میری اولاد کو قتل کیا ہے۔ اچانک آواز قدرت آئے گی۔ اے مجھے عزیز اور میرے محبوب کی بیٹی! مجھ سے تم سوال کرو تا کہ میں تمہیں عطا کروں اور شفاعت کو کہو تا کہ تمہاری شفاعت کو قبول کیا جائے۔ مجھے اپنی عزت وجلالت کی قسم آج میں تمام ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچاؤں گا۔ جناب فاطمہؑ عرض کریں گی۔ اے میرے مولا آج میری ذریت میرے اور میری ذریت کے شیعہ، میرے اور جو میری ذریت کے محبّ ہیں میں ان کی کی شفاعت کرتی ہوں، جب آپ یہ فرمائیں گی تو آواز قدرت آئے گی۔ فاطمہؑ کی ذریت اور ان کے شیعہ اور ان کے محبّ اور ان کی ذریت کے محبّ ان سب کو میرے فرشتوں حاضر کرو۔ ملائکہ رحمت ان کو لیے ہوئے آئیں گے اور انکے آگے آگے جناب فاطمہؑ ہوں گی۔ یہاں تک کہ سب ایک ساتھ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

مودۃ القربیٰ میں سید علی الہمدانی لکھتے ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک منادی ندا کرے گا کہ اے اہل محشر اپنی آنکھیں بند کرلو تا کہ فاطمہ بنت محمدؐ مع حسینؑ کے خون آلود کرتے کے عرصہ قیامت سے گزریں۔ اس وقت جناب فاطمہ عرش کا پایہ پکڑیں گی اور فریاد کریں گی کہ اے جبار، اے عادل میرے اور میرے حسینؑ کے قاتلوں کے درمیان فیصلہ کر۔ اس پر خداوند عالم میری بیٹی کے موافق فیصلہ فرمائے گا۔ پھر جناب فاطمہؑ بارگاہ رب العزت میں عرض کریں گی۔ خداوندا! ان لوگوں کے حق میں جو میرے حسینؑ کی مصیبت پر روتے تھے، میری شفاعت قبول فرما، پروردگار عالم شفاعت قبول فرمائے گا اور حضرت امام حسینؑ پر گریہ وزاری کرنے والے بخش دیے جائیں گے۔

اسرار الشہادۃ میں مرقوم ہے کہ روز قیامت جب حساب کتاب کا معاملہ انتہا پر ہوگا، تو اس وقت جناب سرور کونینؐ حضرت فاطمہؑ سے فرمائینگے۔ "میری بیٹی امت کی شفاعت کے لیے تمہارے پاس بھی کچھ ہے، تو جناب فاطمہؑ عرض کریں گی۔ بابا آپ کی امت کی شفاعت کے لیے میرے پاس عباسؑ کے دو بازو ہی کافی ہیں۔"

اس روایت سے جناب عباس علمدار علیہ السلام کی بارگاہ الٰہی میں قبولیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے بازو اطہر جو راہ وفا میں شہید ہوئے وہ جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی نظر میں کس قدر اہمیت و توقیر کے حامل ہیں کہ سیدۃ النساء العالمین ان کو شفاعت امت کے لیے کافی قرار فرمائیں گی۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ "یقیناً میرے چچا عباسؑ کا اللہ کے نزدیک وہ مقام ہے کہ قیامت کے دن تمام شہدا اس مقام کی تمنا کریں گے۔" جناب عباس علیہ السلام کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپ کے عزیز و اقربا و انصار کی امیدوں کا مرکز تھے اور تا قیامت صاحبان مودت و معرفت کے

لیے بحیثیت باب الحوائج دعاؤں کے مستجاب ہونے کا وسیلہ ہیں۔ آپ کو باب الحوائج اسی لیے کہا جاتا ہے کہ آپ کے در پر آنے والے زائرین کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ علاوہ ازیں آپ روز قیامت امت کی شفاعت کا ذریعہ و وسیلہ قرار پائیں گے۔

معجزات جناب عباسؑ

جناب عباس علمدار علیہ السلام اس گھرانے کے فرد ہیں جن کے لیے پروردگار عالم کا فیصلہ ہے کہ ان کا نام ہمیشہ بلند رہے گا۔ جناب عباس علیہ السلام مظہر معجزات ہیں۔ آپ کے معجزات و کرامات حد سے سوا ہیں۔ ان معجزات کا سلسلہ آپ کی شہادت کے بعد سے آج تک جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا۔ آپ کے روضہ مبارک پر روزانہ معجزات کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ دنیا کے مختلف علاقوں میں آج بھی آپ کے علم کے زیر سایہ دعائیں مستجاب ہوتی ہیں۔ جب ہر تدبیر اور ہر دوا بے اثر ہو تو آپ کے پھریرے کی ہوا کارگر ثابت ہوتی ہے۔ مختلف کتابوں میں جو آپ کے معجزات درج ہیں اس سے کہیں زیادہ وہ معجزات ہیں جو دن رات پیش آتے ہیں۔ آپ کا روضہ مبارک اور درگاہیں مرجع خلائق ہیں جہاں لوگ تہی دامن آتے ہیں اور دامن مراد بھر کر واپس لوٹتے ہیں۔ آپکے معجزات کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ ان صفحات پر کچھ معجزات نذر قارئین ہیں۔

اپاہج کا شفاء یاب ہونا

(۱) صاحب کبریت احمر فرماتے ہیں مجھ سے ثقافت علماء اور بعض سعادت عظمیٰ جو کہ کربلا کے مجاور تھے نے فرمایا اور اس روایت کو شیخ مرتضیٰ انصاری نے اپنی کتاب صلوات میں نقل کیا ہے۔ مزید برآں صاحب صحیفہ وفا سید عبدالرزاق موسوی المقرم تحریر فرماتے ہیں۔ علامہ جلیل شیخ عبدالرحیم کا بیان ہے کہ میں نے کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کی اس کے بعد حرم حضرت عباسؑ پہنچا، وہاں میں نے دیکھا کہ ایک بدو اپنے بیمار لڑکے کو لے کر آیا جس کے پیروں پر فالج کا اثر تھا۔ اس نے حضرت عباسؑ کی ضریح مبارک سے باندھ دیا اور رو رو کر دعائیں کرنے لگا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ بچہ شفاء یاب ہو کر صحیح و سالم حرم میں با آواز بلند کہنے لگا۔ عباس علمدارؑ نے مجھے شفاء دی۔ لوگوں نے اسے گھیر لیا اور بغرض تبرک اس کے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ میں نے جب یہ منظر دیکھا تو ضریح مبارک کے قریب ہو گیا اور حضرتؑ سے کہا کہ آپ

نا آشنائے ادب کی دعاؤں کو سن لیتے ہیں اور ہماری دعاؤں کو جبکہ ہمیں معرفت بھی حاصل ہے مستجاب نہیں فرماتے۔ ٹھیک ہے اب میں آپ کی زیارت کے لیے آئندہ نہیں آؤں گا۔ بعد میں جب مجھے خیال آیا کہ میں نے گستاخی کی ہے خدا سے اپنی غلطی کی معافی مانگتا رہا۔ یہاں تک کہ جب میں نجف اشرف پہنچا تو استاد بزرگوار شیخ مرتضیٰ انصاری میرے پاس تشریف لائے اور پیسوں کی دو تھیلیاں دیتے ہوئے فرمایا۔ لو یہ تمہارے پیسے ہیں جو تم نے حضرت عباس علیہ السلام سے طلب کیے تھے۔ ایک سے اپنا مکان بنوالو اور ایک سے حج کرو۔ میں نے حضرت سے یہی دو سوال کیے تھے۔

شیخ سماوی نے اس موقع پر فرمایا کہ مجھے حضرت عباس علیہ السلام کی عطا پر تعجب نہیں ہے بلکہ حیرت شیخ انصاری پر ہے کہ انہیں اس کی خبر کیسے ہوئی، کیونکہ صاحب اعجاز علیؑ کے فرزند سے معجزہ کا ظہور قابل تعجب نہیں ہے۔ اس لیے کہ ہر روز بلکہ ہر وقت ہر شخص آپ کے حرم مطہر میں آتا رہتا ہے اور حاجتیں پوری ہونے پر چلا جاتا ہے۔ لیکن شیخ انصاری سے یہ علم غیب تعجب خیز ہے لیکن پھر تعجب نہیں کیونکہ نور الٰہی سے مومن خالص منور ہوا کرتا ہے۔

توہین حرم پر انگلی کا کٹ جانا

(۲) صاحب اسرار الشہادۃ تحریر فرماتے ہیں۔ علامہ سید احمد نے کہا کہ میں چند خادموں کے ہمراہ صحن مطہر حضرت عباسؑ میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص کو حرم مطہر سے بھاگتے دیکھا، اس کی سب سے چھوٹی انگلی کٹی ہوئی تھی اور خون بہہ رہا تھا، ہم لوگوں نے اسے روکا اور وجہ معلوم کرنا چاہی تو اس نے کہا۔ عباسؑ نے میری انگلی کاٹ دی، ہم لوگ پھر ضریح اطہر کے پاس گئے تو دیکھا کہ ضریح مبارک سے اس کی انگلی چپکی ہوئی تھی اور اس کا خون خشک تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ کسی مردہ کے جسم سے کٹی ہو۔ دوسرے دن یہ شخص مر گیا کہا جاتا ہے کہ اس نے حرم میں توہین کی تھی۔

بدعقیدگی سے نجات

(۳) علامہ متبحر شیخ حسن دخیل ناقل ہیں کہ گرمیوں کا زمانہ تھا اور عثمانی سلطنت کا آخری دور، میں حضرت سید الشہداءؑ کی زیارت کے لیے گیا تھا۔ حضرت کی زیارت کے بعد قمر بنی ہاشم کی زیارت کے لیے حرم پہنچا، ہوا اس قدر گرم تھی کہ وقت ظہر کے باوجود کوئی حرم میں نہیں تھا۔ صرف ایک ساٹھ سالہ خادم در حرم پر بیٹھا حرم اطہر کی حفاظت کر رہا تھا۔ میں نے زیارت پڑھی، اس کے بعد ظہرین بجالایا۔ حضرت کے بالائے سر بیٹھا

ہوا قمر بنی ہاشم کی عظمت وہ جلالت، ایثار و فداکاری اور مصائب و آلام سے متعلق خیالات میں غرق تھا، اتنے میں ایک کردی عورت اپنے بچے کے ہمراہ داخل ہوئی، یہ سرتاپا چادر میں چھپی ہوئی تھی۔ چہرے سے ظاہر تھا کہ اس کا تعلق شریف گھرانے سے ہے، تقریباً سولہ سال کا بچہ بھی کردی کپڑے پہنے ہوئے ماں کے ساتھ ادب و احترام سے ضریح اطہر کے طواف میں مصروف ہوگیا۔ کچھ دیر بعد ایک سرخ و سفید قد آور شخص بھی کردی کپڑے پہنے ہوئے وارد ہوا لیکن بجائے زیارت اور راز و نیاز کے حرم کی عمارت کو دیکھ رہا تھا اور بادشاہوں نے جو حرم مطہر پر قیمتی تلواریں اور جواہرات چڑھائے تھے ان کا مشاہدہ کر رہا تھا، میرا گمان تھا کہ یہ مرد اسی عورت کا شوہر ہے لیکن میں یہ سوچ رہا تھا کہ دونوں میں کس قدر فرق ہے کہ یہ عورت اور بچہ ادب و احترام سے حضرت کے حضور گریہ وزاری کر رہے ہیں اور یہ گستاخ ادھر ادھر تماشابین بنا ہوا ہے۔ اس کی یہ روش مجھے ناگوار گزری۔ اچانک میں نے دیکھا کہ یہ مرد زمین پر اچھلا، کس نے اسے اچھالا یہ نہیں بتا سکتا، ضریح سے ٹکرایا اور دیوانہ وار ضریح کا طواف کرنے لگا یہ زور زور سے چیخ رہا تھا، یہ نہ ضریح کے قریب تھا نہ دور ایسا لگتا تھا کہ بجلی کے جھٹکے لگ رہے ہیں، پہلے اس کا چہرہ سرخ ہوا اس کے بعد نیلگوں ہونا شروع ہوگیا، اس کے گلے میں چاندی کی زنجیر میں گھڑی پڑی ہوئی تھی جو بے چینی کی حالت میں ضریح سے ٹکراتے ٹکراتے ٹوٹ گئی۔ کثرت اضطراب سے اس کی عبا پارہ پارہ ہوگئی اس کی اس وحشت ناک کیفیت کو دیکھ کر اس کی بیوی اپنے بچے کو آغوش میں لے کر حضرت ابوالفضلؑ کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہی تھی، میں اپنے بچے کے ساتھ آپ کی پناہ میں ہوں۔ میں بھی یہ منظر دیکھ کر لرز گیا، سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں، وہ آدمی بھی لحیم شحیم تھا، حرم میں کوئی دوسرا بھی نہ تھا جو میری مدد کرتا۔ اس شخص نے گھڑی کی سوئی کی طرح بے اختیار دوبارہ ضریح اطہر کا طواف کیا۔ در پر بیٹھے ہوئے جب بوڑھے خادم نے اس منظر کو دیکھا تو جعفر نامی ایک دوسرے خادم کو آواز دی۔ خادم نے آکر ایک تین ہاتھ کی رسی لی اور اس کے گلے میں باندھی اور حرم سے کھینچ کر اسے باہر لائے اور حرم حضرت امام حسینؑ کی طرف چلے، بغیر کسی مزاحمت کے سر جھکائے، ہمراہ ہولیا لیکن چیختا رہا دونوں حرم کے درمیان سے گزرتے وقت جس کسی نے اس کی آواز سنی ساتھ ہولیا، حرم حضرت امام حسینؑ میں پہنچ کر اس کو ضریح اطہر سے باندھ دیا، باندھتے ہی اسے قدرے سکون ہوا اور سو گیا، پندرہ منٹ کے بعد بیدار ہوا۔ پسینے سے شرابور چہرے سے خوف و وحشت جھلک رہی تھی لیکن اللہ کی توحید، رسول اللہ کی رسالت اور حضرت امیرالمومنینؑ سے حضرت امام زمانہ تک کی امامت کا قرار کرتا جا رہا تھا، لوگوں نے جس وقت اس سے حالات دریافت کیے تو اس نے بیان کیا۔ "میں نے ابھی خواب میں رسول خدا کو دیکھا فرما رہے تھے کہ میرے سامنے

آل محمدؐ کی امامت کا اعتراف کر و ورنہ عباسؑ تجھ کو ہلاک کر ڈالیں گے۔ لہٰذا میں نے سب کی امامت کا اعتراف کر لیا اور ان کے علاوہ جو تھے ان سے اظہار بیزاری کی۔ اس کے بعد اس شخص سے حرم قمر بنی ہاشم کے حالات لوگوں نے دریافت کیے، جس کے جواب میں اس نے کہا۔ میں حرم ابوالفضلؑ میں تھا، میں نے دیکھا کہ ایک بلند قامت شخص نمودار ہوئے اور مجھے پکڑتے ہوئے کہا۔ او کتے! ابھی تک اپنی گمراہی پر ڈٹا ہوا ہے، پھر مجھ کو زور سے ضریح اطہر سے ٹکرایا اور عصا سے میری پشت پر پیہم مارتے رہے اور میں بھاگ رہا تھا۔ بعد میں اس عورت نے بتایا کہ یہ اس کا شوہر ہے اور بد عقیدہ تھا۔ اس نے اس کے حق میں دعائیں طلب کیں کہ راہ راست پر آجائے لیکن میری دعا قبول نہ ہوئی۔ آخر میں حضرت امام حسین علیہ السلام اور جناب عباسؑ کی زیارت کی غرض سے کربلا پہنچی، پہلے حرم جناب عباسؑ میں داخل ہوئی اور حضرت سے عرض کی اگر آپ کے حرم میں میری دعا مستجاب نہ ہوئی تو اب میں نہ آپ کے بھائی امام حسینؑ کی زیارت کروں گی اور نہ آپ کے بابا حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کی زیارت کے لیے نجف جاؤں گی۔ حضرت نے میری دعا کو سنا اور اب میری مراد مستجاب ہوئی اور شوہر کو ہدایت مل گئی۔

بیماری سے نجات پانا

(۴) آیت اللہ شیخ محمد ابراہیم کلباسی النجفی اپنی تصنیف خصائص عباس علمدار میں تحریر فرماتے ہیں۔ سعید نامی ایک مومن بیمار ہوا، اسے دل کا عارضہ تھا۔ ڈاکٹروں نے اسے لاعلاج قرار دیا تو وہ حضرت ابوالفضلؑ کے روضہ پر وارد ہوا اور اس نے آپ کا واسطہ دے کر اللہ سے شفاء طلب کی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے صحت عطا فرمائی اور اس کی تمام بیماری دور ہوگئی۔ اس واقعہ سے متاثر ہو کر صالح حلی نے ایک نظم تحریر کی جس کے چند اشعار کا مفہوم یہ ہے۔ ''ہم نے حضرت عباسؑ سے پناہ طلب کی، آپ نے ہم پر کرم نوازی کی، ہم نے دل کی تکلیف اور اس کے زخموں کی دوا کی التجا کی، بیماری کے بعد اللہ تعالیٰ نے ''سعید'' کو خیر و عافیت کا لباس پہنایا، اللہ نے دل کے زخموں کو خوشی میں تبدیل کر دیا۔''

روضہ عباسؑ پر شفاء یابی

(۵) صحیفہ وفا میں مرقوم ہے کہ اعلام الناس فی فضائل العباسؑ کے مصنف تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ ہجری میں شادی کے ایک ہفتہ بعد زکام و بخار میں مبتلا ہوا، نجف کے حکیموں سے علاج کرایا

لیکن مرض بڑھتا گیا۔ تقریباً ڈھائی سال کا عرصہ گزرنے کے بعد جمادی الاول ۱۳۵۳ھ ہجری میں کوفہ گیا اور رجب تک یہاں قیام کیا، روز بروز کمزوری بڑھتی جارہی تھی۔ یہاں تک کہ کھڑا ہونا دشوار تھا کوفہ کے بعد نجف آیا اور بغیر علاج ومعالجہ پڑا رہا۔ اسی سال میرے پرانے ڈاکٹر اور چند بغداد سے آئے ہوئے ماہر ڈاکٹروں نے مجھے دیکھا اور فیصلہ دیا کہ مرض لاعلاج ہو چکا ہے۔ ایک ماہ بعد میری موت ہو جائے گی۔

۱۳۵۳ھ ہجری محرم کا چاند نمودار ہوا، میرے والد ماجد مجلسوں کے لیے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کے فرزند شہزادہ قاسمؑ کے حرم میں تشریف لے گئے جو قاسم آباد نامی دیہات میں تھا۔ میری تیمارداری میری والدہ کررہی تھیں۔ میری گرتی صحت کی وجہ سے ہر آن روتی رہتی تھیں۔

محرم کی شب ہفتم سید رشتی سے ملتے جلتے ایک وجیہہ صورت بزرگ کو خواب میں دیکھا، جنہوں نے پوچھا تمہارے والد کہاں ہیں؟ میں نے کہا وہ قاسم آباد تشریف لے گئے ہیں، میرے جواب پر فرمایا کہ میری شب پنج شنبہ کی مجلس کون کرے گا؟ اچھا تم ہی نوحہ پڑھو اور مجلس منعقد کرو، یہ فرما کر وہ بزرگ چلے گئے۔ لیکن پھر واپس آئے اور فرمایا۔ میرا بیٹا سعید کربلا اپنی نذر بڑھانے گیا ہے۔ تم بھی جاؤ اور حضرت عباس علیہ السلام کی مجلس عزاء میں شریک ہو جاؤ، یہ کہہ کر وہ بزرگ روپوش ہو گئے۔ اتنے میں میری آنکھ کھل گئی، دیکھا کہ والدہ بیٹھی رو رہی ہیں، مجھے پھر نیند آگئی اور پھر ان ہی سید کو خواب میں دیکھا کہ تشریف لائے ہیں اور فرما رہے۔ "تم کربلا کیوں نہیں جاتے، میرا لڑکا سعید وہاں پہنچ چکا ہے تم بھی جاؤ اور مجلس قمر بنی ہاشم میں شرکت کرو، پھر میری آنکھ کھل گئی، تیسری بار پھر سو گیا اور ان سید کو دیکھا کہ تشریف لائے ہیں اور اس بار ذرا تیز وتند لہجہ میں فرمایا کہ تم کربلا کیوں نہیں جاتے تاخیر کس لیے کر رہے ہو؟ مجھ پر خوف کی سی کیفیت طاری ہو گئی اور خواب والدہ ماجدہ سے بیان کیا، اس خواب کو انہوں نے بشارت سمجھا اور کربلا جانے کی سعی کرنے لگیں لیکن میری خستہ حالی دیکھ کر کوئی لے جانے پر تیار نہیں تھا کیونکہ سواری پر بیٹھنے کی طاقت نہ تھی۔ یہاں تک کہ بارہویں محرم آگئی اور کربلا نہ پہنچ سکا۔ میری والدہ کوشش کرتی رہیں، آخر کچھ عزیزوں نے مشورہ دیا کہ تابوت میں رکھ کر کربلا پہنچایا جائے، آخر کار اسی طرح بارہویں محرم کو کربلا پہنچ کر حضرت کے حرم میں باریابی ہوئی۔

شب تیرہویں تھی قدرے غنودگی کی سی کیفیت طاری تھی پھر وہی سید دکھائی دیے اور فرمایا۔ ساتویں کو کیوں نہیں آئے۔ سعید تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ آج تیرہویں دفن حضرت عباسؑ کا دن ہے۔ بہر حال اٹھو مصائب حضرت ابوالفضل پڑھو، یہ فرما کر وہ غائب ہو گئے۔ لیکن پھر ظاہر ہوئے اور مجھے شانوں سے سہارا دے کر اٹھایا اور فرمایا۔ کب تک پڑے رہو گے، اٹھو اور میرے مصائب بیان کرو۔ یہ سن کر پورا وجود ہیبت

سے لرز رہا تھا۔ جلدی اٹھا لیکن ایسا خوف طاری تھا کہ زمین پر گر گیا، جو بھی حرم میں تھا اس نے مجھے گرتے دیکھا، میں پسینے سے شرابور تھا، تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو بیماری کے آثار یک لخت ختم ہو چکے تھے۔ لوگوں کی تکبیر کی آواز سے حرم گونج رہا تھا۔ لوگوں نے ہر طرف سے مجھے گھیر لیا۔ تبرکاً کپڑے پارہ کیے۔ آخر کار حرم کے خدام نے مجھے ایک حجرہ میں بند کر دیا۔ صبح تک وہاں رہا۔ نماز صبح کے وقت حرم حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام میں پہنچا، نماز پڑھی اور حضرت کے مصائب بیان کیے۔

دورانِ ماتم شفاء یاب ہونا

(۶) صحیفہ وفا کے مولف تحریر فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے راوی صاحب جوہر کے خاندان کے بزرگ شیخ ہیں، جن کا بیان ہے۔ ''مخلیف'' نامی ایک شخص خرم شہر کا رہائشی تھا، اس کے پیروں میں شدید تکلیف تھی، رفتہ رفتہ مرض بڑھ کر پورے پیر تک پہنچ گیا، جس کے سبب یہ شخص نقل و حرکت سے محروم ہو گیا۔ تمام اہل شہر گواہ ہیں کہ تین سال تک وہ اسی حال میں رہا اور جب ایام عزا آتے تو زمین پر گھسٹ کر مجلسوں میں شرکت کرتا۔ اسی شہر میں شیخ حر علی کا عزاخانہ تھا جس میں محرم کے پہلے عشرہ کی مجلسیں ہوتیں، یہ شخص بھی مجلسوں میں شریک ہوتا، یہاں کا دستور تھا کہ جب مصائب شروع ہوتے تو حاضرین کھڑے ہو کر سر و سینہ پیٹتے اور ماتم کرتے۔ ساتویں تاریخ حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام سے مخصوص تھی۔ ذاکر نے جس وقت مصائب شروع کیے، مجمع کھڑا ہو گیا اور معذور شخص بھی سب کے ساتھ اچانک کھڑا ہو گیا اور ماتم داروں کے دوش بدوش ماتم کرنے لگا اور نوحہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا ''مجھے حضرت عباسؑ نے کھڑا کیا ہے۔''

پھر کیا تھا حاضرین نے اسے گھیر لیا اور بغرض تبرک لباس پھاڑ دیا۔ آخر کار صاحب عزاخانہ نے اس کو ایک کمرہ میں بند کیا، اس سال یہ دن لوگوں کے لیے عاشور سے زیادہ گریہ و ماتم کا رہا، پورا عزاخانہ آہوں اور سسکیوں میں ڈوبا رہا۔ صاحب عزاخانہ نے لوگوں کے لیے نذر کا اہتمام کیا تھا لیکن گریہ و ماتم میں پورا دن گزر گیا اور دن کا کھانا رات کے نو بجے شروع ہوا۔

جس وقت مجمع نے مخلیف سے پوچھا تم نے کیا دیکھا، تو اس نے بتایا کہ جب مصائب کے وقت لوگ سر و سینہ پر ماتم کر رہے تھے، مجھے قدرے غنودگی طاری ہو گئی، خواب میں دیکھا کہ ایک قوی و وجیہہ انسان سفید گھوڑے پر سوار تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا کہ مجلس عباسؑ میں ماتم کیوں نہیں کرتے؟ میں نے عرض کی آقا میں اٹھ نہیں سکتا، فرمایا اٹھو اور ماتم کرو! میں نے کہا آقا اپنا ہاتھ بڑھائیے تا کہ اٹھ سکوں، آقا نے

جواب دیا کہ میرے ہاتھ نہیں ہیں، میرے رہوار کی رکاب تھام لو اور اٹھ جاؤ، میں نے رہوار کی رکاب تھامی رہوار نے ایک جھٹکا دیا میں زمین سے کھڑا ہو گیا، پھر وہ سوار نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

دلی مراد بر آنا

(۷) عالم جلیل مرزا عباس کرمانی نے بیان کیا ہے کہ انہیں ایک حاجت درپیش تھی، جس کے حل کی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر ضریح عباسؑ تک پہنچا، حضرت سے اپنی حالت بیان کی، ناامیدیوں میں امید کی کرن پھوٹنے لگی اور کچھ دنوں بعد مجھے میری مراد مل گئی۔

جنابِ عباسؑ کی زیارت کا شرف

(۸) صاحب کتاب سرور المومنین فرماتے ہیں کہ "میرے بھائی شیخ جعفر نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں ایک سید کے ساتھ کربلا سے نجف اشرف بوقت شب جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک عالی شان عمارت پر نظر پڑی۔ جس کے اردگرد نہایت گنجان درخت نہایت سلیقہ سے لگے تھے۔ دل میں آیا بار بار اس طرف سے گزر ہو۔ کبھی اس قسم کا کوئی مکان اس راہ میں نظر سے نہیں گزرا۔ یہ کیا خوب مکان ہے، میں اسی تردد میں باتیں کر رہا تھا کہ ایک بزرگ سامنے سے نمودار ہوئے اور فرمانے لگے۔ یہ میرا مکان ہے اور میری دعوت مہمانی قبول کریں۔ ہم دونوں ان کے ہمراہ مکان میں داخل ہوئے وہ مکان جنت کا نمونہ نظر آ رہا تھا۔ یہاں راحت و آرام کے اسباب موجود تھے اور یہاں ہر طرح کی نعمتیں مہیا تھیں۔ ایسا مکان نہ کبھی آنکھوں نے دیکھا تھا نہ کانوں نے سنا تھا۔ اس میں باغات تھے کہ سبحان اللہ! باغوں کے درختوں پر طائران خوش الحان اور مرغان شیریں بیان چہک رہے تھے اور نہریں جاری تھیں، یہاں سبزہ لہلہا رہا تھا اور درخت کی شاخیں بار ثمر سے جھکی ہوئی تھیں۔ پھولوں کی خوشبو سے دماغ معطر تھے اور فضا خوشبو سے بسی ہوئی تھی۔ میں اس حیرت انگیز مکان میں سیر کر رہا تھا کہ اس کے پہلو میں ایک اور شاندار مکان نظر آیا، اسے دیکھ کر میں اور حیران ہوا۔ وہ اس خوبی سے بنا ہوا تھا اور آراستہ تھا کہ اس کی توصیف سے زبان قاصر ہے۔ اس میں ایک بزرگوار جن کے چہرے سے عظمت وجلالت آشکار تھی ظاہر ہو رہی تھی۔ آپ کو میں نے صدر مقام پر بیٹھے دیکھا۔ میں نے آگے بڑھ کر نہایت ادب سے سلام عرض کیا۔ انہوں نے جواب سلام کے بعد اسی سید سے جو میرے ہمراہ تھے اور جن سے میں پہلے واقف نہ تھا لیکن رفیق سفر ہونے کی وجہ سے میں ان سے مانوس تھا، سے کہا ان شیخ کو

جو کہ آقائے نامدار حضرت سید الشہداء کے ذاکر ہیں فلاں مقام پر لے جاؤ اور آب سرد اور طعام لذیذ سے سیر وسیراب کرو اور جس چیز کی ضرورت ہو فراہم کرو۔ یہ سن کر وہ سید مجھے ایک وسیع مکان میں لے گئے، جہاں انواع واقسام کے کھانے چنے ہوئے تھے۔ میں نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ جب وہ سید مجھے رخصت کرنے کے لیے نادر خانہ آئے تو میں نے ان سے کہا کہ آپ کو قسم ہے، اس عظیم الشان شخصیت کی جو اس مکان کے مالک ہیں مجھے بتائیے کہ یہ مقام کون سا ہے اور یہ مسند نشین صدر خانہ کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ "اس مقام کا نام وادی مقدس ہے۔" اور آپ جناب کا اسم گرامی حضرت عباس علیہ السلام ہے، یہ مکان ان ہی کا ہے۔ یہاں سب شہدائے کربلا جمع ہو کر حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں جاتے ہیں۔ میں نے عرض کی۔ اے سید میں نے سنا بھی ہے اور کتابوں میں پڑھا بھی ہے کہ کربلا میں حضرت عباس علیہ السلام کے دونوں دست مبارک کٹ گئے تھے۔ آپ نے کہا، بیشک، میں نے عرض کی مجھے رخصت کی غرض سے حضرت کی خدمت میں لے چلیں تا کہ میں حضرت کے دست بریدہ جسم کو بچشم خود دیکھ لوں۔ وہ سید مجھے دوبارہ حضرت کی خدمت میں لائے۔ میں نے جونہی آپ کے دست بریدہ جسم کو دیکھا، میں بے اختیار رونے لگا اور بے ساختہ یہ اشعار میری زبان پر جاری ہوئے۔ (ان اشعار کا مفہوم یہ ہے) "دشمنوں نے آپ کے جسم کو تیروں سے چھلنی کر کے، مشکیزہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جسے آپ نے بڑی مشکلوں سے بھرا تھا۔ اس وقت آپ نے کمال مایوسی کے عالم میں چشم پرنم حضرت امام حسین علیہ السلام کو آواز دی۔ اے میرے آقا حسینؑ میری تمام امیدیں خاک میں مل گئیں۔ افسوس کہ میں پانی پہنچانے سے قبل ہی ملک الموت سے ملاقات کرنے پر مجبور ہو گیا۔" راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر سب زارو قطار رونے لگے اور حضرت عباس علیہ السلام نے فرمایا۔ "اے شیخ، خدا اتم لوگوں کو صبر دے، میں نے اس سے زیادہ تکلیفیں برداشت کی ہیں جن کی تمہیں اطلاع ہے۔"

کٹے ہاتھ اور زبان کا جڑنا

(۹) کتاب حزن المومنین میں ہے کہ عرب وعجم کے دستور کے مطابق عباس آباد شہر میں مومنین نے یوم عاشور شبیہ حضرت عباسؑ بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس کے لیے وہ ایک نیک سیرت نوجوان کی تلاش میں تھے۔ ناگاہ انہیں ان صفات کا حامل ایک نوجوان نظر آیا۔ اس سے ان لوگوں نے اپنا مقصد ظاہر کیا، وہ بہت خوش ہوا اور شبیہ بننے پر آمادہ ہو گیا۔ الغرض اسے شبیہ عباس بنا کر انہوں نے مراسم عزا ادا کیے۔ اس واقعہ کی اطلاع اس کے باپ کو ہوئی جو سخت ترین ناصبی تھا۔ جب یہ نوجوان اپنے گھر گیا تو اس کے باپ نے واقعہ پوچھا۔ اس

نے سب واقعہ کہہ سنایا۔ باپ نے پوچھا کہ تو کیا عباسؑ کو دوست رکھتا ہے۔ اس نے کہا۔ بے شک۔ یہ سن کر اس نے تلوار اٹھائی اور اس کے دونوں ہاتھ جدا کر کے کہا، اب تو صحیح تصویر بنا ہے۔ وہ غریب اس صدمہ سے زمین پر لوٹنے لگا۔ یہ دیکھ کر اس کی ماں سر پیٹتی ہوئی قریب آئی اور فریاد و فغاں کرتی ہوئی، بولی کہ اے ظالم تو بروز حشر جناب رسول اللہؐ اور جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کو کیا جواب دے گا۔ اس نے کہا کہ کیا تو ان لوگوں کو دوست رکھتی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ بے شک ہمارا ان پر ایمان ہے۔ یہ سن کر اس ظالم نے اس عورت کی زبان قطع کر دی اور اس کی آغوش میں بیٹے کے ہاتھ ڈال کر کہا جا قیامت کے دن فاطمہؑ اور عباسؑ سے شکایت کر کے جو بنانا ہے بنا لینا۔ اس کے بعد ان دونوں کو باہر نکال کر دروازہ بند کر لیا۔ وہ مومنہ اپنے لڑکے کو اپنے ہمراہ ہاتھوں سمیت ایک عزا خانہ میں چلی آئی اور اپنے بیٹے کو زیر منبر ڈال کر منبر کے قریب محوئے گریہ و بکا رہی۔ صبح کے قریب چند بیبیاں سیاہ پوش ظاہر ہوئیں اور اس سے رونے کا سبب دریافت کیا، اس نے ہاتھ کے اشارے سے زبان کے کٹنے کا حال ظاہر کیا۔ انہوں نے فرمایا: غم نہ کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس کے بعد ان عورتوں میں سے ایک نے اس کی زبان کا ٹکڑا زبان سے ملا کر اپنا لعاب دہن لگایا تو وہ ٹھیک ہوگئی۔ اس کے بعد جب وہ جانے لگیں تو اس مومنہ نے ان کا دامن تھام کر عرض کیا میرا بیٹا زیر منبر پڑا ہے، اسے بھی ٹھیک کر دیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کو حضرت عباسؑ نے ٹھیک کر دیا تو اسے دیکھ لے، وہ اٹھی اور منبر کے اندر کی جانب گئی تو دیکھا کہ اس کا بچہ تندرست ہے، اس مومنہ نے پوچھا کہ بی بی آپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں حسینؑ کی دکھیاری ماں فاطمہؑ ہوں۔ اس کے بعد وہ بیبیاں نظروں سے غائب ہوگئیں۔ اس مومنہ کا بیان ہے کہ میں نے لڑکے سے پوچھا کہ کیا واقعہ گزرا۔ اس نے کہا کہ میں عالم غشی میں تھا کہ ایک نقاب پوش جوان میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ گھبرا نہیں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں نے فوراً ان کا دامن تھام لیا اور ان کی خدمت میں عرض کی: حضور! آپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا میں عباسؑ ہوں۔ میں نے کہا حضور! دست مبارک دیجئے تا کہ میں بوسہ دوں آپ نے فرمایا کہ میرے ہاتھ نہیں ہیں، وہ کربلا میں اسلام پر قربان ہو گئے۔ اس کے بعد وہ نظروں سے غائب ہو گئے۔

طلائی طوق کا قندیل سے پیوست ہونا

(۱۰) کربلا معلی میں رہنے والے سید عباس طباطبائی بیان کرتے ہیں کہ میں مشغول درس تھا کہ ایک روز شور مچا کہ حضرت عباس علیہ السلام کے روضہ میں معجزہ ہوا ہے۔ یہ سن کر استاد نے چھٹی کر دی۔ میں دوڑا

ہوا روضہ حضرت عباس علیہ السلام میں گیا وہاں دیکھا کہ روضہ کے اندر بہت سے لوگ ہیں اور سب بالکل خاموش ہیں اور ایک عورت بے ہوش پڑی ہے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کیا معجزہ پیش آیا ہے لیکن کسی نے جواب نہ دیا۔ بڑی دیر کے بعد ایک شخص نے اوپر کی طرف اشارہ کیا تو میں نے دیکھا کہ ایک طلائی طوق ایک قندیل سے چپکا ہوا ہے اور قندیل حرکت میں ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس بے ہوش عورت کے اعزا آگئے اور انہوں نے بڑی آہ وفریاد کی تو عورت کو ہوش آیا۔ اس کا بیان ہے کہ یہ لڑکا جو میرے پاس بیٹھا ہے۔ ایک بار علیل ہوا تھا اور میں نے منت مانی تھی کہ طوق گراں جو میری گردن میں ہے اپنے لڑکے کی صحت یابی پر حضرت عباسؑ کی نذر کروں گی۔ اب جبکہ اسے کامل صحت ہوگئی ہے تو میں طوق ضریح مبارک پر چڑھانے کے لیے لائی ابھی طوق کو گلے سے اتارنے نہ پائی تھی کہ یک بیک یہ خیال پیدا ہوا کہ چونکہ یہ کافی وزنی ہے لہٰذا اس کے بجائے کچھ سونا چڑھاؤں گی۔ میرے ذہن میں اس خیال کا آنا تھا کہ میں نے ایک پرچھائیں سی دیکھی، اس کے بعد میں بے ہوش ہوگئی۔ پھر مجھے نہیں معلوم کہ کیا ہوا۔

لاعلاج مریض کا شفاء یاب ہونا

(۱۱) معالی السبطین میں محمد مہدی مازندرانی تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ایک باوثوق استاد سے یہ واقعہ سنا کہ کربلا میں ایک صالح مومن رہتا تھا۔ اس کا ایک نیک سیرت بیٹا تھا۔ جب یہ بیمار ہوا تو اس کے باپ نے اس کا علاج کرایا لیکن وہ کہیں سے بھی شفایاب نہ ہوا۔ جب وہ اپنے اس مومن بیٹے کی شفایابی سے مایوس ہوا تو وہ اپنے بیمار بیٹے کو لے کر حضرت ابوالفضل العباسؑ کی قبر مطہر پر آیا اور حضرت کا واسطہ دے کر اللہ سے بیٹے کی شفایابی کی دعا کی۔ وہ ساری رات بیٹے کو لیے گریہ وزاری کرتے ہوئے دعا مانگتا رہا۔ صبح نمودار ہوئی تو اس کا ایک دوست اس کے پاس آیا اور کہا: میں تمہیں خوشخبری دیتا ہوں کہ تمہارا بیٹا صحت یاب ہو جائے گا۔

آج رات میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت ابوالفضل العباسؑ نے اللہ سے تمہارے بیٹے کی شفایابی کی دعا کی ہے۔ کچھ دیر بعد میں نے دیکھا کہ ایک فرشتہ ان کے پاس آیا اور اس نے کہا میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک پیغام لے کر آیا ہوں۔ جناب رسول خداؐ نے آپ پر سلام بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ آپ اس نوجوان کی شفایابی کی دعا نہ کریں، اس کی زندگی کے لمحات ختم ہونے کو ہیں۔ جناب عباس علیہ السلام نے اس فرشتہ سے کہا: جناب رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے کہیں کہ میں آپؐ

کو خدا کے حضور شفیع مقرر کرتا ہوں اور آپ کے حق کا واسطہ دے کر اللہ سے اس نوجوان کی شفایابی کے لیے دعا کرتا ہوں۔ وہ فرشتہ یہاں جا کر کچھ دیر بعد واپس آیا اور آنحضرتؐ کا سابقہ فرمان دہرایا۔ جناب عباسؑ نے پھر اس فرشتہ کو بھیجا، اس نے واپس آ کر وہی جواب سنایا۔ الغرض آپ نے تین بار فرشتے کو روانہ کیا اور وہ ہر بار جناب رسالت مآب کا سابقہ جواب لے کر واپس آیا۔ اس کے بعد جناب عباس علیہ السلام جناب رسالت مآب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ پر زمین و آسمان کے مالک کی طرف سے درود وسلام ہو۔ کیا یہ بات صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے باب الحوائج کا لقب عنایت فرمایا ہے اور لوگوں کو اس لقب کا علم ہے اور وہ مجھے باب الحوائج سمجھ کر میرے پاس اپنی حاجات کے لیے آتے ہیں اور اگر حاجات پوری نہ ہوں تو مجھے یہ لقب کیوں دیا گیا ہے۔ یہ سن کر جناب رسول اکرمؐ نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ جاؤ اللہ تعالیٰ تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈک عطا فرمائے۔ جیسے ہی اس مومن نے اپنے برادر مومن بھائی سے یہ خواب بیان کیا تو اس کا بیٹا جو کہ حضرت عباس علمدارؑ کی جالی کے ساتھ بغرض شفایابی کے رسی سے بندھا تھا تندرست ہو کر اٹھ بیٹھا۔

جنابِ قیصر بارہوی کا بستہ دستیاب ہونا

(۱۲) شاعر اہل بیت جناب قیصر بارہوی مقیم لاہور کا یہ واقعہ کتاب علیؑ علیؑ حصہ دوم بحوالہ امامیہ جنتری لاہور تحریر ہے کہ ایک دفعہ جناب قیصر بارہوی لاہور سے ملتان مجلس کی غرض سے بذریعہ بس تشریف لے جا رہے تھے۔ بس ساہیوال جا کر رکی، کنڈیکٹر نے سواریوں سے کہا کہ ملتان کی سواریاں اس بس سے اتر کر سامنے کھڑی ہوئی دوسری بس میں آجائیں۔ میں بھی دوسری سواریوں کے ساتھ ملتان والی بس میں بیٹھ گیا اور بس روانہ ہو گئی۔

بس کو روانہ ہوئے کئی میل کا جب فاصلہ طے ہوا تو مجھے خیال آیا کہ میرا بستہ جس میں مرثیوں کی بیاض تھی وہ تو پہلی والی بس میں رہ گیا۔ دل پریشان ہوا کہ اب کیا کریں واپس جاتے ہیں تو وہاں نہ ملا یا تھیلا کوئی دوسرا شخص لے گیا تو کیا کریں گے اور اگر آگے جاتے ہیں تو پھر ملتان پہنچ کر مجلس میں کیا پڑھیں گے؟ میں نے دل ہی دل میں حضرت عباس علمدار علیہ السلام سے مدد طلب کی، اور کہا: مشکل کشاء کے فرزند مدد فرمایئے، آپ کے بھائی شہید کربلا کی مجلس پڑھنے جا رہا ہوں اور جو کچھ حادثہ ہوا اس کی بھی آپ کو خبر ہے، مولا عباسؑ مرثیوں کی بیاض آپ ہی عطا فرمائیں۔

دل ہی دل میں مولا سے کہہ رہا تھا کہ جس بس میں سفر کر رہا تھا۔ اچانک وہ خراب ہوگئی، جس کی وجہ سے ڈرائیور نے بس روک لی اور تمام سواریاں بس سے نیچے اتر گئیں۔ ڈرائیور اور کلینز بس کو ٹھیک کرنے لگے تھوڑی دیر میں خانیوال کی طرف سے ایک بس آئی اور ہماری بس سے چند گز کے فاصلے پر آگے جا کر رک گئی، اس میں سے ایک آدمی اترا اور ہماری بس کے پاس آ کر با آواز بلند میرا نام لیکر کہا کہ قیصر بارہوی صاحب کون ہیں۔ میں نے اپنا نام سنا تو اسے بتایا۔ میں قیصر بارہوی ہوں۔ اس شخص نے میرا تھیلا مجھے دیا اور کہا راستہ میں ایک شخص نے مجھ کر یہ تھیلا دیا تھا اور بڑی تاکید سے کہا تھا کہ ابھی راستہ میں تم کو ایک بس ایک مقام پر کھڑی ہوئی ملے گی، اس میں ایک شخص قیصر بارہوی نام کے ہونگے ان کو یہ تھیلا پہنچا دینا، یہ کہہ کر وہ آدمی اپنی بس میں روانہ ہوگیا۔ اس شخص کے جاتے ہی بس ٹھیک ہوگئی اور مسافروں کو بٹھا کر منزل کی طرف روانہ ہوگئی۔

بچے کا ماں کی بے گناہی کی شہادت دینا

(۱۳) سوانح عباسؑ دلاور از مولانا آغا مہدی لکھنوی بحوالہ کتاب زاد السلاف سفر نامہ عراق کی روایت کے مطابق تحریر فرماتے ہیں۔ ایک شخص کو اپنی زوجہ پر یہ شک ہوا کہ وہ بچہ جو اس کے شکم میں ہے اس کا نہیں ہے بلکہ کسی اور کا ہے۔ باہمی نزع سے نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ اپنی بیوی کو قتل کرنے پر تیار ہوگیا۔ عورت نے کہا مجھے اتنی مہلت دو کہ میں روضہ ابوالفضل العباس علیہ السلام تک جاؤں۔ شوہر اس بات پر راضی ہوگیا۔ میاں اور بیوی دونوں روضہ مبارک جناب عباس علیہ السلام پر حاضر ہوئے، عورت نے بارگاہ ابوالفضل العباسؑ میں دعا کی مولا یہ بچہ جو میرے پیٹ میں ہے، گواہی دے تاکہ میری بے گناہی ثابت ہو۔ بارگاہ جناب عباس علیہ السلام میں دعا مستجاب ہوئی اور شکم مادر سے بچے نے اس مومنہ کی پاک دامنی کی گواہی دی۔ یہ معجزہ دیکھ کر شوہر بہت شرمندہ ہوا اور اپنی بیوی سے معافی مانگی۔

تاجر کے بیٹے کا شفاء یاب ہونا

(۱۴) کتاب سات معجزے ناشر افتخار بک ڈپو لاہور کے مطابق شہر بمبئی بھارت میں تقسیم ہند سے قبل ایک لکھ پتی تاجر کا لڑکا موذی مرض میں مبتلا ہوگیا۔ اس نے لڑکے کے علاج میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اس کا یہ اکلوتا لڑکا تھا، جس کی وجہ سے وہ ہر وقت بیٹے کی صحت کے لیے فکر مند رہتا تھا۔ آخر اسکی بیماری سے مایوس ہو کر خاموش بیٹھ رہا، تو لوگوں نے کہا جہاں تم نے بیٹے کے علاج پر اتنا پیسہ خرچ کیا ہے۔ اب تم عراق جا کر حضرت

عباس علمدار علیہ السلام فوج حسینی کے سالار کے روضہ مبارک پر اس بچہ کو لے جاؤ، انشاء اللہ یہ بچہ روضہ جناب عباس علیہ السلام پر ضرور صحت یاب ہو جائیگا۔ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عباس علیہ السلام باب الحوائج ہیں، انکے در پر جو پریشان حال اور مصیبت زدہ شخص جاتا ہے حضرت اس کی دادرسی ضرور کرتے ہیں۔

تاجر اپنے بچے کو لے کر سفر عراق پر روانہ ہو گیا۔ عراق پہنچ کر روضہ حضرت عباس علمدار علیہ السلام پر حاضری دی اور بیمار بچے کو مرقد اطہر کی جالیوں سے باندھ کر خود مسافر خانہ جا کر سو گیا۔ ابھی سوئے ہوئے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ خواب میں دیکھا کہ ایک دربار لگا ہوا ہے۔ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام مسند پر تشریف فرما ہیں۔ فریادیوں کی درخواست مولائے کائنات کی خدمت میں حضرت عباس علیہ السلام پیش کر رہے ہیں۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام ہر درخواست پر دستخط کرتے جاتے ہیں۔ آخر میں اس تاجر کے لڑکے کی درخواست پیش ہوئی۔ حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا اس درخواست کو رہنے دو یہ بہت دیر سے آیا ہے۔ اتنا سننا تھا کہ جناب عباس علمدار علیہ السلام نے فرمایا۔ بابا مشکل کشاء یہ زائر اور فریادی میرے روضہ پر آیا ہے، اگر ناامید ہو کر چلا گیا تو پھر کون یہاں آئے گا۔ آپ نے تو میرے دروازے پر باب الحوائج لکھا ہے۔ اگر لوگوں کی حاجتیں پوری نہ ہوئیں تو بابا یہاں کون آئے گا یا تو اس کی درخواست پر دستخط فرما دیجئے یا باب الحوائج مٹا دیجئے۔ حضرت امیر المومنینؑ نے درخواست پر دستخط کر دیئے۔

تاجر کا بیان ہے کہ میری اس وقت آنکھ کھل گئی۔ کیا دیکھتا ہوں میرا لڑکا بالکل تندرست حالت میں خدام کے ساتھ مسافر خانے میں کھڑا ہے۔ میں بچے کو لے کر فوراً روضہ مبارک پر حاضر ہوا اور ہم باپ بیٹوں نے ضریح مبارک کا طواف کیا اور خوشی خوشی وطن واپس ہوئے۔

زبان کا صحت یاب ہونا

(۱۵) پندرہ روزہ العمران لاہور شمارہ ۵، ۵ دسمبر ۱۹۸۳ء میں یہ معجزہ شائع ہوا کہ محلہ لکڑی منڈی وزیر آباد پنجاب میں اہل سنت والجماعت کا ایک گھرانہ عاشق آل محمدؐ تھا اس گھرانے کا ایک جوان لڑکا اعجاز عرف پھالی کی زبان تشدد کی وجہ سے گونگی ہو گئی جس کی وجہ سے وہ اشاروں سے بات چیت کرتا تھا۔ اس کے گھر والوں نے اعجاز کے ساتھ جا کر امام بارگاہ قاضی غالب علی شاہ (وزیر آباد) منت مانی کہ اس نوجوان کی زبان ٹھیک ہو جائے اور یہ گفتگو کرنے لگے تو ہم اس امام بارگاہ میں حاضری کریں گے۔ مورخہ ۱۱ محرم الحرام ۱۹۸۲ء میں اعجاز عرف پھالی کی زبان اچانک نعرہ حیدری یا علیؑ لگانے سے بالکل ٹھیک ہو گئی۔ اس معجزہ کے

بعد اس کے گھر والوں نے پورے محلہ میں مٹھائی تقسیم کی اور اعجاز عرف پھالی نے مذہب حقہ قبول کیا۔

نظیر اکبر آبادی کا معجزہ قلم بند کرنا

(۱۶) محترم اسد، ادیب بدایونی نامہ نگار ''نظارہ'' لکھنؤ اپنے ایک مقالہ میں حضرت عباس علیہ السلام کا ایک معجزہ تحریر فرماتے ہیں۔ اس معجزہ کو جناب نظیر اکبر آبادی نے خمسہ کے طور پر نظم بھی کیا ہے۔ اس مقالہ کا عنوان ''نظیر اکبر آبادی اور مدح اہل بیت'' ہے۔ اسد ادیب بدایونی تحریر فرماتے ہیں کہ شہر اراکاٹ ضلع کرناٹک دکن میں ایک ساہوکار رہتا تھا۔ اس کا ایک خوبرو لڑکا تھا۔ محرم کا چاند نمودار ہوتے ہی یہ نوجوان عزادار بن جاتا تھا۔ تعزیوں کے اردگرد طواف کرتا، لوگوں نے اس لڑکے کے باپ سے اس کی شکایت کی۔ باپ نے لوگوں کے کہنے پر غصے کے عالم میں سخت تنبیہ کی کہ عزاخانوں میں نہ جایا کرو لیکن یہ نہ مانا اور مسلسل عزاخانوں میں زیارت اور ماتم واری کی غرض سے جاتا رہا۔

آخر اس کے باپ نے سخت غصہ میں آکر سزا کے طور پر اس کا ہاتھ کاٹ دیا اور ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں قید کر دیا۔ حضرت عباس علمدار علیہ السلام باعجاز وہاں تشریف لائے اور ساہوکار کے لڑکے کا ہاتھ حب آل محمدؐ کے صلے میں جوڑ دیا اور قید تنہائی سے رہائی دلائی۔ جب اس لڑکے کے باپ نے اپنے بیٹے کو اس طرح شفایاب دیکھا تو مع خاندان اور بہت سے دوسرے افراد کے ساتھ ایمان سے مشرف ہوا اور یہ لوگ کربلا کی زیارت کے لیے روانہ ہو گئے۔ اس معجزے کو نظیر اکبر آبادی نے ایک خمسہ میں اس طرح قلم بند کیا ہے۔

تعزیہ کے سامنے ہو کر مودب سر جھکا — جب علم اٹھے تو پھر لڑکوں کے ساتھ آنسو بہا
مورچھل رو ضریح پاک پر جھلتا کھڑا — یا حسین ابن علی کہہ کر علم لیتا اٹھا
لوگ دیکھ اس کی محبت ہوتے تھے حیران کار

شام سے آکر وہ قندیلیں جلاتا دم بدم — قمقمے اور جھاڑ پر شمعیں چڑھاتا دم بدم
عود سفر رواں میں اگر لا کر گراتا دم بدم — اہل مجلس کے تئیں شربت پلاتا دم بدم
سب وہ کرتا تھا غرض جتنا کہ واں تھا کاروبار

اپنا بیگانہ اسے جا کر بہت سمجھاتا تھا — رونا اور ماتم ہی کرنا دل کو اس کے بھاتا تھا
کب کسی کا کب کہا خاطر میں اس کی آتا تھا — تعزیہ خانوں کی جانب جو وہ دوڑا جاتا تھا

جس طرح، عاشق کسی معشوق کا ہو بے قرار

اس کے بعد باپ نے لڑکے کا ہاتھ کاٹ دیا۔ حضرت عباس علیہ السلام قید تنہائی میں تشریف لائے اور اس کا ہاتھ جوڑ دیا۔ لڑکے نے پوچھا یا حضرت آپ کون ہیں؟ اپنے نام سے آگاہ فرمائیں تو آپ نے فرمایا۔

یہ ہمارا ہے نشاں اے پاک طینت متقی ۔۔۔ نام کو پوچھے تو ہے گا نام عباس علی

کربلا کے دشت میں دولت شہادت کی ملی ۔۔۔ جو ہمیں چاہے ہمارا بھی اسے چاہے ہے جی

جو ہمارا غم کرے ہم بھی ہیں اس کے غم گسار

صبح کو اس کوٹھری کا خود بخود در کھل گیا ۔۔۔ باپ ماں دیکھیں تو اس کا ہاتھ تن سے جو ملا

پوچھا یہ کیا تھا جو کچھ دیکھا تھا اس نے کہہ دیا ۔۔۔ سنتے ہی دونوں نے پھر تو صدق دل کلمہ پڑھا

ہاتھ میں تسبیح لی زنار کو ڈالا اتار

الغرض ماں باپ اس پر جان اور دل سے فدا ۔۔۔ لے کر لڑکے کو چلو دلشاد سوئے کربلا

راہ میں کرتے تھے لوگ اس کی زیارت جابجا ۔۔۔ جب وہ منزل پر اترتے تھے تو واں کے لوگ آ

دم بدم کرتے تھے اس پر سیم و زر اپنا نثار

اسکے بعد ساہوکار کا سارا خاندان زیارت سقائے حرم سے مشرف ہوا اور وہاں نذر چڑھائی نظیر اکبر آبادی کہتے ہیں۔

یا علیؑ عباسؑ غازی صاحب تاج و سریر ۔۔۔ سب کے تم مشکل کشا ہو کیا غریب و کیا امیر

جان و دل سے اب تمہارے نام کا ہو کر فقیر ۔۔۔ یہ غلام روسیاہ سب جس کو کہتے ہیں نظیر

آپ کے فضل و کرم سے یہ بھی ہے امیدوار

نظیر اکبر آبادی کی اس مخمس کے ۸۰ اشعار تھے جو ۱۹۵۱ء میں ہندوستانی اکیڈمی الٰہ آباد نے شائع کیے۔

علم کی برکت سے شفاء پانا

(۱۷) بحوالہ "سرفراز" لکھنؤ شیعہ لاہور صفحہ ۵ رشمارہ یکم مارچ ۱۹۸۱ء کے مطابق ۹ اکتوبر ۱۹۸۰ء کو مولانا شیخ علی حسین مبارک پوری (یوپی) انڈیا موریشس (افریقہ تشریف لے گئے اور یکم محرم تا دہم محرم الحرام تک خوجہ امام بارگاہ موریشس میں مجالس سید الشہداءؑ سے پر درد اور پر اثر خطاب فرمایا۔ دس محرم الحرام کی آخری مجلس کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک مسلمان یوسف نامی شخص کا نوجوان لڑکا چار برس سے بیمار تھا۔ اس کو دل کے دورے پڑتے تھے جس کے سبب بے ہوش ہو جاتا تھا۔ ڈاکٹروں کی تجویز تھی کہ یہ دورے مرگی کے نہیں

ہیں بلکہ اس نوجوان کو کسی اور بیماری نے گھیر لیا ہے جو سمجھ میں نہیں آتی ۔ جب ہر طرح کے علاج کے باوجود مرض میں کمی نہ ہوئی تو لڑکے کے والد اپنے بیٹے کو لے کر لندن چلے گئے ۔ جہاں اسپیشلسٹ ڈاکٹروں سے رجوع کیا مگر مرض میں افاقہ نہ ہوا۔ تمام ڈاکٹروں نے مرض لاعلاج قرار دے کر جواب دیدیا۔ اب یوسف صاحب نے مایوسی کے عالم میں اس کو ماتم کے حلقہ میں حضرت عباسؑ علمدار کے پاس کھڑا کر دیا اور خوب رو رو کر تعزیہ کے پاس جا کر بارگاہ سید الشہدا میں دعا کی بیماری کے ختم ہونے کی دعا کر کے منت مانی کہ میرا بچہ ٹھیک ہو جائے گا تو میں حضرت عباسؑ کے نذر کروں گا۔

باپ اپنے بیٹے کے ساتھ اب روزانہ مجلس میں شرکت کرنے لگا۔ دو دن تک یہ ہوا کہ جب بھی یہ علم کا پنکا دوران ماتم اس بیمار کے جسم سے چھوتا تھا تو وہ ہوش میں آجاتا تھا۔ تیسری رات شب عاشور مجلس کے بعد ایک چھوٹا علم تعزیہ کا جلوس برآمد ہونے والا تھا۔ نماز مغربین کے بعد مجلس ہوئی پھر جلوس برآمد ہوا۔ سربراہ خوجہ جماعت حیدر علی بھائی نے مریض کو ماتمی حلقہ میں کھڑا کر کے علم اس کے پہلو سے ملا دیا، مولا عباسؑ کا اعجاز دیکھئے کہ مریض کے بدن میں جھرجھری آئی آنکھ کھولی اور علم کو ہاتھ سے پکڑا اور پھر یا علیؑ! یا حسینؑ کہتے ہوئے ماتم شروع کر دیا۔ مجمع حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ بیمار کو باب الحوائج کے فیض وکرم سے شفا مل گئی تھی۔ صاحبان ایمان ومعرفت کا جذبہ اپنی شدت پر تھا اور نعرہ حیدری سے امام بارگاہ گونج رہا تھا۔ جب جلوس برآمد ہوا تو سلیمان ایک ہاتھ میں علم اور دوسرے ہاتھ سے یا عباسؑ! یا حسینؑ کہتے ہوئے ماتم کرتے ہوئے جلوس کے ساتھ نکلا اور دوران گشت ماتم کرتا رہا اور تعزیہ کے ساتھ امام بارگاہ میں واپس آیا۔

مجلس کے بعد جب زنجیروں کا ماتم ہوا تو سلیمان نے بھی تین مرتبہ زنجیر سے ماتم کیا یہ مسلسل زنجیر کا ماتم کر رہا تھا، لوگ زبردستی اس سے زنجیر لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ بعد میں باپ بیٹے دونوں نے اعمال عاشورہ کیے، شام غریباں کی مجلس میں شرکت کی پھر گیارہ محرم کو سلیمان نے مولانا شیخ علی حسین مبارک پوری کے ہاتھوں سے مذہب حقہ قبول کیا اور مولانا سے مذہبی تعلیم حاصل کی ۔ یوسف بھائی نے بیٹے کی تندرستی پر منت کے دو علم امام بارگاہ میں نذر کیے اور بیٹے کے مذہب حقہ پر فائز ہونے پر کوئی اعتراض نہیں کیا، اب باپ اور بیٹے کا مجلس عزا میں شرکت اور ماتم معمول ہو گیا ہے۔

علم سے پانی کی بوندوں کا ظاہر ہونا

(۱۸) ۱۹۸۰ء کو صفر کے مہینے میں کراچی کی امام بارگاہ کھارادر میں رات کی مجلس کے بعد عزاداروں

نے دیکھا کہ منبر کے اوپر جو علم حضرت عباس علمدار علیہ السلام کے اسم گرامی سے منسوب ہے اس کے پنجہ پر پانی کی بوندیں نمودار ہیں اور وہ بوندیں آپس میں مل جاتی ہیں۔ پھر پنجہ کے نیچے چاندی کی مشک پر آجاتی ہیں اور وہاں سے پھر یہ منبر کے بالائی حصے پر ٹپک جاتی ہیں۔

یہ منظر دیکھ کر عاشورہ کی دردانگیز یاد تازہ ہوگئی اور لوگوں نے ماتم شروع کر دیا۔ یہ خبر سن کر ہر طرف سے عقیدت مندوں کا سیلاب امنڈ آیا اور یہ سلسلہ تقریباً ایک ماہ سے زیادہ جاری رہا۔ لوگ اس پانی کو جمع کر کے اپنے بیماروں کے لیے لے گئے اور مولا عباس نے ان کو شفا عطا فرمائی۔

علم مبارک کے پنجے کا سرخ ہونا

(۱۹) بحوالہ کتاب "ہاکس بے پر حسینؑ کا ماتم" (بمقام کراچی ہاکس بے ایک ساحل سمندر ہے) میں انعام وارثی تحریر فرماتے ہیں کہ چکوال کے ایک گاؤں دینا سیداں شاہ کی حویلی پر ایک علم بیادِ حضرت عباس علمدار علیہ السلام نصب ہے۔ ان کی بیٹی نسیم فاطمہ جو اپنے گاؤں میں نیک بی بی کے نام سے موسوم تھی اس نے فروری ۱۹۸۱ء میں اعلان کیا کہ ہمارے گھر پر معجزہ ہونے والا ہے۔ چنانچہ ٹھیک نوروز والے دن مکان کے اوپر نصب علم مبارک کا پنجہ یکا یک سرخ ہوگیا اور اس پنجہ پر مختلف شبیہ نظر آنے لگیں۔

دیکھتے ہی دیکھتے یہ خبر سارے گاؤں میں پھیل گئی۔ قرب وجوار کے دیہات اور ملک کے دوسرے علاقوں سے لوگ ہزاروں کی تعداد میں آنے لگے۔ علم بھی ولایت علی شاہ کی حویلی پر نصب ہے، جس کے معجزہ پر لاتعداد لوگ گواہ ہیں۔

لشکر عثمانیہ کا درہم برہم ہونا

(۲۰) آیت اللہ العظمیٰ سید محمد حسینی شیرازی اپنی تصنیف "حضرت عباسؑ اور عصمت کبریٰ" میں تحریر فرماتے ہیں: عثمانیوں نے کربلا کو تاراج کرنے کے لیے بہت بڑی لشکر کشی کی کافی تعداد میں لوگوں کو قتل کیا اور بے شمار گھروں کو جلا دیا، ایک مرتبہ تو بغداد کے عثمانی گورنر نے کربلا کے خلاف ایک بہت بڑا لشکر تشکیل دیا اور کہا۔ "خذوا ترابہا" کربلا کی اینٹ سے اینٹ بجا دو، یعنی اسے تباہ و برباد کر دو اور اس کی کوئی چیز سلامت نہ چھوڑو۔

یہ لشکر پوری شدت سے حملہ آور ہوا اور بے گناہ مومنین کا قتل عام شروع کر دیا، ان کے اموال لوٹے اور ان کے گھروں کو مسمار کر دیا۔ (تاریخ کربلا معلی سید عبدالحسین) میرے والد مرحوم (قدس سرہ) نے مجھے بتایا کہ ایک

گولی ان کے کان کے قریب سے گزر گئی، لشکر قتل وغارت کرتا ہوا صحن جناب عباس علیہ السلام کے قریب پہنچا تو دونوں صحنوں میں شدید داد وفریاد اور آہ وزاری کی صدائیں بلند ہوئیں، لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی، اتنے میں روضہ مبارک کے گنبد سے آگ کے شعلے نکلے اور لشکر کی طرف لپکے۔ واقعے کے عینی شاہد نے مجھے بتایا کہ لشکریوں نے پوری قوت سے بغداد کی طرف بھاگنا شروع کردیا، وہ ایک دوسرے کو چیخ چیخ کر ترک زبان میں کہہ رہے تھے۔ ''امام عباس کلدی'' یعنی امام عباسؑ آگئے ہیں۔ (بھاگو) اس طرح حضرت عباسؑ کی برکت سے فوج میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ تتر بتر ہوگئی۔ لشکریوں نے بغداد جا کر تمام صورتحال سے آگاہ کیا، پھر یہ خبر خلیفہ تک پہنچی تو اس نے کربلا سے فوجیں واپس بلانے کے احکامات صادر کیے اور کربلا والوں نے سکون کا سانس لیا۔

جھوٹی قسم اور عہد شکنی کا انجام

(۲۱) آیت اللہ العظمیٰ سید محمد حسینی تحریر فرماتے ہیں: جب میں نو سال کا تھا تو ہم نجف اشرف سے کربلا مقدسہ میں آئے تھے، اس وقت سے لے کر کربلا بدر ہونے تک میں نے اس عجیب بات کا اکثر مشاہدہ کیا کہ عرب، عجم، ہندوستانی، ترک غرضیکہ دنیا کی ہر قوم حضرت عباس علیہ السلام کی قسم کھانے سے ڈرتی ہے بلکہ بعض کے لیے تو حضرت عباس علیہ السلام کی نسبت اللہ تعالیٰ کی قسم کھانا آسان ہوتا ہے۔ میں لوگوں کے اس عقیدے سے بھرپور فائدہ اٹھاتا ہوں۔ جب لوگ اپنے تنازعات کے سلسلے میں میرے پاس آتے ہیں تو جسے قصوروار سمجھتا ہوں اسے حضرت عباسؑ کی قسم کھانے کو کہتا ہوں۔ وہ شخص اپنے جرم کا اعتراف کر لیتا ہے لیکن قسم نہیں اٹھاتا۔ یہ عقیدہ شیعوں اور اہل سنت دونوں میں ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام کی جھوٹی قسم نہیں کھاتے چاہے ان کی جان ہی کو خطرہ لاحق ہو۔

مجھے یاد ہے کہ جب ڈاکٹر مصدق اور آیت اللہ کاشانی کے اقدامات کے نتیجے میں شاہ ایران کو ملک سے پسپا ہونا پڑا تو وہ کربلا آیا اور روضہ حضرت عباس علیہ السلام میں جا کر قسم کھائی کہ اگر اسے سلطنت واپس مل گئی تو لوگوں سے عدالت اور حسن سلوک کے ساتھ پیش آئے گا، کربلا سے وہ اٹلی چلا گیا پھر فوجی بغاوت کے ذریعے ایران واپس آیا۔ ایران واپس آکر اس کی سرکشی میں مزید اضافہ ہوگیا۔ (اپنی عہد شکنی کے سبب) اس بار جو ایران سے نکلا تو کبھی واپس نہ آسکا۔

آیت اللہ سید محمد حسینی مزید لکھتے ہیں کہ کربلا میں میرے قیام کے دوران احمد حسن البکر، صالح مہدی عماش اور حردان تکریتی ایک ساتھ کربلا آئے۔ یاد رہے کہ انہی تینوں نے مل کر فوجی بغاوت کے ذریعے

عبدالرحمٰن عارف کی حکومت کا تختہ الٹا تھا۔ انہوں نے حضرت عباسؑ کی ضریح مبارک کے سامنے یہ مشترکہ عہد کیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ خیانت نہیں کریں گے۔ لیکن انہوں نے اس عہد کا پاس نہیں کیا۔ جیسا کہ طاغوتی حکمرانوں کا وطیرہ رہا ہے۔ چنانچہ البکر کو زہر کا ٹیکہ لگا کر، عماش کو ایک نمائشی حادثے کے ذریعے اور حردان کو اس کے بعثی دوستوں کی مدد سے کویت میں قتل کر دیا گیا۔ فروری ۱۹۹۱ء میں عوامی بغاوت کو کچلنے کے لیے صدام حسین نے اپنے داماد حسین کامل کو فوجی کارروائی کے لیے بھیجا تو اس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی ضریح کے سامنے کھڑے ہو کر کہا تھا۔ میں بھی حسین ہوں اور تم بھی حسین ہو، دیکھو کون غالب آتا ہے۔

کچھ عرصہ بعد اپنے سسر صدام سے اختلافات کے نتیجے میں اسے ذبح کر کے اس کا سر کاٹ دیا گیا اور اس کے جسم کو بغداد کی سڑکوں پر گھسیٹا گیا۔ اس طرح یہ گستاخ اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

جہاز کا طوفان سے باہر آنا

(۲۲) میرے (مولف کتاب) دادا فخر الواعظین جناب ملا مرزا محمد طاہر مرحوم جب زیارت کی غرض سے عراق روانہ ہوئے تو بحری جہاز شدید طوفان میں گھر گیا، اس وقت مسافروں میں شدید اضطراب پایا جاتا تھا۔ کیونکہ بچنے کی کوئی امید نظر نہیں آتی تھی۔ اس وقت آپ نے باب الحوائج حضرت عباسؑ علمدار کو مدد کے لیے آواز دی۔ ''عباسؑ مدد کرتے ہیں زواروں کی ہر جا، دریا ہو کہ صحرا'' زبان سے ان الفاظ کا ادا ہونا تھا کہ جہاز سمندری طوفان سے نکل آیا۔

جب آپ زیارت سے مشرف ہونے کے بعد لکھنو تشریف لائے تو ایک دن دادی (مرحومہ) نے باتوں کے دوران بتایا کہ میں نے ایک خواب دیکھا تھا جو ڈائری میں تحریر ہے۔ جب آپ نے وہ خواب پڑھ کر سنایا تو ملا مرزا محمد طاہر نے اس واقعے کی تصدیق فرمائی کہ تاریخ وقت اور حاجت روائی کے الفاظ یہی تھے۔

معجزات کے باب میں اب میں (مولف کتاب) وہ واقعات جو میری زندگی میں پیش آئے اور ان کا مشاہدہ کیا تحریر کر رہا ہوں۔

ٹرین سے گر کر بچے کا محفوظ رہنا

(۲۳) سید حسن عباس ساکن گلستان جوہر (کراچی) نے مجھے (مولف) بتایا کہ وہ پنجاب جانے والی ٹرین میں سوار تھے، ایک بچہ جو کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا اچانک ٹرین سے گر گیا۔ ایک خاتون نے

سرائیکی زبان میں آہ وفریاد شروع کی کہ میرا بچہ مر نہیں سکتا، میں اسے غازی عباسؑ سے لوں گی۔ لوگ ازراہ ہمدردی اسے دلاسہ دے رہے تھے۔ ٹرین جب اگلے اسٹیشن پر رکی تو کچھ لوگ رپورٹ درج کرانے کی غرض سے جب اسٹیشن ماسٹر کے پاس گئے تو دیکھا وہ بچہ میز پر نہایت اطمینان سے بیٹھا ہے۔ جب اسٹیشن ماسٹر سے دریافت کیا کہ یہ بچہ یہاں کیسے پہنچا تو اس نے بتایا کہ میں رجسٹر پر لکھنے میں مصروف تھا کہ ایک شخص آئے اور مجھ سے کہا یہ بچہ لے لو، میں نے کہا۔ آپ اسے میز پر بیٹھا دیں۔ اسی طرح جب تیسری بار میں نے کہا کہ آپ اسے میز پر بیٹھا دیں تو انہوں نے باآواز بلند کہا۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ میرے بازو نہیں ہیں تو میں نے یہ بچہ جوان کے گلے میں بانہیں ڈالے تھا اپنے پاس بیٹھا لیا۔

ایک لڑکی کا کبھی دوا استعمال نہ کرنا

(۱)...... مجھے شاہ فیصل کالونی نمبر ۵، کراچی کی امام بارگاہ حضرت زینبؑ وام کلثومؑ (کربلا) جس کے احاطے میں تعزیے دفن کیے جاتے ہیں۔ مجلس پڑھنا تھی۔ مجلس شروع ہونے میں کچھ دیر تھی۔ میں فرش عزا پر بیٹھا تھا۔ میرے برابر میں ایک نوجوان سید رضا علی جن کے ساتھ ان کی بیٹی کساء فاطمہ تھی جس کی عمر تقریباً پانچ سال تھی۔ اس نوجوان نے بتایا کہ یہ بچی مولا عباس علمدار علیہ السلام کی عطا ہے۔ میری شادی کے کئی سال تک کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ میں نے یہاں نصب علم کے نیچے دعا کی، مولا عباس علیہ السلام نے مجھے بیٹی عطا کی۔ جب سے یہ پیدا ہوئی ہے میں نے کبھی اس کا علاج نہیں کرایا اور نہ کسی قسم کی دوا دی۔ جب کبھی یہ بیمار ہوتی ہے، جناب عباس علمدارؑ کے علم کے سائے میں لا کر حضرتؑ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں، مولا یہ آپ کی عطا ہے اس کو شفاء ہو جاتی ہے۔ کافی عرصہ بعد ۲۰۱۷ء ۱۰ رمحرم الحرام کے جلوس میں سید رضا علی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا اس وقت کساء فاطمہ کی عمر ۱۷ برس ہے اور آج تک اسے کوئی دوا نہیں دی۔

درود کی برکت

(۲)...... میں ایک شاہراہ سے گزر رہا تھا کہ ایک تیز رفتار موٹر سائیکل مجھ سے ٹکرا کر پھسلتی ہوئی سڑک کی دوسری جانب جا گری اور موٹر سائیکل سوار گھسٹتا ہوا جا گرا۔ لوگ میری طرف متوجہ ہوئے اور ہر شخص پوچھ رہا تھا کہ آپ کو چوٹ کہاں آئی۔ میں نے کہا مجھے تو کچھ محسوس ہی نہیں ہوا جبکہ میری پنڈلی کی جگہ لباس کے حصہ پر پہیئے کی مٹی کے نشان پوری طرح نمایاں تھے۔ سب لوگ حیرت کر رہے تھے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ

ایک بیوی موٹر سائیکل کسی شخص سے ٹکرا کر بے قابو ہو جائے اور جس سے ٹکرائی وہ بالکل محفوظ رہا۔ دراصل جس وقت یہ بے ضرر حادثہ پیش آیا اس وقت میں درود محمدؐ وآل محمدؐ پڑھ رہا تھا اور محمدؐ وآل محمدؐ کے صدقہ میں محفوظ رہا۔

معذور مومنہ کا شفاء پانا

(۳)...... حضرت امام رضا علیہ السلام کی زیارت کے دوران قافلہ کے ہمراہ ایک ایسی خاتون تھیں جو چلنے پھرنے سے بالکل معذور تھیں۔ ان کو بمشکل تمام کئی افراد مل کر ہوٹل کی سیڑھیوں سے وہیل چیئر سے اوپر لے جاتے اور اتارتے تھے۔ اس مومنہ کے ساتھ ان کی دو بیٹیاں بھی تھیں جو وہیل چیئر پر بٹھا کر زیارت کراتی تھیں۔ ایک دن روضہ مبارک کی زیارت سے واپسی پر قافلہ میں شامل زائرین سڑک عبور کر کے آگے بڑھ گئے، میں نے دیکھا کہ ان مومنہ کی بیٹیاں نہایت پریشانی کے عالم میں سڑک پار کرنے کی کوشش کر رہی تھیں، لیکن سڑک پر ٹریفک کی روانی کے سبب سڑک عبور کرنا ان کے لیے دشوار تھا۔

میں ان کے قریب پہنچا اور کہا بیٹا! میں سڑک عبور کرائے دیتا ہوں، تم دونوں میرے ساتھ چلو۔ اس کے دوسرے دن میں نے دیکھا کہ وہ مومنہ اپنی بیٹیوں کے ساتھ نہایت تیزی میں چلی آرہی ہیں جس طرح کوئی تندرست انسان چلتا ہے، میں نے قریب جا کر بچیوں سے کہا تمہاری والدہ ٹھیک ہو گئیں تو دونوں نے بیک آواز کہا۔ ''میرے مولا نے شفاء دے دی۔''

حضرت امام زین العابدینؑ کا دست شفاء

(۴)...... میری گردن کے پچھلے حصہ پر دائیں جانب ایک گلٹی ظاہر ہوئی جو وقت کے ساتھ بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ ۳۵ رسال کا عرصہ گزر گیا، علاج کے باوجود اس میں کمی نہ آئی، ایک شب میری زوجہ نے خواب دیکھا کہ آئمہ اہل بیت تشریف لائے ہیں۔ اس مومنہ نے جس بستر پر میں لیٹا تھا اس طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے عرض کی، مولا آپ ان کو شفاء فرمائیں۔ حضرتؑ نے اس جگہ اپنا دست شفاء رکھ دیا۔ جب زوجہ نے مجھے خواب سنایا تو میں نے کہا اب نہ کسی دوا کی ضرورت ہے نہ کسی طبیب کی۔ ان ہی دنوں مجھے زیارت کے لیے مشہد مقدس جانا تھا۔ اچانک میرے دل میں خیال آیا کہ روانگی سے قبل مجھے شفاء ہو جائے گی۔ ایک دن جب میں بعد غسل تولیہ سے بدن پونچھ رہا تھا کہ بدبو محسوس ہوئی۔ جب گردن کی پشت پر ہاتھ رکھا تو معلوم ہوا کہ یہ وہ مواد ہے جو رسولی سے جاری ہو رہا ہے،

میں نے اسے دبانا شروع کیا تو پورے گھر میں عجیب طرح کی بدبو پھیل گئی۔ یہ ۳۵ سال سے جمع شدہ مواد تھا۔ میری زوجہ دوڑی آئیں اور کہا یہ کس قسم کی بو ہے، میں نے بتایا کہ یہ گردن کی رسولی سے مواد جاری تھا، میں نے رسولی کو کپڑے کی طرح نچوڑ دیا۔ کچھ دن بعد میں زیارت کی غرض سے ایران روانہ ہوگیا۔ میرا یہ معمول تھا کہ جب میں حضرت امام رضا علیہ السلام کے روضہ اطہر کی زیارت کے لیے جاتا تو وہاں موجود خدام جن کے ہاتھ میں ریشمی جاروب ہوتی ان سے گردن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا۔ "آغا مس ایں جا" وہ جاروب گردن سے مس کر دیتے اس کے بعد سے شفاء کامل ہونا شروع ہوگئی۔ اب گردن پر کسی طرح کا ایسا نشان بھی نہیں ہے کہ اندازہ لگایا جاسکے کہ یہاں کوئی مرض تھا۔

رسولی کا ختم ہونا

(۵)..... میری زوجہ کے رسولی کا انکشاف ہوا۔ جب تکلیف میں اضافہ ہوا تو آپریشن کرادیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد دوبارہ تکلیف شروع ہوگئی تو وہ ڈاکٹر صاحبہ جن کے زیر علاج تھیں مختلف ٹیسٹ کرائے تو انہوں مشورہ دیا کہ اب اگر آپریشن ہوا تو خطرناک ثابت ہوگا۔ لہٰذا کئی سال تک دواؤں پر اکتفا کیا، جب تکلیف زیادہ بڑھتی تو معالج سے رجوع کرتے، اس عرصہ میں تقریباً دس بار الٹراساؤنڈ بھی کرائے۔ ہر بار رسولی ظاہر ہوئی اور تکلیف میں کمی نہ آئی۔ ایک روز جب شدید تکلیف کا احساس ہوا تو ضیاء الدین اسپتال (بمقام کراچی) لے گئے جہاں اس مرض کے علاج کے لیے محترمہ ڈاکٹر صادقہ جعفری کی کافی شہرت تھی۔ ان کو تمام رپورٹیں دکھائیں جن میں چند روز قبل کی الٹراساؤنڈ رپورٹ بھی شامل تھی۔ چار دن تک دوائیں استعمال کیں لیکن تکلیف میں کسی طرح کی کمی نہ آئی تو معالج نے مشورہ دیا کہ آج الٹراساؤنڈ کرالیں کل ان کا آپریشن کردینگے۔

یہ ایام عزا کے مصروف دن تھے۔ الٹراساؤنڈ کرانے کے بعد میں نے زوجہ سے کہا میں ٹیوشن پڑھانے جارہا ہوں رپورٹ تین گھنٹے بعد ملے گی، اسوقت تک میں واپس آجاؤں گا۔ آپ یہاں بستر پر آرام کریں۔

جب میں ٹیوشن پڑھانے کلفٹن پہنچا، مجھے ایک فلیٹ پر باب الحوائج جناب عباس علیہ السلام کا علم نظر آیا، جس کی زیارت سے مشرف ہوتے وقت میری زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ ادا ہوئے۔ مولا میں بہت پریشان ہوں، ملازمت کی مصروفیت، علاج کی غرض سے روزانہ اسپتال کا آنا جانا، ٹیوشن پڑھانا اور رات کو مجالس کا پڑھنا۔ کل آپریشن ہے اور میرے پاس رقم کا انتظام بھی نہیں ہے۔ مولاؑ بس آپ شفاء عطا فرمائیں۔ اس دعا کے بعد میرا دل مطمئن ہوگیا۔ میں پڑھانے کے بعد اسپتال پہنچا، رپورٹ لی اور ڈاکٹر صاحبہ کو دکھائی تو وہ مریضہ پر خفا ہونے

لگیں۔تم ایسے ہی شور کرتی ہو رسولی ہے، تکلیف ہے، کچھ بھی تو نہیں ہے، جاؤ تم بالکل ٹھیک ہو۔ وہ دن تھا کہ مرض جڑ سے ختم ہو گیا اور آئے دن کی تکلیف باب الحوائج کی نظر کرم سے ہمیشہ کے لیے جاتی رہی۔

تین دعاؤں کا مستجاب ہونا

(۶)...... حضرت امام رضا علیہ السلام کی زیارت کی غرض سے جب میں پہلی مرتبہ گیا تو روانگی سے ایک روز قبل میں نے آپ کی ضریح مبارک پر تین دعائیں طلب کیں۔ پہلی دعا یہ کہ مولا محرم کے علاوہ بھی پورے سال مجالس پڑھتا ہوں لیکن آپ کے در پر آ کر کوئی مجلس نہیں پڑھی تو مجھے ہمیشہ یہ قلق رہے گا کہ اتنی مقدس زمین پر اس فضیلت سے محروم رہا۔ یہ واضح ہو کہ جس قافلہ کے ساتھ ہم آئے تھے اور جہاں قیام تھا وہاں اکثر مجالس کا اہتمام ہوتا تھا، قافلہ سالار بڑی جدوجہد کے بعد ذاکرین کا اہتمام کرتے تھے لیکن اتفاق یہ کہ اس قافلہ میں کسی کو یہ نہیں معلوم تھا کہ میں بھی ذاکر حسینؑ ہوں۔ میں نے بھی نہیں بتایا کہ میں ذاکر ہوں، اس لیے کہ میرا یہ عقیدہ ہے کہ جسے میرے مولا اس مقصد کے لیے طلب فرماتے ہیں وہ وہاں پڑھتا ہے۔ دوسری دعا یہ کہ مولا میں ان دنوں "سفینۃ الشہداء فی مقتل الحسین" کی تالیف میں مصروف ہوں، آپ کی مدد درکار ہے۔ مزید یہ کہ میں دوران تالیف بھی آپ کے سوا کسی سے نہ مشورہ طلب کروں گا نہ مدد کا طلب گار ہوں گا۔ بس ہر کتاب کی تالیف میں آپ کی مدد کا طلب گار رہوں گا۔ تیسری دعا یہ کی کہ میری بڑی بیٹی سے پہلے چھوٹی بیٹی کا رشتہ طے ہو گیا ہے لیکن بڑی بیٹی کے رشتے آتے ہیں لیکن کسی نتیجہ تک نہیں پہنچ پاتے۔

یہ دعا طلب کرنے کے بعد میں قافلہ سالار کے ساتھ اس ہوٹل کی طرف جا رہا تھا جہاں قیام تھا۔ روضہ مبارک سے چار منٹ کے فاصلے پر ایک حویلی کے باہر گیٹ پر ایک شخص نہایت فکر مند کھڑے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی با آواز بلند یہ کہتے ہوئے میری طرف بڑھے مرزا صاحب دیکھئے آپ انکار نہ کیجئے گا، یہاں دو قافلے ٹھہرے ہوئے ہیں، نذر کا انتظام ہو چکا ہے لیکن کوئی ذاکر نہیں مل رہا ہے۔ لہٰذا یہ مجلس آپ پڑھیں گے۔ ہمارے ساتھ جو قافلہ سالار تھے۔ انہوں نے حیرت سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا میں دور دور سے ذاکرین لاتا تھا آپ نے تو بتایا ہی نہیں کہ آپ ذاکر حسینؑ ہیں۔ پھر قافلہ سالار سے اس مرد مومن نے کہا۔ مجلس بعد مغربین شروع ہوگی۔ آپ اپنے یہاں رات کے کھانے کا اہتمام نہیں کیجئے گا، سب یہاں مجلس میں شریک ہوں گے۔ اس کے بعد مجلس پورے اہتمام اور عقیدت سے منعقد ہوئی۔ اس طرح میرے مولا حضرت امام رضا علیہ السلام نے میری پہلی دعا فوری طور پر قبول فرمائی۔

جب میں ایران سے کراچی پہنچا تو میں منتظر تھا کہ اب کسی بھی دن کوئی بیٹی کا رشتہ لے کر آئے گا۔ ابھی چند روز ہوئے تھے کہ ایک مرد مومن محترم اشتیاق صاحب جن سے میں بالکل واقف نہ تھا اور نہ وہ مجھ سے واقف تھے کچھ خواتین کے ساتھ میرے گھر تشریف لائے۔ خواتین الگ کمرے میں چلی گئیں، جہاں آپس میں گفتگو ہوتی رہی اور اشتیاق صاحب نے دوران گفتگو مقصد ظاہر کیا کہ میں اپنے برادر خورد کی شادی کے سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔ دیکھئے آپ انکار نہیں کیجئے گا، بس رشتہ طے ہوگیا۔ میں نے کہا نہ آپ کے گھر کی خواتین نے لڑکی کے بارے میں آگاہ کیا، نہ آپ نے ان سے کوئی مشورہ کیا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ بات طے ہو جائے۔ کہنے لگے! میں گھر میں سب سے بڑا ہوں لہٰذا مجھے یہ حق حاصل ہے کہ میں فیصلہ کروں۔ انشاء اللہ یہ شادی ایک ماہ کے اندر پائے تکمیل تک پہنچے گی۔ اس لیے کہ میری والدہ نہایت علیل ہیں۔ اس کے بعد بات چیت کا سلسلہ چلا اور ایک ماہ بعد حضرت امام رضا علیہ السلام کے فیض و کرم سے بیٹی کی نسبت نہایت نیک و صالح نوجوان سے طے پائی۔

تیسری دعا جو تالیفات کتب کے سلسلے میں تھی وہ بفیض محمدؐ و آل محمدؑ کتب کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے، میرے شب و روز اس مقصد کی تکمیل میں صرف ہوتے ہیں۔ دوران تحریر کئی واقعات پیش آئے جو نذر قارئین ہیں۔ جب میں "سفینۃ الشہداء فی مقتل الحسینؑ" کی تیاری میں مصروف تھا تو اسی دوران ایک کتاب کا حوالہ درکار تھا جو میرے والد ماجد قبلہ مولانا مرزا محمد جعفر اعلی اللہ مقامہ کی کتابوں میں تھی۔ میں تقریباً آدھے گھنٹے تک یہ کتاب تلاش کرتا رہا لیکن نہ ملی۔ آخر میری زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے: مولا میرا وقت کتاب کی تلاش میں صرف ہو رہا، اتنی دیر میں میں کچھ صفحات لکھ لیتا۔ یہ کہنا تھا کہ اوپر کے مچان سے تین کتابیں یکا یک جیسے پرواز کرتی ہوئی ہاتھوں پر آگئیں، جس کتاب کی مجھے ضرورت تھی وہ میرے ہاتھ پر آگئی، باقی دو کتابیں قریبی ایک میز کی جگہ آرکیں۔

اس طرح کئی واقعات پیش آتے رہے۔ ایک دن مجھے دوران تحریر ایک کتاب کے حوالہ کی ضرورت پیش آئی، میں سوچ رہا تھا کہ یہ کتاب کہاں سے ملے گی۔ اچانک میرے کانوں میں آواز آئی۔ والد کی کتابوں میں مچان پر دائیں جانب رکھی ہوئی تیسرے نمبر کی کتاب اٹھا کر دیکھو۔ یہ حوالہ مل جائے گا۔ میں نے فوراً وہ کتاب حاصل کی اور میرا مقصد پورا ہوگیا۔

دوران تالیف ایک منزل پر مجھے شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی تین جلدیں "امالی شیخ صدوق" کی ضرورت پیش آئی لیکن تلاش کے باوجود یہ مہیا نہ ہوسکیں۔ یہاں تک کہ میں اپنے استاد قبلہ محسن صاحب (مرحوم) اعلی

اللہ مقامہٗ کے صاحبزادے حجۃ السلام مولانا محمد حسین نقوی (مرحوم) جو جناب غفرانمآب کے خانوادے سے تھے ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ سے میرے علمی مراسم تھے، جن کے پاس ایک بڑا علمی ذخیرہ تھا۔ میں نے امالی شیخ صدوق کے بارے میں فرمائش کی تو وہ کافی دیر تک تلاش کرتے رہے لیکن یہ جلدیں نہ ملیں، میں گھر آیا، دن کے تقریباً چار بجے میں بستر پر لیٹا اس فکر میں تھا کہ یہ جلدیں کہاں سے فراہم ہوں۔ اچانک ایک آواز آئی کہ تمہارے محلہ میں ایک نوجوان سید علی ثقلین نقوی ہے، اس کے پاس جا کر یہ کتابیں لے لو۔ میں فوراً بستر سے اٹھا اور ثقلین سلمہ کے گھر دستک دی وہ باہر آئے تو میں نے دریافت کیا آپ کے پاس امالی شیخ صدوق کی تین جلدیں ہیں۔ ثقلین نے کہا: صابر بھائی ابھی چند روز قبل مجھے ایک بک اسٹال پر یہ کتابیں نظر آئیں میں نے خرید لیں۔ آپ لے جائیں۔

جب میں "سفینۃ الشہدا فی مقتل الحسینؑ" کی تالیف مکمل کر چکا تو کتاب کا جو نام تجویز کرتا وہ مختلف کتب کی فہرست میں موجود ہوتا، میں اسی فکر میں لیٹا تھا کہ آواز آئی۔ اب تم اس کتاب کا نام "سفینۃ الشہدا فی مقتل الحسینؑ" رکھ دو اور اب اس میں کسی طرح کی تبدیلی نہ کرنا۔ یہ سب کچھ کرم میرے مولا جناب امام رضا علیہ السلام کا ہے کہ نہ کبھی مجھے کتابوں کی فراہمی میں کوئی دشواری پیش آئی اور نہ دوران تحریر کسی مرحلہ میں کسی سے مشورہ کا طلب گار ہوا سب کچھ در اہل بیتؑ سے حاصل ہو رہا ہے۔ اس طرح کے لاتعداد واقعات مومنین کے مشاہدات میں آتے ہیں۔ آئمہ اہل بیتؑ کے در سب کے لیے کھلے ہیں جہاں حاجات مستجاب ہوتی ہیں اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔

حسب ضرورت رقم کا مہیا ہونا

......۲۰۰۴ء کا سال میرے لیے نہایت سخت تھا۔ اس لیے کہ زوجہ کے علاج پر خطیر رقم خرچ کرنے کے بعد اسی سال دو بچیوں کی شادی کا مرحلہ تھا، بڑی بیٹی کی شادی کے ایک ماہ بعد دوسری بیٹی کی شادی تھی، میں نے تمام اخراجات کا تخمینہ لگایا تو اس میں ۳۵ ہزار روپے کم پڑ رہے تھے، میں فکر مند تھا کہ یہ رقم کہاں سے مہیا ہوگی۔ شادی میں چند روز باقی تھے، میں اپنی تنخواہ لینے بینک گیا ان دنوں تنخواہ بینک میں آتی تھی، وہاں میری ملاقات اپنے ایک پرانے ساتھی سے ہوئی دوران ملاقات رسمی گفتگو کے دوران میرے ساتھی نے بتایا کہ چار سال قبل ریٹائرمنٹ کا ایک چیک جو رکا ہوا تھا آج ملا ہے، یہ کہہ کر اپنی جیب سے چیک نکال کر میری جیب میں رکھ دیا۔ میں نے کہا یہ کیا کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا نہ جانے میرا دل کیوں بے قرار

ہو رہا تھا کہ میں یہ چیک آپ کے حوالے کردوں۔ میں نے کہا آپ ضرورت مند ہوں گے۔ اس کی کیا ضرورت ہے۔ جب بہت اصرار کیا تو میں نے کہا۔ میں یہ رقم آپ کو محکمہ تعلیم کی گرمیوں کی تعطیل کے بعد پہلی اگست کو واپس کردوں گا۔ آپ اس دن تشریف لائیں۔ وہ کہنے لگے میں یہ کب کہہ رہا ہوں کہ آپ یہ رقم واپس کریں۔ میں نے کہا یہ تو ممکن نہیں، تو وہ رضامند ہو گئے اور میں نے وہ رقم وقت مقررہ پر واپس کردی۔ یہ بات واضح ہو کہ مجھے اتنی رقم مل گئی جو مجھے درکار تھی۔

باب:۱۳

جناب عباس صاحبان عصمت وطہارت کی نظر میں

جناب عباس علمدار علیہ السلام کی عظمت وسرفرازی کا زمانہ معترف ہے۔ آپ کی عبادت وریاضت، عدل واحسان، علم وفراست، ایثار وقربانی، جرأت وبہادری اور وفاداری پر کربلا شاہد ہے۔ آپ کی شخصیت جملہ صفات حسنہ کی مظہر ہے۔ آپ کی فضیلت کی کوئی حد نہیں۔ آپ اس قدر عظیم المرتبت ہیں کہ آپ کی تعریف صاحبان عصمت وطہارت نے کی ہے۔

صاحب الکبریت احمر نے اپنی کتاب میں نہایت استدلال سے ثابت کیا ہے کہ مرتبہ حضرت عباس علیہ السلام تک کوئی شہید نہیں پہنچ سکتا۔ اس بات کی تصدیق مزار بحار الانوار میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے اس جملے سے ہوتی کہ حضرت عباس علیہ السلام کا مقام کس قدر اعلیٰ ہے۔ "سلام ہو تم پر اے خدا پرستو! تم مجھ سے سبقت لے گئے، ہم لوگ بھی تم لوگوں سے جا ملنے والے ہیں، اور تمہارے یاور وانصار ہونگے۔ تم لوگ دنیا وآخرت میں شہیدوں کے سید وسردار ہو۔" منتخب طریحی کا یہ جملہ فضیلت جناب عباسؑ کو ظاہر کرتا ہے جو زیارت کا حصہ ہے۔ "جس سرفروشی کا تم لوگوں نے ثبوت پیش کیا ماضی ومستقبل میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔"

حضرت عباسؑ جناب رسالت مآبؐ کی نظر میں

جناب عباس علیہ السلام مبشر بالشجاعت تھے۔ جناب رسالت مآبؐ نے آپ کی ولادت باسعادت سے قبل آپؑ کی شجاعت کی بشارت دی تھی۔ علامہ کنتوری تحریر فرماتے ہیں کہ آپؑ کی شجاعت کے بارے میں علمائے اسلام لکھتے ہیں کہ آپؑ کی شجاعت کی مدح سرائی زبان رسالت مآبؐ پر جاری ہوئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بڑی خصوصیت ہے کہ آپ کی شجاعت کی بشارت ولادت سے قبل دی گئی۔ پھر فرماتے ہیں کہ اس عظیم درجہ پر کربلا کے شہداء میں سے کوئی بھی فائز نہ تھا۔ (ماسوائے حضرت امام حسینؑ)

حضرت عباسؑ حضرت امیر المومنینؑ کی نظر میں

جناب عباس علیہ السلام حضرت امیر المومنینؑ کی تمنا تھے۔ جب جناب عباسؑ کی ولادت کی خبر حضرت

امیر المومنینؑ کو ہوئی تو آپ نے فرمایا: اے حسینؑ اس بچہ کا نام تم رکھو۔ جب حضرت امام حسینؑ گھر تشریف لائے تو جناب ام البنین نے آپ سے کہا کہ حسینؑ کیا بات ہے یہ بچہ آنکھیں نہیں کھولتا، جیسے ہی آپ حضرت امام حسینؑ کی آغوش میں آئے آنکھیں کھول دیں، جب بھائی نے بھائی کے چہرے کو دیکھا تو حضرت امام حسینؑ نے آپ کو عباسؑ کہہ کر مخاطب کیا۔ (جس طرح مولود کعبہ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے اس وقت تک آنکھیں نہیں کھولی تھیں جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف نہ لائے، اسی طرح ولادت کے بعد حضرت عباسؑ نے اس وقت تک آنکھیں نہیں کھولیں جب تک حضرت امام حسینؑ تشریف نہ لائے، اسی طرح دونوں فداکار ہستیوں نے سب سے پہلے اپنے اپنے برادر شفیق اور رفیق کو دیکھا)۔

جناب عباسؑ کا مقام حضرت امیر المومنینؑ کی نظر میں اپنی شجاعت کے امین کی حیثیت سے نظر آتا ہے۔ کتاب کبریت میں ہے کہ حضرت عباسؑ جنگ صفین میں اپنے بابا کے ساتھ شریک ہوئے اور اس زمانے کے مشہور سورماؤں کو اپنی تلوار سے گھائل کیا۔ اسی موقع پر بہادری کی وجہ سے لوگوں میں ضیغم کے لقب سے مشہور ہوئے۔ جب جناب عباسؑ صفین میں میدان کارزار سے واپس آئے تو جناب امیر المومنینؑ ان کے پاس پہنچے اور مرحبا کہتے ہوئے داد و تحسین فرمائی۔

مرقات الایقان میں ہے کہ شب انیسویں رمضان حضرت علی علیہ السلام نے اپنی تمام اولاد و ازواج کو حضرت امام حسن علیہ السلام کے سپرد فرمایا۔ جب سب کو وصیتیں کر چکے تو آپ پر نقاہت کے سبب غشی کی کیفیت ظاہر ہوئی، اسی عالم میں کسی کے رونے کی آواز سنی تو آنکھیں کھول کر پوچھا: یہ کون رو رہا ہے۔ لوگوں نے کہا یہ جناب ام البنین رو رہی ہیں۔ حضرت ام البنین کو آواز دی تو آپ قریب آئیں، حضرت نے فرمایا کیا بات ہے۔ جناب ام البنین نے عرض کی مولا! میں بنی کلاب کے قبیلے سے ہوں اور سب کا تعلق بنی ہاشم سے ہے، آپ نے ایک ایک کا ہاتھ حضرت حسن مجتبیٰ کے ہاتھ میں دیا کیا میرا بچہ اس قابل نہیں کہ اسکا ہاتھ حضرت حسن مجتبیٰ کے ہاتھ میں دیا جائے۔ اتنا سننا تھا کہ حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا ام البنین پریشان نہ ہو، عباسؑ میرا نائب ہے، میں نے عباسؑ کو اس لیے پالا ہے کہ یہ کسی کے (حضرت حسینؑ) کے کام آئے یہ فرما کر آپ نے حضرت امام حسینؑ کو آواز دی، بیٹا حسینؑ ادھر آؤ۔ ماتئین میں ہے کہ حضرت عباسؑ کا ہاتھ حضرت امام حسینؑ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے فرمایا۔ بیٹا حسینؑ یہ کربلا میں تمہارے کام آئے گا۔ معالی السبطین میں ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ نے اپنی شہادت کی شب اپنے تمام خاندان کو جمع کیا اور سب کو وصیتیں فرمائیں اور حضرت عباسؑ کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں سینے سے لگاتے ہوئے فرمایا: میرے فرزند عباسؑ! قیامت کے دن میری آنکھیں تمہاری وجہ سے ٹھنڈی ہوں گی۔

جناب عباسؑ جنابِ فاطمہؑ کی نظر میں

آقائے دربندی تحریر فرماتے ہیں کہ ایک شخص کا یہ اصول تھا کہ حضرت امام حسینؑ کی زیارت روزانہ دن میں تین بار کرتا تھا اور حضرت عباسؑ کی بیس دن کے بعد ایک بار زیارت کرتا تھا۔ ایک شب وہ سو رہا تھا کہ حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کو خواب میں دیکھا کہ آپ تشریف فرما ہیں۔ اس نے آپ کو نہایت ادب سے سلام کیا تو آپ نے منہ پھیر لیا۔ اس نے عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، مجھ سے کیا خطا ہوئی جو آپ ناراض ہیں اور میری طرف سے منہ پھیر لیا ہے۔ آپ نے فرمایا: محض اس وجہ سے کہ تم میرے بیٹے کی زیارت نہیں کرتے۔ اس نے عرض کی بی بی میں تو دن میں تین بار روزانہ زیارت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تم میرے ایک بیٹے حسینؑ کی زیارت کرتے ہو اور میرے دوسرے بیٹے عباسؑ کی زیارت نہیں کرتے۔ عباسؑ میرا بیٹا ہے، میں عباسؑ کی ماں ہوں۔

اسرار الشہادۃ میں علامہ دربندی لکھتے ہیں۔ جب قیامت کا دن ہوگا اور لوگ سخت مصیبت میں گرفتار ہوں گے۔ اس وقت جناب رسالت مآبؐ حضرت علیؑ کو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے پاس بھیج کر دریافت کریں گے کہ آج کے دن کے لیے تم نے کون سی ایسی چیز مہیا کر رکھی ہے، جو بخشش امت کے کام آسکے۔ اس وقت حضرت فاطمہؑ عرض کریں گی۔ ابوالحسنؑ آج کے دن کے لیے میرے پاس میرے فرزند عباسؑ کے دونوں کٹے ہوئے ہاتھ کافی ہیں۔ جناب فاطمہؑ کی نظر میں جناب عباسؑ کا جو مقام تھا، اس بارے میں مزید تفصیل کے لیے پچھلے صفحات پر سرخی ''روز محشر جناب فاطمہؑ کا تشریف لانا'' کا مطالعہ فرمائیں۔

جناب عباس حضرت امام حسنؑ کی نظر میں

حضرت امام حسن علیہ السلام کو جناب عباسؑ بہت عزیز تھے۔ آپ جناب عباسؑ کو اپنے ہمراہ رکھتے، اس طرح جناب عباسؑ نے بعد شہادت حضرت امیر المومنینؑ آپ کے سائے میں پرورش پائی۔ حضرت عباس علیہ السلام نے ہمیشہ حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کے ہر امر کی بجا آوری فرمائی۔ تینوں بھائیوں کی آپس میں شفقت مثالی تھی۔ جناب عباس علیہ السلام کی بھائیوں کی اطاعت کا ذکر حضرت جعفر صادق علیہ السلام نے زیارت جناب عباسؑ کی تعلیم دیتے ہوئے ان الفاظ میں فرمایا۔ **السلام علیک ایھا العبد الصالح المطیع للہ و رسولہ و لامیر المومنین و الحسن و الحسین۔** ''اے عبد صالح! آپ پر

سلام، اللہ، رسولؐ، امیر المومنینؑ، حسنؑ وحسینؑ کے اطاعت گزار آپ پر سلام۔"

شیخ محمد براہیم کلباسی النجفی اپنی تصنیف "خصائص العباسیہ" میں تحریر فرماتے ہیں جب حضرت امام حسن علیہ السلام کی شہادت ہوئی تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے بھائی عباسؑ کو شریک کیا۔ شریعت کا قاعدہ ہے کہ معصوم کو غسل وکفن معصوم ہی دیتا ہے اور معصوم جسے اس امر کے لائق سمجھے تو وہ اسے اپنے ساتھ شریک کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت امام حسن مجتبیٰ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو یہ وصیت کی تھی کہ جب مجھے غسل دینا تو میرے بھائی عباسؑ کو اس میں شریک کرنا۔ جب جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ کی وصیت کے مطابق حضرت علی علیہ السلام نے غسل دیا اور آپ نے اپنے ابن عم فضل بن عباس کو شامل کیا۔ لیکن انہیں یہ نصیحت کی تھی کہ وہ اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لیں اور فرمایا کہ اگر تمہاری نگاہ جسم رسولؐ پر پڑی تو نابینا ہو جاؤ گے۔ لہذا فضل بن عباس کی آنکھوں پر دوران غسل پٹی بندھی رہی جبکہ حضرت عباس بن علی علیہ السلام کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ معصوم امام کے غسل وکفن میں حجت خدا کے ساتھ شریک تھے لیکن آپ کی آنکھوں پر پٹی نہیں تھی۔ اس سے آپ کی عظمت ورفعت کا اظہار ہوتا ہے۔

حضرت عباسؑ حضرت امام حسینؑ کی نظر میں

حضرت عباس علیہ السلام نے ہمیشہ اپنے برادر عزیز حضرت امام حسینؑ کو آقا کہہ کر مخاطب کیا اور بچپن تا جوانی حق وفا ادا کرتے رہے۔ اسی طرح حضرت امام حسینؑ نے ہمیشہ جناب عباسؑ سے بھرپور محبت کا اظہار فرمایا اور اپنا شریک حال سمجھا۔ جناب عباس حضرت امام حسینؑ سے اس قدر قربت رکھتے تھے کہ صفات امامت کو اپنی زندگی کا سرمایہ حیات بنالیا اور سیرت حضرت امام حسینؑ پر پوری طرح عمل پیرا ہوئے۔

جناب عباس علمدار سے حضرت امام حسینؑ بے انتہا محبت کرتے تھے اور اپنا بااعتماد ساتھی سمجھتے تھے۔ جب حاکم مدینہ ولید بن عتبہ بن ابوسفیان نے یزید ملعون کے حکم سے حضرت امام حسینؑ کو دارالامارہ طلب کر کے یزید کی بیعت کرنے پر اصرار کیا تو آپؑ نے فرمایا: ہم اہل بیت نبوت اور معدن رسالت اور ملائکہ کی آمد ورفت کا مقام ہیں۔ ہمارے ذریعہ خدا نے ابتدا کی اور ہم سے ہی اختتام کرے گا۔ یزید شرابی اور نفس محترم کا قاتل ہے اور اعلانیہ فسق وفجور کرتا ہے، مجھ جیسا اس جیسے کی بیعت نہیں کر سکتا۔ مروان بن حکم دربار میں موجود تھا، اس نے ولید کو اشارہ کیا کہ حضرت امام حسینؑ کو گرفتار کرلو، اگر وہ بیعت کرلیں تو بہتر ورنہ قتل کردو، جب بیعت کے لیے اصرار بڑھا اور حضرت امام حسینؑ کی ولید سے بلند آواز میں گفتگو ہوئی تو دارالامارہ کے باہر موجود بنی ہاشم کے نوجوان

دارالامارہ میں داخل ہوئے حضرت امام حسینؑ کو اپنے حصار میں لے کر گھر آئے۔ حضرت امام حسینؑ کو خبر تھی کہ یہ واقعہ پیش آنے والا ہے اسی لیے با اعتماد وفادار بھائی جناب عباسؑ کو اپنے ہمراہ لے گئے تھے۔

نو محرم الحرام کو جب یزیدی لشکر جنگ کے ارادہ سے خیام حسینی کی طرف بڑھا تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے جناب عباس علیہ السلام کو مخاطب فرمایا: بھائی میری جان تم پر فدا، سوار ہو اور ان سے جا کر پوچھو کہ وہ کیوں آئے ہیں اور کیا مقصد ہے؟ جناب امام حسینؑ کا یہ فرمانا: بھائی! میری جان تم پر قربان، اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو آپ کس قدر عزیز تھے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباس علیہ السلام کو اپنی فوج کا سالار اور علم دار مقرر کیا۔ آپ جانتے تھے کہ اس منصب کا حضرت عباسؑ سے زیادہ کوئی اہل نہیں ہے۔ جب حضرت عباسؑ نے حضرت امام حسینؑ سے اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا: ''عباسؑ تم میرے علمدار ہو تم چلے گئے تو میرا لشکر متفرق ہو جائے گا۔'' ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو حضرت عباس علیہ السلام سے کس قدر ڈھارس تھی۔ جب حضرت عباسؑ گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے اور حضرت امام حسینؑ کو آواز دی، آقا آپ کو میرا آخری سلام، تو حضرت امام حسینؑ اس طرح آپ کے پاس تشریف لائے کہ آنکھوں سے اشک رواں تھے اور فرما رہے تھے۔ ''اے عباسؑ اب میری کمر ٹوٹ گئی اور میری تدبیر کم ہوگئی اور دشمن کو خوش ہونے کا موقع مل گیا۔''

حضرت عباسؑ حضرت امام زین العابدینؑ کی نظر میں

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اپنے چچا عباسؑ سے بہت محبت کرتے تھے اور جناب عباسؑ ہمیشہ حضرت امام زین العابدینؑ کا بہت خیال رکھتے تھے۔ تحفۂ حسینیہ، خصال، اسرار الشہادۃ، ابصار العین اور مجالس المواعظ والبکا علامہ شیخ جعفر شوشتری کے مطابق حضرت امام زین العابدینؑ نے حضرت عباس علیہ السلام کی شان فضیلت میں فرمایا: ''اللہ تعالیٰ عباس بن علیؑ پر رحم کرے کہ انہوں نے اپنے کو حسینؑ پر اس طرح فدا کیا کہ دونوں ہاتھوں کے قلم ہونے کی نوبت آئی اسی لیے خالق جہاں نے مثل جعفر بن ابی طالبؑ جنت کی فضاؤں میں سیر کی غرض سے پرواز کے لیے دو بازو (پر) عطا فرمائے۔ خدا کے نزدیک آپ کا وہ عظیم مرتبہ ہے کہ تمام شہدا اس پر فخر کریں گے کہ کاش وہ اس فضیلت سے آراستہ ہوتے۔

معالی السبطین میں محمد مہدی مازندرانی تحریر فرماتے ہیں۔ جب حضرت امام حسینؑ تن تنہا رہ گئے اور

سلام آخر کے لیے خیام میں تشریف لائے تو آپ اپنے فرزند حضرت زین العابدینؑ کی عیادت اور خبر لینے کی غرض سے آئے جب حضرت امام زین العابدینؑ نے اپنے والد کو زخمی حالت میں دیکھا تو اپنے والد سے سب سے پہلا سوال یہ کیا کہ میرے چچا کہاں ہیں؟ اب تک جناب زینب سلام اللہ علیہا نے اپنے بھتیجے کو حضرت عباسؑ کی شہادت کی خبر نہیں دی تھی، اب بی بی نے نگاہ حسرت سے بھائی کی طرف دیکھا اور سوچنے لگیں کہ دیکھیں بھائی کیا جواب دیتے ہیں۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا: اے زین العابدینؑ تمہارا چچا شہید ہو گیا اور فرات کے کنارے اس کے بازو قلم ہو گئے۔ یہ سننا تھا کہ حضرت امام سجادؑ اتنا روئے کہ غشی طاری ہو گئی، یہ صدمہ اپنے شفیق چچا کی جدائی کا آپ پر ہمیشہ قائم رہا۔

جب حضرت امام زین العابدین علیہ السلام قید خانے سے بطور اعجاز شہدا کی تدفین کے لیے کربلا آئے اور جناب عباسؑ کی لاش اطہر پر پہنچے تو ان کی زخمی گردن کے بوسے لیے اور کٹے ہوئے بازوؤں کو کئی بار چوما اور فرمایا: ''اے بنی ہاشم کے چاند! آپ کے بعد دنیا پر خاک، اے اجر عظیم کے مستحق شہید امیری طرف سے آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت و برکت آپ کے شامل حال ہو۔'' بعد ازاں آپؑ اٹھے اور چچا کے لیے قبر تیار کی بنی اسد سے کوئی مدد حاصل نہ کی اور خود ہی اپنے وفادار چچا کو لحد میں اتارا امالی شیخ صدوق میں ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے حضرت عباسؑ کے فرزند جناب عبید اللہ کو دیکھا تو آپ کو چچا یاد آ گئے اور گریہ کیا اور فرمایا: اللہ میرے چچا عباسؑ پر رحم کرے کہ آپ نے ایثار سے کام لیا اور آزمائش میں پورے اترے اور اپنے بھائی پر اپنی جان قربان کر دی۔ ان کے بازو قلم ہوئے اللہ نے اس کے عوض انہیں دو پر عطا کیے جن سے وہ ملائکہ کے ساتھ جنت میں حضرت جعفر بن ابی طالب کی طرح پرواز کرتے ہیں، اللہ کے یہاں آپ کا وہ مرتبہ ہے۔ جس پر قیامت کے دن تمام شہدا رشک کریں گے۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام واقعہ کربلا کے بعد ہمیشہ اپنے والد گرامی حضرت امام حسین علیہ السلام اور تمام شہدائے کربلا کو یاد کر کے گریہ فرمایا کرتے تھے۔ خصائص عباسیہ میں شیخ محمد ابراہیم کلباسی النجفی تحریر فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ جناب سید سجاد علیہ السلام سے شیعوں نے اصرار کیا کہ عید آ رہی ہے آپ عید کی تقریب میں شرکت فرمائیں اور ساتھ ہی اپنی خواتین کو مخدرات عصمت و طہارت کی خدمت میں بھیجا کہ آپ امام سے کہیں کہ وہ عید کی تقریب میں شرکت فرمائیں۔ لوگوں کے اصرار پر آپ نے فرمایا میں شرکت ضرور کروں گا لیکن تم لوگ مجھے عید کی مبارک باد نہ دینا۔

عید کا دن تھا۔ آپ تمام شیعوں کے ساتھ تشریف فرما تھے، اس وقت عبید اللہ بن عباسؑ کم سن تھے،

جب آپ نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو دیکھا تو یہ سمجھے کہ اب آپ نے غم (سوگ) بڑھا دیا، یہ سوچ کر وہ اپنی دادی حضرت ام البنینؑ کے پاس آئے اور کہا: دادی اماں! آپ مجھے اچھا سا لباس پہنائیں تاکہ میں امام زین العابدینؑ کو عید کی مبارک دوں۔ جناب ام البنین کے پاس حضرت عباسؑ کے بچپن کے کپڑے تھے انہوں نے اپنے پوتے کو اپنے بیٹے حضرت ابوالفضل العباسؑ کا لباس پہنایا جسے پہن کر حضرت امام زین العابدین کے پاس آئے۔ جب آپ نے اپنے ابن عم کو آتے دیکھا کہ معصوم بچے نے اپنے والد کا لباس پہنا ہوا ہے تو آپ اپنی جگہ سے اٹھے اس وقت آپ کی آنکھوں میں بے انتہا اشک رواں تھے۔ آپ حضرت عبیداللہ کی طرف بڑھے تو وہاں موجود لوگوں نے آپ کو تسلی دی اور کہا: فرزند رسولؐ! اللہ آپ کو کبھی نہ رلائے آپ اچانک کیوں گریہ فرما رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: جب میری نظر اپنے ابن عم پر پڑی اور میں نے دیکھا کہ اس نے اپنے والد کا لباس پہنا ہے تو مجھے اپنے چچا عباسؑ یاد آ گئے، اس وقت مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے وفادار چچا میرے پاس آ رہے ہیں۔ مجھے کربلا میں ان کے مصائب و آلام یاد آ گئے۔ پھر آپ نے اپنے بازو پھیلا کر حضرت عباسؑ کے فرزند عبیداللہ کو اپنے سینے سے چمٹا لیا اور ان کا بوسہ لیا۔ بعد ازاں اپنی گود میں بٹھایا ان کے سر پر دست شفقت پھیر کر فرمایا: اے ابن عم! کیا تم نے یہ گمان کیا کہ تمہارے چچا حضرت امام حسینؑ اور تمہارے والد ابوالفضل اور شہدائے کربلا کا غم منانا ہم نے چھوڑ دیا ہے۔ اے ابن عم یہ غم کبھی ختم نہیں ہوگا۔ یہ غم قیامت تک جاری رہے گا، پھر آپ نے یہ اشعار پڑھے۔ "ہم آل مصطفیٰؐ بہت درد و غم میں ہیں اور ہم اپنے غم کے گھونٹ لوگوں میں پینے پر مجبور ہیں۔ ہماری مصیبت بہت سخت ہے۔ ہمارا پہلا اور آخری فرد سب مظلوم ہیں۔ لوگ عید کے دن خوشیاں مناتے ہیں جبکہ ہماری عید ماتم میں بدل چکی ہے۔ لوگ امن و خوشی کی زندگی بسر کر رہے ہیں جبکہ ہمارے خوف زدہ افراد کو چین میسر نہیں ہے۔ اللہ کی طرف سے ہمیں جو عزت و عظمت ملی ہے وہی ہمارے لیے آفت بن گئی ہے۔ ہمارے منکر اور غاصب ہمارے متعلق فیصلے کر رہے ہیں جبکہ فیصلے کا حق اول و آخر ہمیں ہے۔" یہ فرما کر آپؑ نے گریہ کیا اور جملہ حاضرین نے بھی گریہ کیا۔

حضرت عباسؑ حضرت امام باقرؑ کی نظر میں

کربلا میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی عمر پانچ سال تھی۔ آپ نے جملہ مصائب برداشت کیے اور واقعات کربلا کا مشاہدہ کیا۔ آپ ہمیشہ اپنے دادا حضرت عباسؑ کو یاد کرتے تھے اور آپ کے کٹے ہوئے بازوؤں کو یاد کر کے گریہ کیا کرتے تھے۔ جناب عباس علیہ السلام کے ہاتھوں کا پانچ آئمہ معصومین نے بوسہ

لیا۔ دو نے ان کی زندگی اور تین نے آپ کی شہادت کے بعد۔

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہما السلام نے حضرت عباسؑ کے بازوؤں کے بوسے اس وقت لیے جب آپؑ کم سن تھے اور آپ کے بازو آپ کے جسم اطہر پر موجود تھے۔ حضرت امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ کے بچپن میں بھی ان کے ہاتھوں کے بوسے لیے تھے اور جب بازو کٹ گئے اس وقت بھی بوسے لیے تھے جبکہ جناب سید سجادؑ اور حضرت امام محمد باقرؑ نے اس وقت بوسے لیے جب جناب عباسؑ کے ہاتھ کٹ چکے تھے اور کربلا کی گرم ریت پر تھے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے سامنے جب بھی جناب عباسؑ کا ذکر ہوتا آپ بہت رنجیدہ خاطر ہوتے اور لوگوں کے درمیان آپ کے فضائل و مصائب بیان فرماتے۔

حضرت عباسؑ حضرت امام جعفر صادقؑ کی نظر

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام حضرت عباس علمدار علیہ السلام کا ذکر کثرت سے کیا کرتے تھے۔ آپ کی جانثاری اور وفا کو یاد کیا کرتے تھے۔ شیخ ابونصر بخاری مفضل ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام حضرت عباس علیہ السلام کی جانثاری اور مجاہدہ فی سبیل اللہ کی تاکید فرماتے تھے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ میرے عم محترم حضرت عباس علیہ السلام نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی حمایت میں نہایت بے جگری سے جہاد کیا اور زبردست ابتلا کی منزل کو جھیل کر شہید ہوئے۔ جناب جعفر صادق علیہ السلام جناب عباس علیہ السلام کی منزلت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ''حضرت عباس علمدار علیہ السلام کی عظمت و منزلت کو معلوم کرنے کی ایک راہ حضرت آئمہ طاہرین علیہم السلام کی حدیثیں ہیں، اس لیے کہ آپ حضرات انسانوں کے اسرار و رموز سے باخبر ہیں۔'' جس وقت حضرت امام جعفر صادقؑ حضرت عباسؑ کی زیارت کے لیے آپ کے حرم میں مشرف ہوئے تو ان الفاظ میں دعائے اذن پڑھی۔ ''اے فرزند امیر المومنین! خدا اس کے مقرب فرشتوں، رسولوں، صالح بندوں، تمام شہداء، صدیقین کے پاک و پاکیزہ سلام ہر صبح و شام آپ پر ہوں۔'' حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے حضرت عباس علیہ السلام کی زیارت کے آخر میں فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ جانشین مرسل اعظم حضرت امام حسینؑ کے سامنے سر تسلیم خم کیے رہے، حضرت کی منزلت قبول کرتے ہوئے تصدیق کی اور وفاداری کا ثبوت دیا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ضریح ابوالفضل العباسؑ کے پاس جا کر آپ کو اس طرح

مخاطب کیا۔ "میں گواہی دیتا ہوں اور خدا کو گواہ بناتا ہوں کہ آپ نے اس راہ کو اختیار کیا جس کو بدر کے غازیوں نے منتخب کیا تھا۔" حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام حضرت عباسؑ کی شان فضیلت میں فرماتے ہیں۔ "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے نصرت کا حق ادا کر دیا، آپ نے بھر پور کوشش فرمائی۔" حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ اللہ نے حضرت عباسؑ کو علیین میں آپ کے تذکرہ کو بلند فرمایا ایک مقام پر فرمایا۔ "خدا لعنت کرے ان لوگوں پر جنہوں نے آپ کو شہید کر کے محارم الٰہی یعنی جس چیز کو خدا نے حرام قرار دیا تھا حلال بنایا اور حرمت و وقار اسلام کو برباد کیا۔"

حضرت امام جعفر صادقؑ سے کسی نے حضرت عباسؑ کی زیارت کے متعلق دریافت کیا کہ ان کی قبر مطہر پر کیا پڑھنا چاہیے؟ آپؑ نے فرمایا۔ جب ہمارے وفادار چچا کی قبر مطہر پر پہنچو تو قبر مطہر کے پاس کھڑے ہو جاؤ اور انہیں ان کلمات سے سلام کرو۔ "السلام علیک ایھا الولی الصالح الناصح الصدیق اشھد انک منت باللہ و نصرت ابن رسول اللہ و دعوت الی سبیل اللہ و واسیت بنفسک و بذلت مھجتک فعلیک من اللہ السلام التام۔" اے ولی صالح اور خیر خواہ صدیق! آپ پر سلام ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور آپؑ نے فرزند رسول کی مدد کی اور آپؑ نے اللہ کے راستے میں دعوت دی اور آپؑ نے اپنی جان دے کر ہمدردی کی مثال قائم کی، آپ نے اپنی جان قربان کی۔ اللہ کی طرف سے آپ پر کامل سلام۔

آپ نے فرمایا: اسکے بعد قبر مطہر پر جھک جاؤ اور یہ کلمات کہو: بابی و امی یا ناصر دین اللہ السلام علیک یا بن امیر المومنین السلام علیک یا ناصر الحسینؑ الصدیق السلام علیک یا شھید بن الشھید السلام علیک من ابداً مابقیت وصل اللہ علی محمد و آلہ وسلم۔

"اے دین خداوندی کے مددگار! آپ پر میرے ماں باپ قربان، اے فرزند امیر المومنین! آپ پر سلام، حسینؑ صدیق کے مددگار آپ پر سلام شہید بن شہید آپؑ پر سلام۔ جب تک میں زندہ ہوں میری طرف سے آپ پر سلام ہوں۔ محمدؐ و آل محمدؐ پر خدا کی طرف سے درود و سلام ہو۔"

حضرت عباسؑ حضرت امام علی نقیؑ کی نظر میں

حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے حضرت عباسؑ کو جانثار، ہمدرد، وفا کا پیکر اور محافظ فرمایا ہے۔ آپ نے زیارت پیش فرمائی۔ السلام علی ابی الفضل العباس المواسی خاہ بنفسہ الآخذ لعدہ من

امسه الواقی له الساعی الیه بمائه، المقطوعة یداه ۔ابوالفضل العباسؑ پر سلام، آپ نے اپنی جان فدا کر کے اپنے بھائی سے ہمدردی کی تھی جس نے آنے والے کل کے لیے گزشتہ دن سے زادراہ حاصل کیا تھا اور جو اس کے محافظ تھے۔ جنہوں نے امام تک پانی پہنچانے کی کوشش کی تھی اور اس کوشش میں آپ کے بازو قلم ہوئے تھے۔ (یہ زیارت ۲۵۲ ؍ ہجری میں علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ کی کتاب ''الاقبال'' سے نقل فرمائی۔) حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے آپ پر سلام کرتے ہوئے یہ الفاظ فرمائے:

السلام علی ابی الفضل العباس المواسی اخاه بنفسه الاخذ لغده من امسه الواقی له الساعی الیه بمائه المقطوعة یداه ۔''ابوالفضل العباسؑ پر سلام ہو آپ نے اپنی جان قربان کر کے اپنے بھائی سے ہمدردی کی تھی۔ جس نے آنے والے کل کے لیے گزشتہ دن سے زادراہ حاصل کیا تھا اور جو اس کے محافظ تھے، جنہوں نے حضرت امام حسینؑ تک پانی پہنچانے کی کوشش کی تھی اور اس کوشش میں آپ کے بازو قلم ہوئے تھے۔'' (یہ زیارت ۲۵۲ ؍ ہجری میں علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ کی کتاالاقبال سے نقل فرمائی) حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے آپؑ پر سلام کرتے ہوئے یہ الفاظ فرمائے: السلام علی ابی الفضل المواسی اخاه بنفسه ۔''ابوالفضل العباسؑ پر سلام ہو آپ نے اپنی جان قربان کر کے اپنے بھائی سے ہمدردی کی تھی۔'' حضرت عباس علیہ السلام کی حضرت امام حسین علیہ السلام سے ہمدردی اور وفاداری اللہ اور رسولؐ سے بھی براہ راست جذبہ قربانی ہے اس لیے کہ جناب رسالت مآبؐ کا ارشاد ہے۔ حسینؑ مجھ سے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ صحیح بخاری، صحیح ترمذی، مسند احمد بن حنبل، مستدرک حاکم، سنن ابن ماجہ اور تاریخ ابن اثیر میں مرقوم ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ ''حسینؑ مجھ سے ہیں اور میں حسینؑ سے ہوں، خداوندا تو اسے دوست رکھ جو حسینؑ کو دوست رکھے۔''

اس حدیث کی روشنی میں حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے ارشاد کی روشنی میں کہ ''حضرت عباس علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت امام حسین علیہ السلام پر اپنی جان قربان کر کے اپنی بھائی سے ہمدردی کی۔'' اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جناب عباس علیہ السلام اللہ اور رسولؐ کے دوست قرار پائے۔

حضرت عباسؑ حضرت امام زمانہ علیہ السلام کی نظر میں

حضرت صاحب العصر والزمان صلوات اللہ علیہ نے اپنے جد مظلوم کی قبر مطہر کے پاس کھڑے ہو کر جو مرثیہ پڑھا یہ زیارت ناحیہ کے نام سے موسوم ہے۔ اس زیارت کی سند حضرت امام زمانہ کے نائبین سے ملتی

ہے۔ سید ابن طاؤس، علامہ مجلسی اور شیخ ابو جعفر طوسی علیہ الرحمہ نے اسے نقل فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں شیخ مفید علیہ الرحمہ جو شیخ ابو جعفر طوسی اور شیخ نجاشی علیہ الرحمہ کے استاد تھے، انہوں نے اپنی شہرہ آفاق کتاب المزار میں زیارت ناحیہ کا ذکر فرمایا ہے۔ ان قابل قدر علمائے عظام کے علاوہ بے شمار حوالہ جات اور معتبر کتب زیارت ناحیہ کی جامعیت پر دلالت کرتی ہیں۔

عالم و محقق محترم علی الکورانی نے عصر ظہور میں حضرت امام زمانہ علیہ السلام کی دعاؤں کے باب میں حضرت کی یہ دعا مرقوم ہے۔ خدایا! محمدؐ اور ان کے آلؑ پر کثرت سے صلواۃ بھیج ایسی دائمی اور عمدہ صلواۃ جس کا احاطہ صرف تو ہی کر سکے، اس صلواۃ کی بلندیوں کی وسعت کو صرف تیرا ہی علم پا سکے اور تیرے سوا کوئی اور ان صلواۃ کا شمار نہ کر سکے۔ اہل بیتؑ حضرت محمدؐ جو طیب اور پاکیزہ ترین ہیں ان کے مصائب پر رونے والوں کو نالہ و فریاد کرنا چاہیے اور ان پر اشک بہانا چاہیے۔

حضرت امام زمانہ علیہ السلام نے اپنے جد کی لحد مطہر پر سلام کیا اور زیارت پڑھی اور فرمایا۔ خواہ وہ فقیر ہو یا غنی اسے یہ چیزیں مل جاتی ہیں۔ غسل، روئی، کافور، کفن اور قبر لیکن میرے جد حضرت امام حسینؑ کیسے بے کس تھے کہ آپ کو ان میں سے کوئی چیز بھی میسر نہ ہوئی۔ آپ فرماتے ہیں۔ میرا سلام ہو حضرت امام حسین علیہ السلام پر کہ غسل کے لیے پانی تک میسر نہ ہوا۔ تیر و تلوار اور نیزوں کے زخموں سے جو خون نکلا اس سے آپ نے غسل کیا اور آپؑ کی ریش مبارک سفید روئی کی طرح قائم مقام بنی۔ کافور کہاں تھا، کربلا کی ریگ گرم اڑ کر جسم اطہر پر پڑی اور کافور بنی۔ کفن کے لیے کپڑا کہاں میسر تھا، ہوا کے تھپیڑوں نے خاک اڑا کر جسم مبارک کی پردہ پوشی کی اور کفن بنا، ہائے آپؑ کا جنازہ اس طرح اٹھا کہ نوک نیزہ پر سر انور بلند کر کے دیار بہ دیار پھرایا گیا اور ان لوگوں کے دلوں میں، جن کو آپؑ سے محبت ہے قبر بنی۔

زیارت ناحیہ میں حضرت صاحب العصر و الزمان صلوٰت اللہ علیہ نے شہدائے کربلا کا ذکر فرمایا ہے آپ نے اس زیارت کے جزو دوم میں حضرت عباس علیہ السلام کی وفاداری اور جرأت کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے۔ "سلام جناب ابوالفضل العباسؑ فرزند امیر المومنینؑ پر جو بہ جان و دل اپنے بھائی حسینؑ کی غم خواری کر رہے تھے اور فردائے قیامت میں اپنے درجات کی بلندی کا اپنی زندگی میں سامان کر رہے تھے۔ آپ امام پر اپنی جان فدا کر رہے تھے اور ان کو دشمنوں سے بچا رہے تھے اور بہت دلیری سے اپنی مشک کا پانی ان تک پہنچانے کی کوشش کر رہے تھے ان کے دونوں شانے قلم ہو گئے۔ خدا لعنت کرے ان کے قاتل یزید بن رقاء اور حکیم بن طفیل طائی پر۔ حضرت امام زمانہ نے حضرت عباس علیہ السلام کو سلام پیش فرما کر آپ کی عظمت کو

ظاہر کیا ہے اور ساتھ ہی آپ کی جرأت، وفاداری اور مقام و منزلت کا ذکر فرمایا ہے۔

حضرت عباسؑ حضرت زینبؑ کی نظر میں

جناب زینب سلام اللہ علیہا جناب عباس علیہ السلام کی ولادت تا شہادت ہمیشہ اپنے بھائی کے ساتھ اپنی محبت و خلوص کا اظہار کرتی رہیں۔ حضرت عباسؑ جب بچپن کے مراحل میں تھے تو جناب زینبؑ آپ کا بہت خیال رکھتی تھیں، جب گہوارے میں ہوتے تو لوریاں دیتیں اور جب ذرا بڑے ہوئے تو تعلیم و تربیت میں مصروف ہو گئیں۔

حضرت عباس علیہ السلام کی ولادت کی خبر اہل بیت اطہار میں نہایت خوش کن تھی۔ خصوصاً حضرت زینبؑ، حضرت ام کلثوم، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت عباسؑ کی دنیا میں آمد پر بہت خوش تھے کہ آغوش جناب ام البنین میں پروردگار عالم نے چاند سے زیادہ حسین بھائی عطا فرمایا۔ جب حضرت عباسؑ کی ولادت باسعادت ہوئی تو جناب زینبؑ اپنے بھائی کو لے کر اپنے والد گرامی امیر المومنینؑ کی خدمت میں لائیں اور کہا: بابا جان! میرے بھائی کے کان میں اذان و اقامت کہیں اور میرے پیارے بھائی کا نام، کنیت اور لقب کا تعین فرمائیں۔ جناب امیر المومنینؑ نے فرمایا: بیٹی تمہارے بھائی کا نام عباس اور کنیت ابوالفضل ہے۔ جناب زینبؑ نے عرض کی۔ بابا جان! میرے بھائی کے القاب ارشاد فرمائیں۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا: اے زینبؑ تمہارے بھائی کا لقب قمر بنی ہاشم، قمر العشیرہ اور سقاء ہے۔ بی بی نے عرض کیا: بابا جان! میرے بھائی کا نام عباس ہے۔ یہ نام میرے بھائی کی شجاعت اور دلیری پر دلالت کرتا ہے اور کنیت ابوالفضل ہے، یہ ان کی فضیلت و کرامت پر دلالت ہے، اور جہاں تک قمر بنی ہاشم اور قمر العشیرہ جیسے القاب ہیں ان کا تعلق میرے بھائی کے حسن و جمال سے ہے۔ بابا جان ان کا ایک لقب آپ نے سقاء بیان فرمایا ہے، اس کا کیا مطلب ہے۔ یہ سن کر حضرت امیر المومنینؑ نے حالت گریہ میں فرمایا: یہ کربلا کے تشنہ لبوں کو پانی پلانے کی کوشش کرے گا۔ اس کے بعد جناب امیر المومنینؑ نے واقعات کربلا بیان فرمائے۔ اس پر حضرت زینبؑ نے گریہ کیا۔ جناب امیر المومنینؑ نے نہایت شفقت سے تسلی دی اور فرمایا۔ اب میرے اس فرزند کو اس کی ماں کے پاس لے جاؤ اور اے زینبؑ یہ جان لو کہ میرا یہ فرزند کربلا میں تمہارے ساتھ ہو گا۔

حضرت امیر المومنینؑ سے جناب زینبؑ نے ماہ رمضان کو اکیسویں شب عرض کی تھی۔ بابا! آپ میرا

ہاتھ میرے بھائی عباسؑ کے ہاتھ میں دے جائیں۔ چنانچہ حضرت امیرالمومنینؑ نے جناب عباسؑ کو قریب بلا کر جناب زینبؑ کا ہاتھ حضرت عباسؑ کے ہاتھ میں دے کر فرمایا تھا۔ بیٹا عباسؑ! یہ میری طرف سے تمہارے پاس میری امانت ہے۔ اس کی حفاظت میں کبھی کوتاہی نہ کرنا۔ جناب عباسؑ نے اس عہد کو نبھانے کا وعدہ کیا اور ہمیشہ جناب زینبؑ اور حضرت ام کلثومؑ کے ساتھ عہد وفا نبھاتے رہے۔

جناب زینب سلام اللہ علیہا نے تین سفر حضرت عباس علیہ السلام کے ساتھ کیے۔ پہلا سفر حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی موجودگی میں مدینہ سے کوفہ تک کا کیا۔ اس سفر میں جناب عباسؑ اپنی بہن کے ساتھ تھے۔ دوسرا سفر کوفہ سے مدینہ کا تھا جو حضرت امام حسن علیہ السلام کی صلح کے بعد ہوا، اس سفر میں حضرت امام حسنؑ، حضرت امام حسینؑ اور حضرت عباسؑ جناب زینبؑ کے ساتھ تھے۔ تیسرا سفر آپ نے اپنے بھائی حسینؑ کے ساتھ کیا اس سفر میں پہلے مدینہ سے مکہ پھر مکہ سے کربلا تشریف لائیں اس پورے سفر میں جناب عباسؑ ساتھ تھے اور ہر مشکل وقت میں آپ حق وفاداری ادا کرتے رہے۔

اور عاشورہ کے بعد جب گلشن علی و فاطمہ اجڑ گیا تو بی بی تنہا رہ گئی۔ شب عاشور جو قیامت کی رات تھی اپنے دامن پر آشوب میں ظلم و استبداد اور مصیبت و آلام کی آندھیوں کو سمیٹے تمام ہوئی تو دن کا آغاز اس طرح ہوا کہ جناب زین العابدین علیہ السلام کے گلے میں طوق خاردار پہنایا گیا، رسول خدا کی نواسیوں کو اس طرح رسن بستہ کیا گیا کہ عصمت و طہارت کی پروردہ بیبیوں کے ہاتھ پس گردن سے بندھے تھے۔ جب بی بی زینبؑ قید ہو کر کربلا سے روانہ ہونے لگیں تو آپ نے دائیں بائیں دیکھا لیکن کوئی مونس و غمخوار نظر نہ آیا تو مقتل کی طرف رخ کیا اور فرمایا۔ ''کہاں ہو میرے عباسؑ، کہاں ہو علی اکبرؑ، کہاں ہو قاسمؑ اور کہاں ہو عون و محمد دیکھو ہم حالت غربت میں بے آسرا ہیں۔''

جب اسیران کربلا کا قافلہ روانہ ہوا تو اس کو اس مقصد سے مقتل سے گزارا گیا تا کہ اسیروں کو زیادہ سے زیادہ اذیت پہنچے۔ اس وقت تمام بیبیاں رسن بستہ تھیں۔ جب مظلوموں کی نظر اپنے بے گور و کفن بے سر وارثوں پر پڑی تو بیبیوں نے اپنے آپ کو بے کجاوہ اونٹوں کی پشت سے گرا دیا۔ یہ اسیر بیبیاں جن کے ہاتھ پس گردن سے بندھے تھے۔ نہایت تکلیف کی حالت میں زمین پر آئیں۔ بحارالانوار کے مطابق جب قیدیوں کا قافلہ قتل گاہ میں آیا اور اہل بیت رسالت کی نظر لاش ہائے شہدا پر پڑی تو سب چیخیں مار کر رونے لگے اور بیبیوں نے اپنے منہ پر طمانچے مارے۔

جناب زینب و ام کلثومؑ کا گریہ نہایت دلخراش تھا۔ جب جناب زینبؑ کی نظر دریا کے کنارے جناب

عباسؑ کے زخموں سے چور، بازو تن سے جدا بے گوروکفن لاشے پر پڑی تو حسرت ویاس سے فرمایا: بھیا عباسؑ! تم مجھے مدینے سے سوار کر کے یہاں لائے تھے۔ اب اٹھو تمہاری بہن کوفہ وشام جا رہی ہے۔ بھیا عباسؑ میں تمہارے ساتھ سفر کیا کرتی تھی۔ آج تمہارے قاتلوں کے ساتھ جا رہی ہوں۔ پھر شہزادی نے یہ اشعار پڑھے۔ ''اے عباسؑ! اے قافلہ اور حرم کے محافظ! تمہاری نگرانی میں سکینہ حرم میں سویا کرتی تھی، جب تمہارا علم گرا تو سکینہ نے چیخ کر کہا تھا کہ آج وہ آنکھیں سو گئیں جو تمہاری وجہ سے نہیں سوتی تھیں اور کچھ آنکھیں جاگنے پر مجبور ہو گئی ہیں۔ اب ان کا سونا محال ہے۔ عباسؑ! سن رہے ہو کہ سکینہ کیا کہہ رہی ہے؟ وہ کہہ رہی ہے کہ چچا آج میں قیدی ہوں، میری نگہبانی کون کرے گا۔ اس وقت حضرت ام کلثومؑ فرما رہی تھیں۔'' اے مسافران عدن ٹھہرو اور ہمیں وداع کر لو تا کہ قبل اس کے کہ ہم سے دور ہو جاؤ کشادہ زمین تمہارے بعد مجھ پر قید خانہ بن گئی۔ اے شہیدان کربلا تم پر سلام ہو، تمہاری جدائی کس قدر تلخ ہے جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اے اہل وطن تم یاد آتے ہو اور جب غروب ہوتا ہے تو تمہاری وجہ سے غم تازہ ہو جاتا ہے۔''

حضرت عباسؑ حضرت ام البنینؑ کی نظر میں

فرزند جناب امیر المومنین علیہ السلام جناب عباس علیہ السلام کی فضیلت و مقام درجہ معصوم کی حد تک بلند ہے۔ آپ نے گہوارہ امامت میں پرورش پائی اور ایسی پاکیزہ سیرت والدہ گرامی کا شیر مادر پیا جو نہایت وفا شعار، صاحب بصیرت اور کریم وسخی خاتون تھیں، جن کا تعلق ایسے باشرف خاندان سے تھا جو نہایت بزرگی، سرداری اور نیک نامی میں معروف تھا۔ جناب عباس علیہ السلام نے جناب فاطمہ بنت حزام وحیدیہ کلابیہ ام البنین سلام اللہ علیہا کی آغوش مبارک میں پرورش پائی اور اپنی عالمہ و فاضلہ کامل ایمان مادر گرامی سے ولایت و معرفت کی روشنی حاصل کی۔ ماں کی آغوش بچے کی پہلی تربیت گاہ ہوتی ہے۔ بچے اپنی ماں کو جن بزرگوں کا احترام کرتے دیکھتے ہیں وہ بھی اسی طرح اپنے بڑوں کا احترام کرتے ہیں۔ جناب ام البنینؑ جب خانہ علی مرتضیٰؑ شیر خدا کل کے مشکل کشا میں تشریف لائیں تو مراتب و منازل کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس قدر اعلیٰ اخلاق اور وفا شعاری کا اظہار فرمایا کہ مولا علیؑ کے گھر میں جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے بعد ایک بار پھر رونقیں لوٹ آئیں اور حسنین علیہم السلام کو حضرت ام البنینؑ کی شکل میں ایک فدا کار ماں جیسی نعمت مل گئی۔ آپ ہمیشہ جناب عباس علیہ السلام سے بڑھ کر ان شہزادوں پر توجہ فرماتی تھیں۔ اسی طرح جس طرح جناب عباس علیہ السلام اپنے دونوں برادران عزیز حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ

السلام کے ابتدائی عمر سے شیدا تھے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام سے محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ کے قدموں کی خاک حضرت اپنی آنکھوں میں لگایا کرتے تھے۔ نہایت اعلیٰ ماحول میں جناب عباسؑ کا بچپن گزرا تھا، ابھی کم سنی کا عالم تھا کہ شیر خدا علی مرتضیٰ سے فن حرب کی تعلیم کے ساتھ صبر واستقلال کی تعلیم سے بھی پوری طرح آشنا ہوئے تا کہ جب کربلا میں طاقت وجرأت کی حدود کی انتہا پر پہنچنے کے باوجود اذن جہاد نہ ملے تو صبر واطاعت کی حدود سے تجاوز نہ کریں۔ جناب ام البنینؑ نے فرزند کی اس تربیت کا بہت قریب سے مشاہدہ فرمایا تھا اور جانتی تھیں کہ رضائے امام کیا ہے لہٰذا اسی کے موافق آپ نے بھی تربیت میں حد کمال تک حق ادا فرمایا۔

نوٹ: قارئین کرام اس عنوان کی وضاحت کے لیے پچھلے صفحات پر سرخی "مصائب جناب ام البنینؑ" کا مطالعہ فرمائیں۔

باب:۱۴

قاتلان حضرت امام حسینؑ کا انجام

واقعہ کربلا کی سنگینی کا تصور محال ہے، جہاں اہل بیتؑ اطہار پر جو ظلم روا ہوا اس کے تصور سے صاحبان مودت کے دل پاش پاش ہو جاتے ہیں۔ اہل کوفہ نے پہلے ہزاروں کی تعداد میں خطوط بھیج کر مہمان بلایا اس کے بعد دریا پر پہرے لگا دیئے اور مہمان کربلا کو تین دن کی بھوک و پیاس کے عالم میں بے دردی سے شہید کیا۔ نواسہ رسول کا گلا شمر لعین نے کند خنجر سے ذبح کیا، بعد شہادت حضرت امام حسینؑ، لعین حضرت کا لباس، عمامہ، چادر، تلوار، انگشتری اور نا لعین مبارک لوٹ کر لے گئے۔ اس کے بعد حضرت کی لاش مطہر پامال کرنے کی تیاری شروع کی۔ عمر بن سعد نے اپنے لشکر میں اعلان کیا کہ کون ہے جو حسینؑ کی لاش پر گھوڑے دوڑائے۔ ابن طاؤس علیہ الرحمہ نے مقتل لہوف میں جن لعینوں نے حضرت کی لاش کو گھوڑوں سے پامال کیا ان لعینوں کے نام تحریر کیے ہیں۔ جن کی تعداد دس ہے۔ ان تمام پر خدا کی لعنت ہو۔ (۱) اسحق بن حربہ، (۲) اخنس بن مرثد، (۳) حکیم بن طفیل، (۴) عمر بن صبیح صیداوی، (۵) رجاء بن منقذ (۶) سالم بن خثیمہ جعفی (۷) واحظ بن ناعم (۸) صالح بن وہب جعفی (۹) ہانی بن ثبت حضرمی (۱۰) اسید بن مالک۔ ان لعینوں نے حضرت امام حسینؑ کی سر بریدہ زخموں سے چور چور لاش اطہر کو اس طرح گھوڑوں کی سموں سے پامال کیا کہ آپؑ کے سینے اور پشت اطہر کی ہڈیاں چور چور ہو گئیں۔

نور الابصار میں زہری سے روایت ہے کہ قتل حضرت امام حسین علیہ السلام میں جو بھی شریک ہوا اس کو آخرت سے پہلے اس دنیا میں ہی میں سزا مل گئی۔ وہ قتل ہوا یا اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا یا اس کی صورت مسخ ہو گئی اور اس کی حکومت تھوڑے ہی عرصہ میں ختم ہو گئی۔

بحار الانوار میں لکھا ہے کہ حضرت امیر مختار نے شمر ذی الجوشن کو طلب کیا، وہ ایک دیہات کی طرف بھاگا۔ ابو عمرہ کو خبر کی گئی یہ اپنے کچھ ساتھیوں کو لے کر شمر کی طرف روانہ ہوئے۔ شمر سے زبردست جنگ ہوئی وہ شدید زخمی ہوا اور ابو عمرہ نے اسے گرفتار کیا اور حضرت امیر مختار کے پاس بھیج دیا۔ آپ نے اس ملعون کو قتل کیا اور ایک دیگ میں تیل گرم کر کے اس میں شمر ملعون کو ڈال دیا، جس سے اس کا جسم پھٹ گیا۔ عبداللہ ابن کامل نے بروایت بحار الانوار، امالی شیخ صدوق الاخبار، روضۃ المجاہدین میں بیان کیا ہے کہ اس ملعون کی سزا

کے لیے زیتون کے تیل سے بھری ہوئی ایک بڑی دیگ آگ پر رکھوادی جب تیل کھولنے لگا تو اس میں ملعون کو ڈال دیا۔ جب وہ مضمحل ہو گیا تو بروایت نور الابصار اسے باہر نکال کر اس کے ناخن اکھاڑ دیئے اور اس کی کھال کھینچ لی گئی اور اس کی رگیں کاٹ دیں اور اس کے پینے کے لیے قطران (ایک سیال بدبودار مادہ) لائے جس میں نفط پڑا ہوا تھا، یہ اسے پلایا گیا جس سے آنتیں کٹ گئیں، پھر اس کی زبان کھینچ لی گئی اور جب مرنے کے قریب ہو گیا تو اس کی گردن قطع کر کے اس کے سر کو مسجد جامع کے سامنے لٹکا دیا اور جسم کو نذر آتش کر دیا گیا۔ نور العین میں ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے بوقت شہادت شمر ملعون کو ابلق کتا کہا تھا، اس کے جسم پر کتوں جیسے بوز اور سور جیسے بال تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ شمر مرنے کے بعد کتا ہو گیا تھا۔ جب حضرت مختار کے سامنے خولی ملعون کو لایا گیا اس کو دیکھتے ہی آپ نے نہایت غصہ میں فرمایا۔ ''اے ملعون تو کافر ہے یا مسلمان، اس نے کہا میں مسلمان ہوں تو آپ نے فرمایا، کربلا میں جو کچھ تو نے کیا وہ اسلام میں کب روا اور جائز ہے، اے ملعون سوچ تو سہی کہ تو نے حضرت امام حسینؑ پر بے جرم و خطا ظلم کیا اور ان کے بچوں کو اور انکی عورتوں کو اسیر کیا اور انہیں شہر بہ شہر پھرایا، ان کا سر نوک نیزہ پر بلند کیا اور رسول خدا کو رنجیدہ کیا۔

ابو مخنف نے لکھا ہے کہ جب حضرت مختار نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے خون ناحق کا انتقام لینا شروع کیا تو آپ کے پاس خولی لایا گیا اور جب یہ ملعون آپ کے سامنے کھڑا ہوا تو آپ نے اس سے پوچھا: تو نے کربلا میں کیا کیا تھا؟ خولی نے جواب دیا میں علی بن الحسینؑ کے پاس آیا اور ان کے نیچے سے چمڑے کا بستر گھسیٹ لیا، حضرت زینبؑ بنت علیؑ کا مقنعہ اور گوشوارے چھینے یہ سن کر حضرت مختار رو دیئے اور پوچھا پھر ان بی بی نے تجھ سے کیا کہا؟ خولی نے بتایا۔ حضرت زینبؑ نے فرمایا: ''خدا تیرے ہاتھ اور پیر قطع کرے اور تجھے آخرت کی آگ سے پہلے دنیا کی آگ میں جلا دے۔'' حضرت مختار نے کہا۔ ''قسم بخدا طاہرہ اور مظلومہ کی آواز پر ضرور لبیک کہوں گا، پھر حضرت مختار نے اس کے ہاتھ کاٹ دیئے اور اس کو آگ میں جلا دیا۔''

جناب ابراہیم ابن مالک اشتر کو ابن زیاد کی گرفتاری پر مامور کیا، اس سلسلے میں آپ کو ابن زیاد کے لشکر کی شدید مزاحمت کرنا پڑی، آخر کار یہ ملعون گرفتار ہوا۔ یہاں تک کہ بروایت مورخ ہروی ایک دن حضرت مختار نے فرمایا کہ ابراہیم کامیاب ہو گئے ہیں اور وہ عنقریب ابن زیاد اور دیگر روسا شام کے سر میرے پاس بھیجیں گے۔ یہ سن کر بروایت طبری لوگ کہنے لگے کہ مختار علم غیب کا مظاہرہ کرتے ہیں حالانکہ علم غیب آنحضرت کے سوا کسی کو نہیں تھا۔ کتاب طبری میں یہ بھی ہے کہ مختار نے فتح سے تین یوم قبل حضرت ابراہیم ابن مالک اشتر کی کامیابی کی خبر دی تھی۔ مورخ ہروی کا بیان ہے کہ یہ ان کی فراست تھی، ان پر کوئی وحی نازل نہیں

ہوتی تھی اور وہ لوگ جاہل ہیں جو ان کی اس قسم کی ذہنی فراست کو نزول وحی سے تعبیر کرتے ہیں۔ (روضۃ الصفا، ج ۳، صفحہ ۸۴ اور تاریخ طبری، ج ۴، صفحہ ۶۵۹)

علامہ ابن نما کا بیان ہے کہ شعبی کہتا ہے کہ میں مدائن میں حضرت مختار کے ہمراہ تھا کہ آپ حضرت ابراہیم کے حالات کی فکر میں تھے کہ عبید اللہ ابن زیاد اور اس کے لشکر کے قتل ہونے کی انہیں بشارت وصول ہوگئی، وہ اس خبر سے اس درجہ مسرور ہوئے کہ قریب تھا کہ ان کی روح جسد عنصری سے پرواز کر جائے اور اس کے بعد وہ فتح و کامرانی کی پوری مسرت کے ساتھ فوراً کوفہ کو روانہ ہوگئے۔ (ذوب النضار، صفحہ ۴۱۴، اور دمعہ ساکبہ صفحہ ۴۱۴)

نور الابصار میں مرقوم ہے کہ عبید اللہ ابن زیاد اور اس کے ساتھی ۶۷ ہجری میں دسویں محرم ہی کو قتل کیے گئے۔ حضرت مختار بن ابی عبیدہ نے ابن زیاد کی گرفتاری کے لیے لشکر بھیجا۔ حضرت ابراہیم بن مالک اشتر نے اس کو میدان جنگ میں قتل کیا اور اس ملعون کا سر امیر حضرت مختار کے پاس بھیج دیا۔ حضرت مختار نے اس کو عبد اللہ بن زبیر کے پاس بھیج دیا اور ابن زبیر نے حضرت علی بن الحسینؑ (حضرت امام زین العابدین علیہ السلام) کے پاس بھیج دیا۔ ترمذی نے روایت کی ہے کہ جب ابن زیاد کا سر لایا گیا اور مسجد میں اس کے ساتھیوں کے سروں کے ساتھ رکھا گیا تو ایک سانپ آیا اور تمام سروں سے گزرتا ہوا ابن زیاد کے سر کے پاس پہنچا اور اس کی ناک کے اندر چلا گیا اور باہر آیا۔ ابن زیاد کا سر وہیں رکھا گیا جہاں حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک رکھا گیا تھا۔

مولانا جامی کی شواہد النبوت میں یہ روایت ملتی ہے کہ ایک ثقہ راوی کا بیان ہے کہ جب عبید اللہ ابن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے سر کوفہ کی مسجد میں لائے گئے تو انہیں سرائے میں رکھا گیا۔ راوی کا بیان ہے کہ میں بھی وہاں گیا، میں نے لوگوں کی زبان سے "آ گیا، آ گیا" کے الفاظ سنے آخر ایک سانپ اس کی طرف آیا اور ان کے سروں کے درمیان بیٹھ گیا، پھر عبید اللہ ابن زیاد کی ناک میں گھس گیا اور کچھ دیر کے بعد باہر نکل کر چلا گیا، یہاں تک کہ نظروں سے غائب ہوگیا، پھر لوگوں نے "آ گیا، آ گیا" کہنا شروع کیا۔ دوسری دفعہ وہ سانپ پھر آ گیا اور جس طرح پہلے کیا تھا اس طرح اب بھی کیا۔

حضرت مختار نے عبد اللہ کامل اور ابو عمرہ حاجب کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ اب تمام کاموں پر مقدم یہ کام ہے کہ فوراً عمر سعد کے مکان پر جاؤ اور اسے گرفتار کر کے میرے پاس لاؤ تا کہ میں اسے حکومت رے نوک تلوار سے لکھ دوں کیونکہ اس نے اسی لالچ میں حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا تھا۔ حضرت مختار کے بھیجے ہوئے لوگ اس کے گھر پہنچے اور عمر سعد ملعون سے کہا: امیر تجھے بلا رہے ہیں۔ عبد اللہ کامل سے عمر

سعد نے کہا کہ اے عبداللہ میرے پاس جتنی دولت ہے مجھ سے لے لو اور مجھے مختار کے پاس نہ لے جاؤ اور کسی صورت سے مجھے کوفہ سے باہر نکال دو۔ عبداللہ نے کہا کہ یہ ناممکن ہے کہ میں کوفہ سے باہر جانے کا راستہ پیدا کروں۔ جناب عبداللہ اس کو اپنے ساتھ لائے اور دارالامارہ کے باہر کھڑا کر کے کہا کہ میں امیر سے داخلہ کی اجازت لے لوں تو تجھے دربار میں داخل کروں، یہ کہہ کر عبداللہ کامل داخل دربار ہوئے اور حضرت مختار سے کہا کہ عمر سعد ملعون کو ہم ساتھ لائے ہیں، اب جیسا آپ کا حکم ہو، اس کی تعمیل کریں۔ بروایت ابومخنف ونور الابصار حضرت مختار نے فرمایا کہ اس ملعون ازلی کو میرے سامنے پیش کرو۔ جب عمر سعد حاضر دربار کیا گیا تو حضرت مختار نے فرمایا: اے ملعون تجھے خدا اور رسولؐ سے متعلق حیا نہ آئی اور تو نے آل رسول کا بھرا گھر تباہ کر دیا، اے ملعون تو نے محض اس لالچ میں کہ تجھے دنیا میں ملک رے کی حکومت ملے گی، دین کو قتل کر دیا۔ (حضرت مختار کا یہ فرمانا کہ تو نے دین کو قتل کر دیا، برصغیر کے مایہ ناز بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نے اپنی مشہور آفاق رباعی میں اپنی عقیدت اور حق شناسی کا بھرپور اظہار فرمایا ہے۔)

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ
دیں است حسینؑ دیں پناہ است حسینؑ
سر داد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لاالٰہ است حسینؑ

حضرت مختار نے کہا: اے ملعون اب مجھے وہ اشعار سنا جو تو نے ملک رے کی حکومت اور قتل حسینؑ سے متعلق کہے ہیں۔ اس نے یہ اشعار سنانے سے بیزاری کی۔ حضرت مختار نے فرمایا کہ خدا کی قسم اگر اس وقت تو نے ان اشعار کو میرے روبرو نہ پڑھا تو میں تجھے عذاب علیم میں مبتلا کروں گا، یہ سن کر اس ملعون نے یہ اشعار پڑھے۔ جن کا اردو متن یہ ہے۔ "خدا کی قسم میں سچ کہتا ہوں کہ میں سوچ بچار اور غور و فکر کے دو راہے پر کھڑا ہوں سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں، آیا اس ملک رے کو چھوڑ دوں جس کی آرزو مجھے بے چین کر رہی ہے اور یہ مجھے دل سے محبوب ہے یا قتل حسینؑ کا بار گراں اپنے دوش پر اٹھا لوں، میں جانتا ہوں کہ ان کے قتل سے اس آگ سے دوچار ہونا پڑے گا جس کے درمیان کوئی رکاوٹ نہ ہوگی، اب رہ گیا ملک رے تو میری خنکی چشم یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، میں جانتا ہوں حوادث کی کوئی حد نہیں ہے، مجھے اپنی جان کی قسم مجھے معلوم ہے کہ حسینؑ کا قتل آتش جہنم کا پیغام ہے مجھے امید ہے کہ چاہے میں کتنے ہی عظیم ترین اور بے شمار گناہ کیوں نہ کروں، رب عرش عظیم معاف کر دے گا۔ میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ دنیا کی لذت حاضر و موجود

ہے اور آخرت کے وعدے بعد کے ہیں اور عاقل کا کام یہ ہے کہ نو نقد نہ تیرہ ادھار پر عمل کرے، لوگ کہتے ہیں کہ خداوند عالم نے بہشت اور دوزخ کو پیدا کیا ہے اور مختلف قسم کے عذاب اور آگ کی ہتھکڑی، بیڑی تیار کر رکھی ہے اگر لوگوں کا یہ سب کچھ کہنا درست ہوگا تو میں بصدق نیت سے موقع پر توبہ کرلوں گا، اگر سب اڑائی ہوئی بات ہے تو پھر کیا ہے سمجھوں گا کہ حصول دنیا میں بہت اچھی طرح کامیاب ہوگیا جس کی تمنا ہر ایک کو رہتی ہے اور جس کی زیبائش دائمی ہے۔

ان اشعار کو سن کر حضرت مختار کو بے انتہا غصہ آیا اور انہوں نے اٹھ کر اس ملعون کے منہ پر تھوک دیا اور فرمایا کہ اے ملعون خدا تجھے جہنم واصل کرے اگر تیرا اعتقاد فاسد نہ ہوتا تو، تو حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید ہی کیوں کرتا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اے ملعون یہ بتا کہ جس وقت حضرت امام حسینؑ گھوڑے سے گرم زمین پر تشریف لائے تھے اس وقت انہوں نے تجھ سے کیا فرمایا تھا۔ اس ملعون نے کہا کہ ایک مرد ثقفی کے تسلط اور میرے قتل کی خبر دی تھی۔ حضرت مختار نے فرمایا۔ اے ملعون تو اس مرد ثقفی کو پہچانتا ہے کہ وہ کون ہے۔ اس نے کہا اے امیر وہ تم ہی ہو۔ حضرت مختار نے فرمایا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور مجھے تم جیسے ظالموں پر مسلط فرمایا۔ اے ملعون تو نے کربلا میں رسول اکرمؐ، حضرت علی مرتضیٰؑ، حسن مجتبیٰؑ اور حضرت فاطمۃ الزہراؑ کو رلایا ہے اور اپنے سپہ سالاروں کی ذریعہ عین دین وایمان کا بھرا گھر تباہ کر دیا۔ اے ملعون میں تیرے ساتھ وہ کچھ کروں گا کہ تیری روح قیامت تک یاد رکھے گی۔ اس کے بعد آپ کے حکم سے آپ کے اصحاب اور آپ کے کارکنان خصوصی نے اس ملعون کے سب سے پہلے تمام کپڑے اتار دیئے اور اس کے تمام دانتوں کو توڑ دیا پھر اس لعین کی تمام انگلیاں ایک ایک گرہ کر کے کاٹ دیں، پھر جسم کے گوشت کو کاٹنے کے بعد اس ملعون کی آنکھیں نکال لیں، پھر اسے نفط (مٹی کا تیل) پلایا اور جب وہ پینے سے انکار کرتا تھا اسے نیزہ سے اذیت دی جاتی تھی۔ بالآخر اسے قتل کر کے نذر آتش کر دیا گیا۔ اسرار الشہادۃ میں ہے کہ عمر سعد قتل کے فوراً بعد بندر کی شکل میں ہوگیا تھا اور قیامت میں اسی صورت میں محشور ہوگا۔ اس طرح حضرت امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں کو گرفتار کیا جاتا رہا۔ ان لعینوں کو ان کے ظلم کی سزا دی گئی۔ بعد کربلا حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے: میرے بابا کو بھوکا پیاسا پس گردن سے ذبح کیا گیا جبکہ جانور کو ذبح کرتے وقت پانی پلاتے ہیں اور تیز دھار خنجر سے سامنے کی طرف سے ذبح کرتے ہیں تاکہ جلدی سے جان نکل جائے اور زیادہ دیر اذیت نہ ہو لیکن میرے بابا کو بھوکا پیاسا کند خنجر سے پس گردن شہید کیا گیا۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا ہمہ وقت

گریہ وزاری اور عبادت میں وقت گزرتا رہا، یہاں تک کہ وہ وقت آیا جب حضرت مختار نے قاتلان حضرت امام حسین علیہ السلام سے انتقام لینا شروع کیا۔ ایک دن حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں جب قاصد پہنچا تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا، مختار کا کیا حال ہے؟ قاصد نے بتایا، مختار آپ کے پدر بزرگوار کے دشمنوں کو چن چن کر قتل کر رہے ہیں اور مختلف قاتلوں کے نام بھی بتائے، یہ سن کر حضرت نے دریافت فرمایا۔ کیا حرملہ گرفتار ہوا؟ قاصد نے ہاتھ جوڑ کر خدمت امام میں عرض کی۔ "فرزند رسول آپ نے اس قاتل کا خاص طور پر نام لیا، آپ نے حضرت علی اکبرؑ کے قاتل کا نام نہیں لیا نہ آپ نے حضرت عباسؑ کے قاتل کا نام لیا اور نہ آپ نے اپنے پدر گرامی حضرت امام حسینؑ کے قاتل کا نام لیا، اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ نے خاص طور پر حرملہ کی بابت دریافت فرمایا؟ حضرت امام زین العابدینؑ نے فرمایا۔ افسوس کہ حرملہ نے جو تیر چلایا، فقط شیر خوار علی اصغرؑ کے گلے پر نہیں لگا بلکہ آل محمدؐ کے دلوں کو چیرتا ہوا گزر گیا۔ اس کے بعد قاصد واپس کوفہ آیا اور دربار میں اسی دن پہنچا جس دن اعلان ہوا کہ حرملہ گرفتار ہو کر آیا ہے۔ یہ سن کر اس قاصد نے کہا۔ "اللہ اکبر" جناب مختار نے کہا۔ اللہ اکبر کبریائی کے لیے ہے، مگر یہ کون سا موقع ہے کہ تم نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ اس نے کہا "اے امیر مختار میں مدینہ سے آ رہا ہوں، میرے امام نے دریافت فرمایا تھا کہ حرملہ گرفتار ہو گیا ہے؟ یہ سن کر جناب مختار کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اتنے میں قاتل سامنے آیا تو حضرت مختار نے پوچھا، حرملہ بتا تو نے کربلا میں کیا کیا ظلم کیے تھے۔ حرملہ لعین نے کہا: امیر درگزر کریں۔ جو سزا تجویز کرنی ہو کریں مگر تفصیل نہ پوچھیں۔ جناب مختار نے کہا تجھے تفصیل بتانا ہوگی۔ حرملہ نے پھر اصرار کیا، مجھے معاف کریں اس لیے کہ بہت بڑا ظلم ہوا ہے۔ اس پر جناب مختار نے کہا ہم وہ سب کچھ سننا چاہتے ہیں۔ حرملہ نے کہا امیر! میرے ترکش میں سات تیر تھے ان میں چار تیر نشانے پر نہ لگے، تین تیر نشانے پر لگے، ان میں سے پہلا تیر مشک سکینہؑ پر دوسرا تیر حسین بن علیؑ کے سینے پر اس وقت لگا جب آپ پشت ذوالجناح پر سنبھلنے کے قابل نہ تھے۔ یہ کہہ کر اس ملعون نے سر جھکا لیا۔ جناب مختار نے پوچھا، تیسرے تیر کے بارے میں بھی بتا۔ حرملہ لعین نے کہا: امیر اس کے بارے میں دریافت نہ کریں۔ جناب مختار نے اصرار کیا تو اس ملعون نے کہا: حسینؑ ایک چھوٹے سے بچے کو لے کر میدان میں آئے اور بچے کے لیے لشکر سے پانی طلب کر رہے تھے کہ عمر سعد نے کہا کہ اقطع کلام الحسین "حسینؑ کے کلام کو قطع کر دے۔" حرملہ کہتا ہے میں نے بچے کو تیر مارا۔ جناب مختار نے پوچھا پھر کیا ہوا؟ حرملہ ملعون نے کہا۔ بچہ باپ کے ہاتھوں پر منقلب ہو گیا۔

بحار الانوار، شواہد النبوت، روضۃ الاحباب اور مجالس المومنین میں اس واقعہ سے متعلق منہال سے

روایت ہے کہ میں مکہ سے واپسی پر علی بن الحسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھ سے پوچھا۔ ''اے منہال حرملہ کی کیا خبر ہے۔ میں نے کہا: اس کو کوفہ میں میں نے زندہ چھوڑا تھا۔ یہ سن کر حضرتؑ نے اپنے ہاتھ بلند کیے اور فرمایا: اے خدا تو حرملہ کو لوہے اور آگ کی گرمی کا مزہ چکھا۔'' منہال کہتے ہیں پھر میں کوفہ واپس آیا، اس وقت جناب مختار وہاں کے حاکم تھے اور میرے ان سے دوستانہ تعلقات تھے، میں کچھ دنوں تک اپنے گھر میں رہا۔ جب لوگوں کا آنا جانا بند ہوا تو میں ایک دن جناب مختار سے ملنے کے لیے چلا تو وہ گھر سے نکلے ہی تھے کہ میری ملاقات ہوگئی اور انہوں نے مجھ سے کہا۔ ''اے منہال تم ہماری حکومت کے زمانے میں ہمارے پاس نہیں آئے اور نہ ہم کو مبارک باد دی اور نہ ہمارے کاموں میں حصہ لیا۔'' میں نے جواب دیا کہ میں مکہ میں تھا اور ابھی آیا ہوں۔ پھر میں امیر مختار کے ساتھ چلا اور ہم دونوں آپس میں باتیں کرنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ کچھ لوگوں کے پاس پہنچے اور ایک جگہ کھڑے ہو کر کسی کا انتظار کرنے لگے، اتنے میں ان کو حرملہ بن کاہل کی گرفتاری کی خبر ملی۔ تھوڑی دیر بعد حرملہ لایا گیا، جب امیر مختار نے اسے دیکھا تو کہا۔ ''خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھ کو تیرے اوپر قابو دیا۔'' پھر جلاد کو بلایا اور حکم دیا اس کے ہاتھ کاٹے جائیں۔ لہٰذا اس ملعون کے دونوں ہاتھ کاٹ دیے گئے، پھر آگ منگائی گئی اور حرملہ کو اس میں ڈال دیا گیا اور یہ ملعون آگ میں جل گیا۔ منہال کہتے ہیں میں نے سبحان اللہ کہا تو امیر مختار نے کہا: اے منہال تسبیح پڑھنا تو بہر حال بہتر ہے لیکن اس وقت تم نے سبحان اللہ کیوں کہا۔ میں نے جواب دیا۔ اے امیر جب میں اس سفر میں مکہ سے واپس آ رہا تھا تو حضرت امام زین العابدینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے حرملہ کے متعلق پوچھا، میں نے کہا: میں تو اسے کوفہ میں زندہ چھوڑ کر آیا ہوں۔ اس وقت آپ نے اپنا ہاتھ بلند کیا اور فرمایا: ''اے اللہ تو حرملہ کو لوہے اور آگ کا مزہ چکھا۔'' منہال نے جناب مختار سے کہا میں نے سبحان اللہ اس وجہ سے کہا کہ امام کی تمنا کا کس قدر جلد اثر ہوا۔ جناب مختار نے کہا: منہال کیا تم نے علی بن الحسینؑ کو یہ کہتے ہوئے سنا؟ منہال نے کہا ہاں بخدا میں نے اسی طرح سنا۔ امیر مختار اس وقت گھوڑے سے اترے اور دو رکعت نماز پڑھی اور دیر تک سجدہ میں رہے، پھر سوار ہو کر روانہ ہوئے اس وقت تک حرملہ جل کر راکھ ہو گیا تھا۔

انوار الشہادۃ، تحفہ حسینیہ، ابصار العین اور اسرار الشہادۃ میں حرملہ کے انجام سے متعلق مرقوم ہے کہ یہ ملعون ابھی واقعہ کربلا کے کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ راوی کہتا ہے میں نے اس ملعون کو نہایت بدصورت اور بدہیت تارکول کی طرح سیاہ دیکھ کر پوچھا کہ اے ملعون اس دن جب کہ تو نے اپنے گھوڑے کی گردن میں سر مبارک

حضرت عباس کو لٹکایا تھا تو اتنا حسین اور خوب صورت تھا کہ عرب میں تیری نظیر دشوار تھی، آخراب تجھے کیا ہو گیا ہے تو اتنا سیاہ رو ہو گیا ہے کہ پہچانا نہیں جاتا، وہ کون سی بات ہے جس نے تجھے اتنا سیاہ کر ڈالا ہے۔ یہ سن کر وہ ملعون بے ساختہ چیخ مار کر رو یا اور کہنے لگا کہ ہائے اپنا واقعہ کس زبان سے دہراؤں، اس واقعہ کے بعد سے کوئی رات آرام و چین سے نہیں گزری، جب میں سوتا ہوں تو دو آدمی آتے ہیں اور مجھے دھکیلتے ہوئے جہنم کی طرف لے جاتے ہیں اور اس میں ڈال دیتے ہیں اور میں رات بھر چلایا کرتا ہوں اور صبح ظاہر ہوتے ہی مجھے رہا کر دیتے ہیں۔ یہ سلسلہ اس وقت سے جاری ہے جب سے واقعہ کربلا پیش آیا اور یہی اس سیاہی کا سبب ہے۔

سبط جوزی کا بیان ہے کہ جس شخص نے کوفہ سے شام جاتے ہوئے حضرتؑ کا سرانور کپڑے میں باندھ کر گھوڑے کی گردن میں لٹکایا تھا اس کا منہ نہایت مکروہ اور کالا ہو گیا تھا۔ لوگوں نے اس سے دریافت کیا کہ تو بہت خوبصورت تھا۔ یہ تجھے کیا ہو گیا، تو اس لعین نے بتایا کہ جس دن میں نے حضرتؑ کے سر کو گھوڑے کی گردن میں لٹکایا تھا اس دن سے مصیبت میں مبتلا ہوں، دو آدمی رات کو آتے ہیں اور بھڑکتی ہوئی آگ میں لے جا کر دھکیل دیتے ہیں۔ میرا سر جھکتا ہے اور آگ چہرہ جھلسا دیتی ہے اور اس عذاب میں مبتلا ہوں۔ حرملہ ملعون کے گناہوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ اس نے اہل بیتؑ کے ساتھ ظلم کی انتہا کر دی تھی۔ اس ملعون نے حضرت امام حسینؑ کے کم سن فرزند جناب عبداللہ کے ہاتھ حضرت امام حسین علیہ السلام کی آغوش میں کاٹے تھے اور اسی نے تیر مار کر ان کو شہید کیا تھا۔ یہی ملعون حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کو نیزے پر بلند کر کے کوفہ لے گیا تھا۔ آپؑ کا سر مبارک نوک نیزہ پر سورہ کہف کی تلاوت کر رہا تھا۔ یہی وہ حرملہ ملعون تھا جس نے حضرت علی اصغرؑ کے گلوئے خشک پر تیر سہ شعبہ مار کر معصوم شیر خوار کے گلے کو نحر کیا تھا، یہی وہ ملعون تھا جس نے صاحبان عصمت و طہارت بیبیوں کے خیموں میں کہرام برپا کیا اور آل رسول کو خون کے آنسو رلائے۔

قاسم بن اصبغ نباتہ بیان کرتا ہے کہ قبیلہ بنی ابان بن درام کے ایک شخص کو جسے میں پہلے سے پہچانتا تھا جو بہت خوبصورت اور گورا تھا۔ جب چند روز بعد اسے دیکھا تو اس کا چہرہ نہایت سیاہ تھا، تو مجھے بہت تعجب ہوا اور اس سے دریافت کیا کہ کیا سبب ہے جو تیرا رنگ سیاہ ہو گیا ہے، پہلے تو تیرا رنگ بہت صاف تھا، اب تیرا رنگ سیاہ کیوں ہے۔ اس نے کہا کیا بتاؤں کربلا میں یوم عاشور میں نے ایک جوان رعنا کو جو بہت خوبصورت تھا جس کی پیشانی پر سجدہ کا نشان تھا، اسے قتل کیا، بس جب سے ہر روز خواب دیکھتا ہوں، وہ میرے پاس آتا ہے اور میرا گلا پکڑ کر کھینچتا ہوا جہنم میں لے جاتا ہے اور میں سوتے میں اس قدر چیختا ہوں کہ میرا سارا قبیلہ

جاگ جاتا ہے۔ قاسم بن بنانہ کا بیان ہے کہ جب یہ خبر مشہور ہوئی تو اس کے ہمسائے کی ایک عورت نے اس کی بیوی سے دریافت کیا کہ یہ معاملہ کیا ہے اور کس نے تیرے شوہر کو مارا ہے، اس نے کہا: جب خود اس نے اپنا قصہ لوگوں کو بتا دیا تو اب بتانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اے ہمسائی اس شخص نے جناب عباسؑ بن علیؑ کو قتل کیا ہے۔ یہ ان کا قاتل ہے۔

علامہ احسان تہرانی تحریر فرماتے ہیں کہ عبداللہ اہوازی کہتا ہے کہ میں ایک دن بازار سے گزر رہا تھا کہ میری نظر ایک ایسے شخص پر پڑی کہ جس کا چہرہ متغیر تھا اور زبان خشک تھی اور منہ سے باہر نکلی ہوئی تھی، وہ عصا کے سہارے چل رہا تھا اور بھیک مانگ رہا تھا۔ میں نے جیسے ہی اسے اس حال میں دیکھا میرا بدن لرز گیا، میں اس کے قریب گیا اور پوچھا تو کہاں کا رہنے والا ہے اور تیرا تعلق کس قبیلے سے ہے۔ اس نے میری طرف توجہ کیے بغیر اپنی راہ لی۔ میں اس کے قریب گیا اور قسم دے کر پوچھا کہ اپنا حال تو بتا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ اس نے کہا میرا حال مت پوچھو اور مجھے اپنی راہ جانے دو۔ میں نے کہا میں ہرگز حال سنے بغیر نہ رہوں گا۔ میں چاہتا ہوں تم مجھے حال سے آگاہ کرو۔ اس نے کہا اگر تم نہیں مانتے تو پھر مجھے کچھ کھلاؤ، میں سخت بھوکا ہوں، اس کے بعد میں تمہیں اپنی غم بھری داستان سناؤں گا۔ میں اسے اپنے گھر لے گیا اور اسے اچھی طرح کھانا کھلایا۔ جب اسے سکون ملا تو اس نے اپنی داستان بیان کرنا شروع کی۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ تم عمر بن سعد کو جانتے ہو۔ میں نے کہا، ہاں جانتا ہوں۔ پھر میں نے کہا تیرا اس ملعون سے کیا تعلق ہے۔ اس نے کہا کہ واقعہ کربلا میں، میں اس کا جھنڈا بردار تھا اور میرا نام اسحٰق بن حویہ ہے۔ اس کے یہ کہنے پر اس کے منہ سے تارکول کی بو آنے لگی۔ پھر اس نے بتایا کہ رزم گاہ کربلا میں عمر سعد نے مجھے نہر فرات پر تعینات کیا تھا اور مجھے حکم دیا تھا کہ امام حسینؑ کے لشکر میں کسی صورت پانی نہ پہنچے۔ چنانچہ میں اس کے حکم کی تعمیل میں ہمہ تن متوجہ ہو گیا اور شب و روز پوری بیداری کے ساتھ امام حسینؑ تک پانی پہنچنے سے روکتا رہا۔ یہاں تک کہ میں نے اپنے لشکر والوں کو نہر فرات پر بلا اجازت جانے سے روک دیا تھا کیونکہ اس بات کا شبہ تھا کہ کہیں ہم میں کوئی شخص خفیہ طور پر امام حسینؑ تک پانی نہ پہنچا دے۔

ایک شب کا واقعہ ہے کہ میں بہت پوشیدہ طریقے سے امام حسینؑ کے ایک خیمہ تک پہنچا تا کہ ان کے ارادے معلوم کروں۔ میں چھپا بیٹھا تھا کہ حضرت امام حسینؑ اور حضرت عباسؑ کی گفتگو میں نے سنی۔ میں نے محسوس کیا کہ دونوں بھائی موجودہ حالات سے بے حد متاثر ہیں۔ حضرت عباسؑ نے حضرت امام حسینؑ سے کہا مجھے اب اطفال میں پیاس کی شدت دیکھی نہیں جاتی اور نہ ان کے پر درد نالے سنے جاتے ہیں۔

میرے آقا میں اب تک دو کنوئیں کھود چکا ہوں لیکن پانی دستیاب نہیں ہو سکا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ عباسؑ اگر تم ان انسانی صورت درندوں کے پاس جا کر پانی طلب کرو تو کیا ممکن ہے کہ وہ پانی دیں۔ حضرت عباسؑ نے عرض کی مولا کئی بار ایسا بھی ہو چکا ہے جتنی بار گیا ہوں تیر و شمشیر کے سوا کوئی جواب نہیں ملا۔ یہ سنکر حضرت امام حسین علیہ السلام بے حد متاثر ہوئے اور بے ساختہ رو دیے۔ حضرت عباسؑ نے عرض کی مولا میں صبح ایک بار پھر کوشش کروں گا۔ یہ سنکر حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان کو دعائے خیر دی۔

اے عبداللہ! میں یہ باتیں پس پردہ سن کر اپنی جگہ واپس آ گیا اور تمام واقعہ عمر بن سعد سے بیان کیا۔ اس کے بعد بہت سے مددگاروں کو جمع کر کے اس وقت کا انتظار کرنے لگا جب حضرت عباسؑ کی آمد کی توقع تھی۔ اے عبداللہ جب کارزار کربلا شروع ہوا تو وہ وقت آیا جب عباس بن علیؑ حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس سے روانہ ہو کر طلب آب کے لیے نہر فرات کی طرف آئے، اس وقت آپ شیر غضبناک کی طرح تھے۔ آپ کے نہر پر پہنچتے ہی سارے لشکر نے ان پر یک بارگی حملہ کر دیا۔ تیر بارانی کرنے والوں نے تیر چلائے، نیزہ باز نیزہ مارنے کی سعی کرتے رہے۔ لیکن آپ نہایت بہادر تھے، ہمت پست نہ ہوئی اور برابر آگے بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ لشکر کو درہم برہم کر کے نہر فرات تک جا پہنچے اور مشکیزہ دریا سے بھر کر برآمد ہوئے اور حملوں کا جواب دینے لگے۔ اے عبداللہ وہ اس بہادری سے مقابلہ کر رہے تھے کہ ہم سب حیران تھے۔ لشکر چاروں طرف سے حملہ آور تھا اور آپ مسلسل آگے بڑھ رہے تھے۔ ہمارے لشکر کے ایک ازدی شخص نے جو کمین گاہ میں چھپا تھا ایک ایسا وار کیا کہ ان کا دایاں بازو کٹ کر زمین پر گر گیا۔ اس وقت آپ نے نہایت تیزی کے ساتھ مشک و علم کو بائیں ہاتھ سے سنبھالا۔ اے عبداللہ ہماری پوری کوشش تھی کہ پانی خیمہ حسین تک نہ پہنچنے پائے۔ ناگاہ مجھے موقع مل گیا اور میں نے تیر کا ایک ایسا وار کیا کہ مشکیزہ چھد گیا۔ اس کے بعد ان پر ایسا وار کیا کہ بائیاں ہاتھ کٹ گیا اور ایک شخص نے بڑھ کر گرز آہنی سے ان کے سر کو شگافتہ کر دیا۔ اس لعین سے جب عبداللہ اہوازی نے پورے واقعہ کی تفصیل سنی تو وہ کہتے ہیں کہ میں اس قدر رنجیدہ خاطر ہوا کہ اپنے اوپر اختیار نہ رہا اور باہر آیا اور ایک دوسرے دروازے سے شمشیر برہنہ لے کر داخل ہوا۔ اس نے جب میرے ہاتھ میں شمشیر دیکھی تو کہنے لگا کہ مہمان کے ساتھ کیا یہ سلوک مناسب ہے۔ میں نے کہا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام بھی تو مہمان تھے۔ آپ کو تم لوگوں نے بلایا تھا۔ پھر آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا، کیا وہ مناسب تھا جو تم لوگوں نے مہمان بلا کر کیا تھا۔ اس کے بعد میں نے کہا کہ قتل کے علاوہ اگر کوئی اور سزا ممکن ہوتی تو میں تجھے وہی سزا دیتا۔ یہ کہہ کر میں نے تلوار سے اس کا سر اڑا دیا اور اپنے ساتھیوں کی مدد سے اس کی

لاش نذر آتش کر کے اس کی خاک ہوا میں اڑا دی۔

سنان بن انس ملعون نے کربلا میں بے حد ظلم ڈھائے تھے۔ اس ملعون نے ایک کمر بند کے لیے حضرت امام حسین علیہ السلام کے دست مبارک کو توڑا تھا، جب حضرت مختار کے اہلکار اس کی تلاش میں تھے تو یہ ملعون بھاگ کر بصرہ کی طرف چلا گیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد قادسیہ فرار ہو گیا۔ آخر کار حضرت مختار کے لشکر نے اسے غدیب اور قادسیہ کے درمیان سے گرفتار کر لیا اور حضرت مختار کی خدمت میں حاضر کیا۔ بحار الانوار اور نور الابصار کے مطابق سنان بن انس بصرہ کی طرف بھاگا لیکن اس کا گھر گرا دیا گیا، پھر وہ بصرہ سے نکل کر قادسیہ کی طرف چلا، وہاں حضرت مختار کے جاسوس موجود تھے، انہوں نے حضرت مختار کو اس کی خبر دی وہ غدیب اور قادسیہ کے درمیان گرفتار کر لیا گیا۔

جب حضرت مختار کے دربار میں اس کی پیشی ہوئی تو آپ نے بروایت ابی مخنف اس سے پوچھا کہ اے ملعون بیان کر کہ تو نے کربلا میں کیا کیا ظلم ڈھائے تھے۔ اس ملعون نے بتایا کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام زمین پر گرے تو ان کا کمر بند حاصل کرنے کے لیے گیا، میں نے جونہی چاہا کہ اسے کھول لوں تو آپ نے کمر بند پر ہاتھ رکھ دیا، اسی طرح کئی بار کوشش کی لیکن آپ نے ہاتھ نہ ہٹایا۔ بالآخر میں نے ان کے ہاتھ کو توڑ دیا اور کمر بند نکال لیا۔ ابو اسحٰق اسفرائنی کا بیان ہے کہ اس ملعون نے کربلا کی لوٹ مار میں حضرت امام حسینؑ کی زرہ اور انگوٹھی لی تھی۔ یہ سننا تھا کہ حضرت ابراہیم بن مالک اشتر جو حضرت مختار کے قریب ہی بیٹھے تھے ڈھاڑیں مار کر رونے لگے، ان کے رونے سے دربار میں کہرام برپا ہو گیا۔

حضرت مختار نے پوچھا۔ اے ملعون تو نے کیا کیا۔ تو اس نے بتایا۔ اے امیر میں نے ان کے قتل کے بعد فخر و مباہات کرتا تھا۔ یہ سن کر حضرت مختار نے ایک آہ کھینچی اور بے پناہ گریہ کرنا شروع کر دیا اور گلوگیر آواز میں فرمایا کہ اے ملعون فرزند رسولؐ اور جگر گوشہ بتولؑ نے تیرا کیا بگاڑا تھا جو تو نے ان کے ساتھ وہ ظلم کیا جو کافروں کے ساتھ بھی روا نہیں رکھا جاتا۔ بحار الانوار اور نور الابصار کے مطابق پہلے اس ملعون کی انگلی کاٹی گئی، پھر اس کے ہاتھ پیر کاٹے گئے اس کے بعد دیگ میں روغن زیتون گرم کیا گیا اور اس لعین کو اس میں ڈال دیا گیا۔

ایک ملعون جس نے حضرت کی شان میں گستاخی کی تھی۔ وہ فوراً جل گیا۔ ایک لعین نے کربلا میں حضرت امام حسینؑ کی شان میں گستاخی کی تو ایک ستارہ آسمان سے ٹوٹ کر آیا اور اس کو اندھا کر دیا۔ الغرض دشمنان حضرت امام حسینؑ اپنے انجام کو پہنچتے رہے۔ ایک طرف ان لعینوں کو مختلف بیماریاں اور پریشانیاں لاحق تھیں، دوسری صورت ان لعینوں کے ساتھ یہ تھی کہ حضرت مختار کے حامی و مددگار قاتلان حضرت امام

حسینؑ کی تلاش میں مصروف عمل تھے۔

صواعق محرقہ کے مطابق ایک جگہ لوگ تبصرہ کر رہے تھے کہ جس شخص نے بھی حضرت امام حسین علیہ السلام پر ظلم کیا اور اس ظلم میں شریک ہوا وہ مصیبت میں مبتلا ہوا۔ ایک شخص نے کہا۔ یہ بات غلط ہے۔ میں نے بھی حضرت کیخلاف جنگ میں حصہ لیا لیکن مجھے کچھ نہیں ہوا۔ اسی رات جب وہ چراغ کی لو درست کرنے لگا تو آگ نے اسے اپنی لپیٹ میں لیا، یہ آگ آگ کا شور کرتا رہا اور جسم مثل کوئلہ کے سیاہ ہو گیا اور یہ واصل جہنم ہو گیا۔

زہری سے روایت ہے کہ قاتلان حضرت امام حسین علیہ السلام میں کوئی مارا گیا، کوئی اندھا ہو کر مرا کسی کا منہ سیاہ ہو گیا اور قاتلان حسینؑ کی صورتیں مسخ ہو گئیں۔ واقدی کا بیان ہے کہ ایک شخص کے جناب رسول خداؐ خواب میں آئے، آپؐ نے آستینیں چڑھائی ہوئی تھیں اور آپ کے ہاتھ میں تلوار تھی اور دس قاتلان حسینؑ آپ کے سامنے ذبح کیے ہوئے پڑے تھے۔ آپ نے غضبناک ہو کر فرمایا، تو نے میرے بیٹے حسینؑ کے قاتلوں کی تعداد کیوں بڑھائی اور ایک خون کی سلائی میری آنکھوں میں پھیر دی۔ جب میں بیدار ہوا تو اندھا ہو چکا تھا۔

مولانا عبدالرحمٰن جامی شواہد النبوت میں تحریر فرماتے ہیں۔ سعید بن جبیر نے عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضورؐ کو وحی ہوئی کہ ہم نے حضرت یحیٰؑ کے قتل کے بدلے میں ستر ہزار افراد کو ہلاک کیا اور آپ کے فرزند کے بدلے دوگنا افراد کو ہلاک کریں گے۔ یہ بات بصحت ثابت ہو چکی ہے کہ قاتلان حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں میں سے کوئی ایسا شخص نہ رہا جو موت سے پہلے ذلیل نہ ہوا ہو۔ وہ سب کے سب قتل ہوئے یا کثرت مصائب میں گرفتار ہوئے۔

قاتلان حضرت امام حسینؑ کو قدرت نے آگاہ کر دیا تھا کہ صرف دنیا ہی میں نہیں بلکہ آخرت میں بھی ان کا انجام بدترین ہوگا اور شفاعت سے محروم ہوں گے۔ جعفر ابن نما اور علامہ باقر مجلسی علیہ الرحمہ نے لکھا کہ نظری نے سلیمان اعمش سے روایت کی ہے کہ میں ایک دن ایام حج میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ اچانک میں نے ایک شخص کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا: خداوند مجھے بخش دے جبکہ میں جانتا ہوں کہ تو مجھے نہیں بخشے گا۔ میں نے اس سے مایوسی کا سبب پوچھا تو اس نے کہا میں ان چالیس لوگوں میں سے ہوں جو سر مبارک سید الشہداء نوک نیزہ پر لیے ہوئے یزید کی طرف جا رہے تھے، جب ہم کربلا سے کوچ کر کے پہلی منزل پر پہنچے تو ایک نصرانی کے دیر میں اترے۔ جب ہم سب کھانا کھانے میں مصروف تھے تو ایک ہاتھ ظاہر ہوا، اس ہاتھ میں لوہے کا قلم تھا اس نے خون سے دیوار پر یہ شعر لکھا۔ ''امت کے جن لوگوں نے حسینؑ کو قتل کیا، وہ کیا حسینؑ کے جد سے روز قیامت شفاعت کی امید رکھتے ہیں؟'' یہ ملعون کہتا ہے کہ ہم سب اس منظر کو دیکھ کر

بہت خائف ہوئے اور جب ہم نے چاہا اس ہاتھ کو پکڑیں تو یہ غائب ہو گیا۔

تبرکات لوٹنے والوں کا انجام

مقتل لہوف، مقتل ابی مخنف اور صواعق محرقہ کے مطابق حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کو تن سے جدا کرنے کے بعد لعین درندے حضرت کے لاش مبارک کی بے حرمتی کرنے اور تبرکات لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ اخنس بن مرشد ملعون نے عمامہ، اسحٰق بن جویہ حضرمی نے پیرہن، ابجر بن کعب تیمی نے زیر لباس، اسود بن خالد نے نالین، عبداللہ ابن اسید نے کلاہ، قیس بن اشعث نے پٹکا، بجدل بن سلیم کلبی نے انگشتری، جمیع بن خلق اودی نے تلوار۔ سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ ایک قول کے مطابق تلوار قبیلہ بنی تمیم کا ایک آدمی لے گیا جس کو اسود بن حنظلہ کہتے تھے۔ روایت ابی سعد میں ہے کہ حضرت کی تلوار فلافس نھشلی لے گیا اور محمد بن ذکریا اس روایت کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ وہ تلوار اس کے بعد حبیب بن بدیل کی بیٹی کو ملی۔ ظلم کی انتہا یہ کی کہ جمال ملعون نے کمر بند کے حصول کے لیے ہاتھ جسم سے جدا کیا اور بجدل لعین نے انگشتری کے حصول کے لیے حضرتؑ کی انگلی کاٹی۔ خدا لعنت کرے ان لعینوں پر کہ بعد شہادت بھی نواسہ رسولؐ اور جگر گوشہ بتولؑ وامیر المومنینؑ پر اس قدر ظلم روا رکھا جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ ان ظالموں کو نہ دنیا میں سکون میسر آیا اور آخرت میں ان کے لیے عذاب عظیم ہے۔ مقتل لہوف کے مطابق حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر اقدس جب شمر لعین نے کند خنجر سے حضرتؑ کے تن سے جدا کر دیا تو اس کے بعد لشکر ابن سعد حضرت کے تبرکات لوٹنے میں مصروف ہو گیا۔ آپ کے جسم اطہر پر جو پیرہن تھا۔ وہ اسحٰق بن جویہ حضرمی آپ کے جسم سے اتار کر لے گیا اور جب اس ملعون نے اسے پہنا تو برص کی بیماری میں مبتلا ہوا اور اس کے بدن کے تمام بال گر گئے۔ آپ کا لباس زیریں بحر بن کعب تیمی لے گیا۔ اس کے بعد اس کی دونوں ٹانگیں مفلوج ہو گئیں اور ساری عمر چلنے پھرنے سے معذور ہو گیا۔ حضرت کا عمامہ اخنس بن مرشد بن علقمہ ملعون لے گیا اور بعض کتب میں ہے جس ملعون نے حضرت کا عمامہ لیا اس کا نام جابر بن یزید اودی تھا، جب اس ملعون نے حضرت کا عمامہ سر پر باندھا تو پاگل ہو گیا۔ حضرت کی نالین اسود بن خالد ملعون لے گیا جسے عبرتناک موت آئی۔ حضرت کی انگشتری بجدل بن سلیم کلبی لے گیا۔ اس ملعون نے اس انگشتری کی خاطر حضرت کی انگلی کو ہاتھ سے قطع کیا۔ اس لعین کو جب حضرت مختار نے گرفتار کیا تو اس کے دونوں ہاتھ پاؤں کاٹ کر چھوڑ دیا۔ وہ اسی حالت میں ہلاک ہوا۔ صاحبان مقاتل نے لکھا ہے کہ جس لعین نے بھی حضرت کو اذیت پہنچائی اور آپ کے تبرکات لوٹے اس کا انجام

عبرتناک ہوا۔ شواہد النبوت میں مرقوم ہے کہ شمر ملعون کو حضرت امام حسین علیہ السلام کے سامان سے کچھ سونا ملا جس میں سے اس نے کچھ اپنی لڑکی کو دے دیا۔ اس کی لڑکی نے یہ سونا ایک زرگر کو دیا تا کہ وہ اس کے کچھ زیور بنا دے۔ جب زرگر نے یہ سونا آگ میں ڈالا تو وہ راکھ ہو گیا۔ اس باب کے آخر میں شواہد النبوت میں یہ روایت مرقوم ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے چند اونٹ جو بچ گئے تھے انہیں ظالموں نے ذبح کر دیا اور اس کے کباب بنائے تو ان کا ذائقہ اس قدر تلخ تھا کہ کسی کو یہ کھانے کی ہمت نہ ہوئی۔۔

مرگ یزید

مرگ یزید ملعون کے بارے میں یہ روایت ہے کہ یہ ملعون شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کے بعد چند روز زندہ رہا۔ یزید ملعون کی موت کے بارے میں ابو مخنف نے لکھا ہے کہ ایک دن یزید ایک ہزار سواروں اور دس غلاموں کے ساتھ جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتے تھے۔ یہ سب اس کے کنبہ، اولاد اور مال کے محافظ شمار کیے جاتے تھے، شکار کو نکلا تھا کہ اسے دور ایک ہرن نظر آیا، اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کوئی میرے پیچھے نہ آئے، ہرن دوڑتا ہوا کافی دور نکل گیا اور یزید اس کے پیچھے گھوڑا دوڑاتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک خوفناک جنگل میں پہنچ گیا۔ لیکن ہرن کہیں نظر نہ آیا۔ یزید پر پیاس کا غلبہ ہوا لیکن کہیں پانی میسر نہ ہوا۔ اچانک ایک اعرابی نظر آیا۔ اس سے یزید نے کہا میں یزید بن معاویہ ہوں، مجھے تھوڑا سا پانی دے دو۔ اس شخص نے کہا۔ اے دشمن خدا تو حسینؑ کا قاتل ہے۔ یہ کہہ کر وہ شخص یزید پر جھپٹا تا کہ اس کو قتل کر دے۔ اسی اثنا یزید کا گھوڑا بدک کر بھاگا اور یزید کو نیچے گرا دیا۔ یزید کا ایک پاؤں رکاب میں پھنس گیا اور گھوڑے نے تیزی میں بھاگنا شروع کیا اور یزید لعین کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور جہنم واصل ہوا۔

کافی انتظار کے بعد اس کے دس محافظ خاص تلاش میں نکلے۔ کافی تلاش کے بعد انہیں یزید کا گھوڑا ملا جس کی رکاب میں یزید کی ٹانگ لٹک رہی تھی۔ یہ دیکھ کر یزید کے سارے ہمراہی روتے پیٹتے دمشق واپس چلے گئے۔ علامہ حسام الواعظ کا بیان ہے کہ یزید کتے کی شکل میں مسخ ہو گیا تھا۔

حضرت عباس علمدارؑ کے بھائی

برادران جناب عباس علمدار علیہ السلام میں حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا سے نوجوانان جنت کے سردار حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ ہیں۔ جناب فاطمہؑ کے بطن میں جناب محسن جو دنیا میں

تشریف لانے سے قبل شکم مادر میں شہید ہوئے جس کی تفصیل سید ابن طاؤس اور دیگر کتب میں موجود ہے۔

حضرت اُم البنین گرامی قدر سے جناب عباس علیہ السلام کے برادران اعلیٰ شرف جناب عبداللہ، جناب عثمان اور جناب جعفر ہیں۔

مقتل عوالم اور تحفۂ حسینیہ کے مطابق حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے فرزند کا نام عثمان رکھ کر فرمایا۔ ''میں نے اس کا نام عثمان اپنے قوت بازو، عثمان ابن مظعون کے نام پر اس لیے رکھا ہے تا کہ ان کی یاد تازہ رہے۔ آپ نے فرزند کا نام جعفر اپنے بھائی جعفر ابن ابی طالبؑ کے نام پر رکھا تا کہ ان سے محبت کا ثبوت دیں۔ حضرت علی علیہ السلام، حضرت جعفر طیار سے بہت محبت فرماتے تھے اور ان سے بہت قریب تھے۔ (ابصار العین)

حضرت امام حسن علیہ السلام کی ولادت ۱۵ ررمضان المبارک ۳ رہجری کی شب مدینہ منورہ میں ہوئی۔ روضۃ الصفاء، طبری، تاریخ مروج الذہب مسعودی، مقاتل الطالبین، ابوالفداء، حبیب السیر اور استعیاب کے مطابق حاکم شام نے روم سے ایک زبردست اثر انگیز زہر منگوا کر مروان کے ذریعے جعدہ بنت اشعث کے پاس بھیجا جعدہ نے یہ زہر پانی میں ملا کر حضرت امام حسن علیہ السلام کو دیا جس کے سبب آپ کی شہادت ہوئی۔ شواہد النبوت میں علامہ نور الدین جامی لکھتے ہیں۔ ''عام لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کو معاویہ بن ابی سفیان کے کہنے پر آپ کی بیوی جعدہ نے زہر دیا۔'' آپ کو ماہ صفر کی ۲۸ رتاریخ کی شب زہر دیا گیا۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر مبارک ۴۷ ربرس تھی۔ معارج النبوت کے مطابق حضرت امام حسنؑ کو آخری عمر میں تین مرتبہ زہر دیا گیا۔ تیسری مرتبہ زہر کا اثر ہوا۔ ماہ صفر کی ۲۸ رتاریخ ۴۸ رہجری میں جنت الفردوس میں کوچ فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک ۴۷ ربرس چند ماہ تھی۔

مالی السبطین، بحار الانوار اور صافی کے مطابق حضرت امام حسینؑ کی ولادت باسعادت ۳ رشعبان ۴ رہجری شب بروز جمعۃ المبارک، بمقام مدینہ منورہ ہوئی۔ آپ کی شہادت ماہ محرم ۶۱ رہجری روز عاشورہ میدان کربلا میں تین دن کی بھوک و پیاس کے عالم میں ہوئی۔ جب آپ گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے تو جسم اطہر تیروں سے چھلنی تھا اور تلواروں اور نیزوں سے جسم پاش پاش تھا۔ شمر لعین نے ظلم کی انتہا کر دی کہ بوسہ گاہ نبیؐ کے سینۂ اطہر پر سوار ہو کر کند خنجر سے آپ کا سر انور تن اطہر سے جدا کیا۔ سر اطہر کو نیزہ پر بلند کیا جو سورہ کہف کی تلاوت میں مصروف رہا۔ صاحبان عصمت وطہارت کے خیموں میں آگ لگائی، مال و اسباب لوٹا گیا، بیبیوں کو قید کیا گیا اور بازار کوفہ و شام میں بے مقنعہ و چادر پھرایا گیا۔ آخر وہ وقت قریب آیا جب اہل بیت اطہار پر ظلم و ستم کرنے والے اپنے انجام کو پہنچے۔ جس کا ذکر پچھلے صفحات پر تفصیل سے کیا جا چکا ہے۔

برادران حضرت عباس علیہ السلام میں حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے بعد آپ کے تین اور برادر عزیز کے متعلق مستند روایات ہیں۔ حضرت جعفر کی ولادت ۳۲ ہجری، جناب عبداللہ کی ولادت ۳۶ ہجری اور جناب عثمان کی ولادت ۴۰ ہجری میں ہوئی۔ حضرت عباس علمدار کے یہ تین بھائی میدان کربلا میں نہایت بہادری سے جنگ کرتے ہوئے شہادت سے سرفراز ہوئے۔ جناب عبداللہ وجعفر کو ہانی بن ثبیت حضرمی نے شہید کیا اور جناب عثمان کی طرف خولی بن یزید اصحی نے تیر چلایا جس سے آپ کی شہادت ہوئی۔ شہادت کے بعد ابان بن دارم کے ایک شقی نے سر قلم کر دیا۔

ابوالفرج نے جناب عبداللہ بن حسنؑ اور عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ بوقت شہادت جناب عبداللہ بن علی کی عمر ۲۵ برس تھی۔ بروایت ابصار العین، علامہ مجلسی، صاحب ناسخ، شیخ محمد بن شیخ طاہر سماوی نجفی اور ابوالفرح اصفہانی جناب عثمان بن علی کی عمر بوقت شہادت ۲۱ برس تھی۔ ابوالفرح نے عبداللہ بن حسن اور عبداللہ بن عثمان سے روایت کی ہے کہ بوقت شہادت جناب جعفر بن علی کی عمر ۱۹ سال تھی۔

خواہران جناب ابوالفضل العباسؑ

طبری کے مطابق مورخین نے حضرت ابوالفضل العباسؑ کی اٹھارہ بہنوں کا تذکرہ کیا ہے۔ مناقب سروی کے مطابق ان میں زینب صغریٰ، جمامہ، امامہ، ام سلمہ اور رملہ صغریٰ حیات امیر المومنینؑ میں انتقال کر چکی تھیں۔ جناب زینب سلام اللہ علیہا اور جناب ام کلثوم سلام اللہ علیہا جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کے بطن سے تھیں۔ آپ عصمت کبریٰ جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی آغوش اور سید الاوصیاء حضرت امیر المومنینؑ کے سایہ پدری میں پروان چڑھیں۔ آپ نے اسی چشمہ حیات سے غذا حاصل کی جس سے حضرت حسنین علیہما السلام سیراب ہوئے تھے۔

جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کو خداوند عالم نے اس علم وفراست سے سرفراز فرمایا تھا جس تک غیراز خاصان خدا کی رسائی ممکن نہیں۔ الطراز المذہب، احتجاج طبری اور الاحرج کے مطابق حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ ''بحمد اللہ جناب زینب سلام اللہ علیہا عالمہ غیر معلمہ ہیں اور ایسی دانا ہیں جسے کسی نے پڑھایا نہیں۔'' یہ ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کے خطبوں کا اثر تھا جس نے یزیدی تخت کی چولیں ہلا کر یزید کے تکبر کو خاک میں ملا دیا اور اس ملعون کے گلے میں لعنت کا طوق ڈال دیا۔

حضرت عباس علمدار کی دوسری صاحب عصمت وطہارت بہن جناب ام کلثوم تھیں جو کربلا میں پیکر

صبر و رضا تھیں۔ آپ کی جرأت کو سلام ہو کہ دربار یزید میں جب آپ نے خطبہ دیا تو یزید خوف زدہ ہو گیا۔

ابومخنف نے لکھا ہے کہ جب یزید ملعون نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے قتل کا حکم دیا تو تمام بیبیاں ان سے لپٹ کر رونے لگیں اور فریاد کی۔ اس وقت حضرت اُم کلثوم سلام اللہ علیہا بہت زیادہ مضطرب ہوئیں اور یزید سے مخاطب ہوئیں۔ ''اے لعین تو نے ہمارے خون ناحق سے زمین کو رنگین کیا، اب سوائے علی بن الحسینؑ کے ہمارا کوئی اور باقی نہ رہا، افسوس ہمارے مرد قتل ہوئے۔ اے یزید! تو نے مردوں میں سب کو شہید کر دیا اور ہم عورتوں کو قید کر دیا، پھر بھی تیری عداوت کم نہ ہوئی، اب ہمیں بھی قتل کرنا چاہتا ہے۔ اے آسمانوں کے جبار قہار اور اے زمین بطحا کے بچھانے والے خدا فریاد ہے۔ جب یزید نے اس خطبہ کے اثر سے بھرے دربار میں آہ و فریاد کی آوازیں سنیں تو خوف زدہ ہو گیا کہ اس غم والم کے اثر سے لوگ اہل بیت کی حمایت میں اٹھ نہ کھڑے ہوں، لہٰذا قتل حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے باز رہا۔

بعد واقعہ کربلا جناب ام کلثوم سلام اللہ علیہا جناب زینب سلام اللہ علیہا کے غم میں برابر کی شریک تھیں۔ آپ جناب زینب کی خدمت میں ہمہ وقت حاضر رہتیں۔ سینکڑوں غم اٹھانے کے باوجود دونوں بہنیں حضرت امام زین العابدین کو ترجیح دیتیں۔ واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب ام کلثوم نہایت حساس طبیعت تھیں۔

حضرت عباسؑ کی اولاد و نسل

جناب عباس علمدار علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کا اسم گرامی لبابہ تھا، جو دختر نیک اختر تھیں۔ جناب عبیداللہ ابن عباس بن عبدالمطلب کی۔ جناب عباس علیہ السلام کے تین فرزند تھے، جناب فضل، جناب قاسم اور جناب عبیداللہ۔ جناب فضل کا اسم گرامی بعض مورخین نے محمد تحریر کیا ہے۔ (ابن شہر آشوب) علامہ قزوینی تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت عباس بن حضرت امیر المومنینؑ کے تین فرزند تھے۔ (ریاض القدس)

جناب عباس علیہ السلام کی شہادت کے بعد آپ کی اولاد میں صرف جناب عبیداللہ حیات تھے۔ ان کے علاوہ جناب عباسؑ کی والدہ جناب ام البنینؑ حیات تھیں۔ لہٰذا یہی دونوں آپ کی میراث کے وارث قرار پائے۔ علامہ عبدالرزاق موسوی تحریر فرماتے ہیں کہ تمام علمائے انساب کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عباسؑ کی نسل صرف جناب عبیداللہ ابن عباسؑ سے بڑھی۔ جناب عبیداللہ کا شمار جلیل القدر علماء میں کیا جاتا تھا۔ آپ حسن و جمال اور علم و ادب میں بے مثال تھے۔ زجرۃ الدارین، مہدی کے مطابق جناب عبیداللہ کی وفات ۱۵۵ / ہجری میں ہوئی۔ آپ کے بعد آپ کے فرزند جناب حسن سے نسل چلی۔ آپؑ نے ۶۷ / سال عمر

پائی۔ آپ کے پانچ فرزند تھے۔ جناب فضل، حمزہ، ابراہیم، عباس اور عبیداللہ یہ تمام صاحب شرف علماء وفصیح البیان تھے۔ جناب حسن کا ۶۷ رسال کی عمر میں انتقال ہوا۔ جناب عباسؑ کی نسل میں ہر فرد صاحب علم و فراست نظر آتا ہے۔ آپ کی نسل کے متعلق صاحب عمدۃ الطالب تحریر فرماتے ہیں کہ "آپ کی نسل مکہ، مدینہ، بصرہ، کوفہ، مصر، قم، سمرقند، طبرستان، اردن، حائر، دمیاط، یمن، شیراز، آمل، آذربائیجان، جوجان اور مغرب میں پائی جاتی ہے۔ آپ کی اولاد کو میرے نزدیک "سید علوی" کہنا چاہیے۔"

جناب فضل اپنے بھائیوں میں نہایت فصیح، متکلم، حاضر جواب، صاحب تقویٰ اور شجاع تھے۔ آپ کو ابن الہاشب کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔

جناب فضل کے تین فرزند تھے، جناب جعفر، عباس اکبر اور محمد یہ سب صاحب اولاد تھے اور یہ تمام حضرات اپنے وقت کے عالم وادیب تھے۔ ان میں سے ایک کا نام ابوالعباس فضل بن محمد بن حسن بن عبیداللہ بن عباس تھا۔ یہ بہت بڑے خطیب وشاعر اور سخنور تھے۔ آپ کی اولاد قم اور طبرستان میں زیادہ ہے۔ آپ نے اپنے جدنامدار حضرت عباس علیہ السلام کی شان فضیلت میں اشعار لکھے۔ جناب محمد کے فرزند ابوالعباس فضل تھے۔ جناب محمد کا ایک مجموعہ کلام ہے جس میں جناب عباس علمدار علیہ السلام کی مدح ومنقبت فرمائی ہے۔

حمزہ بن حسن بن عبیداللہ بن عباس علیہ السلام اپنے دادا حضرت علی علیہ السلام سے بہت مشابہ تھے۔ جناب حمزہ کی شادی زینب بنت الحسینؑ بن علی بن عبداللہ بن جعفر طیارؓ سے ہوئی۔ عبداللہ بن جعفر طیار کے فرزند علی اپنے کو زینب بنت علیؑ کی طرف منسوب کر کے زینبی کہتے ہیں۔ جناب حمزہ بن حسن بن عبیداللہ بن عباس علیہ السلام کے ایک پوتے محمد بن علی بن حمزہ بھی تھے جو اعلیٰ شخصیت کے حامل اور نہایت عمدہ شاعر تھے۔ آپ کی بصرہ میں سکونت تھی۔ آپ نہایت ثقہ راوی تھے۔ آپ نے حضرت امام رضا علیہ السلام اور آئمہ اطہارؑ کی روایات نقل کیں۔ عمدۃ الطالب کے مطابق آپ کا انتقال ۲۸۶ ہجری میں ہوا۔

جناب حمزہ بن حسن بن عبیداللہ بن عباس علمدارؑ کے ایک پوتے تھے، جن کا اسم گرامی ابویعلی حمزہ بن قاسم بن علی بن حمزہ بن حسن بن عبیداللہ ابن عباس علیہ السلام بن امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام تھا۔ آپ کے سلسلہ نسب کی یہی ترتیب علامہ نجاشی نے رجال نجاشی، خلاصہ میں، جناب شہید ثانی نے حاشیہ خلاصہ میں ابوعلی حائری نے منتہی المقال میں شیخ نوری نے جنۃ الماویٰ میں، علامہ مامقانی نے تنقیح المقال میں، شیخ عباس قمی نے سفینۃ البحار میں، سید حسوف برمی نے سامسہ النخبۃ العصریہ میں قرار دی ہے۔ جملہ علماء و صاحبان انساب نے آپ کی وثاقت اور جلالت قدر پر اتفاق کیا ہے اور انہیں طائف علویہ کا چشم وچراغ تسلیم

کیا ہے۔ آپ علوم کے عظیم مدارج پر فائز و متمکن تھے۔ آپ نے لاتعداد احادیث کو اپنے آباؤ اجداد سے روایت کیا۔ آپ کے پاس صاحبان علم و فراست کی آمد کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ علماء و فقہا آپ کے پاس احادیث اور روایات کے حصول کے غرض سے آتے تھے۔ ان علماء میں شیخ الثقہ سعد بن عبداللہ اشعری، محمد بن سہل بن زادویہ القمی، الحسن بن متیل، علی بن عبداللہ، ابن یحییٰ اری، ابوالحسن، علی بن جنید الرازی اور ان کے بلند پایہ عم عزیز ابو عبداللہ محمد بن حمزہ بن حسن بن عبیداللہ بن عباسؑ شامل تھے۔ یہ بات واضح رہے کہ جناب حمزہ کی مرقد اطہر سے لاتعداد کرامات کا ظہور جاری رہا۔ یہ آپ کی بلندی و سرفرازی کے لیے کافی ہے کہ آپ نے آئمہ اطہارؑ کی احادیث کو اخذ روایات کرتے ہوئے محفوظ کیا۔

جناب ابراہیم بن حسن بن عبیداللہ ابن عباس بن علی ابی طالبؑ یہ حرقہ لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ نہایت زاہد و متقی تھے۔ آپ کے ایک فرزند تھے جن کا اسم گرامی علی بن ابراہیم تھا جو اپنے عصر کے فیاض، صاحب حشمت و جلالت اور بڑی عزت و جاہ کے مالک تھے۔ عمدۃ الطالب کے مطابق آپ کا انتقال ۲۶۴ر ہجری میں ہوا۔ آپ کے ۱۹ر فرزند تھے۔ جن میں عبداللہ بن علی بن ابراہیم زیادہ مشہور ہوئے۔ جناب عبداللہ نے پہلے بغداد میں قیام کیا پھر مصر گئے اور وہیں سکونت اختیار کی۔ مصر میں آپ پر تبلیغ کا در بند کر دیا گیا اور احادیث کے بیان پر پابندی لگائی گئی، بعد میں یہ پابندی ختم ہوئی تو آپ نے سلسلہ تبلیغ شروع فرمایا۔ آپ کے پاس ایک بڑا علمی ذخیرہ تھا۔ جسے آپ نے ایک کتب خانہ میں محفوظ فرمایا۔ اس کتب خانے کا نام جعفریہ تھا۔ آپ نے مصر میں ۳۱۲ر ہجری میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ جناب علی بن ابراہیم کے پوتوں میں خلیفہ ابوالحسن علی بن یحییٰ بن علی بن ابراہیم بن حسن بن عبیداللہ ابن عباس بن علی بن ابی طالبؑ تھے۔ آپ ابو عبداللہ بن داعی علی النقابتہ بغداد کے خلیفہ تھے۔

جناب عباس علیہ السلام کی اولاد و نسل کے بارے میں سید عبدالرزاق موسوی المقرم اعلی اللہ مقامہ نے اپنی تالیف صحیفہ وفا میں نہایت تفصیل سے تحریر فرمایا ہے۔ کہ جناب ابوالفضل العباس علیہ السلام کے چار فرزند اور ایک لڑکی تھی۔ جناب عبداللہ، فضل، حسن اور قاسم۔ لیکن ابن آشوب نے شہدائے کربلا میں محمد نام کے ایک شہید کو بھی آپ کا فرزند تحریر کیا ہے۔ جناب عبداللہ و فضل کی والدہ گرامی جناب لبابہ تھیں جو جناب عبدالمطلب کی پرپوتی تھیں۔ علمائے نسب کا اتفاق ہے کہ جناب ابوالفضل العباس علیہ السلام کی نسل جناب عبیداللہ سے باقی رہی۔ شیخ فتونی کے خیال میں جناب عباس علمدار کی نسل جناب حسن سے بھی چلی۔ جناب عبیداللہ جلیل القدر علماء میں شمار ہوتے ہیں، حسن و جمال میں آپ کی کوئی مثال نہیں تھی۔ آپ کی تین بیویاں

تھیں، جناب رقیہ دختر حضرت امام حسنؑ، دختر معبد بن عبد اللہ بن عبد المطلب اور دختر میسور بن مخرمہ۔ حضرت امام زین العابدینؑ کے نزدیک جناب عبید اللہ کی بڑی اہمیت تھی۔ جب آپ انہیں دیکھتے تو گریہ فرماتے۔ جب لوگ آپ سے گریہ کا سبب پوچھتے تو آپ فرماتے۔ ''کربلا میں حضرت عباس علمدار کے کارنامے یاد آجاتے ہیں اور آنکھوں سے اشک رواں ہوتے ہیں۔''

ذخیرۃ الدارین مہدی کے مطابق جناب عبید اللہ کی وفات ۱۵۵ ہجری میں ہوئی۔ آپ کے بعد آپ کے فرزند جناب حسن سے نسل چلی۔ آپ نے ۶۷ سال عمر پائی۔ آپ کے فرزند جناب فضل، ابراہیم، عباس، عبید اللہ، یہ تمام جلیل القدر علماء و ادیب تھے۔ جناب فضل اپنے بھائیوں میں نہایت فصیح الکلام، متکلم، حاضر جواب، صاحب تقویٰ اور شجاع تھے۔ عمدۃ الطالب کے مطابق خلفاء آپ کو عظمت کی نظر سے دیکھتے تھے اور ''ابن الہاشمیہ'' کے لقب سے یاد کرتے۔ جناب فضل کے تین فرزند تھے، حضرت جعفر، عباس اکبر اور محمد یہ سب صاحب اولاد تھے اور اپنے وقت کے ادیب تھے۔

جناب محمد کے فرزند جناب ابوالعباس فضل تھے جو اعلیٰ شاعر و سخنور تھے۔ آپ کی اولادیں قم اور طبرستان میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان کا ایک شعری مجموعہ ہے جس میں علمدار کربلا کی مدح و توصیف بیان فرمائی ہے۔

جناب حمزہ اپنے جد اعلیٰ حضرت امیر المومنین ابن ابی طالبؑ سے مشابہ تھے۔ آپ کی شادی جناب زینب بنت حسینؑ سے ہوئی جو جناب جعفر طیار کے پوتے تھے۔ محمد بن علی جناب حمزہ کے پوتے تھے جو اپنے وقت کے معروف شاعر تھے۔ آپ کا قیام بصرہ میں تھا۔ آپ نے حضرت امام رضا علیہ السلام اور آئمہ علیہم السلام سے روایات نقل کیں۔ عمدۃ الطالب کے مطابق آپ کا انتقال ۲۸۶ ہجری میں ہوا۔ جناب ابراہیم اپنے وقت کے عابد و زاہد اور ادیب تھے۔ جناب علی نہایت سخی و فیاض تھے۔ آپ نہایت حشمت و جلالت کے مالک تھے۔ آپ کے انیس فرزند تھے۔ آپ نے ۲۶۴ ہجری میں وفات پائی۔ جناب ابوالحسن علی جرقہ بغداد میں ابی عبد اللہ بن داعی کی جگہ نقیب علوین قرار پائے۔ جناب عبد اللہ بغداد آئے اور وہاں سے مصر میں سکونت اختیار کی۔ مصر میں احادیث کے بیان سے اجتناب کیا لیکن کچھ عرصہ بعد یہ سلسلہ جاری رہا۔ آپ کی کتب کے مجموعہ کو ''جعفریہ'' کہا جاتا تھا جو شیعہ فقہ پر مشتمل تھا۔ آپ نے ۳۱۲ ہجری میں مصر میں وفات پائی۔

''صاحب سر السلسلہ'' تحریر فرماتے ہیں کہ جناب عباس بن حسن سے زیادہ بنی ہاشم میں کوئی صاف گو، حاضر جواب اور جری نہ تھا۔ آپ کی جلالت و فضل و ادب کے سبب ہارون رشید آپ کو کنیت سے مخاطب کرتا

تھا۔ جناب عباس کے دس فرزند تھے۔ جناب عبداللہ، جناب عباس کے فرزند تھے۔ آپ کی والدہ کا نام افطسیہ تھا۔ جناب عبداللہ شعروسخن میں معروف تھے۔ آپ کا شمار ادباء میں کیا جاتا تھا۔ جناب ابوطیب، آپ بہت زیادہ بامروت تھے۔ اپنے عزیز واقرباء کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آتے تھے۔ اس صفت کی وجہ سے بہت زیادہ ہردلعزیز تھے اور بلند منزلت پر فائز تھے۔ اردن کے علاقے طربیہ میں آپ کی کافی جائیداد تھی، طنج بن جف خرغانی نے آپ کو حسد کی وجہ سے اپنی سپاہ کے ذریعے قتل کیا، یہ حادثہ ۲۹۱ ہجری میں رونما ہوا۔ عمدۃ الطالب کے مطابق شعراء نے آپ کی وفات پر مرثیے کہے اور سوگ نامے تحریر کیے۔

بنوشہید معلوم نہیں کہ بنوشہید ابوطیب محمد کے بیٹے ہیں یا پوتے، صاحب مجم تحریر فرماتے ہیں کہ آپ شاعر تھے اور آپ کو اپنے بزرگوں کے کارناموں پر فخر تھا۔ متوکل اور اسکے بعد تک زندہ رہے، الغدیر میں علامہ امینی نے شعرائے غدیر میں آپ کا ذکر کیا ہے۔ جناب عبیداللہ کے لیے محمد بن یوسف جعفری کا بیان ہے کہ ہیبت و حشمت و مروت میں ان جیسا انسان نہیں دیکھا۔ طبری کے مطابق زمانہ مامون میں مدینہ ومکہ کے متولی اور شہروں کے قاضی بھی رہے۔ تاریخ بغداد کے مطابق مامون کے زمانہ میں آپ نے بغداد میں وفات پائی۔

جناب علی: آپ کی اولاد دمیاط میں ساکن ہوئی اور بنوہارون کے نام سے مشہور ہوئی اور جوفسا میں آباد ہوئی، جیسے بنوہدہد کہا جانے لگا۔

جناب حسن: آپ جناب علی کے بھائی تھے۔ آپکے فرزند عبداللہ تھے۔ جناب عبداللہ کے گیارہ بیٹے تھے۔

قاسم: جناب عبداللہ کے بیٹے تھے، جو مکہ ومدینہ کے حاکم وقاضی تھے۔ آپ مدینہ منورہ میں صاحب الرائے اور متکلم شمار کیے جاتے تھے۔ فرزندان علی وجعفر کہا جاتا ہے۔ حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے فرزند ہیں۔ عمدۃ الطالب کے مطابق جناب قاسم حضرت امام عسکریؑ کے اصحاب میں شمار ہوتے تھے۔ جناب ابوالفضل العباس علیہ السلام کی پاکیزہ نسل ہر دور میں صاحبان فضل وکمال رہی، ان حضرات میں اپنے بزرگوں کے اخلاق حمیدہ اور اوصاف حسنہ پائے جاتے تھے۔ ہمیشہ آثار سیاست وشرافت ظاہر رہے ان حضرات کے رگ وپے میں علم وعمل عزت نفس آشکار تھی۔

جناب حمزہ: ابویعلی حمزہ سید جلیل القدر شخصیت چھ واسطوں سے آپ کا نسب ابوالفضل العباس علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ میرزا محمد علی اردوبادی نے آپ کی حیات وکارناموں پر ایک کتاب تالیف فرمائی جس میں تحریر ہے۔ ''ابویعلی علمائے اہل بیتؑ میں سے ہیں۔ خاندان وحی اور بوستان ہاشم کے نمایاں فرد ہیں، آپ کا شمار مشائخ روایت میں ہوتا ہے۔ آپ علماء واعلام کے لیے علوم آل محمد کا مرجع تھے، جن علمی شخصیتوں نے

آپ سے استفادہ کیا ان میں حسب ذیل ہیں۔

ابو محمد ہارون بن موسیٰ تلعکبری جن کا شمار بزرگ علمائے شیعہ میں ہوتا ہے۔ آپ نے ۳۸۵ ہجری میں میں رحلت فرمائی، حسین بن ہاشم مودب، علی بن احمد بن محمد عمران دقاق اور حسین بن ہاشم یہ دونوں مشائخ شیخ صدوق ابن بابویہ قمی ہیں۔ علی بن محمد قلانسی عبداللہ عضائری جو علم رجال کے ماہر تھے ان کے مشائخ میں ہیں۔ ابو عبداللہ حسین بن علی خزازقمی کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ جناب حمزہ زمانہ مرحوم کلبی میں تھے۔ تیسری صدی کے اواخر اور چوتھی صدی کے اوائل تک حیات رہے، اسی لیے آغا بزرگ تہرانی نے اپنی کتاب ''نابغۃ الرواۃ فی رابعۃ المئات'' میں جناب حمزہ کی بہت توصیف بیان کی ہے۔ جناب حمزہ کے علمی آثار میں، کتاب التوحید، کتاب الزیارات، المناسک، کتاب الرد علی محمد بن جعفر اسدی اور من روی عن جعفر بن محمد ہے۔ نجاشی و علامہ نے ان کتابوں کی بہت تعریف کی ہے۔ آغا بزرگ تہرانی نے جناب حمزہ کو علماء رجال میں شمار کرتے ہوئے اپنی کتاب ''رجال مصفی المقال فی مصنفی علماء رجال میں ذکر کیا ہے۔ نجاشی کی کتابوں کی اسناد ابن عضائری کے ذریعہ قلانسی تک منتہی ہوتی ہیں اور قلانسی سے جناب حمزہ تک پہنچتی ہیں۔ متقدمین و متاخرین سبھی علماء نے جناب حمزہ کو موثق و معتبر قرار دیا ہے۔ خصوصاً نجاشی، علامہ مجلسی، مامقانی اور شیخ عباس قمی وغیرہ تحریر فرماتے ہیں۔ جناب حمزہ علمائے اہل بیت علیہم السلام کے نمایاں فرد ہیں۔ تمام خصوصیات اور اطوار اور خصلتیں ان کی ذات میں مضمر تھیں۔ آپ کسی کی توثیق و تائید کے محتاج نہ تھے۔ بے شمار احادیث کا نقل فرمانا آپ کی بزرگی و منزلت کے لیے کافی ہے۔ جناب حمزہ شجرہ طیبہ رسالتؐ کے فرد تھے، دوسری طرف احادیث آئمہ طاہرینؑ کے مستند راوی تھے۔ جناب حمزہ کے مشائخ روایات کی ایک فہرست ہے جو رجال و احادیث کی کتب سے کافی جستجو کے بعد فراہم کی گئی ہے۔ مثلاً رجال شیخ، فہرست نجاشی، کمال الدین شیخ صدوق، سعد بن عبداللہ اشعری، حسن بن مثل، محمد بن بن سہال بن زارویہ قمی، علی بن عبد بن یحییٰ، جعفر بن مالک فراری کوفی، ابوالحسن علی بن جنید رازی وغیرہ۔ ان مشائخ میں سے سب سے زیادہ جناب حمزہ نے استفادہ حاصل کیا ہے وہ آپ کے چچازاد بھائی ابو عبیدہ ہیں۔ ابو عبیدہ مذکورہ آل محمدؐ کے نزدیک نمایاں مقام رکھتے تھے۔ جس وقت حکومت وقت کو یہ خبر ملی کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے فرزند ظلم و جور کا خاتمہ کر دیں گے تو حکومت کے جاسوس حضرت امام عصر علیہ السلام کے بیت الشرف میں آپ کی والدہ ماجدہ کی تلاش میں داخل ہوئے۔ جناب ابو عبیدہ نے جناب نرجس خاتون کو اپنے گھر میں پوشیدہ رکھا تا کہ دشمنوں کے شر سے محفوظ رہیں۔ (فہرست نجاشی) اس واقعہ سے یہ

بات واضح ہوتی ہے کہ جس گھر میں حضرت امام عصرؑ کی آمد و رفت ہوگی وہ گھر کس قدر عزت و شرف کا حامل ہوگا۔ حضرت امام عصر علیہ السلام سے جناب ابوعبیدہ کے گہرے روابط کے بعد ان کی بزرگی کے لیے اب کسی تائید کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ جناب ابوعبیدہ جناب حمزہ کے مشائخ میں ہیں۔ لہٰذا جناب حمزہ کے لیے بھی کسی توثیق کی ضرورت نہیں۔ ابن عنبہ نے اپنی کتاب ''عمدہ'' میں لکھا ہے کہ ابوعبیدہ نے بصرہ میں سکونت اختیار کی۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام اور دوسرے آئمہ طاہرین سے روایتیں نقل کیں۔ ابو عبیدہ نے بصرہ سے باہر بھی روایات آئمہ طاہرین علیہم السلام نقل فرمائیں۔ آپ عالم و فاضل اور عوام الناس میں نہایت قابل احترام شخصیت کے پروردہ تھے۔ نجاشی کا بیان ہے کہ ابوعبیدہ نے حضرت امام علی نقی علیہ السلام اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے بھی حدیثیں نقل کیں اور معصومینؑ سے مکاتبات بھی لیے تھے اور ایک کتاب بھی تالیف کی تھی، جس کا نام مقاتل الطالبین تھا، جو ابوالفرج اصفہانی سے علیحدہ تھی۔ جناب حمزہ کا مقبرہ حلہ میں آج بھی ''قریہ حمزہ'' میں مومنین کے لیے زیارت گاہ ہے۔ آپ کے حرم میں کرامات کا ظہور ہوتا ہے اور دردمندوں کی حاجات مستجاب ہوتی ہیں۔

اصولِ زیارت جناب عباسؑ

حضرت عباس علمدار علیہ السلام کی عظمت و فضائل اور معجزات کے پیش نظر آپ کے حرم میں حاضری خوشنودی خدا اور تقرب آئمہ کا سبب ہے۔ لازم ہے کہ جس طرح صاحبان عصمت و طہارتؑ کی قبر مطہر کا بوسہ لیا جاتا ہے۔ اسی طرح جناب عباس علمدار علیہ السلام کی قبر اطہر کا بوسہ لیا جائے۔ مزار البحار میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ ''حضرت امام حسینؑ کی زیارت سے فراغت کے بعد زائر کے لیے لازم ہے کہ وہ حضرت عباسؑ کے روضہ مبارک پر جائے اور خود کو مرقد اقدس پر گرا دے اور اسے بوسہ دے، پھر عرض کرے: اے دین خدا کے مددگار! اے میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، اے علی ابن ابی طالب کے فرزند آپ پر میرا سلام ہو، اے حسینؑ مظلوم کے مددگار! آپ پر میرا سلام ہو، اے عباسؑ ابن علیؑ آپ پر میری طرف سے سلام اس وقت تک پہنچتا رہے جب تک میرے جسم میں سانس کا وجود ہے۔''

آپ کے روضہ انور پر حاضری عقیدہ کی پختگی کا سبب ہے۔ علامہ شیخ مفید علیہ الرحمہ، ابن طاؤس اور ابن مشہدی نے جناب عباسؑ کی زیارت کے باب میں تحریر فرمایا ہے کہ روضہ انور کے حرم میں داخل ہونے

سے قبل دعائے اذن پڑھے اور قبر مطہر پر اپنے آپ کو گرا دے، پھر کہے ''السلام علیک ایھا العبد الصالح ''کتاب قرب بنی ہاشم اور فرحۃ الغری ابن طاؤس میں تحریر ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اے علی! اللہ نے اپنے نیک بندوں کے دلوں میں تم لوگوں کی محبت اس طرح رکھی ہے کہ وہ تمہاری طرف کھنچتے ہیں اور تمہاری خاطر ہر قسم کی تکالیف واذیت برداشت کرتے ہیں اور جب دل بھر آتا ہے تو قبروں کی زیارت کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ بار بار زیارت کریں۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہو۔ اے علیؑ! یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے میری شفاعت مخصوص ہوگی، یہی حوض کوثر پر پہنچیں گے اور جنت میں میری زیارت سے سرفراز ہوں گے، اے علیؑ! جو شخص تمہاری قبروں کی تعمیر میں حصہ لے وہ بالکل ایسا ہے جیسے اس نے بیت المقدس کی تعمیر میں حضرت سلیمانؑ کی مدد کی۔ اس حدیث کی روشنی میں زیارت آئمہ اطہار اور فرزند بوتراب شہنشاہ وفا جناب عباس علمدار علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل کرنا صاحبان مودت کے لیے باعث شرف وافتخار ہے۔ اسرار الشہادۃ کی روایت کے مطابق سلیم بن ظبیان سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ ''جب تم قبر حضرت امام حسینؑ پر پہنچو تو کہو صلی اللہ علیک یا ابا عبداللہ اگر یہ کہہ دیا تو تم نے پوری زیارت کرلی۔''

محدث نوری اور شیخ مرتضیٰ انصاری نے تحریر فرمایا کہ معصوم کی تعلیم کردہ زیارتوں میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کرنا مستحب ہے۔ مفاتیح از کامل الزیارات میں زیارت کے یہ الفاظ مرقوم ہیں۔ ''اے فرزند امیر المومنینؑ! آپ پر اللہ، ملائکہ مقربین، انبیاء ومرسلین وبندگان صالح، تمام شہدا اور صدیقین کے پاک وپاکیزہ سلام صبح وشام پہنچیں، اے فرزند! امیر المومنینؑ! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے اپنے کو فرزند رسولؐ کے سپرد کر دیا تھا ان کی امانت کی تصدیق فرمائی وفاداری اور خیر خواہی کا مظاہرہ کیا۔ آپ نے اس حسینؑ کی حمایت کی جو رسول اکرمؐ کے فرزند ونواسہ، رہنمائے عالم، وصی رسول مبلغ خدا اور مظلوم وستم رسیدہ ہیں۔ خدا آپ کو رسول اکرمؐ، امیر المومنینؑ اور حضرت امام حسینؑ کی طرف سے بہترین اجر اس صبر وشکیبائی اور نصرت کے عوض میں عنایت فرمائے، جس کا آپ نے کربلا میں مظاہرہ فرمایا تھا، خانہ آخرت بہترین گھر ہے۔ خدا لعنت کرے ان لوگوں پر جنہوں نے آپ کو شہید کیا، آپ کے حق کو ضائع کیا اور آپ کے احترام کو پامال کیا اور آپ کے اور فرات کے درمیان حائل ہوئے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ مظلوم شہید کیے گئے اور خدا نے شہداء کے لیے جو وعدے کیے ہیں وہ اسے پورا کرے گا۔ اے فرزند امیر المومنینؑ! میں آپ کی زیارت کے

لیے آیا ہوں اور آپ کے حضور پیش ہوں۔ میرا قلب آپ کی عظمتوں کا معترف ہے اور آپ کے فرمان کا تابع ہے۔ میں آپ کا پیرو اور میری نصرت آپ کے لیے ہمہ وقت حاضر ہے، یہاں تک کہ خدا اپنا حکم صادر فرمائے، میں ہمہ جہت آپ کے ساتھ ہوں، آپ کے دشمنوں کے ساتھ نہیں۔ آپ کا اور آپ کی رجعت کا معتقد ہوں اور جو آپ کا قاتل و مخالف ہے اس سے بیزار ہوں، خدا ان لوگوں کو ہلاک کرے جنہوں نے دست و زبان سے آپ کو ایذا پہنچائی۔

جناب عباس علمدار علیہ السلام کے حرم مطہر میں داخل ہونے کے بعد ضریح سے اپنے کو مس کرے اور ان الفاظ سے سلام کرے، سلام ہو آپ پر اے عبد صالح، خدا اور رسول، امیر المومنینؑ اور حضرت حسنینؑ کے مطیع، صلواۃ اللہ و سلامہ علیہم آپ پر اور آپ کی روح و بدن پر اللہ کی رحمت و برکت و مغفرت ہو اس کی رضا آپ کے ہمراہ ہو، میں خدا کو گواہ قرار دیتے ہوئے گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے اسی درجہ شہادت کو پایا جسے شہدائے بدر یا دوسرے راہ خدا میں جہاد کرنے والوں نے پایا، یہ سارے شہداء دین الٰہی کے خیر خواہ ہیں جنہوں نے دشمنان خدا سے بھرپور جنگ کی، خدا کے دوستوں کی مدد کی، محبان خدا کا دفاع کیا اللہ ان کو بہتر اور کامل جزا مرحمت فرمائے، جنہوں نے اپنے عہد کو پورا کیا اور امام کی دعوت پر لبیک کہا اور اپنے ولی امر کی پیروی کی، میں گواہی دیتا ہوں، اے ابو الفضلؑ آپ نے ظالموں کو نصیحت میں بھرپور کوشش فرمائی راہ دین میں حق المقدور کوشش فرمائی۔ اس سلام کے آخر میں یہ دعا کرے، خدا ہمیں آپ، رسول خداؐ کی اور اپنے اولیاء کی معیت میں جنت میں وہ منزل عطا فرمائے جو اہل خشوع و خضوع کے لیے ہے۔ بے شک تو ارحم الراحمین ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے جناب عباس علیہ السلام کی زیارت کے متعلق دریافت فرمایا کہ آپ کی قبر مطہر پر کیا کہنا چاہیے؟ آپ نے فرمایا: جب ہمارے وفادار چچا کی قبر پر پہنچو تو قبر اطہر کے پاس کھڑے ہو جاؤ اور ان کلمات سے سلام کرو۔

السلام علیک ایھا الولی الصالح الناصح الصدیق اشھد انک امنت باللہ و نصرت ابن رسول اللہ و دعوت الی سبیل اللہ و واسیت بنفسک وبذات مجھجتک فعلیک من اللہ السلام التام۔" اے ولی صالح اور خیر خواہ صدیق! آپ پر سلام ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ پر ایمان رکھتے تھے اور آپ نے فرزند رسول کی مدد کی اور آپ نے اللہ کے راستے کی دعوت دی اور آپ نے اپنی جان دے کر ہمدردی کی مثال قائم کی۔ آپؑ نے اپنی جان قربان کی۔ اللہ کی طرف سے آپ پر کامل سلام ہو۔"

علامہ مجلسی لکھتے ہیں۔ حضرت عباسؑ کے زائر کو پہلے در سقیفہ کے پاس کھڑا ہونا چاہیے اور یہاں داخلہ

حرم کی دعا پڑھے۔ اس کے بعد حرم میں وارد ہو اور اپنے کو قبر مطہر پر گرا دے اور حضرت کی زیارت پڑھے۔ السلام علیک ایھا العبد الصالح۔ نماز و دعا کے بعد پائے اطہر کی طرف جائے اور وہاں یہ زیارت پڑھے۔ جس کی ابتدا ان الفاظ سے ہے۔ السلام علیک یا ابا الفضل العباسؑ۔

زیارت علمدار کربلا کے بعد زائر دو رکعت نماز ادا کرے۔ روایت میں اس کی تاکید وارد ہوئی ہے۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ زیارت کے بعد بالائے سر دو رکعت نماز ادا کرو اور نماز کے بعد جو چاہو دعا منگو۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابو حمزہ ثمالی کو تاکید فرمائی تھی کہ جب زیارت تمام کر لو تو جتنی چاہو نمازیں پڑھو لیکن دو رکعت نماز زیارت ہر صاحب قبر کی زیارت کے بعد حتمی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ''زیارت حضرت امام حسین کے بعد ضریح جناب عباس بن علیؑ کے پاس جانا اور سلام کرنا اور پھر اپنے کو قبر مطہر پر گرا دینا اور اس کا بوسہ لینا اور اس وقت یہ کہنا چاہیے۔ بابی و امی یا ناصر دین الله، السلام علیک یا ابن امیر المومنین، السلام علیک یا ناصر الحسین الصدیق، السلام علیک یا شهید ابن الشهید، السلام علیک منی ابدا ما بقیت و صلی الله علیٰ محمد و آلہ وسلم۔ ''ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، اے ناصر دین خدا سلام ہو آپ پر اے فرزند امیر المومنینؑ سلام ہو آپ پر اے ناصر حسینؑ صدیق، سلام ہو آپ پر اے شہید و فرزند شہید، ہمارا سلام ہو آپ پر دائمی، درود و سلام محمدؐ و آل محمدؐ آپ پر اللہ کا۔

زیارت قبر مطہر جناب عباس علمدارؑ

محمد رضا مرچنٹ ساکن ۱۵/۱ اے اسٹریٹ فیز V، ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی کراچی کا بیان ہے کہ میں نے ایک ویڈیو کیسٹ میں بے نظیر بھٹو اور آصف زرداری کو قبر مبارک جناب عباس علمدارؑ میں جاتے دیکھا تو مجھے بھی دلی خواہش ہوئی کہ میں کسی صورت قبر مطہر جناب عباسؑ کی زیارت کا شرف حاصل کروں۔ لہٰذا میں نے اس خواہش کی تکمیل کے لیے نماز حضرت ام البنین سلام اللہ علیہا پڑھنا شروع کی۔ یہ ۲۹ راکتوبر ۱۹۹۷ء کا واقعہ ہے جب ہم کربلا معلی پہنچے اور حاجت کی برآوری کے لیے حرم حضرت امام حسین علیہ السلام اور حضرت عباس علمدارؑ میں نماز حضرت ام البنین پڑھتا رہا اور پروردگار عالم کو حضرت ام البنین سلام اللہ علیہا کا واسطہ دیکر دعا کرتا رہا کہ مجھے اور ''انجم'' کو قبر مبارک جناب عباس علیہ السلام کی زیارت نصیب ہو۔

بروز جمعرات ۳۰ را کتوبر ۱۹۹۷ء کو بعد نماز فجر ہم نے حرم حضرت عباسؑ میں وہاں متعین خدام سے التجا کی کہ کسی بھی صورت ہمیں حضرت عباس علمدارؑ کی قبر مبارک کی زیارت کرائی جائے۔ خدام نے قبر مطہر حضرت عباس علمدارؑ تک رسائی کو ناممکن بتایا۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اندر جانے کے دروازے کی چابی بغداد میں کسی ''بڑے صاحب'' کی تحویل میں ہے۔ لہٰذا یہ کوشش عبث ہے۔ خدام سے گفتگو کے دوران ''انجم'' نے بے نظیر بھٹو کا حوالہ دیا کہ وہ کیسے اندر گئیں جس کے جواب میں خدام نے کہا۔ آپ بے نظیر بھٹو ہیں؟ ہم بہت افسردہ ہوئے اور حرم پاک میں ایک جگہ بیٹھ گئے۔ کچھ ہی دیر بعد ایک انجانے صاحب جو شاید ہماری گفتگو سن رہے تھے۔ ہمارے پاس آئے اور کہا فلاں جگہ جا کر فلاں صاحب سے ملیں، وہ انشاء اللہ آپ کو قبر مطہر تک پہنچا دیں گے، ان کی بتائی ہوئی جگہ ہم ان صاحب سے ملے۔ انہوں نے کچھ شرائط پر ہمیں ایک صاحب کے ہمراہ روانہ کیا۔ وہ صاحب اپنے ہمراہ ایک اور شخص اور ہمیں لے کر حرم کے صحن میں ایک دروازے کے پاس آئے جو کہ چاندی کا بنا ہوا تھا۔ انہوں نے اپنے ہمراہی کو حکم دیا کہ دروازے کو چابی سے کھولا جائے۔ دروازہ کھولا گیا، انجم اور وہ دونوں صاحبان اندر داخل ہوئے، پھر دروازے کو فوراً اندر سے بند کر دیا گیا۔ حرم میں موجود بہت سے لوگوں نے آنے کی کوشش کی جنہیں روک دیا گیا۔

چاندی کے دروازے کے اندر فرش پر لوہے کی ایک جالی کا دروازہ بنا ہوا تھا جس پر ایک تالا لگا ہوا تھا۔ ان صاحب نے اس تالے کو کھولا اور چاندی کے دروازے کو اوپر کیا، اندر کی جانب ایک ماربل کی سیڑھی بنی ہوئی تھی۔ ان صاحب نے اپنا عمامہ اور چوغہ اتارا اور اسے اپنے ہمراہی کے حوالے کیا اور خود سیڑھی سے نیچے اترنے لگے۔ مجھے اور انجم کو بھی نیچے اترنے کے لیے کہا۔ اس طرح وہ صاحب ان کے پیچھے میں اور میرے پیچھے انجم سیڑھی سے نیچے اترے۔ ان صاحب کے ہمراہ جو شخص تھا وہ اوپر لوہے کے دروازے کے پاس ہی کھڑا رہا۔ سیڑھی ختم ہونے پر جو کہ تقریباً سات آٹھ اسٹیپ تھی ٹخنوں کے کچھ اوپر تک پانی بھرا ہوا تھا۔ جوں جوں ہم آگے بڑھتے گئے، پانی گہرا ہوتا چلا گیا۔ کچھ دور جانے کے بعد ایک دیوار آگئی جو کہ اونچائی میں کمر تک تھی۔ ان صاحب نے اس دیوار کو پھلانگا اور ہمیں ہاتھ پکڑ کر پھلانگنے میں مدد کی اب پانی کمر سے اونچا ہو گیا تھا۔

وہ صاحب آگے بڑھتے رہے اور ہم ان کے پیچھے پیچھے چلتے رہے کچھ دور جا کر وہ دائیں جانب مڑ گئے اور ہمیں ہاتھ پکڑ کر نیچے اتارا اب پانی کافی گہرا ہو گیا تھا۔ ہم ایک سرنگ میں داخل ہو گئے تھے جس میں سیدھا

کھڑا نہیں ہوا جا سکتا تھا۔ لہٰذا ہم جھک کر ان صاحب کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ یہاں یہ بتلانا ضروری ہے کہ لائٹ کا کوئی انتظام نہ تھا۔ ان صاحب کے ہاتھ میں ایک موم بتی اور ہمارے پاس ایک ٹارچ تھی جس کی مدد سے ہم آگے بڑھ رہے تھے اور اب پانی تقریباً سینے کی اونچائی تک پہنچ گیا تھا۔ جس میں چلنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔ ان صاحب نے میرا ہاتھ تھاما اور میں نے انجم کا، اس طرح ہم تینوں کچھ دیر آگے بڑھتے رہے اور اب پانی بھی اونچا ہو گیا تھا کچھ دور پر قبر مطہر نظر آئی اور وہ صاحب جھک کر وہاں داخل ہوئے۔ ان کے پیچھے میں کھڑا رہا اس سے زیادہ کی گنجائش نہ تھی۔ قبر مطہر پر ایک نیلی پھولوں والی اور ایک پلین ٹائل لگی ہوئی تھی۔ ان صاحب نے موم بتی رکھ دی۔ (یہاں پر میں یہ بتلانا بھول گیا کہ سرنگ میں داخل ہوتے وقت ان صاحب نے "اذن دخول" پڑھنا شروع کی تھی اور ہمیں بھی ساتھ ساتھ پڑھنے کو کہا تھا) اور زیارت پڑھنا شروع کی۔ دوران زیارت وہ پانی قبر پر ڈالتے رہے اور منہ اور ہاتھوں پر بھی ڈالتے رہے، اسی طرح ہم نے بھی کیا۔ دوران زیارت وہ اپنے سر کو بھی پیٹ رہے تھے اس کے بعد وہ تھوڑا سا باہر آئے اور مجھے اور انجم کو قبر مطہر پر سلام پہنچانے کے لیے کہا اور باب الحوائج کے واسطے سے اپنی حاجات طلب کرنے کو کہا۔ ہم نے قبر مطہر کو بوسہ دیا، پیشانی سے رگڑا، ہاتھوں سے تھامے کھڑے رہے اور بارگاہ حضرت ابوالفضل العباسؑ میں شکریہ ادا کرتے رہے، اس بے پناہ عزت افزائی کے لیے جو کہ ہمیں اس بارگاہ سے عطا ہو رہی تھی۔

اس کے بعد انہوں نے کہا جہاں ہم کھڑے ہیں وہ پائنتی ہے، اب ہم مولا عباسؑ کے سرہانے چلیں گے۔ اس طرح ہم ان کی معیت میں مولا عباسؑ کے سرہانے کی طرف آئے، سرہانے سے انہوں نے خاک پاک اٹھائی اور اپنے چہرے پر مل لی اور کچھ عربی میں پڑھتے رہے۔

اس کے بعد ان کی معیت میں ہم نے قبر مطہر کا طواف کیا پورا طواف گہرے پانی میں کیا گیا۔ قبر مطہر کے قریب سے پوری بوتل پانی کی بطور تبرک حاصل کی۔ یہاں پر یہ بتانا ضروری ہے کہ پانی بالکل ٹھہرا ہوا تھا۔ اس کا رنگ انتہائی صاف اور شفاف تھا۔ پانی میں کسی قسم کی کوئی چکناہٹ نہ تھی اور نہ ہی کسی قسم کی بو تھی۔ پھر ان صاحب نے کہا کہ آپ کا وقت ختم ہو گیا۔ اب واپس چلیں۔ لہٰذا ان ہی راستوں سے ہوتے ہوئے ہم لوہے کی جالی کے دروازے تک پہنچ گئے، لوہے کی جالی کو تالا لگانے کا شرف مجھے دیا گیا۔ ان صاحب نے موم بتی بھی بطور تبرک مجھے دے دی۔ ہم پانی میں پوری طرح بھیگ چکے تھے، اس کے بعد وہ چاندی کا دروازہ کھولا گیا اور صحن حضرت عباسؑ میں پہنچ گئے وہاں موجود لوگوں نے ہمیں گھیر کر ہمارے کپڑوں کو اپنے ساتھ ملنا شروع کیا اور جیسے ہمیں کہا گیا تھا کسی سے ملے بغیر فوراً اپنے ہوٹل میں واپس آ گئے۔

زیارت حضرت عباس علمدارؑ

اَلسَّلامُ عَلَیک یَا بْنَ اَمِیرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۞ اَلسَّلامُ عَلَیْک اَیُّهَا الْعَبْدُ الصَّالِحُ الْمُطِیْعُ لِلّٰهِ وَ لِرَسُوْلِهٖ اَشْهَدُ اَنَّکَ قَدْ جَاهَدْتَ وَنَصَحْتَ وَ صَبَرْتَ حَتّٰی اَتَاکَ الْیَقِیْنُ لَعَنَ اللّٰهُ الظَّالِمِیْنَ لَکُم مِنَ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ وَاَلْحَقَهُمْ بِدَرْکِ الْجَحِیْمِ ۞

"سلام ہو آپ پر اے فرزند امیر المومنینؑ سلام ہو آپ پر اے بندہ صالح، جس نے خدا اور رسولؐ کی اطاعت کی، میں گواہ ہوں، بیشک آپ نے دشمنان خدا سے جنگ کی اور خیر خواہی کی اور صبر کیا تا آنکہ آپ درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ لعنت ہو اللہ کی ظالموں پر جنہوں نے آپ سب پر ظلم کیا، خواہ وہ اولین امت میں سے ہوں یا آخرین میں سے۔ اے اللہ ان ظالموں کو جہنم کے نچلے درجے میں پھینک۔"

جناب مرزا محمد صابر شکیب کی دیگر تصانیف

زیرِ طبع تصانیف جناب مرزا محمد صابر شکیب

زادِ راہ مرزا صابر شکیبؔ کا یہ نعت وسلام اور منقبت پر مشتمل مجموعہ کلام ہے جو صاحبانِ مودت کے جذبات کی ترجمانی کرتا ہے۔ پاکیزہ خیالات، معرفت وحقیقت نگاری کے ساتھ سادگی، روانی اور سلاست جیسی کئی خوبیاں اس مجموعہ کلام کا خاصہ ہیں۔

سفینۃ الخیال اس مجموعہ کلام میں مرزا صابر شکیبؔ نے غزل کو پاکیزہ خیالات وجذبات کی ادائیگی کا ذریعہ بنایا ہے۔ ان کی غزلوں میں سادگی، روانی، حقیقت نگاری، خلوص اور جذبہ ہمدردی جیسی خوبیاں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

احمد بک سیلرز
ہول سیلرز اینڈ اسٹاکسٹ
718/20 فیڈرل بی ایریا کراچی، پاکستان
فون: 021-36364924, 36805931

باب الحوائج بُک سینٹر
ہول سیلرز اینڈ اسٹاکسٹ
دکان نمبر 1، کلفٹن گارڈن، نزد امام خمینیؒ لائبریری،
سولجر بازار کراچی۔ فون: 0333-2154378